بہنوں کا اپنا ماہنامہ
نومبر 2017
شعاع

انٹرویو

ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

نظمیں غزلیں

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ---- 700 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ ---- 6000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ---- 7000 روپے

مستقل سلسلے

نومبر 2017
جلد 32 شمارہ 3
قیمت 60 روپے

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ شعاع، 37 - اردو بازار، کراچی۔

رضیہ جمیل نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا - مقام: 91، بی 1 ای پی ٹی ای سی ایچ ایس سوسائٹی، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 0092-21-32766872
Email: shuaa@khawateendigest.com website: www.khawateendigest.com

دکھتے جگنو

نومبر کا شمارہ لیے حاضر ہیں۔
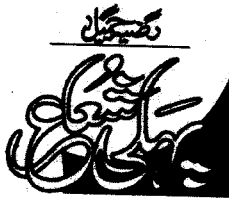
نومبر کا مہینہ آن پہنچا۔ یہ سال بھی تیزی سے اختتام کی طرف بڑھ رہا ہے۔ وقت کی رفتار تیز ہے یا زندگی تیز رفتار ہو گئی ہے کہ حالات و واقعات ٹھہر کر کچھ سوچنے کی مہلت ہی نہیں دیتے۔ رہنے سہنے "سوچ" فکر، عمل ہر چیز تیزی سے بدل رہی ہے۔ آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی ہیں، کان جو کچھ سن رہے ہیں، ان کو زبان پر لانے کی تاب و طاقت نہیں۔ ذہنی و فکری سطح پر روز بروز زوال پذیر اقدار اور اجتماعی بصیرت کی کمی سے جو منظر نامہ تشکیل پا رہا ہے وہ کسی طور امید افزا نہیں ہے۔ ایک بار پھر ہم وہیں آ کھڑے ہوتے ہیں جہاں سے بار بار گزر چکے ہیں۔ دائرے کا سفر ہے جس کا اختتام ہے نہ منزل۔

خوف، پریشانی اور انتشار کی اس کیفیت کو بڑھانے میں میڈیا کا بھی بڑا کردار ہے۔ میڈیا کا شور و غوغا تند و تیز بیانیے اور لایعنی بحث و مباحثے بڑی خوبی سے ذہنوں کو الجھانے کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ ایک نیا رجحان جو پچھلے چند سالوں سے تیزی سے پروان چڑھا ہے۔ وہ عدم برداشت کا رویہ ہے۔ گفتگو سے شائستگی کا عنصر رخصت ہو چکا ہے۔ دوسروں کا نکتہ سننے اور برداشت کرنے کی روایت ختم ہوتی جا رہی ہے۔

ہر وقت محاذ آرائی کی یہ کیفیت اور منفی سوچ ہمیں کتنا نقصان پہنچا رہی ہے' اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔

ایک ایسے وقت میں جب ہمیں بیرونی محاذ پر بہت سے چیلنج درپیش ہیں۔ ارباب اختیار کو اور ہمیں بھی سوچنا چاہیے۔ بیرونی دنیا کا مقابلہ ہم اسی صورت کر سکتے ہیں، جب اندرونی طور پر مضبوط ہوں۔

سانحہ ارتحال،

رومی انشا۔ انشاجی کے چھوٹے صاحبزادے رومی انشا اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ⁰

ابھی انشاجی کی رفیقۂ حیات کا غم تازہ ہی تھا کہ رومی انشا کی اچانک دنیا سے رخصتی کا سانحہ دلوں کو غمگین کر گیا۔ زندگی کی طرح موت بھی ایک ابدی سچائی ہے لیکن رومی انشا کی اچانک دنیا سے رخصتی ایسی حقیقت ہے جسے دل تسلیم نہیں کر پا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں، رومی انشا کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے لواحقین کو صبرِ جمیل سے نوازے۔ آمین۔

قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اس شمارے میں،

- شازیہ جمال طارق کا ناول۔ اتنی سی بات، ، سدرہ حیات کا ناول۔ کچھ خواب ہیں ان آنکھوں میں،
- سلویٰ سیف اللہ بٹ کا ناول۔ سنہری دھوپ، ، عطیہ خالد، راشدہ رفعت اور ام ایمان قاضی کے ناولٹ،
- عفت سحر طاہر کا سلسلے وار ناول "خواب شیشے کا"،
- نعیمہ ناز، منشا محسن علی، قرۃ العین سکندر، حمیرا فضا اور شازیہ الطاف کے افسانے،
- شہزاد شیخ اور حنا کا بندھن، ، معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ، دستک،
- تجھ سے ناتا جوڑا ہے، قارئین کا سلسلہ، ، پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

شعاع کا ہر شمارہ ہم پوری محنت سے ترتیب دیتے ہیں۔ آپ کے خط ہمیں بتاتے ہیں کہ ہم اپنی محنت میں کتنے کامیاب ٹھہرے۔ ہمیں خط لکھنا نہ بھولیے گا۔

حمد باری تعالیٰ

ذرے ذرے میں نہاں سحر ہے زیبائی کا
کوئی دیکھے تو تیرا ذوق خود آرائی کا

جلوہ دکھا نہ گیا حسن کی یکتائی کا
حوصلہ دیکھ لیا ہم نے تماشائی کا

ذرہ ذرہ مجھے بے تاب نظر آتا ہے
کیا کرشمہ ہے تیرے حسن کی رعنائی کا

دلِ مایوسِ تمنا کو سہارا مل جائے
کچھ اشارہ ہو میرے غم کی پذیرائی کا

خیرہ چشمی نے ہمیں کر دیا رسوا اسرار
حق ادا ہو نہ سکا ہم سے جبیں سائی کا

پروفیسر اسرار احمد سہاوری

لٹائے سجدے نہ کیوں آسماں مدینے میں
رسولِ پاکؐ کا ہے آستاں مدینے میں

قدم بڑھائے چلو رہروانِ منزلِ شوق
ہے ابرِ رحمتِ حق گلفشاں مدینے میں

درِ رسولؐ کے قدموں کی گر تلاش نہیں
تو کس کو ڈھونڈتی پھرتی ہے کہکشاں مدینے میں

قدم اٹھائے ادب سے ذرا نسیمِ سحر
ہیں محوِ خواب شہِ دو جہاں مدینے میں

مدینے جاتے ہیں پیری میں لوگ سب اختر
مزا ہے کاٹ دو عمرِ جواں مدینے میں

اختر شیرانی

ادارہ

دوسروں کو حقیر جاننا

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ایک رائی کے برابر بھی کبر ہو گا۔"

ایک آدمی نے عرض کیا: ایک آدمی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو' اس کی جوتی اچھی ہو (کیا یہ بھی کبر ہے؟)

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بے شک اللہ تعالیٰ خوب صورت ہے' خوب صورتی کو پسند فرماتا ہے۔ کبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔" (مسلم)

کسی کو جہنمی کہنا

حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ایک آدمی نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو نہیں بخشے گا۔ تو اللہ عزوجل نے فرمایا: کون ہے جو مجھ پر اس بات کی قسم کھاتا ہے کہ میں فلاں شخص کو نہیں بخشوں گا۔ بے شک میں نے اس کو بخش دیا' اور تیرے عمل میں نے برباد کر دیے۔" (مسلم)

فائدہ: بعض لوگوں کو اپنی عبادت اور زہد و تقویٰ پر گھمنڈ ہو جاتا ہے۔ جو انہیں دوسروں کی بابت بدگمانی میں مبتلا کر دیتا ہے اور وہ بڑے یقین سے اس بات کا اظہار کر دیتے ہیں کہ فلاں شخص کو تو اللہ نے کبھی معاف نہیں کرنا۔

حالانکہ یہ اللہ کی شان میں بے ادبی کا مظاہرہ اور اپنی بابت حد سے زیادہ خوش گمانی کا نتیجہ ہے۔ یہ رویہ اللہ کو پسند نہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو اس عابد و زاہد و متقی کے سارے عمل برباد کر کے اسے جہنم میں پھینک دے اور اس گناہ گار کو معاف کر کے جنت میں بھیج دے جس کی بابت یہ قسم کھا کر کہتا تھا کہ اسے اللہ معاف نہیں کرے گا۔ اس لیے انسان کو اپنی عبادت پر گھمنڈ نہیں کرنا چاہیے اور دوسروں کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔

مسلمان کی تکلیف پر خوشی کا اظہار کرنے کی ممانعت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "مومن تو بھائی بھائی ہیں۔" (الحجرات۔10)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "بے شک وہ لوگ جو اہل ایمان کے اندر بے حیائی کے پھیلانے کو پسند کرتے ہیں' ان کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے۔" (النور۔19)

نسب میں طعن کرنا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اور وہ لوگ جو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بغیر قصور کے تکلیف دیتے ہیں 'یقیناً' انہوں نے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھایا۔" (الاحزاب۔58)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"دو چیزیں لوگوں میں ایسی ہیں جو ان کے کفر کا باعث ہیں: نسب میں طعن کرنا اور فوت شدہ پر بین کرنا۔" (مسلم)

فوائد و مسائل :

1۔ یہ دونوں گناہ ایسے ہیں کہ اگر انسان انہیں حلال سمجھ کر ان کا ارتکاب کرے گا تو وہ کافر ہو جائے گا' تاہم بشری کمزوری کی وجہ سے ان کا صدور سخت کبیرہ گناہ ہے۔

2۔ نسب میں طعنہ زنی کا مطلب ہے کہ کسی شخص کو اس کی تحقیر و توہین کی نیت سے کہا جائے کہ تیرا باپ تو فلاں کام کرتا ہے' تیری ماں تو ایسی ویسی ہے یا تو جولاہا' لوہار' دھوبی اور موچی وغیرہ ہے۔ پیشوں کی وجہ سے بھی کسی خاندان یا شخص کو حقیر سمجھنا طعن فی النسب ہی کی ایک صورت ہے۔

3۔ نوحہ و ماتم (بین کرنے) کا مطلب : مردے کے اوصاف بیان کر کر کے رونا پیٹنا اور زور زور سے چیخنا اور واویلا کرنا ہے۔

جعل سازی اور دھوکا دہی کی ممانعت

مسلمان پر ہتھیار اٹھانا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص ہم پر ہتھیار اٹھائے' وہ ہم (مسلمانوں) میں سے نہیں اور جو ہمیں دھوکا و فریب دے' وہ ہم میں سے نہیں۔" (مسلم)

دھوکا دہی

اور مسلم کی ایک اور روایت میں ہے: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلے کے ایک ڈھیر پر سے گزر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا ہاتھ داخل کیا تو آپ کی انگلیوں نے تری محسوس کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

"اے غلے والے! یہ کیا ہے؟"

اس نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! اسے بارش پہنچی ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو تو نے اس (بھیگے ہوئے حصے) کو غلے کے اوپر کیوں نہ کر دیا تاکہ لوگ اسے دیکھ لیں۔ (یاد رکھ) جس نے ہم سے دھوکا کیا' وہ ہم میں سے نہیں۔"

فوائد و مسائل :

1۔ ہتھیار اٹھانے سے مراد مسلمانوں کی جماعت کے خلاف خروج و بغاوت کرنا' یا بغیر کسی وجہ کے کسی مسلمان پر تلوار' بندوق' ماؤزر اور کلاشنکوف وغیرہ اٹھانا اور اسے مار دینا ہے' جیسے آج کل بدقسمتی سے یہ دہشت گردی عام ہے۔

2۔ جعل سازی اور دھوکا دہی کی مختلف صورتیں ہیں۔ ایک معنوی ہے' جیسے باطل پر حق کا غلاف چڑھا دینا اور دوسری مادی اور ظاہری ہیں' جیسے سودے میں کوئی عیب ہو تو اسے ظاہر نہ کرنا' اچھے مال میں ردی اور گھٹیا مال کی آمیزش کر دینا' سودے میں کسی اور چیز کی ملاوٹ کر دینا تاکہ اس کا وزن زیادہ ہو جائے' اس طرح کی اور متعدد صورتیں۔

3۔ ہم میں سے نہیں کا مطلب ہے' مسلمانوں کے طریقے پر نہیں۔ اس کا یہ کردار مومنانہ نہیں' غیر مومنانہ ہے۔ اس لیے ہر مسلمان کو ہر قسم کی دھوکا دہی سے اجتناب کرنا چاہیے۔

قیمت بڑھانا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"خریداری کی نیت کے بغیر بولی میں اضافہ مت کرو۔" (بخاری و مسلم)

فائدہ : انسان کی نیت خریدنے کی نہ ہو' پھر بھی قیمت بڑھا کر بولی لگائے تو ظاہر بات ہے کہ اس سے دوسرا خریدار دھوکا کھا جائے گا اور اسے اصل قیمت سے کہیں زیادہ قیمت پر وہ چیز خریدنی پڑے گی۔ گویا یہ بھی دھوکا دہی کی ایک صورت ہے۔

ذمہ داری

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ وہ خرید و فروخت میں دھوکا کھاجاتا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس سے تو سودا کرے تو یہ کہہ دیا کر کہ دھوکا نہیں ہونا چاہیے۔" (بخاری و مسلم)

فائدہ: مذکورہ الفاظ کہنے سے مقصد ثبوت خیار کا تحقق ہے' یعنی اگر سودے میں کوئی دھوکا اور فریب ہوا تو خریدار کو سودا واپس کرنے کا حق ہو گا۔ بیچنے والوں کو بھی اس حق کا احترام کرنا پڑے گا۔

مالک کے خلاف کرنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص کسی کی بیوی یا اس کے غلام کو دھوکا دے تو وہ ہم میں سے نہیں۔" (ابوداؤد)

فائدہ: کسی کی بیوی یا غلام کو ورغلا کر خاوند اور مالک کے خلاف کر دینا اور ان کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کر کے انہیں ایک دوسرے سے متنفر کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ مومن کی شان تو اصلاح بین الناس ہے نہ کہ فساد بین الناس (لوگوں کے درمیان فساد ڈالنا۔)

بدعہدی کا حرام ہونا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اے ایمان والو! عہدوں کو پورا کرو۔"

نیز فرمایا: "عہد کو پورا کرو' اس لیے کہ عہد کی بابت پوچھا جائے گا۔"

(الاسرا۔34)

فائدہ آیات: ایک عہد تو وہ ہے جو انسان آپس میں کرتے ہیں۔ اور ایک عہد وہ ہے جو اللہ نے انسانوں سے لیا ہے کہ وہ اس کی توحید و ربوبیت کا اقرار کریں اور اس کے احکام و ہدایات کے مطابق زندگی گزاریں۔ ان دونوں قسم کے عہدوں کی پاس داری ضروری ہے اور ان میں کوتاہی پر قیامت والے دن باز پرس ہوگی۔

منافق

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"چار خصلتیں ہیں' جن میں وہ ہوں گی وہ خالص منافق ہو گا اور جس میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہو گی تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہو گی یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے:

1۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

2۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔

3۔ جب کوئی عہد کرے تو بے وفائی کرے۔

4۔ اور جب کسی سے جھگڑے تو بد زبانی کرے۔"

(بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل:

1۔ یہ منافقانہ خصلتیں ہیں' ایک مومن کو ان تمام خصلتوں سے پاک ہونا چاہیے۔

2۔ اخلاق فاضلہ کا ایمان سے گہرا تعلق ہے' جہاں ایمان ہو گا' وہاں حسن اخلاق کی بھی جلوہ گری ہو گی اور جہاں ایمان نہیں ہو گا' اخلاق کا بھی فقدان ہو گا۔

عہد توڑنا

حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"قیامت والے دن ہر عہد توڑنے والے کے لیے ایک جھنڈا ہو گا' کہا جائے گا کہ یہ فلاں کی بدعہدی (کا نشان) ہے۔"

(بخاری و مسلم)

فائدہ: غدر سے مراد عہد توڑ دینا اور اس کی پروانہ

کرنا ہے' قیامت والے دن تمام لوگوں کے سامنے ایسے عہد شکن کو ایک جھنڈا دیا جائے گا جو اس کی بدعہدی کا ایک نشان ہو گا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہر عہد شکن کے لیے قیامت والے دن' اس کی سرین کے پاس ایک جھنڈا ہو گا۔ اسے اس کی بدعہدی کے تناسب سے بلند کیا جائے گا۔ سنو! عام لوگوں کے امیر و حاکم کے عہد کو توڑنے والے سے بڑا عہد شکن کوئی نہیں۔" (مسلم)

فوائد و مسائل:

1۔ عامتہ المسلمین کے امیر سے مراد حاکم وقت (خلیفہ' بادشاہ اور حکمران) یا اس کا نائب ہے۔ اس کے عہد کو توڑنے سے مراد اس کے عہد اطاعت اور بیعت کا توڑنا اور اس کے خلاف خروج و بغاوت ہے۔ اسلام نے حکمرانوں پر تنقید کرنے اور قرآن و حدیث کی روشنی میں ان کی اصلاح کرنے کی تو تاکید کی ہے اور اس کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکو کا حکم دیا ہے' لیکن ان کے فسق و فجور یا ان کے ظلم کی وجہ سے ان کے عہد اطاعت کو توڑ دینے اور ان کے خلاف خروج و بغاوت کی اجازت نہیں دی کیونکہ اس طرح ملک میں فساد اور بدامنی پیدا ہوتی ہے جس سے حالات مزید خراب ہی ہوتے ہیں' اصلاح پذیر نہیں ہوتے۔ خلفاء و سلاطین کے خلاف خروج و بغاوت کی تاریخ کا جائزہ لینے سے بھی اس حکم کی افادیت و اہمیت واضح ہوتی ہے۔

2۔ تاریخ میں خروج و بغاوت کے جتنے بھی واقعات ہیں' ان میں سے کسی سے بھی امت مسلمہ یا اسلام کو فائدہ نہیں ہوا بلکہ نقصان ہی ہوا ہے۔ اسی طرح آج کل کی جمہوریت میں بھی جس میں حکومت وقت کے خلاف مظاہرے جمہوریت کا ایک حصہ بلکہ اس کی جان سمجھے جاتے ہیں' یہ ایک بے ثمر عمل ہے جس سے نہ حکمرانوں کی اصلاح ہوتی ہے' نہ ملک و قوم کو کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہے' البتہ توڑ پھوڑ سے لوگوں کی املاک اور قومی املاک کو نقصان پہنچتا ہے اور بعض دفعہ انسانی جانوں کا ضیاع بھی ہوتا ہے۔ اس لیے یہ سیاسی مظاہرے بھی شرعاً" محل نظر ہیں۔

3۔ اس حدیث میں حکمرانوں کے خلاف اس قسم کے اقدامات پر سخت وعید بیان کی گئی ہے' اس لیے ہمیں حکومت وقت اور حکمرانوں کی اصلاح کے لیے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکو کا فریضہ ادا کرنے کے لیے کوئی اور مناسب طریق کار وضع اور اختیار کرنا چاہیے جس میں محض تنقید برائے تنقید نہ ہو بلکہ صحیح معنوں میں خیر خواہی اور ملک و قوم کے مفادات کا جذبہ کار فرما ہو۔ یہ احتجاجی ہڑتالیں اور سیاسی مظاہرے شرعی لحاظ سے بھی غلط ہیں اور تجربات نے بھی ثابت کر دیا ہے کہ ان سے سوائے نقصان کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

4۔ عربوں میں رواج تھا کہ وہ بدعہدی کرنے والوں کے لیے بازاروں میں جھنڈے گاڑ دیا کرتے تھے تاکہ وہ بدنام اور ذلیل ہوں۔ اسی رواج کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان کی آخروی سزا کا تذکرہ فرمایا تاکہ اس جرم اور اس کی سزا کی نوعیت لوگ سمجھ سکیں۔

تین آدمی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تین آدمی ہیں جن سے قیامت والے دن میں خود جھگڑوں گا:

ایک وہ آدمی جس نے میرے نام سے عہد کیا' پھر اسے توڑ دیا۔

دوسرا وہ آدمی جس نے کسی آزاد آدمی کو بیچ کر اس کی قیمت کھالی۔

اور تیسرا وہ آدمی جس نے اجرت پر ایک مزدور حاصل کیا' چنانچہ اس سے اپنا کام تو پورا لیا لیکن اسے اس کی اجرت نہیں دی۔"

(بخاری)

فائدہ : اس میں عہدوں کو پورا کرنے، آزاد شخص کو فروخت نہ کرنے اور مزدور کو اس کی مزدوری دینے کی ترغیب ہے۔

احسان جتلانے کی ممانعت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اے ایمان والو! احسان جتا کر اور تکلیف دے کر اپنے صدقے ضائع مت کرو۔" (البقرہ۔264)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وہ لوگ جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان جتلاتے ہیں اور نہ تکلیف پہنچاتے ہیں۔ (ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، ان پر نہ تو کچھ خوف ہے اور نہ وہ اداس ہوں گے۔"

(البقرہ۔262)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تین آدمیوں سے قیامت والے دن اللہ تعالیٰ نہ کلام کرے گا، نہ (رحمت کی نظر سے) انہیں دیکھے گا اور نہ پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا۔"

راوی بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات تین مرتبہ ارشاد فرمائے۔

حضرت ابوذر نے عرض کیا: "وہ نامراد ہوئے اور گھاٹے میں رہے اے اللہ کے رسول! یہ کون لوگ ہیں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے والا، احسان کر کے احسان جتلانے والا اور اپنا سامان جھوٹی قسم کے ذریعے سے بیچنے والا۔" (مسلم)

اور مسلم کی ایک اور روایت میں ہے: "اپنی آزار کو نیچے لٹکانے والا۔" یعنی اپنی شلوار، پاجامے اور کپڑے کو تکبر کی وجہ سے ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا۔

فوائد و مسائل :

1۔ اس سے واضح ہے کہ شلوار، پاجامہ، پتلون اور تہ بند وغیرہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانا حرام ہے۔ یہ حکم مردوں کے لیے ہے۔ عورتوں کے لیے اس کے برعکس ٹخنے بلکہ پیر تک بھی ڈھکنے ضروری ہیں۔

2۔ مثل مشہور ہے "نیکی کر دریا میں ڈال" یعنی کسی پر احسان کر کے پھر اسے ہرگز نہیں جتلانا چاہیے کیونکہ اس سے نہ صرف وہ نیکی برباد ہوتی ہے بلکہ انسان عذاب شدید کا بھی مستحق ٹھہرتا ہے۔ اس لیے کسی پر احسان کرنے سے زیادہ مشکل اس نیکی کی حفاظت کرنا ہے۔

3۔ جھوٹی قسم کھانا مطلقاً" حرام ہے لیکن سودا بیچنے کے لیے گاہک کو دھوکا دینے کی نیت سے جھوٹی قسم کھانا تو اور زیادہ بڑا جرم ہے کہ اس میں دو جرم اکٹھے ہو جاتے ہیں: جھوٹی قسم اور دھوکا دہی۔

فخر کرنا اور ظلم و زیادتی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "تم اپنی بابت پاکیزگی کا دعویٰ مت کرو، تم میں سے جو پرہیزگار ہیں ان کو وہ خوب جانتا ہے۔" (النجم۔32)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "بے شک ملامت کے لائق وہ لوگ ہیں جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔" (الشوریٰ۔42)

کسی کی تکلیف پر خوشی کا اظہار

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اپنے (مسلمان) بھائی کی تکلیف پر خوشی کا اظہار نہ کرو (کہیں ایسا نہ ہو) کہ اللہ تعالیٰ اس پر تو رحم فرما دے اور تمہیں آزمائش میں ڈال دے۔" (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے: یہ حدیث حسن ہے۔)

بندھن

شہرت اسٹیج ہمراہ جناشہزاد

شاہین رشید

شوبز میں وہی کامیاب ہوتا ہے جس میں صلاحیت ہوتی ہے۔ یہ وہ فیلڈ ہے جہاں ایک بار تو پرچی کام آتی ہے، بار بار نہیں...... آج کل آپ ''شہزاد شیخ'' کو ڈراموں میں دیکھ رہے ہیں ان کے پاس ان کے والد جاوید شیخ کی ''پرچی'' نہیں ہے بلکہ ان کے پاس ان کے ٹیلنٹ کی پرچی ہے...... شہزاد شیخ ایک بہترین پرفارمر ہیں۔ آج کل آپ انہیں ''الف اللہ اور انسان'' میں دیکھ رہے ہیں۔ ''بندھن'' کے لیے ہم نے ان کا انتخاب کیا، مگر وہ تمام باتیں نہ پوچھ سکے جو ''بندھن'' کا خاصا ہیں۔ کچھ فیلڈ اور کچھ نجی لائف پر بات ہوئی کیونکہ شہزاد آج کل بہت مصروف ہیں...... اس لیے تھوڑے کو بھی بہت جانیے گا۔

''کیسے ہیں آپ؟''

''اللہ کا شکر ہے۔''

''خالی ہاتھ''، ''الف اللہ اور انسان'' اور ''محبت، تم سے نفرت'' ہے...... بیک وقت تین سیریلز آن ایر رہے...... سب سے اچھا رسپانس کس کا ملا؟''

''سب کا ہی بہت اچھا رسپانس ملا۔ ''خالی ہاتھ'' بھی بہت زیادہ پسند کیا گیا اور بقیہ دو سیریلز بھی۔''

''بڑے معصوم، بڑے ڈیلسنٹ اور بڑی محبت کرنے والے دکھائے گئے۔ ان ڈراموں میں...... اصل حقیقت کیا ہے؟''

ہنستے ہوئے...... ''کیا ان سے مختلف ہوسکتا ہوں......؟ ان کرداروں میں میری شخصیت کا بھی عکس نظر آتا ہے...... میں بھی عام زندگی میں محبت کرنے والا انسان ہوں۔''

''یہ تو ہے...... ادب سے بولنا...... دھیمے لہجے میں بات کرنا، یہ سب اچھی تربیت کا نتیجہ ہے اور تربیت میں کس کا ہاتھ زیادہ ہے، والدہ کا یا جاوید شیخ صاحب کا؟''

''میں سمجھتا ہوں دونوں کا...... مگر ماں اولاد کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ چونکہ والد صاحب زیادہ تر لاہور میں ہوتے تھے اور ہمارا ان سے ملنا چھٹیوں میں ہی ہوتا تھا، اس لیے ماں کے زیادہ قریب رہے اور ان ہی سے زیادہ سیکھا۔ والد صاحب کی بھرپور سپورٹ ملی اور مالی طور پر بھی کبھی کسی کمی کا احساس نہیں ہوا۔''

''آپ کا پورا گھرانہ شوبز سے وابستہ ہے...... اداکاری کے جراثیم تو آنے ہی تھے...... ایسا ہی ہے نا......؟''

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں، لیکن سچ بتاؤں...... اداکاری کی طرف میرا بالکل بھی رجحان نہیں تھا...... میں جب اپنے چچا سلیم شیخ کے ساتھ سیٹ پر جاتا تھا تو سوچتا تھا کہ یہ کتنا بور کردینے والا کام ہے...... کیونکہ جو اس انڈسٹری کا حصہ نہیں ہوتا اسے یہ کام بور لگتا ہے۔ ہاں شوق ہو تو پھر یہ فیلڈ بہت حسین لگتی ہے۔''

''پھر کیسے رجحان ہوا؟''

''بس پھر فلمیں بہت شوق سے دیکھتا تھا۔ شوٹ پہ جاکر شوٹ دیکھتا تھا، بیچلر کرنے کے بعد (کمپیوٹر سائنس) جاب بھی نہیں کی، بس اچانک ہی اس انڈسٹری کی طرف رجحان ہوگیا اور بس آگیا پھر اس فیلڈ میں۔''

''اچانک کس بات نے متاثر کیا کہ دوڑے چلے آئے اس فیلڈ کی جانب؟''

''جب والد صاحب کی، چچا کی اور بہروز انکل کی عزت دیکھتا تھا اور یہ دیکھتا تھا کہ لوگ ان کے اردگرد

جمع ہو کر آٹو گراف لیتے ہیں تو بہت اچھا لگتا تھا...... پھر اچانک اداکاری کے شوق نے بھی سر ابھارا تو سوچا کہ اس کو پڑھنا بھی چاہیے تو امریکا چلا گیا اور وہاں نیویارک اکیڈمی سے اداکاری کا کورس کیا...... ایک سال کا کورس تھا اور بہت محنت سے میں نے پڑھا اور کلاس میں دوسرے نمبر پر آیا۔''

''گڈ...... عموماً دیکھا ہے کہ باہر سے پڑھ کر آنے والے یہاں اس انڈسٹری میں فوری طور پر سیٹ نہیں ہو پاتے...... اس کی کیا وجہ ہے؟''

''اس کی ایک بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ یہاں کے کام کا طریقہ اور وہاں کے کام کا طریقہ بالکل مختلف ہے۔ وہاں امریکا میں اداکاری چہرے کے تاثرات سے ہوتی ہے اور یہاں اظہار کر کے جذبات کا اظہار کیا جاتا ہے۔ یعنی ہر ملک کی اپنی ایک ثقافت ہوتی ہے اور اسی انداز سے سب کچھ ہوتا ہے۔''

''تو پھر اپنے ہی ملک کی اکیڈمی زیادہ بہتر نہیں ہوتی کیا؟''

''بے شک ہوتی ہیں...... مگر ہمیں ہر طرح کی اداکاری آنی چاہیے۔ اگر کل کو مجھے ''ہالی ووڈ'' سے آفر آئے تو میرا نہیں خیال کہ مجھے کوئی مشکل پیش آئے گی۔''

''شہزاد' کچھ ساتھ ساتھ فیملی کے بارے میں بھی بات ہو جائے...... جیسا کہ آپ نے بتایا کہ آپ کی تربیت میں ماں کا زیادہ ہاتھ ہے اور ان ہی کے ساتھ زیادہ وقت گزرا...... تو یہ بتائیں کہ شادی کس کی پسند سے کی؟''

ہنستے ہوئے...... ''سچ بتاؤں...... شادی میں نے اپنی پسند سے کی، حنا سے میری ملاقات ایک شادی میں ہوئی تھی...... مجھے یہ پسند آئیں...... میں نے گھر والوں سے ذکر کیا اور سب کچھ ٹھیک ہو گیا۔ میری بیگم بنیادی طور پر ایک وکیل ہیں۔''

''کتنا عرصہ ہو گیا شادی کو؟''

''28 دسمبر 2012ء میں ہماری شادی ہوئی اور ماشاء اللہ سے میرا ایک بیٹا بھی ہے اور میرے بیٹے کا نام شاہ میر شیخ ہے اور فروری 25 2015ء میں ہمارا بیٹا اس دنیا میں آیا۔''

''بیگم کو اداکاری کا شوق نہیں کیا؟''

''نہیں جی...... دلچسپ بات آپ کو بتاؤں کہ جب ہم ساری فیملی جس میں بہروز انکل فیملی بھی ہوتی ہے ایک جگہ پر اکٹھے ہوتے ہیں اور اپنی فیلڈ پر ڈسکس

کر رہے ہوتے ہیں تو پورے فیملی میں دو لوگ بہت بور ہو رہے ہوتے ہیں ایک میری بیگم اور ایک میرا بہنوئی (مومل شیخ کا شوہر) انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہے اس فیلڈ سے......ہاں فلمیں چونکہ یہ دونوں بھی دیکھتے ہیں تو ان پر تھوڑی بہت بات چیت ہو جاتی ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ آپ کی بیگم ''حنا''

آپ کے ڈرامے بھی نہیں دیکھتی ہوں گی؟''

''ایسا نہیں ہے...... دیگر ڈرامے وہ دیکھے نہ دیکھے، مگر میرے ڈرامے وہ ضرور دیکھتی ہے اور اس پر کڑی تنقید بھی کرتی ہے۔ گھر میں وہ میرے ڈراموں کی سب سے بڑی نقاد ہے۔''

''آپ کو برا تو لگتا ہوگا؟''

''ارے نہیں...... ایسا نہیں ہے کہ وہ صرف تنقید ہی کرتی ہے جہاں اچھا لگتا ہے۔ اسے وہاں تعریف بھی کرتی ہے اور میں برا اس لیے بھی نہیں مانتا کہ اداکاری تو مسلسل سیکھتے رہنے کا نام ہے اور میری بیگم میرا برا کیوں چاہیں گی۔''

''ابھی تو آپ کا بیٹا بہت چھوٹا ہے اور ماشاءاللہ سے اور بچے بھی ہوں گے تو کیا انہیں اس انڈسٹری میں آنے دیں گے؟''

ہنستے ہوئے...... ''جب ہمارے بچے جوان ہوں گے تو پتا نہیں زمانہ کیسا ہوگا...... اس وقت کے حساب سے سوچیں گے کہ کیا کرنا ہے۔''

''بیگم مزاج کی کیسی ہیں؟''

''جیسا کہ عموماً بیگمات کا ہوتا ہے......'' ہنستے ہوئے...... ''میری بیگم مزاج کی بہت اچھی ہیں اور میری پسند ہیں تو بھلا وہ کسی سے کم کیوں ہوں گی۔''

''اور آپ مزاج کے کیسے ہیں؟''

''ہو......ں...... یہ سوال تو بیگم سے پوچھنا چاہیے تھا، لیکن انسان خود بھی اپنے مزاج سے واقف ہوتا ہے...... میں تھوڑا سا غصے کا تیز ہوں، مگر مزاج کا اچھا بھی بہت ہوں...... ہنسی مذاق میری فطرت کا حصہ ہے۔''

''گھر کے غصے اور باہر کے غصے میں فرق ہوتا ہے...... کیا آپ اس بات کو سمجھتے ہیں؟''

''بالکل سمجھتا ہوں...... گھر سے باہر مجھے ان لوگوں پر زیادہ غصہ آتا ہے جو دوسروں کی غلط رہنمائی

کرتے ہیں...... مجھے گھما پھرا کر دوسروں کو چکر دے کر بات کرنے کا طریقہ نہیں آتا ہے' اس لیے میرا دل چاہتا ہے کہ جو بھی مجھ سے بات کرے وہ صاف گوئی کے ساتھ بغیر کسی لگی لپٹی کے۔"

"شادی کے بعد اور اس فیلڈ میں آنے کے بعد آپ میں کیا نمایاں تبدیلیاں آئیں؟"

"شادی کے بعد تو کوئی خاص تبدیلیاں نہیں آئیں، البتہ فیلڈ میں آنے کے بعد خاصی تبدیلیاں آئی ہیں...... پہلے میں بہت Shy (شرمیلا) ہوتا تھا، مگر اب ایسا نہیں ہے- اب کافی بہتر ہو گیا ہوں۔"

"گھر میں لڑکیوں کے فون تو آتے ہوں گے...... بیگم کا کیا ردعمل ہوتا ہے؟"

"بیگم اس بات کو سمجھتی ہیں کہ اگر گھر میں لڑکیوں کے فون آئیں بھی تو کوئی نہیں بات نہیں ہے، لیکن ایسا ہے نہیں کہ فون آئے کیونکہ میں اس معاملے میں بھی تھوڑا Shy ہوں اور ویسے بھی میں بلاوجہ لڑکیوں سے بات نہیں کرتا...... نہ پہلے نہ اب۔"

"مگر اب تو آپ خوب صورت لڑکیوں کے ساتھ کام کرتے ہیں؟"

"جی...... وہ ڈرامے کی ڈیمانڈ ہوتی ہے اور اب تو میں اس فیلڈ میں باقاعدہ سے آ گیا ہوں تو ہر طرح کی لڑکیوں کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملے گا اور میری بیگم اس بات سے بخوبی واقف ہیں۔"

"بیگم آپ کے ڈراموں پر تنقید کرتی ہیں اور کیا گھر میں دیگر لوگ بھی کرتے ہیں؟"

"آپ کو سن کر حیرت ہوگی کہ گھر والے کوئی خاص فیڈ بیک نہیں دیتے، کوئی یہ نہیں کہتا کہ تمہارا ڈراما بہت اچھا یا بہت برا تھا اور نہ ہی میں نے خود ان سے پوچھا......"

"اس انڈسٹری میں والد کا نام تو یقیناً آپ کے لیے ایک بڑی سپورٹ بنا ہوگا؟"

"میرے والد کا بہت بڑا نام ہے اور مجھے فخر ہے کہ میں جاوید شیخ صاحب کا بیٹا ہوں...... مگر یقین کریں کہ میں نے ان کے نام کا کہیں بھی فائدہ نہیں اٹھایا، میں اگر آڈیشن دینے بھی گیا تو اپنے بل بوتے پہ...... کسی کو یہ نہیں معلوم تھا کہ میں جاوید شیخ صاحب کا بیٹا ہوں۔ بس یہ اللہ کا بڑا کرم ہے کہ اس نے مجھے کامیاب کیا۔"

"مگر اب تو سب کو پتا ہے نا؟"

"جی...... جی...... اب تو سب کو پتا ہے اور دلچسپ بات یہ کہ جب آڈیشن دینے گیا تو جس طرح عام لوگوں کے ساتھ آڈیشن کے دوران بہت کچھ ہوتا ہے میرے ساتھ بھی ہوا، لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ میں جاوید شیخ صاحب کا بیٹا ہوں تو پھر سب نے بہت معذرت کی۔ تب میں نے انہیں کہا کہ میرے والد بھی اپنی محنت سے آگے بڑھے تھے اور ان ہی کا یہ سبق ہے کہ انسان کو اپنی محنت سے آگے بڑھنا چاہیے اور یہ بھی سبق میرے بزرگوں کا پڑھایا ہوا ہے کہ کبھی اپنے اندر "میں" کو نہ لانا...... کیونکہ جس دن آپ کے اندر "میں" آ گئی اس دن آپ ختم ہو جائیں گے۔"

"گھر میں انسان کے ساتھ کئی مسائل ہوتے

ہیں جس کی وجہ سے وہ الجھن کا شکار ہوجاتا ہے۔ کبھی گھر کی وجہ سے اپنی فیلڈ میں ڈسٹرب نہ ہوئے؟"

"اس فیلڈ میں اپنا 100 فیصد دکھانے کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے گھر میں سکون و اطمینان ہو اور آپ کی زندگی میں کوئی بہت زیادہ الجھن نہ ہوں اور اللہ کا بہت شکر ہے کہ میں اپنی اندرونی اور بیرونی زندگی کو بڑے توازن کے ساتھ لے کر چلتا ہوں...... یہی وجہ ہے کہ میں اپنے کام پہ فوکس آسانی کے ساتھ کرلیتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ گھریلو زندگی کو پرسکون رکھنے میں عورت کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے اور "حنا" اس بات کو بخوبی سمجھتی ہے۔"

"آپ میڈیا میں رہ کر سوشل نہیں ہیں...... اس کی کیا وجہ ہے عادتاً ایسے ہیں۔ یا بیگم کی وجہ سے؟"

"میں نے آپ کو بتایا نا کہ میں مزاجاً خاموش طبع انسان ہوں اور ویسے بھی میڈیا سے تھوڑا دور رہنا چاہتا ہوں کیونکہ اس وقت میں جو لائف جی رہا ہوں بہترین ہے...... اپنے کام سے کام رکھتا ہوں اور بس۔ مجھے سوشل ہونا پسند نہیں ہے۔"

"اب تک جن خوب صورت خواتین کے ساتھ کام کیا، ان میں سب سے اچھی کیمسٹری کس کے ساتھ رہی اور کوئی فنکارہ جس کے ساتھ کام کرنے کی بہت خواہش ہو؟"

"جن کے ساتھ لگن و محنت کے ساتھ کام کرو کیمسٹری بن جاتی ہے۔ اس فیلڈ کی ساری خواتین میرے لیے قابل احترام ہیں اور جس فنکارہ کے ساتھ کام کرنا چاہتا ہوں وہ "ماہرہ خان" ہیں۔ وہ ایک بہت اچھی آرٹسٹ ہیں۔"

"محبت تم سے نفرت ہے" کے بارے میں کیا رسپانس ہے۔ آپ کو اپنا کردار کیسا لگ رہا ہے؟"

"بہت اچھا رسپانس ہے۔ خلیل الرحمن قمر کا سیریل ہو اور پسند نہ کیا جائے...... ممکن نہیں ہے اور

یہ بھی میرے لیے بڑے اعزاز کی بات ہے کہ خلیل الرحمن قمر نے میری پرفارمنس دیکھ کر مجھے فون کیا کہ "بیٹا مجھے یقین نہیں تھا کہ تم اتنی اچھی اداکاری کر سکتے ہو۔" انہوں نے میری کافی تعریف کی۔"

"اور کچھ کہنا چاہیں گے؟"

"جی...... صرف یہ کہ ان شاء اللہ آپ مجھے چند سالوں میں بہ حیثیت ہدایت کار بھی دیکھ سکیں گے۔ کیونکہ ڈراما بھی کرلیا، فلمیں بھی اور ماڈلنگ بھی...... اب ڈائریکشن کی طرف آنا ہے۔"

"ان شاء اللہ!"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے شہزاد شیخ سے اجازت چاہی۔

خط بھجوانے کے لیے پتا
ماہنامہ شعاع۔37۔ اردو بازار، کراچی۔
Email: shuaa@khawateendigest.com

آپ کے خط اور ان کے جواب لیے حاضر ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو عافیت و سلامتی کے ساتھ زندگی کے ہر قدم پر کامیاب و کامران رکھے۔ آمین۔
ہم سب کو اور ہمارے پیارے وطن کو اپنوں اور غیروں کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین۔
اب آتے ہیں آپ کے خطوط کی طرف۔
پہلا خط سرگودھا سے بلقیس ریاض کا ہے' لکھتی ہیں۔

یہ لفظوں کی شرارت ہے' سمجھ کر کچھ بھی لکھنا تم
محبت لفظ ہے لیکن؟ یہ اکثر ہو بھی جاتی ہے

میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں آپ کو کس رشتے سے پکاروں؟ شاید آنٹی یا باجی! بس یہی کہوں گی کہ ہمارا اور آپ کا بہت احترام کا رشتہ ہے۔ اور آپ سے دل کا رشتہ ہے۔ 6 سال پہلے تک ہم بھی لکھاری تھے پھر شادی ہوئی تو جیسے سب چھوٹ گیا۔ جواب عرض میں لکھتی رہی' بارہا دل کیا کہ کبھی شعاع میں بھی لکھوں لیکن پھر ہمت نہ پڑتی کہ ہمیں شعاع ہمیشہ سے ہی بلند معیار کا لگا کرتا۔ ویسے میں شعاع کو گیارہ سال سے مسلسل پڑھ رہی ہوں۔

سب سے پہلے ناول' جو زیادہ تر مجھے اچھی ہی لگتی ہے پھر حمد و نعت سے دل کو شاد و آباد کیا اور ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں ہمیشہ ہی بہت پیاری بہت منفرد لگتی ہیں۔ میں حیران ہوتی ہوں اتنا جامع اور واضح مواد ہر دفعہ منفرد آپ کہاں سے لیتی ہیں' دل کو چھو لیتی ہیں۔

"قراقرم کا تاج محل" ہمیشہ مجھے یاد رہے گی یہ میرے دل نقش ہے' کنیز نبوی کی کہانیاں بہت منفرد لگتی ہیں۔ اب کچھ عرصہ سے غائب ہیں۔ فرزانہ کھرل اچھا اضافہ ہیں' سنیعہ عمر چھوٹی بات میں بڑا پیغام دے جاتی ہیں اور عطیہ خالد کا "دل کے رشتے" یادگار ہے۔ باتوں سے خوشبو آئے بہترین سلسلہ' بندھن اور دستک سلسلے دلچسپ ہیں' پلیز نعمان اعجاز اور ان کی مسز کا انٹرویو شائع کریں' اشعار غزلیں ہمیشہ سے ہی مجھے بہت پسند ہیں۔

حاصل گفتگو یہی رہا کہ شعاع ایک مکمل ادارہ ہے سیکھنے کا اور تربیت کا۔ اس کا معیار بہت بلند ہے اور ایسا ہی رکھیے گا۔ ماشاء اللہ آپ کے لیے اتنا کہوں گی کہ آپ کا دل بہت پیارا ہے۔ جو بہت اچھے انداز میں آپ بات کرتی ہیں۔ اور ہاں جنید انصار کا آرٹ لاجواب ہے ان کا نام نہ بھی پڑھوں تو پتا چل جاتا ہے یہ ان کی بنائی ہے۔

ج : پیاری بلقیس! شعر کا انتخاب بہت خوب ہے۔ جب محبت ہو سکتی ہے تو پھر کسی رشتے کی الجھن میں پڑے بغیر محبت کا رشتہ کیوں نہ قائم کیا جائے۔ ہمارے آپ کے درمیان دوستی کا محبت کا رشتہ ہے۔ جو عمر اور تکلفات کا پابند نہیں ہوتا۔ دوست' دوست کا آئینہ ہوتا ہے۔ دراصل ہمارے پڑھنے والے خود بہت پیارے دل کے مالک ہیں اسی لیے انہیں ہم بھی اپنے جیسے لگتے ہیں۔ اور کسی زمانے میں رائٹر جانی جاتی تھیں تو اب بھی لکھیں۔ لکھائی تو آپ کی بہت خوب صورت ہے۔ کہانی لکھ کر بھجوائیں۔

حویلی لکھا سے زونیرا خاں لکھتی ہیں۔

سب سے پہلے عفت سحر کا ناول پڑھتی ہوں۔ خوب صورت بننے نے مجھے آئی میک اپ کا سلیقہ سکھا دیا۔ اس

معاملے میں میں بڑی پریشان تھی جو ایک چیز مجھے اتنی اچھی نہیں لگتی وہ موسم کے پکوان ہیں۔ زیادہ وقت پڑھائی میں گزرتا ہے۔ تھوڑا سا اپنا تعارف میں ایم اے انگلش کی اسٹوڈنٹ ہوں۔ میں اپنی تحریر بھیجنے کی گستاخی کر رہی ہوں۔ اگر اللہ آپ لوگوں کے دل میں رحم پیدا کرے تو ایک بھول سمجھ کر شائع کر دینا۔ اس کے بعد حتمی فیصلہ قارئین کریں گی کہ میں کس طرح کی رائٹر ہوں۔

ج : پیاری زونیرا! کہانی شائع کرنی ہے یا نہیں اس کا فیصلہ ہم قارئین کی پسند کو سامنے رکھ کر کرتے ہیں۔ آپ انگلش کے ساتھ ساتھ تھوڑی سی اردو بھی سیکھ لیں پھر کہانی لکھیں۔ بہتر یہی ہے کہ فی الحال آپ اپنی پڑھائی پر توجہ دیں۔

سونیا ربانی نے موڑہ دھمیال سے لکھا ہے۔

چار سال کا عرصہ '2 نومبر 2012ء کو شادی پھر 5 اگست 2014ء کو ولید کی آمد' سر پہ بہت سے کام اور بھری سسرال؟ سچ بتاؤں تو 'خواتین اور شعاع میں پڑھے گئے ناول میرے بڑے کام آئے۔ ورنہ چار لوگوں میں سے اٹھ کر اتنے بڑے خاندان میں جگہ بنانا مشکل تھا۔ چلیں اگر سونیا ربانی یاد ہے' تو جگہ دے دیں اور ہاں شعاع کا وہ سلسلہ شعاع کے ساتھ ساتھ ختم کر دیا گیا؟

ج : پیاری سونیا' طویل عرصہ کے بعد آپ کو محفل میں دیکھ کر خوشی ہوئی۔ جیسے دستک پر دروازہ کھولیں تو کوئی پرانا دوست کھڑا نظر آئے۔ ہم آپ کو کیسے بھول سکتے ہیں چار سال اتنی بھی طویل مدت نہیں کہ پرانے دوستوں کو بھول جائیں۔ اب باقاعدگی سے شرکت کرتی رہیے گا۔
شعاع کے ساتھ ساتھ سلسلہ بند نہیں کیا۔

صائمہ امیر نے جوہر کالونی سرگودھا سے لکھا ہے

افسانے سب ایک سے بڑھ کے ایک تھے۔ "سرخ آندھی" نے ہلا کے رکھ دیا۔ ایمل رضا نے ماضی اور حال کی خوب صورت الفاظ سے ترجمانی کی۔ افسانہ "اطمینان" "وڈا کھیل" سے تھوڑا سا مماثلت رکھتا تھا۔ اب آجاتے ہیں یہ جو "ریگ دشت فراق ہے" کی جانب 'خوب صورت آغاز تھا لیکن کہانی میں بہت جگہ میں روئی ہوں۔ سمیرا حمید کے بارے میں کہنا ہے۔ "کیا کوئی اتنا اچھا بھی لکھ سکتا ہے۔"

ج : صائمہ! آپ ہماری سرزنش سے نہ ڈریں۔ اگر آپ میں صلاحیت ہے تو ضرور لکھیں۔ سمیرا کے لیے ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ ان کی یہ صلاحیت اللہ کی ودیعت کردہ ہے اور ان کی محنت اور کوشش نے اس صلاحیت کو جلا بخشی ہے۔

ارم کمال فیصل آباد سے شریک محفل ہیں 'لکھا ہے۔

اس دفعہ ٹائٹل پسند نہیں آیا۔ مرجھایا سا تھا خبرناک کی میزبان زونیرا زونی شاہ سے ملاقات پرلطف رہی۔ جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے میں ث 'و' ب کے حالات نے دل کو غم سے بھر دیا۔ افشیں نعیم "انت بھلا سب بھلا" ایک ہنستی مسکراتی تحریر رہی جس نے سر کے درد میں کافی کمی کی۔
"خط آپ کے" کی ہی کوثر خالد سے مل کر دل باغ باغ ہو گیا۔

ج : پیاری ارم! یاد تو انہیں کیا جاتا ہے جنہیں بھلا دیا گیا ہو۔ ہمیں اپنے تمام قارئین یاد رہتے ہیں اور اگر چار چھ مہینے وہ ہمیں خط نہ لکھیں تو تشویش بھی ہوتی ہے۔ پر کیا ہے کہ جیسے ہمارے بیشتر قاری خاموش رہتے ہیں' اسی طرح ہم بھی خاموشی پسند ہیں۔ بس اور کوئی وجہ نہیں۔

فاخرہ بتول موڑہ دھمیال سے شریک محفل ہیں لکھتی ہیں

شعاع سونیا بھابھی لے کر آئی تھیں اور اب اکثر فارغ وقت میں میرے ہاتھ میں پایا جاتا ہے۔ شعاع کا ہر سلسلہ اپنی مثال آپ ہے۔

ج : پیاری بتول! صفحات پر جگہ ملے نہ ملے ہمارے دل میں آپ کے لیے بڑی جگہ ہے۔ آپ جلدی نہیں پڑھ سکتیں تو کوئی مسئلہ نہیں آرام سے پڑھ کر آرام سے تبصرہ بھیجا کریں۔ آپ کے دل کی بات ہمارے دل تک پہنچ جائے گی اتنا کافی نہیں؟

ہما فاروق نے گوجرانوالہ سے لکھا ہے

آپی آپ سے پوچھنا تھا کہ اب سائرہ رضا نے نوال والی کہانی کا اگلا حصہ نہیں لکھنا باقی صائمہ اکرم کا شہزاد بہت عمدہ ہے؟ "شعاع" کے تمام افسانے اور ناولٹ بہت اچھے ہیں۔ آپی میں نے پچھلے ماہ "جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے" میں اپنا تعارف بھیجا تھا۔ کیا وہ آپ کو پسند نہیں آیا؟ اور

ردی کی ٹوکری کی نذر ہوگیا ہے۔

ج : ہما! سائرہ فی الحال حسن المآب لکھ رہی ہیں۔ اس کے بعد وہ ناول والی کہانی لکھیں گی۔
جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے کے لیے آپ کی تحریر باری آنے پر شائع ہو جائے گی۔

سیما سحر نے ڈنگہ سے لکھا ہے۔

"جب تجھ سے ناتا" میں پہلے پڑھتی تھی اب نہیں پڑھتی کیونکہ مجھے تو اب شادی کے نام ہی سے خوف آتا ہے ہائے کیا دن تھے جب گڑیا کی شادی کرواتے خوش ہوتے 'اب تو گڑیا کو گڈے سے الگ کر کے رکھا ہے (اب یہ مت سمجھیں کے میں بہت بوڑھی ہوں۔ میں صرف 17 سال کی ہوں) زنیرہ سے ملاقات مزہ نہیں دے سکی' بندھن شکر خدایا 'نہیں تھا مجھے تو بالکل نہیں پسند' آپ لوگ ان کا انٹرویو کرتے ہیں جنہیں ہم جانتے نہیں ذرا نئے جوڑوں کا کریں (جیسے عائزہ خان) سلسلہ وار ناول کی تو کیا ہی بات ہے! مریم عزیز شکر ہے کہ لکھا۔
افسانوں میں ایمل رضا' شازیہ' سدرہ آپی کے افسانے پسند آئے۔ نظمیں' غزلیں بھی پسند آئی۔ "تاریخ کے جھروکے" مجھے بہت پسند ہیں۔
آپ صرف اس لیے میری خط ردی کی ٹوکری میں ڈالتے ہیں کہ میں سچ لکھتی ہوں اور نقص نکالتی ہوں؟ برائیڈل ٹائیٹل دیا کریں یا جو تھوڑے بہت سجے ہوں۔ شعاع میں کیا کوئی ہیرو مر کھپ گیا ہے جو ماڈل ایسے سادہ تھی' صبا' ارما کہتی ہیں اور بھی بہت سے رسالے ہیں تم اس کی جان نہ چھوڑنا۔

ج : پیاری سیما سحر! مست نظاروں سے سجا آپ کا یہ پہلا خط ہمیں ملا ہے۔ لکھائی تو سمجھ میں آگئی مگر نام سمجھ میں نہیں آیا۔ تعریف یا تنقید کی کوئی قید نہیں ہم تو آپ کی رائے کے منتظر رہتے ہیں جو آپ بے دھڑک ہمیں لکھ کر بھیج سکتی ہیں اور سچ کے قدر دان تو ہم ہمیشہ سے ہیں۔ مگر ایسا سچ بولنے سے گریز کرنا چاہیے جس سے کسی کا دل دکھے اس سے اچھا تو وہ جھوٹ ہے جو امن اور صلح کے لیے بولا جائے۔ آپ کا بے ساختہ اور بے تکلف انداز بہت اچھا لگا۔
اور بھئی صبا' ارما کون ہیں۔ ان سے کہیں وہ ایک بار شعاع پڑھیں پھر وہ بھی اس کو پڑھنا نہیں چھوڑیں گی۔

صدف شکیل چودھری نے ضلع وہاڑی سے شرکت کی ہے لکھتی ہیں۔

ڈائجسٹ ملتے ہی گویا یک لخت طویل انتظار کی سولی کی پیدا کردہ اداسی جیسے وصل کی سرشاری میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ صبر کی صلاحیت زندگی کی طرح اپنا وجود گنواتی جا رہی ہے اور پھر معاملہ اس قدر صورت حال اختیار کر لیتا ہے کہ ہر بار ایک نیا امتحان سر اٹھائے کھڑا ملتا ہے۔ اور پھر شعاع میرے لیے بہترین ٹانک ہے۔ سب سے پہلے ذکر کروں گی "خواب شیشے کا" عفت سحر طاہر نے ایسا سحر طاری کیا کہ نہ پوچھیں۔ صائمہ اکرم چودھری تو ویسے ہی لفظوں میں جان ڈال دیتی ہیں۔ جب بھی لکھتی ہیں چھا جاتی ہیں۔ باقی سب ہی سلسلے بھی بہترین ہوتے ہیں۔ میں ایمل رضا' سائرہ رضا اور سمیرا حمید اور عنیزہ سید کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہے یہ بہت اچھا لکھتی ہیں۔ رسالہ ہر لحاظ سے بہترین ہے۔

ج : پیاری صدف! دس سال کی خاموشی کے بعد آپ نے شعاع کی محفل میں شرکت کی بہت شکریہ۔ زندگی نام ہی امتحان کا ہے۔ پوری زندگی آزمائش ہی تو ہے۔ صبر کی صلاحیت عمر کے ساتھ بڑھتی ہے۔ کم نہیں ہوتی۔

زینب شہزادی نے گوجرانوالہ سے لکھا ہے۔

اس ماہ کا شعاع پورا کا پورا بہت ہی اچھا تھا۔ مجھے بس فرزانہ کھرل سے یہ کہنا تھا کہ پلیز پلیز جو کردار جملے ادا کر رہا ہوتا ہے اسے واضح کریں۔ فرزانہ جب بھی لکھتی ہیں بہت اچھا لکھتی ہیں۔

ج : پیاری زینب! آپ کا پیغام ان سطور کے ذریعے فرزانہ کھرل تک پہنچا رہے ہیں۔

اسماء گل مغل نے کوٹ مبارک سے لکھا ہے

"تجھ سے ناتا جوڑا ہے" بہت ہی خوب صورت عنوان ہے۔ میں ہر بار ضرور پڑھتی ہوں۔ سلسلے وار ناولز اچھے جا رہے ہیں۔ سنہری دھوپ الیاس احمد اور عمر دونوں برے انسان ہیں۔ شعاع میری باجی لیتی ہیں اور پہلے میں پڑھتی ہوں۔ اب ان کی شادی ہو رہی ہے اور بہت سارے کام ہیں۔

ج : پیاری اسماء! آپ کی باجی کو شادی کی مبارک باد۔ زندگی کا یہ موڑان کے لیے ڈھیر ساری خوشیاں اور محبتیں لے کر آئے۔ آمین

خدیجہ رفیق نے رحیم یار خان سے شرکت کی ہے' لکھتی ہیں

میں اور شعاع خواتین 1984ء سے اکٹھے ہیں۔ تجھ سے ناتا جوڑا" میں شرکت چاہتی ہوں پر پتا نہیں کیسے شامل ہونا ہے۔ تمام افسانے بہت اچھے لگے۔ مکمل ناول' ناولٹ سب بہت اچھے تھے۔

ج : پیاری خدیجہ! "تجھ سے ناتا جوڑا" بمع سوالات شائع ہوتا ہے۔ آپ ان سوالات کے جواب لکھ کر اسی طرح بھیج دیں جس طرح یہ خط بھیجا ہے۔ ہم نے تو پڑھا ہے کہ گھونگھریالے بال حسن کی علامت ہوتے ہیں۔ جدید و قدیم طب میں ایسا کوئی علاج موجود نہیں جو گھونگھریالے بالوں کو سیدھا کردے۔ کسی بیوٹی پارلر سے رجوع کریں۔ عارضی طور پر وہ بالوں کو سیدھا کردیں گے۔

گل ریحان چترالی لکھتی ہیں

میں صوبہ پختونخواہ کے ایک دور دراز علاقے سے تعلق رکھتی ہوں۔ یہ علاقہ پشاور شہر سے بھی 300 کلومیٹر کی دوری پر ہے۔ پشاور جانے کے لیے بھی ہمیں بارہ' تیرہ گھنٹے درکار ہوتے ہیں۔ آپی میں نے 9 کلاس سے آپ کے رسالے پڑھنے شروع کیے تھے اور یہ سفراب بھی جاری و ساری ہے۔ ڈیئر آپی کہا جاتا ہے کہ ایک کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے مگر ہمارے کامیابی کے پیچھے چار عورتوں کا ہاتھ ہے۔ ہماری نانی' امی' خالہ اور امی کی کزن' ہماری پیدائش سے لے کر دو سال پہلے تک ہماری نانی نے ماں اور باپ دونوں بن کر ہم سات بہن بھائیوں کو پالا ہے۔ نانی ہی کی بدولت ہم سارے بہن بھائی زیور تعلیم سے آراستہ ہوئے۔ پیاری آپی ہمارے کچھ بننے سے پہلے ہی ہماری نانی خالق حقیقی سے جاملی ہیں۔ میں نے اپنا قلمی سفرنانی کے نام سے شروع کیا ہے۔

ج : پیاری گل ریحان! ان چاروں باہمت خواتین کو ہمارا عقیدت بھرا اسلام۔ خواتین کو ایسا ہی ہونا چاہیے باہمت' ہمیشہ آگے کی طرف دیکھنے والی' ظلم نہ سہنے والی۔ خواتین کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ وہ سب سے پہلے "انسان" ہیں۔ باقی زندگی دھوپ چھاؤں کا نام ہے۔ اللہ آپ کی ہمت و حوصلے کو قائم رکھے اور ڈھیروں کامیابیاں عطا فرمائے۔ آمین۔

آپ کا مضمون شائع کرنے سے قاصر ہیں۔ خواتین شعاع میں اس طرح کے مضامین شائع نہیں ہوتے۔ آپ افسانے لکھیں۔

ثنا کنول نے لودھراں سے لکھا ہے

میری عمر 13 سال ہے اور میری زندگی کا سب سے بڑا خواب آپ کے شعاع میں لکھنا ہے آپ کے ڈائجسٹ میں لکھنے کے لیے بہت ہمت اور حوصلے کی ضرورت ہے۔ ہر ایک لفظ لکھنے کے بعد ریجیکٹ کیے جانے کا ڈر اگلے الفاظ ہی بھلا دیتا ہے۔

ج : ہماری پیاری ثناء! فی الحال صرف پڑھائی پر توجہ دیں اور تھوڑا وقت گزر جانے دیں۔ پھر ہمت بھی آجائے گی۔ برداشت کرنا بھی آجائے گا اور کوشش کرتی رہیں تو لکھنا بھی آجائے گا۔

صغرا شہزاد' مقدس اور سدرہ نے ڈنگہ سے لکھا ہے

میں آپ سے اتنی دور ہوں جتنی آپ کشمیر سے۔ میں کسی بھی کہانی پر تبصرہ نہیں کروں گی۔ راحت جبیں اور تنزیلہ ریاض آپ کے ہیرے تھے جو کہ گم ہو چکے ہیں۔ نمرہ احمد اور ایمل رضا تو میری جان ہیں۔ میں دسویں میں تھی جب پڑھنا شروع کیا اور اب تین بچوں کی ماں ہوں زندگی کے کتنے موسم گزرے خوشی' غم' دکھ ہر موسم میں شعاع ہمارے ساتھ رہا مجازی خدا نے کئی ڈائجسٹ نذر آتش کیے۔ ابو نے کئی مرتبہ روکا ٹوکا پر ہم ڈٹ گئے۔ ہم تین چار کزنز مل کر رسالے پڑھتی ہیں مقدس' سدرہ' عالیہ اور میں۔

ج : پیاری صغرا! ہم کشمیر سے کتنی ہی دور ہوں بہر حال کشمیر کا درد ہمارے دل میں ہے اور ہمیں یقین ہے کہ کشمیر ایک دن آزاد ہو کر اپنی اصل سے آملے گا۔ اسی طرح ہمارے قارئین خواہ وہ ہم سے کتنے ہی فاصلے پر رہتے ہوں۔ محبت اور دوستی کا ایک خاموش رشتہ بہر حال ہمارے درمیان ہے۔ کسی مخصوص شمارے پر تبصرہ ممکن نہ تھا تو کم از کم قسط وار کہانیوں پر ہی تبصرہ کر دیتیں۔ ہمیں بھی آپ کی رائے جاننا کا موقع ملتا۔ تعریفوں کے لیے شکریہ۔

فائزہ عمران نے لنڈے خیل رشکئی ضلع نوشہرہ سے شرکت کی ہے' لکھتی ہیں

لفظوں کو قلم کے نوک سے سنوارنا میرا محبوب ترین مشغلہ ہے۔ لیکن میرے الفاظ بہت چھوٹے ہیں۔ بہت بونے.... جسے بہت سر اٹھا کر ان قد آور لفظوں کی طرف دیکھنا پڑے گا جو میری پسندیدہ ترین مصنفین کے قلم سے نکلتے ہیں۔ میں اس میدان میں آگے جانا چاہتی ہوں مگر شاید میرے لفظوں میں وہ تاثیر نہ ہو جو دوسروں کے الفاظ میں ہوتا ہے۔ محسور کر دینے والا۔ جکڑے والا متاثر کن۔

ج : پیاری فائزہ! آپ نے اپنے لفظوں کو زبان دی۔ بہت اچھا کیا۔ اگر شروع میں ناکامی بھی ہو تو ہمت نہ ہاریں۔ ناکامی ہو یا کامیابی کبھی بھی مستقل نہیں ہوتی۔

آمنہ لکھتی ہیں

خط شائع ہو گیا۔ لیکن جواب میں پیاری آمنہ کی جگہ پیاری مریم لکھا منہ چڑا رہا تھا۔ (ہم بھی پیارے ہمارا نام بھی تو بدل کیوں دیا)۔

ٹائٹل گرل کا دوپٹا اور اسمائل بہت پیاری لگی۔ البتہ آنکھوں کا میک اپ بہت تھکا ہوا لگا۔ حمد اور نعت مجھے تو ہمیشہ مشکل ہی لگتی ہیں۔ کچھ فارمل نعتیں بھی شائع کر دیا کریں۔ پیاری نبی کی پیاری باتیں ہمیشہ کی طرح بہترین اور جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے۔ بھئی پیاری بہنوں اللہ کی رسی کو یوں مضبوطی سے تھام لو کہ کیا ہی کراچی کی بس میں سفر کرتے ہوئے کوئی ڈنڈے کو تھامتا ہو۔ زنیرہ زوئی کو جانتے نہیں پھر بھی اچھا گائل کر۔ دستک میں مہوش حیات اور ایمن کو پڑھ کر اچھا لگا۔ خواب شیشے کا میں مہرماہ کے ساتھ بہت برا ہو رہا ہے۔ سدرہ کا افسانہ سر پر سے گزر گیا۔

''سرخ آندھی'' ایمل رضا ویل ڈن۔ افشین کی کہانی بس ٹھیک ہی تھی۔ جبکہ حرف شکایت بہت اچھی۔ عینا نے تو واقع ہی بہت پیارا نسخہ بتایا۔ لیکن مجھے عینا کے بابا کی شعر والی نصیحت سمجھ نہیں آئی۔ پلیز اس شعر کا مطلب سمجھا دیں۔

دھن رے دھنیے اپنی دُھن
پرائی دھنی کا پاپ نہ بُن
تیری روئی میں چار بنولے
سب سے پہلے ان کو چُن

سنیعہ عمیر کی بھی کہانی اچھی تھی۔

لڑکیوں کو اپنا وقار سلامت رکھنا چاہیے۔ مریم عزیز کا ناول تھوڑا فلمی نہیں تھا؟ ''آفٹر شاکس'' اف اللہ.... یہ جو ریگ دشت فراق ہے۔ واہ جی واہ بڑی بات ہے۔ سدرہ نے بیٹے کے ساتھ مل کر بہو کو گھر سے نکالا تو اس کی سزا میں اولڈ ہوم پہنچ گئی۔ درشہوار تو بہت بدتمیز نکلی اپنے مطلب کے لیے انابیہ بے چاری کے ساتھ کیا کیا۔

تاریخ کے جھروکے ماما کا پسندیدہ سلسلہ ہے۔ ان کی خواہش ہے کہ وہ رضیہ سلطانہ کے بارے میں پڑھیں تو یہ ہماری فرمائش ہے۔ پوری کرنے کی کوشش ضرور کریے گا۔

ج : ارے ارے 'یہ تو ہماری آمنہ' پر بڑا ظلم ہوا کہ غلط نام شائع ہو گیا۔ بھئی ہم بھی بندہ بشر ہیں۔ غلطی ہو جائے تو درگزر کر دیا کریں۔ نہ حمد و نعت سمجھ میں آئیں نہ غزلیں دل کو بھائیں اور اشعار بھی ایویں.... چلیں آئندہ خیال رکھیں گے۔ آسان چیزیں دیں گے۔ جن اشعار کا مطلب آپ نے پوچھا ہے ان کی تشریح یہ ہے کہ دوسروں کے معاملات میں دخل دینے اور انہیں نصیحتیں کرنے کے بجائے اپنے کردار و عمل کی فکر کریں۔ آپ سے آپ کے اعمال کی باز پرس ہو گی۔ بہت آسان لفظوں میں سمجھایا ہے۔ ایسا نہ ہو یہ بھی سر سے گزر جائے۔ رضیہ سلطانہ کے بارے میں لکھ چکے ہیں۔ آپ کی ماما کی فرمائش پر دوبارہ شائع کر دیں گے۔

ثمینہ اکرم بہار کالونی لیاری کراچی سے شریک محفل ہیں' لکھا ہے

پورا ستمبر کا مہینہ میں نے سخت اذیت اور تکلیف میں گزارا (اپنی بیماری کے باعث) میری طرف آپ کا شکریہ واجب الادا تھا۔ عیدالاضحیٰ کے عید سروے میں اپنا نام سرفہرست دیکھ کر حیرت اور خوشی کے احساس میں گھر گئی کہ آپ لوگ اپنے قارئین کی اتنی پرانی نگارشات بھی اتنا سنبھال کر رکھتے ہیں۔ (کیونکہ تین سال سے تو ہمارے ہاں گائے کی قربانی ہو رہی ہے۔ یہ بات اس سے پہلے کی ہے) بہرحال اپنا اتنا اچھا سا لکھا ہوا سروے دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا اور بغیر سوالات کے سروے شائع کرنے کا معمہ بھی حل ہو گیا۔

ابن انشاء کی شریک سفر کی رحلت کا پڑھ کر بہت دکھ

- "حالم" نمرہ احمد کا ناول،
- "دشت جنوں" آمنہ ریاض کا سلسلے وار ناول،
- "حسن المآب" سائرہ رضا کا ناول،
- "ادھوری" نعیمہ ناز کا مکمل ناول،
- "پورب پچھم" نازیہ رزاق کا مکمل ناول،
- "حادثہ" قرۃ العین خرم ہاشمی کا ناولٹ،
- سمیرا حمید، راشدہ رفعت، ناظمہ زیدی، قرۃ العین سکندر اور سرور فاطمہ ہنی کے افسانے،
- آصف رضا میر کے صاحبزادے اور "یقین کا سفر" کا ڈاکٹر اسفندیار سے باتیں،
- صبا فیصل سے ملاقات،
- "کرن کرن روشنی" احادیث نبوی ﷺ کا سلسلہ،
- ہمارے نام، نفسیاتی ازدواجی الجھنیں، عدنان کے مشورے اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں،

خواتین ڈائجسٹ کا نومبر 2017 کا شمارہ آج ہی خریدلیں

ہوا۔ یہ بزرگ لوگ بھی سایہ شجر کی مانند ہوتے ہیں۔ 11 نومبر کو میرے عزیز از جان بیٹے "شہید معیز اکرم" کی پانچویں برسی ہے۔ سادگی کا پیکر سر پر دوپٹہ اوڑھے ماڈل میں اپنا عکس نظر آیا۔ "سنہری دھوپ" ناول کی کہانی سبک روی سے اپنے اختتام کی جانب رواں دواں ہے۔ جب ہم اپنے جائز حق کے لیے بھی آواز بلند نہ کریں تو پھر کوئی دوسرا کس طرح ہمارے حق میں بولے گا۔ دعا کی کمزوری اور بزدلی نے آخر یہ دن دکھایا ہے "خواب شیشے کا" اب اس کی کہانی پڑھنے میں مزہ آرہا ہے۔ اس میں میرا پسندیدہ کردار موحد ہے۔ مہپاہ کے لیے موحد ہی پرفیکٹ رہے گا.... نمیر آفندی کو درمیان سے نکال دیں۔

مریم عزیز کا مکمل ناول "وہ اک دریچہ کرن" سب پر بازی لے گیا۔ ناول "ریگ دشت فراق" (نادیہ احمد) کا بھی اچھا ہی تھا مگر زیادہ نہیں "شہرزاد" ناول بھی اچھا جارہا ہے۔ افسانے سب کے سب جاندار + شاندار لگے۔ "سرخ آندھی" ایمل رضا کا افسانہ، جس میں کہانی تو وہی روایتی سی تھی مگر اس میں جملے اور مکالمے لاجواب تھے۔ سنیعہ عمیر کا افسانہ "اطمینان" قناعت جیسی دولت موجود ہو تو دانا اور بے وقوف دونوں کو دل کا اطمینان نصیب ہو جاتا ہے۔ "حرف شکایت" (شازیہ جمال طارق) اس میں اچھی بہو کے اوصاف بتائے گئے۔ ریحانہ آفتاب کا افسانہ "آفٹر شاکس" میں دو بہنوں کی کہانی (جیسے اکبری، اصغری ہوں)۔ باقی کے سب افسانے بھی اچھے تھے۔

ج : پیاری ثمینہ! ہم تو لوگوں کی امانتیں اتنے سالوں تک سنبھال کر رکھتے ہیں کہ رکھوانے والے خود بھی ان چیزوں کو بھول جاتے ہیں۔ برسوں بعد یاد دلائیں کہ بھائی آپ نے یہ چیز ہمارے پاس رکھوا رکھی ہے تو وہ بھی آپ ہی کی طرح حیرت اور خوشی میں گھر جاتے ہیں اور دوبارہ سے ہمیں ہی سونپ کر خود پھر سے بھول جاتے ہیں۔ اور نمیر کو کیوں بیچ میں سے نکالیں؟ اتنی مشکلوں سے تو بچارے نے جگہ بنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ معیز اکرم کی مغفرت کرے۔ آمین۔

روبی اکرم نے جھنگ سے لکھا ہے

شعاع و خواتین اتنے خوب صورت ڈائجسٹ ہیں جیسے ایک ماں کا رشتہ خوب صورت ہے۔ اللہ پاک نے جہاں یہ نیا گھر دیا ہے۔ یہ شہر تو کیا آبادی سے بھی ہٹ کر ہے۔ سو میاں صاحب کے بھائی (جیٹھ جی) لاکھ منتیں کروانے پہ جب شہر جاتے ہیں میرے سوئیٹ شعاع کو لینے تو 18 کو دکان دار کہتا ہے آیا ہی نہیں۔ شعاع اس بار میں خود لینے چلی گئی نند آئی ہوئی تھیں ان کے ساتھ۔ ویسے بیماری کا بہانہ کر کے دوائی لینے تو معلوم ہوا کہ دوکاندار کے پاس ڈائجسٹ ختم ہو جاتا ہے۔ سو آپ مجھے بتائیں 720 روپے آپ کو ارسال کرتی ہوں تو کیا وہ اسی لفافے میں ڈال کر بھجواؤں ہر بار کیا ڈاکیا لے کر آنے کے پیسے الگ لے گا؟

سلویٰ سیف اللہ بٹ آپ نے الیاس چاچو کو سزا دے کر اور عمر کو بھی سزا دے کر ہمارے سینوں میں ٹھنڈک کا احساس بھر دیا۔ شہرزاد کے بارے بس اتنا کہوں گی کہ بڑی مزے دی اسٹوری ہے۔ عفت سحر صاحبہ مہپاہ کی مشکل آسان کردیں۔ سرورق ماڈل صائمہ انصارا اچھی ہیں۔ حمد اور نعت اور پیارے نبی کی باتیں ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔ ہماری کیوٹ مہوش حیات کو دیکھ کر پڑھ کر جی خوش ہو گیا۔ ایمن خان، منال خان بڑی ہی پیاری ہیں "جب تجھ سے ناتا جوڑا" یہ سسرال والے اکثریت ظلم زیادتی کرنے والے ہوتے ہیں بہو پر جبکہ ان کی اپنی بیٹیاں بھی ہوتی ہیں۔ جب وقت آجائے گا، بس ٹھیک ہی تھی۔ سرخ آندھی ایمل رضا آپ نے بہت اچھی اسٹوری لکھی ہے اِنت بھلا سو بھلا یہ بہت سے گھروں کی کہانی ہے۔ حرف شکایت اینڈ پڑھ کر تو مزہ ہی آگیا۔ نسخہ، عینا یوسف جیسی بہو ہر آنگن میں ہو تو زندگی خوب صورت ہو جائے۔ اطمینان ایسی نصیحت آمیز اسٹوری، ضروری ہے کچھ لڑکیوں کے لیے۔ وہ اک دریچہ کرن اتنی پیاری اسٹوری، مریم آپ نے ہمیں دی واہ۔ آفٹر شاکس بھی بہت اچھی، یہ جو ریگ دشت فراق ہے پہلے تو کہانی کو سمجھنے میں ٹائم لگا۔ تاریخ کے جھروکوں سے اس پیج کے لیے تو میں بہت مشکور ہوں آپ لوگوں کی کہ یہ میرا فیورٹ ہے۔ بیسن کے لڈو کی ترکیب دے کر میری مشکل آسان کردی۔ پلیز السی کے لڈو کی ترکیب بھی دیں جلدی۔

ج : پیاری روبی! آپ کو شعاع اتنا لیٹ ملتا ہے جان کر حیرت ہوئی جبکہ ہماری معلومات کے مطابق پہلی تاریخ کو پاکستان کے تمام شہروں میں پرچا پہنچ جاتا ہے۔ آپ کے لیے بہتر حل یہی ہے کہ آپ سالانہ خریدار بن جائیں۔ سالانہ خریدار بننے کے لیے 720 روپے منی آرڈر کرنا

ہوں گے۔ منی آرڈر فارم پر اپنا ایڈریس صاف صاف لکھیں۔ لفافے میں پیسے ڈال کر بھجوائے تو راستے میں گم ہونے کا خدشہ ہے۔ پرچا ڈاکیہ آپ کو گھر پر پہنچائے گا۔ ڈاکیے کو الگ سے پیسے دینے کی ضرورت نہیں۔ ہاں ٹھنڈا پانی یا شربت ضرور پلا سکتی ہیں کیونکہ آج کل گرمی بہت پڑ رہی ہے۔

مریم رحمانی خان پور ضلع شیخوپورہ سے شرکت کر رہی ہیں۔ لکھا ہے

میں آپ کے تینوں ڈائجسٹ بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ بلکہ میں کیا میری ساری بہنیں اور دوستیں بھی آپ کے رسالوں کو پڑھتی ہیں۔ اکتوبر کے شمارے کا ٹائٹل اچھا تھا۔ شہزاد میں، میں پہلے ہی جانتی تھی کہ رومیصہ کا شوہر ارسل ہی ہو گا جبکہ انابیہ نے اس دفعہ صحیح معنوں میں بربان کے چھکے چھڑائے۔ عفت جی پلیز مہپاہ کو کسی کنارے لگائیں۔ نادیہ احمد کی کہانی اچھی تھی۔ مریم عزیز معذرت کے ساتھ متاثر نہیں کر سکیں۔ افسانے سارے ہی اچھے تھے۔ خاص طور پر "نسخہ" اور "حرف شکایت"۔

ج : پیاری مریم! آپ نے خط لکھا، بہت خوشی ہوئی۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ امید ہے آئندہ بھی شرکت کرتی رہیں گی۔ متعلقہ مصنفین تک آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچائی جا رہی ہے۔

اقصیٰ طیب الرحمان گاؤں مونن ضلع ہری پور سے لکھتی ہیں

اس ماہ کا شعاع واہ جی واہ سب سے پہلے جب تجھ سے ناتا پڑھا۔ ذ، ڈ اور ف کے بارے میں پڑھ کر دل دکھ سے بھر گیا۔ کیسے کیسے لوگ ہیں اس دنیا میں شکر ہے میں نے ابھی تک نہیں دیکھے۔ نادیہ احمد کا ناول "ریگ دشت فراق" پہلے رباب کے ساتھ اتنی زیادتی ہوئی اور پھر بیٹی کے ساتھ اف بہت رلایا ہے اس کہانی نے۔ ایک کرن دریچہ میں مریم عزیز کے تو کیا ہی کہنے بہت زبردست۔

"انت بھلا سب بھلا" ہاہاہا بہت زبردست لکھا افشین نعیم نے۔ یہ کہانی پڑھ کر بہت مزہ آیا کیونکہ یہ کہانی میری امی نے بھی پڑھی۔ ہم اور ہنس ہنس کر برا حال تھا۔ "وہ میں نے سوچا آپ اتنے سارے لوگ ہو تو ایک دو بوٹی ڈال دی تو لڑائی نہ پڑ جائے اس لیے خالی کیا بھی آئی" اس جملے نے

بہت ہنسایا۔ اس کے علاوہ افسانے سارے ہی بہت اچھے تھے۔ دستک میں مہوش حیات اور ایمن خان بہت خوب صورت لگ رہی تھیں دونوں۔ اور جب زنیرا زونی شاہ پر جب نظر پڑی تو بے اختیار منہ سے نکلا "امی" "نوشی"۔

ج : پیاری اقصیٰ! ہماری دعا ہے کہ آپ کی زندگی میں اچھے لوگ آئیں اور آپ ایسے برے لوگ کبھی نہ دیکھیں۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

ثناء ذوالفقار۔ نورے والی رحیم یار خان سے شریک محفل ہیں

اکتوبر کا ٹائٹل کچھ خاص پسند نہیں آیا۔ اس ماہ ٹائٹل کے علاوہ باقی سارا شمارہ بیسٹ تھا۔ خاص طور پر افسانے بہت اچھے تھے۔ ایمل رضا کا "سرخ آندھی" ہو یا سنیعہ عمیر کا "اطمینان" سارے ہی افسانے بہترین تھے۔

ناولٹ "انت بھلا سب بھلا" پڑھ کر مزہ آیا اچھی تحریر تھی۔ "ایک کرن دریچہ" میں مریم عزیز نے کہانی کا اینڈ اچھا کیا۔ "ریگ دشت فراق" حال اور ماضی میں لکھی گئی اچھی اسٹوری تھی۔ "جب تجھ سے ناتا جوڑا" ز، ڑ نے اچھا لکھا تھا۔ اینڈ میں جو شعر تھا وہ بہت پسند آیا۔

ج : پیاری ثناء! خط مختصر کرنا ہماری مجبوری ہے کیونکہ ہم چاہتے ہیں اس محفل میں زیادہ سے زیادہ لوگ شامل ہوں۔ تبصرہ آپ بے دھڑک لکھیں۔ اسے مختصر کرنا ہمیں خوب آتا ہے۔ پچھلی مرتبہ آپ کے گاؤں کا نام غلط شائع ہوا۔ اس کا ہمیں افسوس ہے۔ اس ماہ تصحیح کر دی ہے۔

عائشہ انصاری لکھتی ہیں

کبھی کبھی سوچتی ہوں۔ بیٹیوں کو والدین چڑیوں کی طرح پالتے ہیں۔ اپنے گھونسلے میں انہیں پیار و تحفظ، عزت اور ایثار دیتے ہیں۔ آخر کس دل سے انہیں زمانے کا سرد و گرم اپنے نازک پروں پر سہنے کے لیے چھوڑ دیتے ہوں گے۔ وہ والدین جنہوں نے انہیں اپنی انگلیاں تھما کر ان کے ڈگمگاتے قدموں کو مضبوط کیا تھا۔ انہیں زندگی کی نئی انجان راہوں کی طرف گامزن کر کے اپنی انگلیاں کیوں چھڑا لیتے ہیں۔

بازاروں کی خاک ۔۔۔ زرق برق لباس اور نت نئے خوابوں کے پس منظر میں میری خفیہ اور خاموش

سرگرمیاں۔ جب میں بھیگی آنکھوں اور واہموں سے اٹے دل سے اپنی کتابیں 'ڈائریاں' ڈائجسٹ اور دیگر رسالے (جن میں میرے خط اور کالمز ہیں) اکٹھے کیے۔ کوچ (رخصت) کی تیاری میں ہوں۔ ایسی ہی معصوم سرگرمیوں کے دوران اکتوبر کا شعاع ہاتھ آیا تو سوچا آخری بار اور خط لکھ لیا جائے۔ پھر زندگی کے جھمیلے جانے پیچھا چھوڑیں کہ نہیں!

سب سے پہلے اپنے پسندیدہ ناول "شہرزاد" کو پڑھا۔ تجسس ہے کہ بڑھتا ہی جارہا ہے کہ آخر ہم زاد ہے کون؟ "خواب شیشے کا" ایک بہت نصیحت آموز تحریر۔ "سرخ آندھی" ایمل رضا کی بہترین (ہمیشہ کی طرح) کاوش۔ "نسخہ" حنا گل صاحبہ! جانے کیوں مجھے ایسا لگا۔ یہ تحریر آپ نے میرے لیے ہی لکھی ہو۔ (نسخہ میرے پاس محفوظ ہے) "اطمینان" نے ایک بہت ہی عمدہ اور انوکھا سبق دیا۔ کہ جو اطمینان بے وقوفوں کے پاس فطری ہوتا ہے۔ وہ عقل مند کو ٹھوکر کھا کر حاصل ہوتا ہے۔ (لاجواب)۔ "وہ اک دریچہ کرن" اور "یہ جو ریگ دشت فرق ہے" اچھی مگر عام سی کاوش۔ "آفٹر شاکس" بھی اچھی تھی۔ "حرف شکایت" سے مجھے کوئی شکایت نہیں۔ شازیہ جی! یہ لائنیں میرے دل میں گھر کر گئیں کہ "صبر درگزر اور مستقل مزاجی کے ہتھیار ساتھ ہوں۔ تو بعض معرکے بغیر لڑے بھی جیتے جا سکتے ہیں۔" (میری آئندہ زندگی کا لائحہ عمل....)

ج: پیاری عائشہ! اللہ تعالیٰ آپ کی زندگی کی اس حسین تبدیلی کو خوشیوں مسرتوں اور اطمینان سے بھر دے۔

آمین۔ ہر شخص کا اپنا نکتہ نظر ہوتا ہے۔ ہمارے خیال میں ضروری نہیں کہ عقل مند کو ٹھوکر لگے تو ہی اطمینان ملے۔ عقل مند وہی ہے جو دوسروں کی ٹھوکروں سے سبق سیکھ کر اپنا راستہ منتخب کرتا ہے۔ بات یہ ہے کہ ٹھوکر عقل مند کو بھی لگتی ہے اور بے وقوف کو بھی مگر اس ٹھوکر سے سبق وہی سیکھتا ہے جسے اللہ ہدایت دے۔

عائشہ! آئندہ زندگی کے لیے آپ کا لائحہ عمل بالکل درست ہے اور ہمیں یقین ہے کہ اگر آپ نے صبر درگزر اور مستقل مزاجی کو شعار بنایا تو ان شاء اللہ کامیاب رہیں گی۔ افسانے ابھی پڑھے نہیں گئے۔

رضوانہ شکیل راؤ نے لودھراں سے لکھا ہے

اکتوبر کا شمارہ بہت باوقار لگا۔ جی وجہ ماڈل گرل کا دوپٹے کا لینا۔ زنیرا زونی سے ملاقات سو سو تھی۔ مہوش حیات اور ایمن گفت و شنید کرتی اچھی لگیں۔ تجھ سے ناتا جوڑا میں۔ ز'ڈ کی باتیں کچھ سچ لگیں۔ خواب شیشے کا۔ مہاہ نمیر اور موحد کا فی الجھاؤ ہے۔ ایمل رضا (جی نام ہی گارنٹی ہے) کہ کہانی اچھی ہوگی۔ ویلڈن ایمل۔ مجھے کہانی کا نام بہت اٹریکٹ کرتا ہے اور ہمارا او کہتی ہے پچی میں تو رائیٹر اور کہانی کا نام پڑھتی ہی نہیں۔ لو بھلا پھر کیا پڑھا؟ شہرزاد زبردست جا رہی ہے۔ درشہوار پر غصہ آرہا ہے۔ خوامخواہ ہادی کے پیچھے پاگل۔ عزت نفس بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ "خط آپ کے" جی رونق لگی ہے محفل میں! اقراء عزیز کوثر جی کو خالہ اور فوزیہ ثمر آنٹی بول رہی ہیں۔ بھئی ہم سب بہنیں۔ ڈائجسٹ فیلو ہیں۔ دوستی کا رشتہ ہے ہم میں جیسے کلاس فیلو۔ روڈ پر ساتھ چلنے والے روڈ فیلو۔ "آرہی ہوں!" بھئی اسد اللہ آوازیں دے رہا ہے کہ پاپا سبزی لے آئے ہیں کھانا بنالو۔ آج سنڈے ہے اور اسپیشل کھانا۔ بیٹا بریانی۔ باپ سالن روٹی اور میں بے چاری سبزی۔ کیونکہ مجھے آج کل معدہ کا مسئلہ ہے۔

ج: پیاری رضوانہ! بہت افسوس ہوا کہ بریانی 'سالن روٹی بنانے کے بعد آپ کو صرف سبزی پر گزارہ کرنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت دے۔

درشہوار کی حرکتیں ہمیں بھی پسند نہیں۔ ایک لڑکی کے لیے عزت نفس سب سے پہلے ہونی چاہیے۔ ایسی بھی کیا محبت جو انسان کو ذلیل کردے۔

آنٹی 'باجی' آپا... ہمیں بھی راہ چلتے یہ رشتے بنانا پسند نہیں۔ سب سے اچھا رشتہ 'دوستی کا رشتہ۔'

تسنیم کوثر ایف بی ایریا کراچی سے لکھتی ہیں

نادیہ احمد کا ناول یہ جو ریگ دشت فراق بہت ہی اچھا لگا۔ اس کی اسٹوری نہایت خوب صورت تھی۔ اس کے برعکس مریم عزیز کا ناول وہ اک دریچہ کرن بھی اچھا ہی تھا مگر زیادہ اچھا نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس کی اسٹوری عام سی لگی۔ اور افشیں نعیم کا انت بھلا سب بھلا تو دل کو بھا گیا۔ مصنفہ نے بہترین ٹاپک پر کہانی لکھی ہے۔ ہمیں بہت پسند آئی۔ خواب شیشے کا تو جواب نہیں۔ شہرزاد کی تو کیا بات

ہے۔ لگتا ہے ساری رعنائی اور خوب صورتی اس پر ختم ہے۔ افسانوں میں حنا گل کا نسخہ زبردست رہا۔ سنیعہ عمر کا افسانہ اطمینان بھی قابل تعریف ہے۔

آفٹر شاکس بھی ہلکی پھلکی اچھی تحریر لگی مختصر مگر عمدہ افسانہ تھا اور ہاں خط آپ کے میں کوثر خالد کا خط پڑھ کر ہمیشہ کی طرح بہت اچھا لگا۔ ان کے لکھنے کا انداز خالص سچا اور معصومانہ ہوتا ہے۔ جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے۔ یہ سلسلہ نہایت اچھا جا رہا ہے۔ امت الصبور کا تاریخ کے جھروکوں پر لکھا مضمون دل کو چھو گیا۔ اسے معلوماتی خزانہ کہہ سکتے ہیں اسی طرح پیارے نبی کی پیاری باتیں کا تو جواب ہی نہیں ہے۔

ج : پیاری تسنیم! اللہ کے کرم سے خیریت ہی خیریت ہے۔ بات ہماری مرضی کی ہو تو ہم تو ساری بہنوں کے اتنے دلچسپ اور محبت بھرے خطوط بغیر کسی قطع و برید کے شائع کر دیں مگر... پرچے کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

عابدہ ظہیر عالی جہلم سے شریک محفل ہیں لکھا ہے

کیا بتاؤں ایک نشست میں پورا ڈائجسٹ پڑھا کس کی تعریف کروں اور تبصرہ.... آپ کو سمجھ آ گیا ناں.... یعنی میں پھر تسلی سے پڑھوں گی۔

ج : پیاری عابدہ! آپ نے چند سطروں میں شعاع کی بھرپور تعریف کر دی۔ ایک نشست میں پرچا ختم کرنے کا مطلب ہی یہی ہے کہ آپ نے شعاع پڑھنا شروع کیا اور اس کو اس وقت تک ہاتھ سے نہ رکھ سکیں جب تک پورا پرچا نہیں پڑھ لیا۔

عائشہ مرزا نے فیصل آباد سے لکھا ہے

سب سے پہلے "سنہری دھوپ" میں پہنچی۔ بہت اچھی قسط رہی۔ پڑھ کر مزہ آیا۔ مریم عزیز بہت اچھا لکھا۔ انس کا کردار بہت اچھا لگا۔ "ریگ دشت فراق" ویل ڈن نادیہ احمد اتنا اچھا لکھنے کے لیے شکریہ۔ "انت بھلا سب بھلا" ہنستا مسکراتا ہوا اچھا لگا جی۔ افسانے سب ہی ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ "سرخ آندھی" بہت اچھا لگا۔ "اطمینان" بہت نائس۔ باقی سب افسانے بھی پسند آئے۔ سب ہی سلسلے اچھے تھے۔

ج : پیاری عائشہ! بہت خوشی ہوئی کہ آپ کو سارا شعاع اچھا لگا۔

اقصیٰ شمس، صفدر روڈ مانسہرہ سے شریک محفل ہیں۔

سرورق بالکل متاثر نہ کر سکا۔ ماڈل کے سر پر دوپٹہ کرنے کی وجہ سمجھ میں نہ آئی۔ امی نے کہا محرم الحرام کے احترام میں لیا ہے۔ آئینہ خانے میں ضو علی کو سجاد علی کی بیٹی کے روپ میں دیکھ کر حیرت ہوئی۔ سجاد علی کی اتنی بڑی بیٹی؟ ماشاءاللہ۔ خط آپ کے پڑھ کر مزہ آ گیا۔ ثمینہ اکرم لیاری اور فوزیہ ثمر بٹ کے خطوط نہ ہوں تو یہ سلسلہ کچھ ادھورا سا لگتا ہے۔ "جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے" ہ۔ف صاحبہ ٹوائلٹ صاف کرنا صرف جمعداروں کا کام نہیں ہے۔ اس بات سے میری نسوانی انا پہ چوٹ سی پڑی ہے۔ آپ کی دوست نے آپ کے ساتھ دھوکا کیا اس دھوکے کو لے کے کڑھا نہ کریں اب سرخ آندھی کو ہی دیکھ لیں، وڈے چوہدری کا اللہ پاک نے کیا انجام کیا۔ اللہ بڑا انصاف کرنے والا ہے۔ باقی افسانے مجھے پسند نہیں آئے۔ سدرۃ المنتہیٰ کا افسانہ فضول سا لگا۔ "انت بھلا سو ہو بھلا" بھی گزارے لائق تھا۔ "ریگ دشت فراق" جیسا ناول پہلے بھی گزر چکا ہے۔ سنہری دھوپ میں عمر اور خاص طور پر الیاس چاچو کے ساتھ تو بہت ہی اچھا ہوا۔ درشہوار کا چھچھورپن مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ کوثر خالد کا شعر پسند آیا۔ آخر میں امتل جی کے لیے۔

بلبل کے منہ میں گچھا ہے انگور کا
ملنے کو جی چاہتا ہے امتل! پر رستہ ہے دور کا

مانسہرہ سے کراچی ایک پورا دن، پوری رات اور اگلا آدھا دن۔

ج : پیاری اقصیٰ! اگر یہ بکھرے ہوئے الفاظ ہیں تو موتی سے پروئے ہوئے الفاظ کن لفظوں کو کہتے ہیں؟ ماڈل اگر سجی سنوری ہو تو چمک چھلو، دوپٹا اوڑھ لے تو تشویش، سادہ ہو تو تبصرہ ہوتا ہے کیا ہیرو مر گیا ہے۔ ماڈل نہ ہوئی ملکی سیاست ہو گئی۔

ویسے تو عموماً "سب ہمیں دعائیں لکھ کر بھیجتی ہیں مگر آپ نے جو بد دعائیں لکھی ہیں، پڑھ کر مزہ آیا۔ مانسہرہ کراچی سے دور ہے تو غم نہ کریں۔ محبت کرنے والے خواہ کتنے ہی دور ہوں ان کے دل کے تار ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں۔ ہمارا بھی مانسہرہ آنا ہوا تو ہم آپ سے ملنے آجائیں گے۔

صائمہ مشتاق نے حافظ آباد سے لکھا ہے

ہک ہاہ! کی حال سناواں دل دا' کوئی محرم راز نہ مل دا۔ ایک زمانہ تھا (اب تو اس زمانے کو بیتے صدیاں گزرے لگتی ہیں) جب گرمیوں میں اچار کی پھانکوں کی چٹخارے دار خوشبو' مٹی کی سوندھی خوشبو' لمبی طویل دوپہروں کا سکون اور اس بھری دوپہر کے بعد سلونی سی شام کے مزہ سے شعاع بھرا ہوتا تھا۔ عید آتی تھی تو چوڑیوں کی چھن چھن کانوں میں رس گھولتی اور مہندی کی خوشبو سانسوں کو مہکاتی اور تو اور عید کے دن پکنے والے شیر خورمہ (جو کہ ہیروئن اپنے ہیرو کے لیے بناتی تھی) کا ذائقہ تک زبان چکھ لیتی تھی۔ خزاں میں گرنے والے پتے اور اداسی شعاع کا حسن بڑھاتی تھی اور سردی... کیا بات تھی سردی کی' اس کی دھند کی اور ٹھنڈک سے بچانے کے لیے ہیرو کی ہیروئن کو اوڑھائی جانے والی شال کی' جس کی گرماہٹ ہم پڑھنے والوں تک کو محسوس ہوتی تھی۔ شعاع کی بہار بھی تو اپنے جوبن پر ہوتی تھی۔ رنگوں سے بھری کہانیاں' زندگی میں حقیقت سے بھی زیادہ بہار لے آتی تھیں کیا دھنک سی دھنک ہوتی تھی ہک ہاہ۔

اور اب... آہ موسم بدلے' حالات' بدلے اور شعاع بھی بدل گیا۔ تہواروں میں وہ جوش نہ رہا' بہاروں میں وہ رنگینی اور سردیوں میں وہ لطافت نہ رہی۔ سچ کہہ رہی ہوں۔ اب وہ رنگ نظر نہیں آتے جو روح تک کو سرشار کر دیتے تھے۔ لیکن اب بھی... ہر بار اسی امید پہ شعاع کا در کھولتی ہوں کہ شاید... مگر دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی... عید قرباں آتی ہے تو کہانیاں گھریلو سیاستوں' مہنگے جانور لینے کی اور فریج بھرنے کی دوڑ سے بھری ہوتی ہے۔ گرمیوں میں کہانیوں میں مالٹے کھائے جاتے ہیں اور سردیوں میں ہیروئن پسینہ پسینہ کچن میں کام کر رہی ہوتی ہے۔ ہائے رے ظالم وقت... قسم سے وہ زمانے بہت یاد آتے ہیں۔ نٹ کھٹ سی لڑکیاں' میٹھی میٹھی نظروں سے تکتے لڑکے' کھٹی میٹھی شرارتیں اور چٹ پٹے کزنز کی چٹخارے دار نوک جھونک... کوئی تو جائے' انہیں ڈھونڈ لائے' بس کبھی کبھی ناسٹلیجک ہو جاتی ہیں۔ ورنہ سائرہ رضا' سمیرا حمید اور ایمل رضا کا جادو تو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ کاش میری سعدیہ عزیز آفریدی کہیں سے آجائے جو میرے دل کی بات لفظوں میں یوں پروتی ہے کہ حیراں ہو جاتی ہوں کیا اس پر میری سوچ الہام کی صورت اُترتی ہے؟ ہر بار اسے پڑھ کر یہی سوچتی ہوں۔

اب ذرا اکتوبر کے شعاع پر تبصرہ' سرورق فضول' کہنی سنی میں پہلی شعاع' ہر بار دل کو روشن کرتی ہے اور آخر میں یہ جملہ کہ شعاع آپ کے لیے ترتیب دیا ہے۔ اپنی آراء ضرور دیں' قربان جانے کو دل کرتا ہے۔

اب مریم عزیز ہوں تو کوئی کہیں اور کیوں جائے۔ کہانی پڑھی اچھی تھی۔ مصطفیٰ کائنات' اسری وصی اور ولی سوہنی جیسی بات نہیں ہوتی اب مریم جی کے ناولز میں۔ سنہری دھوپ' دلچسپ موڑ پر آگئی ہے۔ نادیہ احمد کا یہ جو ریگ دشت فراق ہے اسے اس ماہ کا بہتر ناول کہا جا سکتا ہے۔ ناول کا مرکزی خیال پرانا تھا۔ مگر پھر بھی مزہ آیا پڑھ کر۔ بار بار ایک جیسے موضوع پر جب اتنی کہانیاں لکھی اور پڑھی جا چکی ہوں تو پھر ایسے بھرے منہ سے نکل ہی آتے ہیں۔ واہ واہ! کیا ناولٹ تھا افشین کا۔ دیکھا آپ نے' کوئی نئی چیز ہو تو تعریف کرنے میں کوئی کنجوسی نہیں۔ افسانے سب ہی بے حد اچھے تھے۔ ایمل کی سرخ آندھی' نے دل دکھی کر دیا۔ ویسے ایمل جی! آپ کا ڈرامہ' فیصلہ' بہت شوق سے دیکھتی ہوں صرف اس لیے کہ ایمل نے لکھا ہے۔

"حرف شکایت" اور "نسخہ" ملتی جلتی کہانیاں تھیں کہ دونوں ہی بے حد نصیحت آموز اور دلچسپ تھیں۔ اور آپ کو بتاؤں کہ کوئی سات سال بعد میں نے شعاع سے شاعری نوٹ کی ہے۔ امجد اسلام امجد کی بے وفائی کی مشکلیں' واہ! کیا بات ہے۔ "خط آپ کے" میں ایسے ہی پڑھتی ہوں جیسے چسکے لے لے کر کہانی پڑھی جاتی ہے۔ "تاریخ کے جھروکے" بے حد کمال کا تھا۔ کیا آپ اس سے آگے کے حالات شائع نہیں کر سکتے؟ "انٹرویوز" اور "آئینہ خانے میں" میں بھی مزہ آیا۔ ثانیہ سعید کا انٹرویو شائع کر کے مجھ پر احسان عظیم کر دیں۔ اف میرے خدا! شہزاد کیسے نکل گیا ذہن سے۔ صائمہ! کیا ٹوئسٹ لیا ہے آپ نے۔ پلیز زیادہ سے زیادہ صفحات دیا کریں نا...

میں یہ قطعاً" نہیں کہتی کہ شعاع نے اپنا معیار کھویا ہے۔ میں تو بس... یہ چاہتی ہوں کہ نئے رنگوں کے ساتھ ساتھ پرانے رنگوں کی چھب بھی قائم رہے۔ دل چاہتا ہے کہ شعاع کھولوں تو وہ ہر موسم کا پتا دیتا ہوا معلوم ہو۔ امید ہے آپ سمجھ رہی ہوں گی جو میں کہنا چاہ رہی ہوں۔ اب

دیکھیے نا اسی ایک شمارے میں ایک تو دو 'دو' تجھ سے ناتا جوڑا ہے' بے پھر دو کہانیوں میں یہی چیز یعنی ساس 'نندیں' سسرال مسئلے اور میں ٹھہری شبلی جوادی کی بہن اور رویحا گل دی بیٹی سہیلی' جب کہ دل آرزومند ہوتا ہے سعدی حمید چوہدری اور سعدیہ عزیز آفریدی کا۔ پرانی رائٹرز سے تو ویسے ہی مایوس ہو چکے۔ چلو جہاں رہیں خوش رہیں۔

ج : پیاری صائمہ! صرف موسم اور حالات ہی نہیں بدلے۔ انسان بھی بدل گئے ہیں۔ جن محبتوں کا احوال آپ نے لکھا ہے۔ ایمان داری سے بتائیں اب ایسی لڑکیاں کہاں ہیں.... جن کی دلکش اداؤں اور معصومیت پر کوئی قربان جائے۔ اب تو شاعری بھی غم جاناں سے نکل کر غم دوراں میں سلگ رہی ہے۔

بے حد دلچسپ خط... پڑھ کر بہت مزا آیا اور ہمیں بھی وہ دن یاد آ گئے جب ہیروئن سردیوں میں نارنگیاں کھاتی تھی' گرمیوں میں نہیں۔ دل تو ہمارا ابھی چاہتا ہے کہ کوئی ایسی تحریر ہو جو ہاتھ پکڑ کر خوشبوؤں اور جگنوؤں کے اس دیس میں لے جائے جہاں کوئی ظالم سماج نہ ہو مگر یک ہا...

خیر یہ سب باتیں اپنی جگہ لیکن ہم اپنی مصنفین سے درخواست کریں گے کہ وہ ہماری قارئین کے لیے رنگوں کی' پھولوں کی خوشبوؤں کی باتیں لکھیں۔ دنیا بدلی ضرور ہے لیکن اس کی خوب صورتی اپنی جگہ قائم ہے بس زاویہ نظر کی بات ہے کہ کوئی کھڑکی کھول کر آسمان پر چمکتے تارے دیکھتا ہے اور کوئی زمین پر پڑی گندگی۔

مناہل زین العابدین نے لاہور سے شرکت کی ہے' لکھا ہے

میں خواتین ڈائجسٹ' شعاع اور کرن کی پچھلے چودہ سالوں سے مستقل قاری ہوں۔ تمام ہی رائٹرز بہت ہی عمدہ لکھتی ہیں۔ ان رسالوں سے بہت کچھ سیکھنے کو بھی ملا ہے۔ شادی کے بعد بھی ان کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ میرا ایک بیٹا بھی ہے۔ اس ماہ ٹائٹل بس ٹھیک ہی تھا۔ خواب شیشے کا بہت ہی زبردست تحریر ہے۔ موحد کا مہپاہ کو تھپڑ مارنا اچھا نہیں لگا۔ لیکن اس کا اینڈ موحد کے ساتھ ہی کیجئے گا۔ شہزاد بھی بہت اچھا جا رہا ہے۔ مگر مجھے در شہوار سے اس درجہ خود غرضی کی امید نہ تھی۔ جو محض ہادی کو پانے کے چکر میں مناہل سے راہ و رسم بڑھا رہی ہے۔ کبھی کبھی تو اس کی چھچھوری حرکتیں ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔ افسانوں میں اس دفعہ سرخ آندھی' حرف شکایت اور نسخہ پسند آئے۔ پتا نہیں کیوں مریم عزیز کی تحریروں میں وہ بات نہیں رہی۔ اس دفعہ انہوں نے جس موضوع پر لکھا وہ کئی بار پڑھ چکے ہیں۔ مصطفیٰ تیمور جیسی بات نظر ہی نہیں آئی۔

سنہری دھوپ کو تو اب ختم ہونا چاہیے' تجھ سے ناتا سلسلہ تو میرا فیورٹ ہے ہر ماہ بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ اس کے علاوہ مجھے فوزیہ ثمریٹ اور کوثر خالد جی کے خط بہت ہی پسند ہیں۔

ج : مناہل! شادی کے بعد گھریلو ذمہ داریوں اور بچے کی مصروفیت میں سے وقت نکال کر آپ نے خط لکھا' بہت خوشی ہوئی۔ شادی کے بعد بھی آپ کا مطالعہ کا شوق برقرار ہے۔ یہ بہت اچھی بات ہے ورنہ لڑکیاں عموماً" شادی کے بعد ساری دنیا سے کٹ کر رہ جاتی ہیں۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے ممنون ہیں۔

حلیمہ ادریس نے لاہور سے شرکت کی ہے

عرصہ دراز سے شعاع کی خاموش قاری ہوں۔ میری نظر میں یہ ایک ڈائجسٹ نہیں ایک خوب صورت دنیا ہے جو ہر انسان کو کچھ وقت کے لیے تلخیوں سے آزاد کر دیتی ہے۔ اس خط کے ساتھ اپنی ایک نظم بھیج رہی ہوں۔

ج : پیاری حلیمہ! یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ شعاع آپ کو کچھ دیر کے لیے دنیا کی تلخیوں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ شاعری کے لیے آپ کو ابھی بہت محنت کی ضرورت ہے۔

زندگی کبھی شیریں کبھی روکھی

راشدہ رفعت

آج گھر میں رونق اور چہل پہل کا عجب ہی عالم تھا۔ اپیا اور بجو تو اپنے اپنے شوہر صاحبان اور بچوں سمیت صبح سویرے ہی پہنچ گئی تھیں۔ جب ان کا میکے آنے کا پروگرام ہوتا تو وہ چھٹی کے دن سوئے' جاگے بچوں کو زبردستی گاڑی میں بٹھا کر یہاں کا رخ کرتیں۔ نانی کے گھر کا دروازہ دیکھتے کے ساتھ ہی بچوں کی سوئی' سوئی آنکھیں پٹ سے کھل جاتیں۔ نیند کا خمار ٹوٹ جاتا اور خوشی سے بے قابو بچے چیختے' شور مچاتے' نانی' نانا کے گھر داخل ہوتے۔ پیچھے ان کے مسکراتے ماں' باپ تشریف لاتے۔

"میں نے تو عاقب سے اتنا کہا کہ ناشتا کر کے چلتے ہیں لیکن عاقب نے کہا کہ امی کے ہاتھ کی گرم گرم خستہ کراری پوریاں کھائیں گے۔ چنے ہم بازار سے لیتے آئے ہیں۔" ماہین بجو مسکرا کر کہتیں۔

"بہت اچھا کیا بیٹا! جو چلے آئے۔ آتے ہوئے عفت کو بھی فون کر دیتے۔"

امی بیٹی داماد کے آنے پر خوشی سے نہال ہو جاتیں پھر انہیں دوسری بیاہی بیٹی کی یاد ستاتی تھی۔

"باسط کو میں نے میسج کر دیا تھا آنٹی جی! اگر جاگ چکا ہو گا تو میسج پڑھتے ہی دوڑ لگا دے گا۔" عاقب بھائی مسکراتے ہوئے بتاتے۔

"بجو! کم از کم بچوں کے منہ تو دھلا کر لے آتیں' کیسے باگڑ بلے لگ رہے ہیں۔" ضوبیا بھانجے بھانجیوں کو زبردستی پکڑ کر واش روم میں لے جا کر رگڑ رگڑ کر ان کے منہ دھلواتی۔ ثانیہ امی کے ساتھ کچن میں گھس جاتی۔ امی حلوے کے لیے سوجی بھوننے لگتیں اور ثانیہ پوریوں کے لیے میدہ گوندھنے لگتی۔

"آٹا ذرا زیادہ گوندھنا ثانی' ضوبیا سے کہتی ہوں' اوپر سے بھائی' بھابھی کو بھی بلا لائے۔" امی کے کہنے پر ثانیہ مسکرا دیتی۔ اگلے ہی لمحے دادی کچن میں جھانکتیں۔

"حلوہ پوری بنا رہی ہو تو توفیق کو بھی بلالو۔ ابھی پرسوں ہی کہہ رہا تھا بہت دن ہو گئے بھابھی کے ہاتھ کا حلوہ اور پوریاں نہیں کھائیں۔" دادی کو پڑوس میں بسنے والے اپنے بیٹے کی یاد ستاتی۔

"زید باہر صحن میں ہی تو بیٹھا ہے اماں۔ اسے بھیج کر کہلوا دیں توفیق کو۔" امی کہتیں تو دادی سر ہلاتے ہوئے واپس پلٹ جاتیں۔

ثانیہ پرات میں مزید میدہ ڈال لیتی۔ ذرا دیر میں ضوبیا بڑبڑا کرتی کچن میں آتی۔

"اوپر بھابھی کچھ اچھا پکائیں یا برابر میں چچی' ہمیں کبھی کوئی جھوٹے منہ بھی نہیں پوچھتا اور یہاں ہر کسی کے لیے دعوت عام ہے۔"

"بری بات ضوبیا! کتنی دفعہ تمہیں سمجھاؤں دسترخوان وسیع کرنے سے رزق میں خود بخود اضافہ ہوتا ہے۔" کلثوم رسانیت سے بیٹی کو سمجھاتیں۔

ذرا سی دیر میں عفت اپیا اور باسط بھائی آ جاتے' اوپر سے شعیب بھائی اور روزینہ بھابھی ہنستے مسکراتے اتر

آتے پھر تو تیق چچا بھی آجاتے۔ ضویا بڑے کمرے میں دستر خوان لگاتی۔ امی گرم گرم پوریاں تلتیں اور ثانیہ کچن اور کمرے کے چکر کاٹتی رہتی۔ کبھی گرم پوریاں پکڑا رہی ہے۔ کبھی ڈونگے میں مزید گرم حلوہ ڈال کر لے جا رہی ہے پھر جب سب پیٹ بھرنے کا اعلان کر دیتے تو وہ کچن میں ہی بیٹھ کر امی کے ساتھ حلوہ پوریوں سے انصاف کرتی۔

مہینے میں کسی ایک چھٹی کے دن کا تو یہ معمول لازمی تھا صبح سے شروع ہونے والی گہماگہمی شام تک جاری رہتی۔

آج بھی ایسا ہی دن تھا۔ وہ ہی رونق وہ ہی ہنگامہ، پُر تکلف ناشتے کے بعد زبردست سے لنچ کا اہتمام جاری تھا لیکن آج امی کچن میں نہ تھیں۔ ضویا اور ثانیہ ہی مل جل کر کھانے کی تیاری کر رہی تھیں۔ ضویا کام کی زیادتی کی وجہ سے ہائے، اف کر رہی تھی تو ہمیشہ ہنستے مسکراتے کام نمٹانے والی ثانیہ کے چہرے پر بھی کوئی مسکراہٹ نہ تھی۔ دل عجیب انداز میں دھڑک رہا تھا۔

✡ ✡ ✡

ہال کمرے میں گھر کے جملہ بڑوں کی میٹنگ جاری تھی۔ آج سب صرف حلوہ پوری اور مٹن بریانی کھانے جمع نہیں ہوئے تھے۔ آج سب کو بطور خاص مدعو کیا گیا تھا۔ ثانیہ کے مستقبل کا حتمی فیصلہ کرنے کے لیے۔ ثانیہ کے لیے آئے جس رشتے پر آج حتمی غور و خوص جاری تھا۔ چند دن پیشتر اس رشتے پر سنجیدگی سے غور و فکر کرنا تو درکنار سرے سے سوچنا ہی ضروری نہ سمجھا گیا تھا۔ ہاں گھر میں سب کے ہاتھ ہنسی ٹھٹھول کے لیے ایک موضوع ہاتھ آ گیا تھا۔

ہوا کچھ یوں کہ عفت آپا کی نند کی شادی تھی، باسط بھائی کی رشتے کی ماسی بھی شادی میں شریک ہونے گاؤں سے شہر آئیں۔ ان تین چار دنوں میں جو انہوں نے آپا کے سسرال میں گزارے، وہ آپا پر فدا ہی ہو گئیں۔ انہیں آپا کی متانت اور بُردباری بھا گئی تھی پھر جس طرح لپک جھپک کر وہ سسرالی بکھیڑے نمٹا رہی

تھیں، آپا کو اندازہ بھی نہ ہوا کہ وہ بتول بیگم کی نگاہوں کی زد میں ہیں۔

شادی بھگتا کر انہوں نے امینہ بیگم (آپا کی ساس) سے کہا کہ وہ ان کے ساتھ عفت کی امی کے ہاں چلیں انہیں اپنے ہدایت اللہ کے لیے عفت کی بہن کا رشتہ درکار ہے۔

ان کے اصرار کے آگے ہار مانتے ہوئے امینہ بیگم نے بہو کو ان کی خواہش سے آگاہ کر دیا۔ اور بھاوج کو ساتھ لے کر عفت کے میکے پہنچ گئیں۔ ساری بات جان کر کلثوم بیگم نے بتول بیگم کو رسانیت سے کہہ دیا کہ وہ بچیوں کی شادی شہر میں ہی کریں گی۔

"دیکھیں ماں جی! آپ ایک بار میرے ہدایت اللہ کو دیکھ لیں پھر کوئی فیصلہ کریں۔" بتول بیگم ہار ہی نہیں مان رہی تھیں۔ اس روز دادی اور امی نے انہیں بہت مشکلوں سے ٹالا تھا۔

"میں پھر دوبارہ آؤں گی۔ آپ لوگ اچھی طرح سوچ بچار کرلیں۔"

ثانیہ ڈرائنگ روم سے ملحقہ کمرے میں بیٹھی بتول بیگم کی گفتگو سے لطف اٹھا رہی تھی لیکن جب ابو نے ان کے ہدایت اللہ کو دیکھنے کی ہامی بھرلی تو ثانیہ کے توتے اڑ گئے۔

ثانی! تمہیں عنیزہ سید کے ناول والا بابا ماسٹر ہدایت اللہ کتنا اچھا لگتا تھا نا دیکھو اللہ نے تمہارے لیے بھی ایک ماسٹر ہدایت اللہ بھیج دیا۔" وہ ثانیہ کو چھیڑ رہی تھی۔ ثانیہ کو اس بار ہنسی نہ آئی۔ وہ بس ضویا کو گھور کر رہ گئی۔ پھر دو دن بعد عفت آپا کی آمد ہوئی۔

"امی! بتول ماسی کا بیٹا ڈیڑھ دو برس سے یہیں اپنے شہر کے بوائز کالج میں پڑھا رہا ہے۔ ابھی پرسوں کسی کام سے باسط سے ملنے آیا تو میں نے خاص طور پر دیکھا۔ بہت سلجھا ہوا اور مہذب لڑکا لگ رہا تھا۔ ایک بار دیکھنے میں کوئی حرج تو نہیں۔

باسط بھی ہدایت کی تعریف کر رہے تھے۔ پڑھا لکھا خوب صورت لڑکا ہے۔ گورنمنٹ جاب ہے۔ بس

منظر دیہاتی ہے تو کیا ہوا۔ بیوی کو اپنے ساتھ شہر میں ہی رکھے گا نا۔ اسے دیکھنے میں کوئی حرج نہیں امی۔ پھر خاندان میں ثانی اور ضویا کے جوڑ کا کون بچا ہے۔ دادی کو چھوٹی پھوپھو سے امیدیں ہیں لیکن میں نے خود چھوٹی پھوپھو کے منہ سے سنا ہے کہ ارسلان اپنی کسی کولیگ میں دلچسپی لے رہا ہے۔ ابھی تو پھوپھا راضی نہیں ہو رہے اگر وہ مان گئے تو پھوپھو کو بیٹے کے دل کی خوشی پوری کرنے پر کوئی اعتراض نہ ہو گا۔"

"تمہاری خالہ بھی تو انیق کے لیے خواہش ظاہر کر چکی ہیں۔" امی دھیرے سے بولی تھیں۔

"انیق کی سرگرمیاں کسی سے ڈھکی چھپی تو نہیں امی! خالہ محسن کے لیے بات کرتیں تو سوچا جا سکتا تھا۔ حسن کے لیے انھوں نے اپنی جٹھانی کی بیٹی کا رشتہ مانگ لیا۔"

عفت آپا کی ساری باتیں حقیقت پر مبنی تھیں۔ امی واقعی سوچ میں پڑ گئیں۔ شعیب بھائی کو بتایا تو ان کی بھی یہ ہی رائے تھی کہ لڑکا دیکھنے میں کوئی حرج تو نہیں۔

تینوں کو ہی ہدایت اللہ پسند آ گیا تھا۔

امی کو ہدایت اللہ خاصا پسند آیا تھا وہ پھر بھی رشتہ قبول کرنے کے بارے میں متذبذب تھیں۔ ادھر بتول بیگم نے فون کر کر کے ناک میں دم کر رکھا تھا۔ انہیں جواب چاہیے تھا اور وہ بھی ہاں میں۔

ابو نے حتمی فیصلہ کرنے کے لیے خاندانی میٹنگ طلب کر لی تھی۔ ثانیہ کی چھٹی حس اسے میٹنگ کے ممکنہ فیصلے کے بارے میں آگاہ کر چکی تھی۔ چھٹی حس سچی ثابت ہوئی۔ کثرت رائے سے ہدایت اللہ کا رشتہ منظور کر لیا گیا۔ عفت، آپا، باسط بھائی، شعیب بھائی، بھابھی اور حتیٰ کہ توفیق چاچو تک نے ہدایت اللہ کے حق میں ووٹ دیا۔ دوسری طرف صرف دادی اور ماہین بجو ہی تھے۔ ضویا اور زین کو تو کوئی کسی گنتی یا شمار میں ہی نہیں تھے البتہ ضویا نے ناراضی سے ابو کو بھی جتا دیا تھا۔

"ہماری ناپسندیدگی کو تو آپ کسی خاطر میں ہی نہ لائے ابو! لیکن جس کی زندگی کے متعلق فیصلہ کرنے کے لیے خاندان بھر کو اکٹھا کر لیا اس بے چاری کی اپنی رائے لینے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی آپ لوگوں نے۔"

ابو ضویا کی بات سن کر ذرا چونکے پھر سوالیہ نگاہیں امی پر گاڑیں۔

"کیا ثانیہ کو اس رشتے پر کوئی اعتراض ہے؟" ان کی نگاہوں میں یہ ہی سوال چھپا تھا۔

"ثانیہ کو کوئی اعتراض نہیں۔ اس نے سب کچھ ہماری مرضی پر چھوڑ رکھا تھا۔" امی نے پہلے تو ضویا کو گھورا پھر رسانیت سے شوہر کو جواب دیا۔

"اس بے چاری کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ آپ لوگوں کی مرضی کیا ہو گی۔ وہ تو آخر تک یہ ہی سمجھتی رہی تھی کہ آپ بتول آنٹی کو انکار کر دیں گے۔" ضویا نے ماں باپ کو حقیقت حال سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا تھا۔

"ثانیہ کو بھیجو میرے پاس۔" ضویا کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔ وہ فوراً ثانیہ کے پاس جا پہنچی۔

"تمہارے پاس آخری موقع ہے۔ ابو تمہاری رائے جانیں گے۔ صاف صاف انکار کر دینا۔ مشرقی دوشیزہ بننے کی ہرگز ضرورت نہیں۔" ضویا نے اس کے مزاج کے پیش نظر اسے نصیحت کرنا ضروری سمجھا تھا۔

ثانیہ خاموشی سے اٹھ کر ابو کے پاس چلی گئی تھی۔ ابو نے اس کی رائے لینے سے پیشتر ہدایت اللہ کے متعلق اپنی رائے دینے کو ترجیح دی تھی۔

"ہدایت بہت شریف النفس اور نیک طینت لڑکا ہے۔ اسے دیکھتے ہی اس کی شرافت اور نجابت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اسے دیکھنے سے پہلے میں خود اس رشتے پر راضی نہ تھا لیکن اب میرا دل اس رشتے کے لیے پوری طرح مطمئن ہے۔ ہاں اگر تمہارا دل اس رشتے

پر راضی نہیں ہے تو مجھے بغیر کسی جھجک کے بتادو۔ ابھی سلسلہ زیادہ آگے نہیں بڑھا ہے۔ ہم ان لوگوں سے سلیقے سے معذرت کرلیں گے۔" ابو پیار بھرے لہجے میں بیٹی سے مخاطب تھے۔

"مجھے آپ کے کسی فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں ابو۔" وہ دھیرے سے کہہ کر پلٹ گئی تھی۔

"مجھے پتا تھا ہم یہ ہی کروگی اسے کہتے ہیں۔ مدعی سست گواہ چست۔ میں تمہاری خاطر ابو کے سامنے تک بولی۔ اس رشتے کے لیے تمہاری ناپسندیدگی بتائی اور تم نے ایسے....."

"میں اس رشتے پر راضی ہوں ضوبیا۔ پلیز، میرا سر نہ کھاؤ۔" ثانیہ نے اکتا کر اس کی بات کاٹی۔

"ہاں تمہاری شکل ہی بتارہی ہے نہ تم اس رشتے پر دلی طور پر راضی ہو۔" ضوبیا نے طنز کا تیر چلایا تھا۔ اس بار ثانیہ کچھ نہ بولی۔ ضوبیا ہی کچھ دیر بک جھک کر وہاں سے چلی گئی تھی۔ ثانیہ کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

☼ ☼ ☼

ہدایت اللہ گاؤں کا باسی تھا۔ بے شک پڑھنے لکھنے کے لیے شہر آیا تھا اور اب بھی شہر میں ہی نوکری کررہا تھا لیکن اس کا پس منظر بھی دیہاتی تھا اور خاندان بھی۔ ثانیہ کو انگوٹھی پہنانے اس کی ساس، جٹھانی اور بڑی نند آئے تھے۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد ضوبیا اور زین نے ان لوگوں کے پینڈو پن پر خوب ہی تبصرے کیے۔

"یہ لفظ پینڈو کی کیا تعریف ہے بھئی۔ تم ان لوگوں کو پینڈو کہہ رہے ہو اور ضوبیا اس روز تم نے شاپنگ مال میں مجھے اپنی وہ ماڈرن سی کلاس فیلو دور سے دکھائی تھی۔ اس کی نظر میں تو شاید ہم تم جیسے لوگ بھی پینڈو ہوتے ہوں گے اور وہ لڑکی اپنے سے اونچے طبقے میں مس فٹ اور پینڈو سی لگتی ہوگی تو یہ سلسلہ تو کہیں جاکر رکتا نظر نہیں آتا۔ یوں بلاوجہ خود کو برتر سمجھنا اور کسی کی شخصیت پر کمنٹس دینا اچھی بات نہیں گڑیا۔"

عفت اپیا نے چھوٹی بہن کو بہت پیار سے سمجھایا تھا۔ آج سے پہلے ثانیہ عفت اپیا کو بہت آئیڈیلائز کرتی تھی لیکن آج اسے ان کی متانت بھری گفتگو ایک آنکھ نہ بھائی تھی۔ ضوبیا نے کون سا ایسی غلط بات کہہ دی تھی پینڈو لوگوں کو ہی پینڈو کہا تھا نا۔

بات پکی ہونے کے بعد بتول بیگم نے جلد شادی پر زور دینا شروع کردیا۔

"یہاں شہر میں بازاری کھانے کھا کھا کر میرے ہدایت اللہ کا معدہ ہی خراب ہوگیا ہے۔ گھر والی آجائے گی تو اسے گھر کا پکا تو کھانے کو ملا کرے گا نا بس توصیف بھائی! اب ہماری ثانیہ کو ہمارے ساتھ رخصت کردیں۔" بتول بیگم نے ابو کو مخاطب کیا۔ اور پھر ان ہی دنوں غیر متوقع طور پر ضوبیا کا بھی رشتہ آگیا۔

فہمیدہ آنٹی برسوں اسی کالونی میں ان کے پڑوس میں رہی تھیں۔ دونوں گھرانوں میں خاصا آنا جانا تھا۔ ڈھائی، تین برس پہلے وہ شہر کی نئی ہاؤسنگ سوسائٹی میں نسبتاً "بڑا گھر" تعمیر کروا کر فیملی سمیت وہاں شفٹ ہوگئی تھیں۔ اب مہینوں بعد ہی ملنا ملانا ہوتا۔ انہیں ثانیہ کا رشتہ طے ہونے کا پتا چلا تو مبارک باد دینے آئیں۔

"چلیں اللہ مبارک کرے لیکن میں آپ کو بتارہی ہوں، ضوبیا کے لیے ادھر ادھر دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ میرا احمر آپ کا دیکھا بھالا ہے۔ ہمارا، آپ کا برسوں کا ساتھ رہا ہے۔ ایک دوسرے کے متعلق کسی جانچ پڑتال کی ضرورت بھی نہیں۔ توصیف بھائی سے مشورہ کریں اور پھر مجھے جواب دیں، لیکن میں ہاں سنے بغیر نہیں ٹلوں گی۔" فہمیدہ آنٹی نے مسکرا کر امی کو باور کروایا تھا۔

فیملی واقعی دیکھی بھالی تھی۔ اس بار سوچنے کے لیے کسی خاندانی گول میز کانفرنس کا انعقاد نہیں کیا گیا تھا۔ خاندان والوں کو مطلع کیا گیا تھا اور فہمیدہ آنٹی کو ہاں کردی گئی۔

فہمیدہ آنٹی کو جب پتا چلا کہ ثانیہ کے سسرال والوں کو شادی کی جلدی ہے تو انہوں نے بھی ضوبیا کی شادی

کا تقاضا کر دیا۔ امی کے تو ہاتھ' پاؤں پھول گئے تھے۔ امی' ابو ابھی صرف ثانیہ کی شادی کے لیے ذہنی طور پر تیار تھے۔ جمع جتھا بھی ایک شادی کے حساب سے تھا۔ فوری طور پر دو شادیوں کا انتظام آسان نہ تھا۔

فہمیدہ آنٹی اپنے دل کی تکلیف کو بنیاد بنا کر جلدی شادی پر زور دے رہی تھیں۔ ویسے بھی احراب اپنے پاؤں پر کھڑا تھا۔ وہ جلد از جلد بیٹے کے سر پر سہرا سجانے کی خواہش مند تھیں۔ اس موقع پر شعیب بھائی نے امی' ابو کے بڑا بیٹا ہونے کا حق ادا کر دیا۔ انہوں نے شادیوں کی تیاری کے لیے ایک خطیر رقم امی کے ہاتھ پر رکھ دی۔

"دیکھ لو بیٹا! روزینہ کو پتا چلا تو وہ ہنگامہ مچا دے گی۔" امی بہو کی عادت سے واقف تھیں۔ اس لیے پیسے لیتے ہوئے ہچکچا رہی تھیں۔

"امی! میری پیاری امی! آپ کی یہ ہی نیچر ہم بہن بھائیوں کو ورثے میں ملی ہے۔ ہم ہنگامہ ہونے سے ڈرتے ہیں۔ اسی خوف سے آپ نے میری شادی کے صرف تین ماہ بعد مجھے اوپر والا پورشن دے کر الگ کر دیا۔ میں نے بھی گھریلو سکون کی خاطر کمپرومائز کر لیا۔ لیکن امی! کچن الگ ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ میں اب آپ کا بیٹا نہیں رہا یا اپنے فرائض سے غافل ہو گیا ہوں۔ بہنوں کی شادی میں حصہ ڈالنا میرا فرض ہے۔ روزینہ کچھ کہہ کر تو دیکھے' میں اس کی طبیعت صاف کر دوں گا۔" شعیب بھائی آج بہت نڈر اور بے خوف لگ رہے تھے۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ روزینہ بھابھی میکے گئی ہوئی تھیں۔

"اگلی کمیٹی شادیوں کے چھ' آٹھ ماہ بعد کھلے گی تب میں تمہاری رقم لوٹا دوں گی۔" امی نے بیٹے سے پیسے لے لیے تھے کہ اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہ تھا۔

"جب آپ کو سہولت ہو' دے دیجئے گا ویسے بھی یہ میری سیونگ ہی تھی۔ بینک میں بھی تو پڑی ہوئی تھی۔ ضرورت کے وقت آپ کے کام آ جائے' اس سے اچھی بات کیا ہو گی اور جہاں تک روزینہ کا تعلق ہے اس سے ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔"

شعیب بھائی رسانیت سے بولے۔

امی کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ بیٹا ماں کو "قرض" دے کر اپنا "فرض" نبھانے آیا تھا۔

بہر حال اس وقت اس کی یہ مدد بھی بہت تھی۔ شادیوں کی تیاری زور و شور سے شروع کر دی گئی۔

✡ ✡ ✡

ہدایت اللہ پہلے کالج کے ہاسٹل میں رہائش پذیر تھا اب اس نے کالج کے قریب ایک رہائشی کالونی میں چھوٹا سا گھر کرائے پر لے لیا۔ ماہین بجو اور عفت اپیا زین کے ساتھ اس کا گھر دیکھنے گئی تھیں۔ قالین کے سائز اور پردوں کے لیے کھڑکیوں وغیرہ کی گنتی بھی کرنا تھی۔

"میں نے اماں سے بہت بار کہا کہ وہ واضح طور پر آپ لوگوں کو جہیز بنانے سے منع کر دیں۔ پتا نہیں اماں نے میرا پیغام پہنچایا یا نہیں' لیکن میں آپ لوگوں سے درخواست کر رہا ہوں کہ جہیز وغیرہ بنانے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اسے رسمی انکار نہ سمجھیں بلکہ میں واقعی جہیز کے نام پر کچھ نہیں لینا چاہتا۔"

ہدایت اللہ نے بہت ادب سے دونوں سالیوں کو مخاطب کیا۔ عفت اپیا کی آنکھوں میں توصیفی چمک ابھری تھی جب کہ ماہین بجو کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیلی تھی۔

"برا مت ماننا ہدایت! جہیز تو ان لڑکیوں کو بھی دیا جاتا ہے جو بھرے پرے گھروں میں بیاہی جاتی ہیں اور تمہارے اس خالی مکان کو آباد کرنے کے لیے کیا بیوی کے ساتھ سامان کی ضرورت نہیں ہو گی۔ چھڑا چھانٹ بندہ ایسے رہ سکتا ہے لیکن اگر تمہارا خیال ہے کہ ثانیہ بھی ان دو مسہریوں (سنگل بیڈ) اور چند برتنوں والے گھر میں گزارہ کر لے گی تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔"

ماہین بجو نے اپنی دانست میں ایسا تفصیلی جواب دے کر اس کی طبیعت ہی صاف کر دی تھی۔

"آپ کی باتیں بجا لیکن میری خواہش تھی کہ ثانیہ شادی کے بعد میرے ساتھ اپنے گھر کے لیے خود خریداری کرتی۔" اس نے گھر کے بنا ساز و سامان

ہونے کی بابت شرمندگی سے وضاحت کی۔

"ہاں تو اللہ خیر رکھے ہم دونوں کو مل کر ہی اپنے گھر کی بنیاد رکھنی ہے اور تسلی رکھو' میرے والدین اپنی بساط کے مطابق ہی بیٹی کو دے کر رخصت کریں گے۔ ہم خود دنیا والوں کی طرح بلاوجہ کی نمودونمائش اور دکھاوے کے قائل نہیں۔ تمہاری سوچ ہمیں بہت اچھی لگی۔ امی' ابو کو تمہارے خیالات سے آگاہ کردیں گے۔"

عفت اپیا نے جلدی جلدی بول کر ماہین بجو کی کہی باتوں کا اثر زائل کرنے کی کوشش کی تھی۔ زین خاموش تماشائی بنا کھڑا تھا لیکن گھر آکر اس نے ثانیہ کو ساری رپورٹ دی تھی۔

"ماہین بجو تو دادی کا پر تو ہیں۔ سامنے والے کا لحاظ کیے بنا' جو منہ میں آئے بول دیتی ہیں حالانکہ ہدایت بھائی کی بات نامعقول تو نہ تھی۔ ایسے خیالات کی تو قدر کرنا چاہیے۔ بے چاری عفت اپیا نے بہت مشکل سے بات سنبھالی۔ ہدایت بھائی ویسے تو مسکراتے ہوئے سرہلائے گئے لیکن مجھے ڈر ہے کہ انہوں نے ماہین بجو کی باتوں کو مائنڈ نہ کیا ہو۔ یہ دیہاتی لوگ تو ویسے بھی غصے کے بہت تیز ہوتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ اس وقت تو وہ بات پی گئے ہیں مگر شادی کے بعد تمہیں طعنے نہ ماریں۔"

زین اس پر اپنے خدشات ظاہر کررہا تھا۔ زین گھر میں سب سے چھوٹا تھا اور اپنے سے بڑی ثانیہ اور ضویا کے بہت قریب تھا۔ تینوں میں بلا کی بے تکلفی تھی۔ ضویا کی طرح زین بھی اس رشتے کے حق میں نہ تھا اور آج سے پہلے ہدایت اللہ کا مذاق ہی اُڑاتا تھا۔ شاید اس سے پہلے اسے ہدایت سے ملنے کا ڈھنگ سے موقع ہی نہیں ملا تھا۔ ثانیہ نے اس کے لبوں سے پہلی بار "ہدایت بھائی" کا ذکر احترام سے سنا۔ وہ ہدایت اللہ کی تعریف کررہا تھا' ساتھ ہی ماہین بجو کی بات پر ہدایت اللہ کے کسی ممکنہ ردعمل سے ڈر بھی رہا تھا۔

ثانیہ کو خود ماہین بجو کی بات اچھی نہ لگی لیکن ماہین بجو واقعی دادی پر گئی تھیں۔ ان کے جی میں جو آتا سامنے والے کا لحاظ کیے بنا بول دیتیں اور بولنے کے معاملے میں تو شاید ضویا بھی ایسی ہی تھی۔ شادی کارڈ چھپنے کا مرحلہ آیا تو اسے ہدایت اللہ کے نام پر اعتراض ہوگیا۔

"امی جی یا تو میری اور ثانیہ کی شادی کے کارڈ الگ چھپوائیں' ورنہ دولہا' دولہن کے نام ہی کارڈ پر مت لکھوائیں۔" اس انوکھی فرمائش پر امی نے اسے گھورا۔

"میری سہیلیاں ہدایت اللہ نام پڑھ کر میرا مذاق اڑائیں گی بھئی۔" وہ ٹھنکی۔

"ہدایت اللہ تمہارے دولہا کا نام نہیں ہے جو تمہاری سہیلیاں تمہارا مذاق اڑائیں گی۔ تمہارا دولہا احمر علی ہے۔" ثانیہ کو اس کی بات سن کر غصہ آگیا تھا جب ہی خفگی سے اسے جتایا۔

"اف وہ ثانی! تم تو برا مان گئیں۔ میں تو مذاق کررہی تھی بھئی۔" ثانیہ کے ردعمل سے ضویا کو اپنی بات کی نامعقولیت کا احساس ہوگیا تب ہی اپنی بات کو مذاق کے کھاتے میں ڈال دیا حالانکہ ثانیہ کو پتا تھا کہ وہ مذاق نہیں تھا۔

"اچھا تم شادی کے بعد ہدایت بھائی کو ہادی کہہ کر بلایا کرنا بلکہ میں تو سوچ رہی ہوں کہ ہم بھی انہیں ہادی بھائی ہی کہا کریں۔ اچھا لگے گا نا۔" اس کے ذہن میں ایک اور آئیڈیا آیا۔

"تم ہدایت بھائی کی فکر چھوڑو۔ احمر کی فکر کرو۔ یاد ہے' بچپن میں آنٹی' احمر کو ببلو کہہ کر بلاتی تھیں۔ کیا خیال ہے ویڈنگ کارڈ پر تمہارے دولہا کا نام احمر علی ببلو نہ لکھوادیں۔"

زین نے اسے چھیڑا۔ وہ برا مانے بغیر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ثانیہ کو اس کی مسکراہٹ پر رشک آیا۔ جیسے جیسے شادی کے دن قریب آرہے تھے اس کی کھلکھلاہٹیں بڑھتی جارہی تھیں جب کہ ثانیہ کو مسکرانے کے لیے بھی سوجتن کرنے پڑتے تھے اور پھر وہ دن بھی آگیا جب وہ دونوں بابل کی دہلیز چھوڑ کر پیا دیس سدھار گئیں۔

ثانیہ رخصت ہوکر سسرال گئی تھی۔ امی اور عفت

اپیا نے گاؤں میں اس کے سسرالی گھر سے متعلق اس کی خاصی تسلی کروائی تھی۔ گیس کے سوا وہاں ہر سہولت تھی۔ کھانا وغیرہ پکانے کے لیے بھی بڑے بڑے سلنڈر استعمال ہوتے تھے۔ رہن سہن میں بلاشبہ بہت فرق تھا لیکن وہ لوگ بھی بہت اجڈیا گنوار نہ تھے۔ عفت اپیا کے سسرالیوں سمیت ان لوگوں کے کئی رشتہ دار شہر میں بستے تھے۔ ثانیہ کو یہاں اپیا کی ساس اور نندوں کی موجودگی کی وجہ سے بہت ڈھارس ہوئی ۔ جانے پہچانے لوگ تھے اور ثانیہ کا بہت خیال بھی رکھ رہے تھے۔

رسمیں ہوئیں لیکن مووی وغیرہ نہ بنی۔ لڑکیاں اپنے سیل فون ہاتھ میں لیے تصویریں وغیرہ بنواتی رہیں پھر شاہدہ باجی (بڑی نند) اسے اس کے بیڈ روم میں چھوڑ آئیں۔ کشادہ کمرہ تھا اور اچھے طریقے سے آراستہ بھی تھا حالانکہ ثانیہ کا سامان شہر والے گھر میں ہی بھیجا گیا تھا' لیکن اس کمرے میں بھی ضرورت کا سارا سامان موجود تھا۔

ثانیہ کے اعصاب ذرا پُرسکون ہوئے تھے لیکن ہدایت اللہ کے متعلق سوچ کر عجیب سی گھبراہٹ طاری ہو رہی تھی۔ وہ اجنبی شخص جو نکاح کے دو بولوں کے بعد اس کے مجازی خدا کے رتبے پر فائز ہو گیا تھا' پتا نہیں مزاج اور عادتوں میں کیسا تھا۔ مگر اس سے ملاقات کے بعد یہ خوف بھی دور ہو گیا۔ ہدایت اللہ ہرگز بھی اجڈ' گنوار یا غیر مہذب نہ تھا۔ وہ تو بہت پُروقار اور نرم خو سا بندہ تھا۔ اگرچہ ثانیہ کو ابھی اس کے مزاج کے سب ہی رنگوں سے آشنائی نہ ہوئی تھی لیکن پھر بھی اس کا دل خاصا مطمئن ہو گیا تھا۔

ولیمہ کی تقریب میں سب گھر والے آئے تھے اور ثانیہ کو خوش باش دیکھ کر سب کا دل اطمینان سے بھر گیا تھا۔

"لڑکا اچھا ہے' آج مجھے تسلی ہوئی۔" دادی کے منہ سے یہ فقرہ سن کر ثانیہ کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ یہ ہی تو اس کے اپنے دل کی بھی آواز تھی۔ رسم کے مطابق گھر والے اسے اپنے ساتھ لے گئے۔

اگلے روز ضویا کا ولیمہ تھا۔ ہدایت اللہ کے ساتھ بتول بیگم بھی تقریب میں شمولیت کے لیے پہنچ گئی تھیں حالانکہ ثانیہ کے ولیمہ میں ضویا کے سسرال میں سے کوئی شریک نہیں ہوا تھا لیکن ان لوگوں نے اس بات کو انا کا مسئلہ بنائے بغیر پوری خوش دلی سے ضویا کے ولیمہ میں شرکت کی۔ پھر ثانیہ ساس اور شوہر کے ساتھ ہی واپس گاؤں چلی گئی۔

گاؤں کے متعلق جیسا تصور اس کے ذہن میں تھا وہ گاؤں اس سے خاصا مختلف تھا۔ گو سہولتوں کا فقدان تھا لیکن پھر بھی ڈراموں اور فلموں والے گاؤں سے خاصا مختلف تھا۔ ایک ہفتہ اس نے سسرال میں گزارا اور یہ ایک ہفتہ تو سسرالی رشتہ داروں سے واقفیت حاصل کرنے میں ہی گزرا۔ ہدایت کے بڑے بھائی سیف اللہ زمینوں کا کام سنبھالتے تھے۔ وہ بہت بڑے زمین دار تو نہ تھے لیکن جو بھی تھوڑی بہت زمینیں تھیں ان کا انتظام و انصرام ان ہی کے ذمے تھا۔ سیف بھائی کی بیوی طاہرہ بھابی' بتول بیگم کی سگی بھتیجی تھیں پھر بھی دونوں ساس' بہو کی آپس میں زیادہ نہیں بنتی تھی۔

"طاہرہ کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر میں نے بہت پہلے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب اپنے خاندان سے بہو نہیں لاؤں گی۔ اپنے ہدایت اللہ کے لیے تو کوئی پڑھی لکھی اور سلجھی ہوئی لڑکی ڈھونڈوں گی اور جب میں نے عفت کو دیکھا تو جی میں ٹھان لی کہ اگر اس کی کوئی بہن کنواری ہوئی تو اسی کو اپنے ہدایت کی دلہن بناؤں گی۔ اللہ نے میرے من کی مراد پوری کر دی۔ جیسی بہو میں چاہتی تھی ویسی بہو مجھے مل گئی۔"

بتول بیگم اس کے واری صدقے جاتی تھیں۔ ثانیہ سر جھکا کر مسکرائے جاتی۔ ابھی تک تو طاہرہ بھابی کا رویہ بھی اس کے ساتھ ٹھیک تھا لیکن اسے ان کے مزاج کی تیزی طراری کا کچھ کچھ اندازہ ہونے لگا تھا۔ ہدایت سے بڑی شاہدہ باجی تھیں۔ وہ قریبی قصبے میں بیاہی تھیں۔ ان کے تین بچے تھے۔ سیدھی سادی ہنس مکھ خاتون تھیں۔ ابھی تک تو گھر میں رونق

ان کے بچوں اور خود ان کی وجہ سے ہی تھی۔ ہدایت سے چھوٹے دو بہن بھائی تھے 'سعادت اللہ اور فاطمہ۔ فاطمہ پرائیویٹ بی اے کر رہی تھی اور سعادت اللہ ابھی میٹرک کا اسٹوڈنٹ تھا۔ ہدایت ہر گزرتے دن کے ساتھ اسے پہلے سے زیادہ اچھا لگنے لگا تھا۔

گاؤں میں ایک ہفتہ گزار کر وہ ساس کی دعائیں لے کر ہدایت کے ساتھ شہر آگئی۔ اب اسے اپنا گھر سیٹ کرنا تھا۔

"میری دلی خواہش تھی کہ میں جہیز نہ لے کر رسم شکن لوگوں کی فہرست میں اپنا نام درج کرواؤں لیکن پھر اندازہ ہوا کہ شاید بہت سے لوگ میری طرح کے ہی خیالات رکھنے کے باوجود معاشرتی دباؤ کے آگے مجبور ہو جاتے ہوں گے۔" وہ برتنوں کے ڈبوں کی پیکنگ کھولتے ہوئے ثانیہ سے مخاطب ہوا۔ ثانیہ جو الماری میں برتن سیٹ کرنے کا آغاز کر چکی تھی 'شوہر کی بات سن کر ٹھٹک گئی۔ ایک لمحے کو دل بھی زور سے دھڑکا۔ کیا اب وہ ماہین بجو کی بات دہرا کر خفگی کا اظہار کرے گا لیکن اس نے مزید کچھ نہ کہا تھا۔

"میں تو خود ان رسموں کے خلاف ہوں لیکن وہ ہی بات کہ نہ چاہتے ہوئے بھی ان رسوم و رواج کی پیروی کرنی پڑ جاتی ہے۔" ثانیہ دھیمے لہجے میں بولی۔

"چلو اگر تم بھی میری ہم خیال ہو تو پھر ہم اپنے بچوں کی شادیوں کے وقت ہر طرح کی فضول رسموں کا خاتمہ کریں گے۔" ہدایت کے کہنے پر ثانیہ نے بہت مشکلوں سے اپنی ہنسی ضبط کی۔ صاحب کی اپنی شادی کو جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے تھے اور پلاننگ کر رہے تھے اپنے ہونے والے بچوں کی شادیوں کی۔ ہدایت اس کے چہرے کے تاثرات بھانپ کر خود بھی ہنس پڑا۔

"دل ہی دل میں میرا مذاق اڑا رہی ہو۔ دل کی بات اگر زبان پر بھی لے آؤ تو میں برا نہیں مانوں گا۔" وہ مسکرا کر مخاطب ہوا۔

ثانیہ اس کے اس قدر درست اندازے پر حیران رہ گئی تھی۔ وہ یہ حیرت بھی بھانپ گیا 'مگر کچھ کہے بغیر صرف ہنس پڑا۔

☆ ☆ ☆

شعیب بھائی 'بھابھی کے ساتھ اسے لینے آئے تھے۔ وہ ان کے ساتھ چند دنوں کے لیے میکے آگئی۔ رات تک ضویا بھی پہنچ گئی تھی۔ گھر میں رونق لگ گئی تھی۔

ثانیہ کو امی کی فکر رہتی تھی۔ ان کی شادی کے بعد امی پر کاموں کا بوجھ بہت بڑھ گیا تھا اور اب جب دونوں بیٹیاں شادی کے بعد پہلی بار رہنے کے لیے میکے آئی تھیں تو امی کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ ان کے سارے من پسند پکوان پکا پکا کر انہیں کھلاتی رہیں۔

"افوہ امی! کیوں اتنا کام بڑھاتی ہیں۔ سادہ سے دال چاول بنا لیتیں 'ساتھ سلاد' اچار ہو جاتا 'کافی تھا۔" یہ ضویا تھی جو ماں کو کوفتہ کڑھی کی تیاری کرتے دیکھ کر بولی تھی حالانکہ یہ اسی کی فیورٹ ڈش تھی۔

"دال چاول کا دل کر رہا ہے تو وہ شام کو بنا لوں گی۔" امی نے بیٹی کو پیار سے دیکھا۔

"اوہ ماں! یو آر سو سوئٹ۔" ضویا نے مسکرا کر ان کا گال چوما۔ اتنے میں اس کا سیل فون بجا تو وہ جھٹ کمرے میں گھس گئی۔ ثانیہ مسکرا کر کمرے سے باہر آگئی۔

ضویا جب سے آئی تھی 'فون مستقل اس کے ہاتھ میں تھا۔ گھر والوں سے گپ شپ لگاتے ہوئے بھی اس کا دھیان سیل فون کی طرف ہوتا اور انگلیاں ہر وقت کوئی میسج ٹائپ کر رہی ہوتیں۔ ہونٹوں سے مسکراہٹ کسی پل جدا نہ ہوتی۔ اب بھی یقیناً" اس کے احمر صاحب کا ہی فون تھا۔ ثانیہ ماں کے پاس کچن میں چلی آئی۔

"کھانا آج میں بناؤں گی امی! آپ جا کر ریسٹ کریں۔" اس نے پیار سے ماں کے شانے تھامے۔

"پاگل ہوئی ہو۔ کھانا میں خود بناؤں گی۔ باہر جا کر دادی کے پاس بیٹھو۔" امی نے اسے پیار بھرے انداز میں گھرکا تھا لیکن اس نے ان کی ایک نہ سنی تھی اور

انہیں کچن سے باہر بھیج کر ہی دم لیا۔ جب کھانا پکنے کے اختتامی مراحل میں تھا تب ضوبیا کچن میں آئی۔

"ہائے اللہ ثانی! تم اکیلی لگی ہوئی ہو۔ میں کیا کروں میری تو جان احمر ہی نہیں چھوڑ رہے۔ پہلے اتنی دیر مسیجنگ (پیغام بھیجنے) پر لگے رہے۔ پھر کال ملالی کہ آواز سنے بغیر مزہ نہیں آرہا۔" ضوبیا کھنکتے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

ثانیہ مسکرادی۔ دل میں خیال بھی آیا کہ ہدایت تو احمر کی طرح کا دیوانہ پن نہیں دکھارہے تھے۔ ایک صبح بخیر کا مسیج صبح سویرے، شب بخیر کارات کو اور دن میں حال احوال پوچھنے کے لیے مختصر سی کال اور دوسری طرف ضوبیا اور احمر تھے جو مستقل ایک دوسرے سے رابطے میں تھے۔ ضوبیا کو مسلسل سیل فون کے ساتھ مصروف دیکھ کر دادی کو بھی جلال چڑھ گیا تھا۔

"ہم خوش ہورہے تھے بچیاں شادی کے بعد دو چار دن کے لیے آئی ہیں۔ گھر کا سونا پن ختم ہوجائے گا' کچھ ہمارا بھی دل لگے گا لیکن یہ ضوبیا تو اس موئے موبائل کا پیچھا ہی نہیں چھوڑ رہی۔ باپ بھائیوں کا بھی لحاظ نہیں۔ ہروقت کھٹ کھٹ مسیج ٹائپ کرتی رہے گی۔ ساتھ ساتھ مسکرائے جائے گی۔ کوئی عقل کا اندھا بھی جان لے گا کہ کس کو مسیج کررہی ہے۔" دادی ضوبیا پر خفا ہوئی تھیں۔

"ہائے اللہ دادی! احمر سے ہی تو بات کرتی ہوں۔ شوہر ہیں وہ میرے۔ کسی انجان' اجنبی سے تھوڑی بات کرتی ہوں۔" ضوبیا دادی کا اعتراض سن کر جی بھر کر حیران ہوئی۔

"شوہر کہیں بھاگا نہیں جارہا۔ چار دن بعد تم نے اس کے پاس ہی جانا ہے پھر یہ چھچھورا پن دکھانے کی کیا ضرورت ہے۔" دادی نے اسے مزید لتاڑا۔ ثانیہ اور زین نے ایک دوسرے کو دیکھ کر بہت مشکل سے ہنسی ضبط کی۔

"ایک ہمارا وقت تھا۔ تمہارے دادا کی جب پشاور پوسٹنگ تھی تو ہر دس دن بعد اپنی اماں کے نام خط لکھتے۔ ہماری نئی نئی شادی تھی پھر بھی کبھی الگ سے میرے نام خط نہیں لکھا بس اپنی اماں کو لکھے خط کے آخر میں کہہ دیتے سب گھر والوں کو سلام۔ ہم اسی پر خوش ہوجاتے۔" دادی کو اپنا زمانہ یاد آیا۔

"یہ تو دادا زیادتی کرتے تھے۔ گھر والوں کے ساتھ گھر والی کو بھی تو خصوصی سلام بھیجنا چاہیے تھا نا۔" زین نے شرارتی انداز میں دادی کو چھیڑا۔ سب ہنس پڑے اور شکر ہے کہ دادی کے لبوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔ ضوبیا نے خود پر سے توجہ ہٹنے پر سکون کا سانس لیا۔ اتنے میں اس کا فون دوبارہ بج اٹھا۔

وہ قدرے سٹپٹائی' لیکن پھر فون اٹھا کر کمرے سے ہی باہر چلی گئی۔ دادی کے چہرے کے زاویے پھر بگڑے تھے اور ثانیہ اور زین کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

وہ دونوں میکے میں ہفتہ بھر قیام کی غرض سے آئی تھیں لیکن احمر تیسرے دن ہی ضوبیا کو لے گیا۔ احمر کی بے تابیوں پر ضوبیا مغرور اور مسرور تھی۔ ہدایت ثانیہ کو ہفتے بعد ہی لینے آیا تھا۔

"ثانیہ کا دولہا بھی تو ہے' کتنا بردبار اور سمجھ دار۔ ایک وہ احمر ہے' متانت نام کو نہیں۔" دادی کے منہ سے ہدایت کی تعریف سن کر ثانیہ مسکرادی تھی لیکن گھر آکر اس نے ہدایت سے شکوہ ضرور کیا۔

"احمر بھائی ہر پل ہر گھڑی ضوبیا کو یاد کرتے تھے۔ آپ نے مجھے بالکل یاد نہیں کیا۔" ہدایت یہ شکوہ سن کر ہکا بکا رہ گیا تھا۔

"تم مجھے کتنا یاد آئیں' یہ بتانے کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے تھا۔" اس نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

"ضوبیا اور احمر بھائی تو سیل فون کے ذریعے مسلسل ایک دوسرے سے رابطے میں تھے۔" اس نے ان ڈائریکٹ جواب دیا تھا۔

"تم اپنے گھر والوں کے ساتھ وقت گزارنے گئی تھیں۔ میں نے صبر شکر کرکے یہ دن یہ سوچتے ہوئے گزارے کہ بالآخر تمہیں واپس تو میرے پاس ہی آنا ہے' بار بار تمہیں فون کرکے تنگ کرنے کا فائدہ لیکن سچ کہتے ہیں لوگ' بیویوں کو سمجھنا آسان کام نہیں۔" وہ مسکرایا تھا اور یوں مسکراتے ہوئے وہ کتنا پیارا لگتا

تھا۔ ثانیہ یہ جی میں ہی سوچ پائی تھی۔

ہر گزرتے دن کے ساتھ وہ ہدایت کی محبت میں گرفتار ہوتی جارہی تھی اور شاید وہ پیاری عادتوں والا شخص پیار کرنے کے ہی لائق تھا۔ وہ بہت دھیمے مزاج اور سلجھی ہوئی شخصیت کا مالک تھا۔ صبح اس کی آواز میں تلاوت قرآن پاک سن کر ثانیہ کی آنکھ کھلتی۔ وہ بہت خوب صورت تلاوت کرتا تھا۔ ثانیہ مسحور ہو کر اسے سنے جاتی۔ ہلکا پھلکا ناشتا کر کے وہ کالج کی راہ لیتا۔ ثانیہ گھر کے کام نمٹاتی' ساتھ ہی بے تابی سے اس کی واپسی کا انتظار کرتی۔

وہ بوائز کالج میں فزکس کا لیکچرار تھا۔ ڈھائی تین بجے تک اس کی واپسی ہو جاتی۔ اس وقت تک کھانا بھی تیار ہوتا اور ثانیہ بھی۔ وہ کھانے کی بھی تعریف کرتا اور ثانیہ کی بھی۔ تعریف کا انداز سادہ سا ہوتا لیکن ثانیہ کا دل شاد ہو جاتا اور اکثر وہ اسے محبت پاش نگاہوں سے دیکھتا تو رہتا مگر منہ سے کچھ نہ بولتا۔ ثانیہ کو لگتا اس نے زیر لب کچھ پڑھا ہے۔ ایک دن وہ اس کے سر ہی ہو گئی۔

"منہ ہی منہ میں کیا پڑھتے ہیں۔ مجھے بھی تو بتائیں۔" وہ مشکوک انداز میں دریافت کر رہی تھی۔ ہدایت نے پہلے تو بات ٹالنا چاہی پھر اس کے اصرار پر مسکرا دیا۔

"اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے اتنی اچھی بیوی کا ساتھ نصیب کیا۔" اس کے کہنے پر ثانیہ چند لمحوں تک کچھ نہ بول پائی۔ یہ شکرانہ تو اس پر بھی واجب تھا۔ اسے شادی سے پہلے کے وہ دن یاد آئے جب وہ اس رشتے پر ناخوش رہتی تھی۔ اپنی دانست میں اپنے ماں باپ کی مرضی پر سر جھکا کر اس نے بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا تھا لیکن یہ بھی سچ تھا کہ وہ اپنے نصیب سے شاکی تھی۔ اب احساس ہوا کہ وہ کتنی غلط تھی۔ اللہ نے اس کے نصیب میں اتنے بہترین بندے کا ساتھ لکھا تھا اور وہ انجانے میں ہی سہی مگر اتنے بہت سے دن کفران نعمت کی مرتکب ٹھہری تھی۔

دل ہی دل میں بے ساختہ استغفار پڑھ کر اس نے بھی سچے دل سے اللہ کا شکر ادا کیا تھا۔

ہدایت میں کوئی ایک خوبی نہ تھی بلکہ وہ خوبیوں کا مجموعہ تھا۔ ثانیہ پر ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کی کوئی نئی خوبی کھل کر سامنے آتی۔ شام کو اس کے پاس بہت سے اسٹوڈنٹس پڑھنے آتے تھے۔ پڑوس میں سے ایک خاتون اپنے بیٹے کو اس کے پاس ٹیوشن کے لیے لائیں تو انہوں نے ثانیہ سے ٹیوشن فیس دریافت کی۔ ثانیہ نے اس وقت تو لاعلمی کا اظہار کر دیا مگر بعد میں ہدایت سے پوچھا' وہ لیکچر تیار کر رہا تھا۔ ثانیہ کا سوال سن کر ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کیسی فیس یار! میں کوئی پراپر کوچنگ تھوڑی دیتا ہوں نہ باقاعدگی سے ٹیسٹ وغیرہ لینے کا کوئی سسٹم ہے۔ یہ کوئی اکیڈمی نہیں ہے۔ بچے اپنا کانسیپٹ کلیئر کرنے کے لیے تھوڑی بہت دیر کے لیے آجاتے ہیں۔ ڈسکشن والا ماحول ہوتا ہے اور بس۔" ہدایت اپنی جانب سے مفصل جواب دے کر پھر کاغذوں پر جھک گیا۔

"تو یہ جو آپ روزانہ شام کو دو ڈھائی گھنٹے بچوں کو پڑھاتے ہیں' اس کی کوئی فیس نہیں لیتے؟" ثانیہ نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں۔ اس حیرت پر ہدایت قدرے خائف ہوا۔

"علم تو بانٹنے والی چیز ہے یار! بچوں کو بلامعاوضہ پڑھا دیتا ہوں تو اس میں غلط کیا ہے۔" بیوی کی متوقع خفگی کے پیش نظر وہ دھیرے سے بولا تھا۔

"آپ تو واقعی ماسٹر ہدایت اللہ جونیئر ہیں۔" ثانیہ مسکرائی۔ اس مسکراہٹ کو دیکھ کر ہدایت شانت ہو گیا۔

"یہ ماسٹر ہدایت اللہ سینئر کون ہیں بھلا؟" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"میں کہوں گی عنیزہ سید والے ماسٹر ہدایت اللہ تو آپ پوچھیں گے یہ عنیزہ سید کون ہیں بھلا؟" ثانیہ مسکرا کر بولی۔

"میں نہیں پوچھوں گا۔ ہو گی تمہاری کوئی سہیلی وغیرہ۔" ہدایت کے کہنے پر ثانیہ ہنسی اور ہنستی ہی چلی

گئی۔

٭ ٭ ٭

ماہین بجو نے عاقب بھائی کی پرموشن کی خوشی میں سب خاندان والوں کو دعوت پر بلایا تھا۔ ثانیہ کو بھی فون پر مدعو کیا۔ ثانیہ بڑی بہن کے بلاوے پر کشمکش کا شکار ہو گئی۔

"ہم ضرور آتے آپی۔ سب گھر والے اکٹھے ہوں گے' میرا تو خود اس گیدرنگ کو مس کرنے کا جی نہیں چاہ رہا لیکن اس ویک اینڈ پر ہمیں ــــ گاؤں جانا ہے۔ پچھلے ہفتے بھی مجھے بخار تھا تو نہیں جا سکے تھے' اس بار تو جانا ضروری ہے۔" ثانیہ بہن سے معذرت خواہانہ لہجے میں مخاطب ہوئی۔

"یہ تم کس خوشی میں ہر دس' پندرہ دن بعد گاؤں کا چکر لگاتی ہو۔ ہدایت کو گھر والوں سے ملنا ہو تو وہ شوق سے جایا کرے۔ تمہارا ساتھ جانا ضروری تو نہیں۔" ماہین بجو نے چھوٹی بہن کو سمجھانا چاہا۔

"اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی بجو! میں دور ہوں تو کیا ہوا؟ ان کا خیال رکھنا میری بھی تو ذمہ داری ہے۔" وہ رسانیت سے بولی۔

"ہاں' بس ایک تم اور ایک عفت' تم دونوں کو ہی اپنی گردن میں ذمہ داریوں کا طوق ڈالنے کا شوق ہے۔ ضویا کو دیکھو' کس مزے سے زندگی گزار رہی ہے۔ احمر کو ٹھیک قابو کیا ہوا ہے اس نے۔" ماہین بجو بولیں۔

ان کی باتوں کا ثانیہ کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ بڑی بہن تھیں بحث کرنے کو جی نہ کرتا وہ چپ چاپ ان کی سنے گئی۔

سچ تو یہ تھا کہ ہر دس' پندرہ دن بعد گاؤں جانا اس کے لیے بھی آسان نہ تھا۔ پبلک ٹرانسپورٹ میں سفر کرنے سے اس کی ہمیشہ جان جاتی تھی۔ ویسے تو بمشکل ڈھائی گھنٹے کا سفر تھا لیکن وہ بری طرح تھک جاتی' ہدایت کی تنخواہ ٹھیک ٹھاک تھی۔ اگر اپنے پورے گھر کی ذمہ داریاں صرف اسی کے کندھوں پر نہ ہوتیں تو وہ کب کی گاڑی لے چکا ہوتا۔

ثانیہ کے جیٹھ سیف اللہ اور ان کی بیگم طاہرہ بھابھی ہمیشہ پیسوں کی تنگی کا رونا روتے تھے۔ ان کے بقول' زمینوں سے ہونے والی آمدنی سے ان کے گھر کا خرچا ہی مشکل سے پورا ہوتا تھا۔ وہ بتول بیگم کی ناراضی کے باوجود انہیں کوئی پیسہ نہ دیتے تھے۔

"بڑی حریص عورت ہے طاہرہ۔ اس کی فطرت کو دیکھ کر ہی میں نے اس کا چولہا چکی الگ کر دیا تھا لیکن آنگن میں دیوار کھینچنے کا یہ مطلب تو نہیں کہ اب سیف اللہ میرا بیٹا نہیں رہا یا گھر کی ذمہ داریوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ابھی فاطمہ کو بیاہنا ہے' سعادت اللہ کی پڑھائی کا خرچا۔ میری دوا دارو۔ سارا خرچہ تیرے ہی کندھوں پر آ گیا ہے۔"

"اللہ دے رہا ہے نا اماں! آپ کیوں فکر کرتی ہیں۔ اور سیف بھائی سے بار بار پیسوں کا تقاضا مت کیا کریں۔ بال بچوں والے ہیں۔ ان کے سو خرچے ہیں۔ وہ اپنی کمائی سے اپنے گھر کا انتظام اچھی طرح چلا لیں۔ یہ ہی بہت ہے۔" ہدایت نے ماں کو کندھوں سے تھام کر پیار سے سمجھایا۔

"تو میری کسی نیکی کا صلہ ہے ہدایت اللہ۔" بتول بیگم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "اور میں سیف اللہ سے بار بار پیسوں کا تقاضا نہیں کرتی لیکن اس کے ذہن میں یہ بات تو رہنی چاہیے نا کہ جن زمینوں کا وہ بلا شرکت غیرے مالک بن بیٹھا ہے' اس میں تم تینوں ــــ کا بھی حصہ ہے اور پھر میرے بچے! بے شک تیری بیوی بہت بھلی عورت ہے لیکن کل کو تم دو سے تین ہو جاؤ گے۔ کچھ بچت تمہارے اپنے ہاتھ میں بھی تو ہونی چاہیے۔" بتول بیگم کی بات پر ہدایت مسکرایا۔

"آپ دعا کریں اماں! اللہ وہ وقت تو لائے اور آپ ہی تو کہتی ہیں کہ آنے والا اپنا رزق ساتھ لے کر آتا ہے۔"

"میرے لال' میں تو ہر گھڑی یہ ہی دعا کرتی ہوں کہ اللہ تجھے بالکل تیرے جیسا بیٹا دے۔" ہدایت ماں کی دعا سن کر مسکرا دیا تھا۔ اسے بیٹیاں اچھی لگتی تھیں لیکن اس کی بیوی اور اس کی ماں دونوں عورتیں' بیٹے

کی خواہش مند تھیں۔

اور جب ثانیہ نے خوش خبری سنائی تو بتول بیگم نے ہی اسے بار بار گاؤں آنے سے منع کر دیا۔

"اونچی نیچی سڑکیں ہیں۔ جھٹکا وغیرہ لگ سکتا ہے بیٹی! گھر پر ہی آرام کرو۔ ہدایت گاؤں آیا کرے تو اپنے امی کی طرف چلی جایا کرو۔"

بتول بیگم نے فون پر ڈھیروں دعائیں دینے کے بعد اسے نصیحت کی۔ ثانیہ اکثر اپنی ساس کی شخصیت پر غور کرتی تو حیران رہ جاتی۔ رسمی تعلیم کے لحاظ سے وہ ایک ان پڑھ عورت تھیں۔ وضع قطع کے حساب سے بھی عام سی دیہاتی عورت لگتیں لیکن وہ دیہاتی عورت بہت روشن خیال اور روادار تھی۔ شادی سے پہلے ثانیہ ان کے متعلق جن خدشات کا شکار تھی وہ سب دم توڑ چکے تھے۔ اب اسے ان سے بہت انسیت ہو گئی تھی۔

بتول بیگم ہدایت کو بار بار ثانیہ کا خیال رکھنے کی تاکید کرتیں۔ ہدایت تو "خوش خبری" سے پہلے بھی اس خیال رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتا تھا۔ اب تو اس کا بس چلتا تو وہ ثانیہ کو بستر سے اترنے ہی نہ دیتا۔ اوپر کے کاموں کے لیے ماسی رکھ لی گئی تھی حالانکہ ثانیہ نے بہت کہا کہ دو بندوں کے گھر میں کام ہی کتنا ہوتا ہے لیکن اس نے ثانیہ کی ایک نہ سنی۔ ثانیہ کا جی متلاتا اور وہ الٹیاں کر کر کے بے حال ہو جاتی تو ہدایت اس کی حالت دیکھ کر بری طرح پریشان ہو جاتا۔

"آپ اتنا ٹینشن کیوں لیتے ہیں ہدایت۔ اس کنڈیشن میں یہ سب معمول کی باتیں ہیں۔" ثانیہ اپنی نقاہت بھلا کر اسے تسلی دیتی۔

تیسرا مہینہ ختم ہونے کو تھا اب ثانیہ کی طبیعت میں خاصا افاقہ تھا ہر وقت کا جی متلانا ختم ہو گیا تھا۔ اس روز ماسی صفائی کر کے چلی گئی تو ثانیہ نے ہدایت کے مرمت طلب کپڑوں کو سلائی کرنے کا سوچا۔ کسی شرٹ کی جیب ادھڑی ہوئی تھی۔ کسی کے بٹن ٹانکنے تھے۔ پچھلے بہت سے دنوں سے طبیعت پر چھائی کسلمندی کی وجہ سے یہ چھوٹے چھوٹے کام اکٹھے ہو گئے تھے۔ اس نے اسٹور روم سے سلائی مشین اٹھائی اور صحن میں پچھلے تخت پر لا دھری۔

اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ ذرا سی بے احتیاطی کتنی سنگین ثابت ہو سکتی ہے۔ ذرا دیر بعد درد کی لہروں نے اسے بے حال کر دیا۔ وہ سلائی کا کام چھوڑ چھاڑ کر پین کلر لے کر لیٹ گئی۔ جب تکلیف زیادہ بڑھی تو ہدایت کو فون کیا۔ وہ گھبرا کر فوراً گھر آیا۔ اس کی حالت دیکھ کر اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے۔ فوراً ہی ساس کو فون کیا۔ امی زین کے ساتھ گائنا کولوجسٹ کے ہاں پہنچی تھیں۔ ہدایت ثانیہ کو پہلے ہی وہاں لے آیا تھا۔

ڈاکٹر نے طبیعت خرابی کی وجہ بوجھ اٹھانا ہی بتائی تھی۔ امی ثانیہ کی لاپروائی پر بار بار خفا ہو رہی تھیں۔

"بس کریں آنٹی! وہ پہلے ہی بہت پریشان ہو رہی ہے۔" ہدایت نے ساس کو اکیلے میں سمجھایا۔ امی داماد کو دیکھ کر ہی رہ گئیں۔ کوئی اور مرد ہوتا تو بیوی کی اس کم عقلی پر اسے سخت سست سناتا مگر وہ تو کسی اور ہی مٹی سے بنا تھا۔

اگرچہ اس نے ثانیہ کو کچھ نہ کہا تھا لیکن ثانیہ اس سے نگاہیں ملانے کی خود میں جرات نہ پاتی تھی۔ وہ اپنے بچے کے حوالے سے کتنا پُرجوش تھا۔ اس نے تو ابھی سے ہی لڑکیوں اور لڑکوں کے نام بھی سوچنا شروع کر دیے تھے۔ آج اس کی آنکھوں کی جوت جیسے یکدم بجھ گئی تھی۔ ثانیہ دل ہی دل میں خود کو اس کا مجرم تصور کر رہی تھی۔ دوا میں غنودگی کی وجہ سے اس کی آنکھ لگ گئی ورنہ شاید وہ آج کی رات سو نہ پاتی۔

آدھی رات کو آنکھ کھلی تو ہدایت مصلے پر بیٹھا تھا۔ آنکھیں بند تھیں اور پلکیں بھیگی ہوئی تھیں۔ ثانیہ کا جی کٹ کر رہ گیا۔ اس نے اپنے اوپر سے لحاف ہٹایا۔ چوڑیوں کی آواز پر ہدایت نے آنکھیں کھولیں۔ ثانیہ کو جاگتا پا کر لپک کر اس کے پاس آیا۔

"کچھ چاہیے ثانی؟" اس نے نرمی سے پوچھا۔

ثانیہ نے نفی میں گردن ہلا دی۔ اس کی اپنی آنکھیں بھی آنسوؤں سے لبریز ہو گئی تھیں۔

"کیا ہوا' کہیں درد ہو رہا ہے۔ آنٹی کو یا عفت آپا کو بلاؤں۔" اس نے گھبرا کر پوچھا۔ امی اور عفت آپا آج رات یہیں رکی تھیں۔

"آئی ایم سوری ہدایت! میری وجہ سے یہ سب ہوا۔" وہ سسک پڑی۔

"پاگل ہوئی ہو ثانیہ! جو چیز ہمارے نصیب میں تھی ہی نہیں وہ کیسے مل سکتی تھی۔" اس نے بیوی کے آنسو پونچھتے ہوئے سمجھایا۔

"آپ آدھی رات کو جائے نماز پر بیٹھ کر آنسو بہا سکتے ہیں لیکن میرے سامنے اپنے غم کا اظہار نہیں کر سکتے۔" وہ شاکی انداز میں بولی۔

"میری پگلی بیوی! یہ غم کا اظہار نہیں تھا۔ ابھی میں نے شکرانے کے نفل پڑھے ہیں۔" وہ دھیرے سے بولا۔

ثانیہ نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا جیسے کہیں اس کا دماغ تو نہیں چل گیا۔

"آج میں تمہاری حالت دیکھ کر بہت گھبرا گیا تھا حالانکہ وہاں کلینک میں آنٹی' عفت آپا اور حتیٰ کہ لیڈی ڈاکٹر نے بھی مجھے سمجھایا کہ کوئی خطرے والی بات نہیں ہے۔ یہ اونچ نیچ تو پریگنسی میں ہو ہی جاتی ہے لیکن پھر بھی میرے دل میں عجیب عجیب سے وہم آتے رہے۔ میں سچ میں تمہاری وجہ سے بہت پریشان ہو گیا تھا اور اب پھر سے اپنے بیڈ روم میں تمہیں تمہاری جگہ پر لیٹا دیکھا تو بے ساختہ اللہ کا شکر ادا کیا۔ صبح تو تم نے میری جان ہی نکال دی تھی بیوی۔"

ہدایت چپ ہوا تو ثانیہ کی آنکھوں سے پھر ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ اس بار اس کے آنسو بھی شکر گزاری کے ہی تھے۔ اللہ نے اسے ہدایت جیسے بندے کا ساتھ دیا' وہ اس کا جتنا بھی شکر ادا کرتی کم تھا۔

☆ ☆ ☆

ایک بار خوش خبری روٹھ گئی تو بہت عرصے تک روٹھی ہی رہی۔ وہ امی یا بہنوں کے ساتھ شہر کی مشہور گائناکولوجسٹس کے کلینک کے چکر کاٹتی رہی۔ ہر ڈاکٹر کا یہ ہی جواب ہوتا کہ کوئی طبی پیچیدگی نہیں ہے اور یہ دیر قدرت کی طرف سے ہے۔

"پہلی بار تو کوئی دیر نہیں ہوئی تھی۔" وہ ہدایت کے سامنے روہانسی ہو جاتی اور وہ بہت پیار سے اسے تسلی دے کر سمجھاتا۔

اسی عرصے میں ضویا ایک گل گوتھنے سے بیٹے کی اماں جان بن گئی تھی۔ اپنے گھپلو سے بھانجے پر اسے ٹوٹ کر پیار آتا۔ ساتھ ہی دل کے کسی نہاں گوشے میں کسک کا احساس بھی جاگتا تھا۔ اگلے ہی پل وہ خود کو سرزنش کرتی۔ اگر اولاد قسمت میں تھی تو اللہ ضرور نوازے گا۔ دعا اور امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتے ہوئے' رب کی رضا میں راضی رہنا تھا۔

وہ دل ہی دل میں ہدایت کے کہے الفاظ دہراتی رہتی اور پھر اللہ نے ایک بار پھر اس پر اپنا کرم کر دیا۔ میکے اور سسرال میں سے ہر کسی نے اس بار نصیحتوں کے انبار لگا دیے۔ بتول بیگم کی طبیعت اب کچھ زیادہ ہی خراب رہنے لگی تھی۔ وہ خود ثانیہ کے پاس آ کر نہیں رہ سکتی تھیں۔ انہوں نے اپنی سب سے بڑی بیٹی شاہدہ کو آٹھواں مہینہ لگتے ہی شہر بھیج دیا تھا۔ ثانیہ' ساس کی محبت کے لحاظ میں' مارے مروّت کے کچھ نہ کہہ سکی ورنہ سچ تو یہ تھا کہ شاہدہ باجی کے آنے سے اسے سہولت ملنے کے بجائے خاصی دقت پیش آ رہی تھی۔ شاہدہ باجی ہدایت کی سب سے بڑی بہن تھیں۔ کم عمری میں ہی قریبی گاؤں میں اپنے ماموں زاد سے بیاہی گئی تھیں۔ کم عمری میں شادی پھر اوپر تلے کے بچے' شاہدہ باجی کی شخصیت میں سلیقے کا فقدان ہونا کوئی ایسی حیرت انگیز بات نہ تھی۔ ویسے وہ ایک ہنس مکھ عورت تھیں لیکن ان کی شخصیت کا بے ڈھنگا پن سامنے والے کو کوفت میں مبتلا کر دیتا تھا۔ بچے بھی بلا کے شرارتی تھے۔ ثانیہ کو آخری مہینوں میں جس سکون کی ضرورت تھی۔ شاہدہ باجی کے آنے سے وہ سکون ملنا محال ہو گیا۔

"تھوڑا سا وقت ہے ثانی! کسی طرح گزار لو۔ میں جانتا ہوں تمہیں آج کل کتنی مشکل پیش آ رہی

ہے۔" ہدایت تنہائی میں اسے سمجھاتا۔

ثانیہ مسکرا کر اثبات میں سرہلا دیتی۔ پھر ننھی پری اس کی گود میں آئی تو جیسے ساری کلفتوں کا خاتمہ ہوگیا۔ ایمن نے رنگ روپ ماں کا چرایا تھا تو تیکھے نقوش باپ سے لیے تھے۔ وہ اتنی پیاری تھی کہ ہر کوئی بے ساختہ پیار کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ بتول بیگم کو پوتے کی خواہش تھی لیکن اب وہ پوتی پر بھی خوب ہی جان چھڑکتیں۔ ہدایت اور ثانیہ ہر پندرہ دن بعد ام ایمن کو ساتھ لے کر گاؤں کا رخ کرتے۔

ہدایت کی چھوٹی بہن فاطمہ کا مناسب رشتہ آیا تو بتول بیگم نے مزید دیر کیے بنا بیٹی کو وداع کر دیا۔ بیتے برسوں میں انہوں نے بچت کر کے بیٹی کے لیے بہت کچھ جوڑ رکھا تھا۔ باقی کا خرچہ ہدایت نے ہی اٹھایا۔ سیف اللہ اور اس کی بیوی نے بہن کو دو بڑھیا جوڑے دے کر جیسے اپنی ذمہ داری ادا کردی تھی۔

بتول بیگم میں بھی اب وہ دم خم نہ رہا تھا۔ بڑے بیٹے کو اس کی ذمہ داریوں پر لیکچر دینے کے بجائے انہوں نے چپ چاپ ان کا تحفہ وصول کرلیا۔ ہدایت کو وہ ہر پل دعائیں دیتی تھیں۔ ہدایت بس مسکراتے ہوئے بوڑھی ماں کے شانے دباتا رہتا۔ کبھی اکیلے میں وہ ثانیہ سے اعتراف کرتا۔

"اگر تمہاری جگہ کوئی اور عورت ہوتی تو شاید میں اپنے گھر والوں کے لیے اتنا کچھ نہ کرپاتا۔ تم بہت اچھی ہو ثانی! عام عورتوں سے بہت مختلف۔" شوہر کی بات سن کر ثانیہ کھلکھلا دیتی۔

"پہلی بات تو یہ ہے ماسٹر ہدایت اللہ صاحب! کہ بے شک میں ایک بچی کی ماں بن چکی لیکن ابھی تک میں خود کو لڑکی ہی تصور کرتی ہوں اور آپ کس دھڑلے سے مجھے 'عورت' عورت کہہ کر مخاطب کر رہے ہیں۔" اس نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا۔

"اچھا اور دوسری بات؟" ہدایت مسکرایا۔ گویا پہلی بات سنی ان سنی کردی ہو۔

"اور دوسری بات یہ کہ شاید میں بھی اندر سے وہی روایتی عورت ہوں۔ شوہر کی ہر چیز پر صرف اور صرف اپنا حق سمجھنے والی، سچ تو یہ ہے ہدایت کہ جب آپ نے فاطمہ کی شادی پر لاکھوں روپے لگائے تو میں دل ہی دل میں بہت جز بز ہوئی۔ یہ ہماری کئی سالوں کی بچت تھی۔ میرے ذہن میں اس بچت کا مصرف صرف یہ تھا کہ ہم اچھی سی رہائشی کالونی میں کسی چھوٹے موٹے پلاٹ کا ایڈوانس دے دیں۔" وہ بول رہی تھی اور ہدایت خاموشی سے اسے سن رہا تھا۔

"ایک تو میں آپ سے اپنے دل کی بات بھی نہیں چھپا سکتی' اچھی بھلی آپ کے اوپر میری عظمت کی دھاک بیٹھ رہی ہوتی ہے اور میں خود ہی غبارے میں سے ہوا نکال دیتی ہوں۔" اس نے منہ بنایا۔

"کون سے غبارے میں سے؟" ہدایت نے مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔

"ظاہر ہے عظمت کے غبارے میں سے۔" وہ ذرا سا بدمزہ ہو کر بولی۔

"اچھا بات تو مکمل کرو۔ دل کی ادھوری بات بتا کر ادھر ادھر کے قصے چھیڑ دیتی ہو۔" ہدایت بھی بیتے برسوں میں اسے خوب جان چکا تھا۔ بات کے ادھورے ہونے کا اسے سوفی صد یقین تھا سو بات مکمل کروانا چاہی۔

"بس پھر یہ کہ میرا دل ہماری بچت کے ٹھکانے لگنے پر بہت شور مچا رہا تھا لیکن پھر ضمیر صاحب کی انٹری ہوئی۔ آپ صرف میرے شوہر ہی تو نہیں۔ اماں کے بیٹے اور فاطمہ کے بھائی بھی تو ہیں۔ میرے دباؤ ڈالنے پر اگر آپ اپنی ذمہ داریوں سے منہ موڑ لیتے تو تب بھی مجھے چین تو نہ آتا' نا ضمیر صاحب ہر وقت لتاڑتے رہتے۔" ثانیہ نے گہری سانس اندر کھینچتے ہوئے سب کچھ کہہ سنایا۔

"اپنے ضمیر صاحب کا میری طرف سے بھی شکریہ ادا کر دو۔ اور ہاں شکر ہے غبارے، میں سے بھی ہوا نہیں نکلی۔" وہ اتنی سنجیدگی سے بولا کہ ثانیہ اپنی چند سیکنڈ پہلے کہی بات بھی بھول گئی۔

"عظمت کے غبارے میں سے یار!" بیوی کی سوالیہ نگاہوں کے جواب میں وہ مزے سے بولا۔ ثانیہ

نے پہلے تو اسے گھورا اور پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
ہدایت بھی طمانیت بھرے انداز میں مسکرا دیا۔

☆ ☆ ☆

فاطمہ کی شادی کے بعد بتول بیگم اکیلی ہو گئی تھیں۔ سعادت اللہ بھی ایئر فورس میں بطور ایئر مین بھرتی ہو گیا تھا۔ ہدایت اب چھوٹے بہن بھائی کی ذمہ داریوں سے بری الذمہ ہو گیا تھا۔ اب مسئلہ بوڑھی ماں کا تھا۔ وہ گاؤں والا گھر چھوڑنے پر راضی نہ تھیں اور ہدایت کا جی نہ مانتا کہ وہ بوڑھی بیمار ماں کو وہاں بے یارومددگار چھوڑ دے۔

ساتھ والے گھر میں بھائی بھاوج تھے۔ سیف اللہ تو پھر دن میں دو چکر لگا کر ماں کی خبر گیری کر لیتا۔ اس کی بیوی بوڑھی ساس کو دو وقت کا کھانا دینے کی بھی روادار نہ تھی۔ دو چار دن کے لیے شاہدہ یا جی ماں کے پاس آکر رہ جاتیں۔ کبھی فاطمہ رہنے آجاتی لیکن یہ مسئلے کا مستقل حل نہ تھا۔

بتول بیگم کو کوئی مہلک مرض لاحق نہ تھا لیکن بڑھاپے میں ان کی قوت مدافعت جواب دے گئی تھی۔ معمولی سا مرض بھی چمٹ جاتا تو ہفتوں جان نہ چھوڑتا۔ ہاتھوں میں رعشہ اتر آیا تھا۔ وہ کپکپاتے ہاتھوں سے باورچی خانے کے کام نمٹاتیں تو ڈر رہتا کہ کہیں اپنے اوپر کچھ گرا ہی نہ لیں۔ ہدایت ماں کی منتیں کر کے عاجز آگیا تھا کہ وہ شہر چل کر ان کے ساتھ رہیں لیکن بتول بیگم لجاجت بھرے انداز میں انکار کر دیتیں۔

"میرا آخری وقت ہے ہدایت، میرا بچہ! ماں کی مجبوری سمجھ۔ میں اس گھر میں بیاہ کر آئی تھی۔ اسی گھر سے تیرے باپ کا جنازہ اٹھا تھا۔ میں بھی اپنا آخری وقت یہیں گزارنا چاہتی ہوں پھر میں اکیلی کب ہوتی ہوں۔ دن بھر آس پڑوس کی عورتیں آتی رہتی ہیں۔ میرا جی لگا رہتا ہے۔ ہفتے دس دن بعد تم لوگ چکر لگا لیتے ہو، فکر کس بات کی میرے لال۔"

ہدایت اس وقت تو خاموش ہو جاتا لیکن ثانیہ شوہر کی بے چینی اور اضطراب سے آگاہ تھی۔ وہ شہر میں ہوتا تب بھی ہر پل اس کا دھیان ماں کی جانب لگا رہتا۔ بتول بیگم کو سیل فون لے کر دے رکھا تھا لیکن اس کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ انہیں موبائل نرا جھنجھٹ لگتا تھا۔ کبھی سیف اللہ کے کسی بچے سے اسے چارج پر لگوا لیتیں تب ہدایت کا ان سے رابطہ ممکن ہو جاتا ورنہ ہدایت کو بھائی یا بھاوج کو فون کر کے درخواست کرنا پڑتی کہ وہ اماں سے ان کی بات کروا دیں۔

ثانیہ بہت دن تک کوشش کرتی رہی کہ وہ شوہر کی بے چینی اور پریشانی نظر انداز کر دے لیکن یہ ممکن نہ ہو سکا۔ تھک ہار کر اس نے ہدایت کے سامنے تجویز رکھ دی۔

"اماں یہاں آنے پر راضی نہیں ہو رہیں تو میں ان کے پاس جا کر رہ لیتی ہوں۔" وہ ام ایمن کو کھچڑی کھلاتے ہوئے دھیرے سے بولی۔

ہدایت جو ماں کا فون نمبر ملانے میں ناکامی کے بعد سیل فون ہاتھ میں لیے پریشان سا بیٹھا تھا، بیوی کی بات سن کر چونکا۔

"تم کیسے، تمہاری تو اپنی طبیعت......" اس نے بات ادھوری چھوڑی۔ ام ایمن ڈیڑھ برس کی تھی اور ثانیہ پھر سے امید سے تھی۔

"تھرڈ منتھ ختم ہونے کو ہے پھر طبیعت خود بخود سنبھل جائے گی۔ کم از کم الٹیوں سے تو نجات مل جائے گی اور گاؤں میں بھی میں نے کون سا ہل جوتنے ہیں۔ ماسی نوراں کی بہو آتی تو ہے۔ اوپر نیچے کے سارے کام وہ ہی نمٹاتی ہے۔ میں تو بس اماں کا خیال رکھوں گی۔" وہ ہدایت سے نگاہیں ملائے بغیر بول رہی تھی لیکن ہدایت کو اس کے دل کا حال جاننے کے لیے اس کی آنکھوں میں جھانکنے کی ضرورت نہیں تھی۔

"میری وجہ سے خود کو مشکل میں ڈالنے کی ضرورت نہیں ثانی! میں اماں کو یہاں لانے پر راضی کر لوں گا۔"

"یہاں بھی اماں کی خدمت مجھے ہی کرنی ہے تو وہاں کیوں نہیں۔ آپ جانتے ہیں وہ یہاں آنے پر قطعاً"

تیار نہیں۔" ثانیہ نے ذہنی طور پر خود کو وہاں جانے کے لیے تیار کرلیا تھا۔ وہ ہدایت کو مزید پریشان نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"تم واقعی میرے لیے اللہ کا انعام ہو۔" ہدایت فقط یہ ہی کہہ پایا۔

"میری اتنی تعریفیں مت کیا کریں ہدایت! میں ایک عام سی عورت ہوں۔" وہ تھکے تھکے انداز میں مسکرائی۔

"عورت؟" ہدایت نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر تصدیق کرنا چاہی۔ ثانیہ نے مسکرا کر اس کے بازو پر مکا رسید کردیا۔

ثانیہ کے گاؤں جانے کے بعد بتول بیگم کی طبیعت میں بہتری آنے کے بجائے ان کی حالت مزید بگڑ گئی تھی۔ وہ بستر کی ہی ہو کر رہ گئی تھیں۔ ثانیہ کے لیے ان کی خدمت اتنا آسان کام نہ تھا۔ وہ دوسرے جی سے تھی۔ ڈیڑھ برس کی بچی اس کی گود میں تھی۔ یہاں گاؤں والے گھر میں اپنے گھر کا سا آرام کہاں مل سکتا تھا۔

پندرہ دن بعد دو دن کے لیے یہاں آنا اور بات تھی اور مستقل طور پر یہاں رہنا قطعی مختلف تجربہ۔ ہدایت ہر ویک اینڈ پر آجاتا۔ جہاں ماں کی محتاجی اور بیماری دیکھ کر آبدیدہ ہوجاتا وہیں ثانیہ کی مشکل زندگی اسے پریشان کرتی۔ بتول بیگم واش روم میں پھسل جانے کے بعد چلنے پھرنے سے قطعاً" معذور ہوگئی تھیں۔ وہ حوائج ضروریہ سے فراغت کے لیے بھی دوسروں کی محتاج تھیں۔ گاؤں کی ایک بیوہ عورت کو بھی ان کی دیکھ بھال کے لیے رکھا گیا تھا لیکن انہیں سنبھالنا ایک بندے کے بس کی بات نہیں تھی ثانیہ کو بھی ساتھ لگنا پڑتا۔

اس قسم کی خدمت کہانیوں میں آسان لگتی ہے لیکن ماتھے پر بل لائے بغیر ایک بوڑھے وجود کو سنبھالنا ہرگز آسان کام نہ تھا۔ ثانیہ بتول بیگم کی ہر ممکن خدمت کرتی لیکن اندر ہی اندر وہ تھکنے لگی تھی۔ کبھی گاؤں آنے کا اپنا فیصلہ اسے حماقت لگتا۔ عجیب سی بے زاری پورے وجود کا احاطہ کیے رہتی۔ زندگی جیسے ٹھہر سی گئی تھی۔

ہدایت سے وہ کچھ نہ بھی کہتی تب بھی وہ اس کی دلی کیفیت سے بخوبی آگاہ تھا۔

"اماں نے بڑی متحرک زندگی گزاری ہے ثانی! ابا کے بعد انہوں نے بہت محنت مشقت سے ہمیں پالا۔ سخت جسمانی محنت بھی کی لیکن اماں بڑی خوددار عورت تھیں۔ وہ بیوہ تھیں چھوٹے بچوں کا ساتھ تھا لیکن انہیں کسی اپنے یا پرائے کی مدد لینا گوارا نہ تھا۔ اب اپنی ماں کو اس حالت میں دیکھتا ہوں تو جی کٹ جاتا ہے لیکن ثانی' یہ صرف اماں کی آزمائش نہیں ہے۔ اولاد ہونے کے ناتے اس حالت میں ان کا خیال رکھنا' یہ میری آزمائش ہے اور تم میری وجہ سے اس آزمائش میں حصہ دار بن گئی ہو۔ میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں اتار سکتا۔" وہ ثانیہ کے ہاتھ تھام کر ممنونیت کے احساس تلے اپنے لبوں سے لگالیتا۔

"پلیز ہدایت! آپ جانتے ہیں میں اتنی اچھی نہیں۔ میرے دل میں الٹی سیدھی سوچیں بھی آتی ہیں۔ میں تھک جاتی ہوں اور کبھی کبھی تو یہاں سے بھاگ جانے کا بھی سوچتی ہوں۔ وہ کوئی اور ہی لوگ ہوتے ہیں جو اللہ کی رضا کی خاطر بغیر ماتھے پر بل لائے خندہ پیشانی سے کسی کے کام آتے ہیں۔ میں ہرگز بھی ایسی نہیں۔" وہ روہانسی ہو کر بولی۔

سچ یہ ہی تھا بتول بیگم کی زندگی کے حوالے سے اس کے دل میں منفی خیال جنم لینے لگے تھے اور یہ بھی سچ تھا کہ ایسے خیالات پر وہ خود کو سرزنش کرتے ہوئے' اللہ سے ان کی صحت تندرستی کی دعا کرتی۔ دل کے نہاں خانوں میں کوئی اور ہی خواہش کلبلا رہی ہوتی لیکن زبان سے اس نے ہمیشہ ہدایت کی ماں کی زندگی کی دعا مانگی تھی۔ اسے اپنے الفاظ کھوکھلے لگتے تب وہ مزید شدت سے دعا مانگنے لگتی۔ اپنی خود غرضانہ سوچوں پر خود کو ملامت کرتی لیکن ان سوچوں پر اس کا اختیار نہ تھا۔ وہ اس معاملے میں بے بس تھی۔ ضمیر کی چبھن اسے چین نہ لینے دیتی۔

دوسری طرف اس کے گھر والے اس کے لیے پریشان تھے۔ آٹھواں مہینہ لگ گیا تھا کیا وہ دوسرے بچے کو گاؤں میں جنم دے گی۔ رورل ہیلتھ سینٹر موجود تھا لیکن سہولیات ناکافی۔ شاہدہ باجی کی نند اور دیور کی شادی تھی' ان کا آنا ممکن نہ تھا۔ فاطمہ کا خود آخری مہینہ تھا۔ پڑوس میں بسنے والی جٹھانی اس سے ویسے ہی خار کھاتی تھی گاؤں میں ہر کسی کی زبان پر ہدایت اللہ کی بیوی کی تعریفیں تھیں اور ہدایت اللہ کی بیوی ان تعریفوں سے بے نیاز عجیب سے اضطراب میں مبتلا تھی۔ اضطراب ختم ہوا' بتول بیگم نے ایک رات چپکے سے آنکھیں موند لیں۔ ساس کے مرنے پر ثانیہ بلک بلک کر روئی۔ لوگ ایسی بہو کر رشک سے دیکھ رہے تھے لیکن ثانیہ تنہائی میں شوہر کے شانے سے سر نکائے آنسو بہا رہی تھی۔

"میں نے اماں سے ہمیشہ نرم لہجے میں بات کی۔ کبھی ان پر اپنی بے زاری ظاہر نہیں کی لیکن ہدایت! میں اب بے زار ہونے لگی تھی۔ میں آزمائش پر پورا نہیں اتر سکی۔ میں تھک گئی تھی۔ اتنی جلد میری ہمت جواب دے گئی۔ صرف چھ ماہ کی بات تھی لیکن یہ چھ مہینے چھ سالوں کے برابر لگنے لگے تھے۔ میں پھر سے آپ کے پاس اپنے گھر میں جا کر رہنے کے لیے تڑپ رہی تھی' میں بہت منافق اور دوغلی عورت ہوں نا۔" وہ گلوگیر لہجے میں شوہر سے مخاطب تھی۔

"ہم سب انسان ہیں ثانی! ہم میں سے فرشتہ کوئی نہیں۔ تم نے اپنا فرض نبھا دیا۔ دل کے وسوسوں اور سوچوں پر کسی کا اختیار نہیں لیکن مجھے یقین ہے میری ثانی نے ہر بار غلط سوچوں کو ذہن سے جھٹک کر زبان سے خیر کا کلمہ ہی کہا ہوگا۔" وہ شوہر کی نگاہوں میں سرخرو ٹھہری تھی۔ اسے ایک بار پھر شدت سے رونا آگیا۔

✡ ✡ ✡

بتول بیگم پوتے کو نہ دیکھ پائی تھیں۔ ہدایت نے ماں کی خواہش کے احترام میں بیٹے کا نام عبداللہ رکھا تھا۔ زندگی پھر سے اپنی ڈگر پر رواں ہوگئی۔ پھر دادی داغ مفارقت دے گئیں۔ دل کو دھچکا لگا لیکن بہت جلد قرار بھی آگیا۔ یہ ہی قانون قدرت ہے۔

میکے میں زین کی شادی کی تیاریاں شروع ہوگئی تھیں۔ زین نے ماموں زاد عروج کو جیون ساتھی بنانے کے لیے منتخب کیا تھا۔ امی کو اس فیصلے پر تحفظات تھے۔ انہیں چھوٹی خالہ کی کنول پسند تھی لیکن بیٹے کی پسند کو مقدم جانتے ہوئے وہ اپنی پسند سے دست بردار ہوگئیں۔ چاروں بہنیں اپنی اپنی مصروف زندگیوں میں سے فرصت نکال کر بابل کے آنگن میں اکٹھی ہوگئیں۔ ماہین بجو اور عفت آپی کے بچے اب سمجھ دار اور بڑے تھے۔ کبھی چھوٹی خالا میں ان کے لاڈ اٹھاتی تھیں۔ اب وہ ثانی خالہ اور ضویا خالہ کے بچوں کو اٹھائے اٹھائے پھرتے۔

شادی کی تیاریوں کے ساتھ ساتھ چاروں بہنیں گپ شپ میں مشغول رہتیں۔ ماہین بجو کے پاس اپنی دیورانیوں جٹھانیوں کی تیزی طراری کے قصے تھے۔ ضویا بھی اپنی ساس' نندوں سے ناکوں ناک عاجز آچکی تھی۔ وہ فہمیدہ آنٹی جو برسوں ان کے پڑوس میں رہی تھیں لیکن ان کے جوہر کبھی کھل کر سامنے نہ آئے۔ ضویا کی ساس کے عہدے پر فائز ہونے کے بعد وہ ایک بالکل نئے روپ میں سامنے آئیں۔ خیر ضویا کو ساس کے بدلتے تیوروں کی رتی برابر پروا نہ تھی۔ فہمیدہ آنٹی اگر سیر تھیں تو ضویا سوا سیر ثابت ہو رہی تھی۔

امی ضویا کی باتیں سن کر خوب خفا ہوتیں۔ اسے اپنا طرز عمل درست کرنے کو کہتیں۔ عفت آپا بھی چھوٹی بہن کو بار بار سمجھاتیں۔ ضویا پر کچھ اثر نہ ہوتا۔ مزے لے لے کر ساس' نندوں کو زچ کرنے کے قصے سناتی رہتی۔ ماہین بجو اس کی خوب حوصلہ افزائی کرتیں۔

ثانیہ خاموشی سے مسکرائے جاتی۔ ایسے موقعوں پر اسے بتول بیگم کی بات یاد آتی۔ گاؤں میں ایک بار اسٹور روم میں بلی نے بچے دیے تھے۔ کوئی کالا' کوئی

سفید تو کوئی بھور اتب۔بتول بیگم نے کہا تھا۔

"دیکھ تو ثانیہ! ایک ماں کے جتنے بچے بھی ایک دوسرے سے کتنے مختلف ہیں، میں ویسے ہی سوچ کر پریشان ہوتی تھی کہ میرے سارے بچوں میں ہدایت اللہ ہی کیوں، مختلف ہے باقی بچے اس جیسے کیوں نہیں۔ سب ایک جیسے کیسے ہو سکتے تھے۔" بتول بیگم ٹھنڈا سانس بھر کر کہتی تھیں۔

ثانیہ بھی اپنے بہن بھائیوں کو دیکھ کر یہ ہی سوچتی۔ سب کی عادتوں اور مزاج میں کتنا فرق تھا۔ اس فرق کے باوجود سب آپس میں محبت کے اٹوٹ بندھن میں بندھے تھے۔

زین کی دلہن رخصت ہو کر آگئی تو بہت سے یادگار دنوں کی یادیں سمیٹ کر سب نے اپنے اپنے گھروں کی راہ لی۔

ام ایمن اب اسکول جانے لگی تھی۔ عبداللہ بھی بہت ذہین اور پھرتیلا بچہ تھا۔ ہر وقت ماں کو اپنے پیچھے دوڑائے رکھتا۔ ثانیہ اور ہدایت بچوں کی معصوم حرکتوں اور شرارتوں سے خوب محظوظ ہوتے۔ یہ ان کی زندگی کا خوب صورت ترین دور تھا۔

زندگی یوں ہی سبک خرامی سے آگے بڑھتی رہی پھر ایک المیہ رونما ہو گیا۔ شاہدہ باجی کے شوہر اچانک ہارٹ فیل ہونے کی وجہ سے انتقال کر گئے۔ شاہدہ باجی پر غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ سسرال والوں نے اس مشکل وقت میں آنکھیں پھیر لیں۔ ساس سسر حیات نہ تھے۔ جیٹھ، دیور بال بچوں والے تھے۔ مالی مدد تو درکنار وہ اخلاقی یا جذباتی ڈھارس دینے کے بھی روادار نہ تھے۔ ہدایت اس کڑے وقت میں بڑی بہن کو بے یارومددگار نہ چھوڑ سکتا تھا۔ کسی فیصلے پر پہنچنے کے لیے اس بار بھی اسے ثانیہ کی مدد درکار تھی۔

"شاہدہ باجی کو یہاں لے آئیں ہدایت! اس کے سوا کوئی دوسرا چارہ نہیں۔" اس نے وہی بات کہہ دی جو ہدایت اس کے لبوں سے سننے کا متمنی تھا۔ ہدایت نے دھیرے سے اثبات میں گردن ہلادی۔

شاہدہ باجی اپنے تینوں بچوں سمیت آگئی تھیں۔ گھر اتنا کشادہ نہ تھا پھر بھی ایک کمرہ شاہدہ باجی کو دے دیا گیا۔ بچے ماموں کے گھر آکر بہت خوش تھے۔ پہلے بھی وہ سردیوں، گرمیوں کی چھٹیوں کے چند روز شہر میں ضرور گزارنے آتے تھے اور انہیں یہاں آکر بہت مزہ آتا تھا۔ اب بھی ان کے جوش و خروش کا وہ ہی عالم تھا۔ جیسے وہ چند دن کی چھٹی گزارنے آئے ہوں اور چند دنوں میں ہی ساری موج مستی کر لینا چاہتے ہوں۔ کبھی چھت پر جا کر پتنگیں لوٹنے کی کوشش کرتے، کبھی چھوٹے سے صحن میں کرکٹ کھیل کر خوب ادھم مچاتے۔ گھر میں عجیب سا بھونچال آگیا تھا۔ ام ایمن پریشان ہوتی تو عبداللہ بھی ہنگامے سے گھبرا کر رونے لگتا۔

شاہدہ باجی کبھی تو خالی خالی آنکھوں سے اپنے بچوں کو شور ہنگامہ کرتے تکتی رہتیں۔ کبھی خالی الذہنی کے عالم سے باہر نکلتیں تو بچوں پر حلق پھاڑ کر چلاتیں اور پھر انہیں پیٹ بھی ڈالتیں۔ ہدایت اور ثانیہ انہیں روکتے رہ جاتے۔

"یہ آخری ٹھکانہ ہے ان ذلیلوں کی حرکتوں کی وجہ سے یہ بھی چھن گیا تو میں کہاں دردر کی ٹھوکریں کھاؤں گی۔"

وہ رونے لگتیں۔ ہدایت بہن کو بازو کے گھیرے میں لے چپ کرواتا۔ ثانیہ بھی انہیں تسلی دیتی۔ بچے جو ماں کی حالت دیکھ کر سہم کر دبکے بیٹھے ہوتے۔ ثانیہ ٹی وی چلا کر ان کا دھیان بٹانے کی کوشش کرتی۔

شاہدہ باجی ذہنی طور پر بہت ڈسٹرب تھیں۔ شوہر کے بچھڑنے کا صدمہ اپنی جگہ لیکن سسرال والوں کے بدلتے تیوروں نے انہیں سخت صدمہ پہنچایا تھا۔ ہر عورت کی طرح ان کی بھی یہ ہی خواہش تھی کہ جس گھر میں ان کی ڈولی اتری تھی، وہیں سے ان کا جنازہ اٹھے۔ شوہر کے مرنے کے ساتھ ہی جس طرح "آناً فاناً" انہیں ان کی راجدھانی سے بے دخل کر دیا گیا، یہ صدمہ انہیں ذہنی طور پر بہت ڈسٹرب کر گیا تھا۔

ثانیہ اور ہدایت کی دلجوئی سے آہستہ آہستہ ان کے دل کو قرار آتا گیا لیکن اب وہ پہلے والی ہنس مکھ سی شاہدہ

باجی نہ تھیں۔ وہ ایک بدلی ہوئی شخصیت تھیں۔ بہت حساس اور زود رنج۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو بہت محسوس کرنے لگی تھیں۔ اگر بچوں کی کسی شرارت پر ثانیہ نرمی سے بھی انہیں ٹوکتی تو شاہدہ باجی بچوں پر حلق پھاڑ کر چلاتیں۔ ثانیہ ان کا رد عمل دیکھ کر خائف سی ہو جاتی۔

اس کا گھر ہمیشہ سے ہی بہت پرسکون تھا۔ سلیقے سے سجے اس چھوٹے سے صاف ستھرے گھر کا پرسکون ماحول دوسرے لوگوں کو بھی بہت متاثر کرتا تھا۔ ضوبیا بھی جب کبھی آتی تو برملا اعتراف کرتی۔

"تم بہت خوش قسمت ہو ثانی! ایک انڈی پینڈینٹ لائف گزار رہی ہو۔ اپنے گھر کی آپ مالک ہو۔ ہمارے گھر میں پیسوں اور سہولتوں کی فراوانی سہی لیکن نصیب میں یہ سکون نہیں ہے۔"

ثانیہ بہن کی بات سن کر مسکرا دیتی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ آئندہ آنے والے وقت میں یہ سکون خواب و خیال ہو جائے گا۔ شاہدہ باجی کی فیملی پہلے بھی آتی تھی تو گھر کی پرسکون فضا میں بھونچال سا آجاتا لیکن پہلے وہ مہمانوں کی ہنستے مسکراتے تواضع کرتی، پیشانی پر کوئی بل لائے بغیر۔ دل میں ان کے جانے کے دن گنتی رہتی۔

"خیر ہے اب تو آٹھ دن ہی رہ گئے ہیں۔ ایک ایک کر کے گزر ہی جائیں گے۔" وہ دل ہی دل میں خود کو سمجھاتی رہتی۔

اب مہمان مستقل مکین بن کر آگئے تھے۔ ثانیہ اب بھی ان سے خندہ پیشانی سے ہی پیش آرہی تھی۔ ماتھے پر کوئی بل ڈالے بغیر لیکن اس ڈھب پر زندگی گزارنا ہرگز آسان نہ تھا۔ وہ صفائی ستھرائی کے معاملے میں حد درجہ وہمی۔ شاہدہ باجی کے بچے گاؤں کے پلے بڑھے تھے۔ شاہدہ باجی کی اپنی شخصیت میں سلیقے کا فقدان تھا۔ بچوں کی بھی نہ خاص تربیت نہ کر پائی تھیں۔ وہ کھاپی کر برتن ادھر ادھر لڑھکا دیتے۔ گیلے واش روم سلیپرز میں چھپ چھپ کرتے پورے گھر میں مٹرگشت کرتے۔ میلے پاؤں لے کر بستر پر چڑھ جاتے۔ بچوں سے لاڈ کا ان کا الگ انداز تھا۔ کبھی عبداللہ کو ہاؤ کہہ کر ڈرا دیتے تو کبھی ام ایمن کی پونی کھینچ لیتے۔ ثانیہ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں خود کو بغور دیکھتی کہیں اس کے ماتھے پر بل تو نمودار ہونا شروع نہیں ہو گئے۔

کیا اب زندگی اسی بے سکونی میں گزرنی تھی۔ یہ سوچ اسے مزید پریشان کر دیتی۔ وہ ہدایت سے یہ پریشانی بانٹ کے اسے بھی پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن اس کا جیون ساتھی اس کی دلی کیفیات سے ہرگز بے خبر نہیں تھا۔

"زندگی آزمائشوں سے ہی عبارت ہے ثانی! دوسروں کی زندگیوں سے اپنا موازنہ کریں تو شاید ہر انسان کو پھر اپنی ہی زندگی سہل لگتی ہے۔ شاہدہ باجی کے یہاں آنے سے ہماری گھریلو لائف بری طرح ڈسٹرب ہوئی ہے۔ مجھے اس حقیقت سے انکار نہیں لیکن خود سوچو، اللہ نے تمہیں پھر بھی اس آزمائش سے دوچار تو نہیں کیا جس آزمائش سے شاہدہ باجی کو دوچار کیا ہے۔"

ہدایت کے کہنے پر وہ دہل ہی تو گئی تھی۔ دل میں خدا سے بے ساختہ شوہر کی سلامتی کی دعا مانگی تھی۔

دوسری طرف ماہین بجو اور ضوبیا تھیں جو شاہدہ باجی کو یہاں لانے کے فیصلے کو سراسر احمقانہ قرار دے رہی تھیں۔

"بھئی، تھوڑا بہت مالی تعاون کر دیتے، یوں نند کو سر پر لا کر بٹھانے کی تو کوئی تک نہیں تھی۔" یہ ماہین بجو تھیں جو چھوٹی بہن کو اس کی بے وقوفی پر ٹوک رہی تھیں۔

"ثانیہ کو مصیبتیں گلے میں لٹکانے کا خود ہی شوق ہے۔" ضوبیا نے بے لاگ تبصرہ کیا۔

"بجائے اس کے کہ ہم سب ثانیہ کی ہمت بندھائیں، تم لوگ بلاوجہ اس کے پیچھے ہی پڑ گئے۔" عفت آپا نے ہی دونوں بہنوں کو ٹوکا۔

"رشتے ناتے بنانا بھی ایک آرٹ ہے اور اگر آج ہم کسی کے کام آئیں گے تو کل کوئی ہمارے بھی کام

آئے گا۔" عفت آپا رسانیت سے بولیں۔

"آپا تو کتابی باتیں کرتی ہیں۔ ہر انسان کو حق ہے کہ وہ اپنے لیے آسانیاں منتخب کرے 'آپا اور ثانی جیسے مثالی کردار تو صرف رسالوں اور کہانیوں میں ہی ملتے ہیں۔" ضوپا ہنسی تھی۔

ثانیہ کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ شادی سے پہلے ثانیہ ڈائجسٹ پڑھنے کی بہت شوقین تھیں۔ ایسی کہانیاں جس میں کوئی یتیم ہیروئن یا ہیرو کسی ظالم و جابر تائی یا ممانی کے رحم و کرم پر ہوتے تھے۔ ایسی کہانیاں پڑھ کر ثانیہ کا جی بہت دکھتا تھا ظالم تائی اور ممانی کے لیے دل سے بددعا نکلتی۔ اب احساس ہوتا کہ شاید ان کہانیوں میں تصویر کا ایک ہی رخ دکھایا جاتا تھا۔ ہوسکتا ہے ان تائیوں یا ممانیوں کو اپنے نادار رشتہ داروں سے کچھ سنجیدہ قسم کے مسائل بھی ہوتے ہوں۔ ثانیہ کو ایسے ہی بہت سے مسائل کا سامنا تھا۔

شاہدہ باجی کی خواہش تھی کہ بچوں کو اچھے سے اسکول میں داخل کروایا جائے بلکہ شاید وہ ام ایمن والے اسکول میں ہی اپنے بچوں کا ایڈمیشن کروانا چاہتی تھیں۔ اس اسکول کا معیار خاصا بلند تھا۔ ہدایت جانتا تھا کہ بچے داخلہ ٹیسٹ پاس کرنے کے اہل نہیں ہوں گے۔ اگر داخلہ ملتا تو پچھلی کلاسز میں مل سکتا تھا۔

"چھ مہینے ان کے ویسے ہی ضائع ہوگئے ہیں۔ اب میں پچھلی جماعتوں میں داخلہ دلوا کر ان کے ڈیڑھ دو سال مزید ضائع نہیں کرسکتا۔ مجھے جو اسکول مناسب لگا' میں نے ان کا وہاں ایڈمیشن کروادیا ہے۔" ہدایت دو ٹوک انداز میں بہن سے مخاطب ہوا۔ ان کا چہرہ اتر سا گیا تھا۔

"شاہدہ باجی سمجھ رہی ہیں کہ شاید آپ نے پیسوں کی وجہ سے بچوں کا یہاں ایڈمیشن کروایا ہے۔"

"یہ حقیقت ہے ثانی کہ سب بچوں کی اتنی مہنگی تعلیم میں افورڈ نہیں کرسکتا' لیکن اگر بچے واقعی ذہین اور قابل ہوتے تو میں کوئی نہ کوئی سبیل نکال کر ان کا ایمن والے اسکول میں ہی ایڈمیشن کروادیتا۔ اب یہ ممکن نہیں ہے۔ میں انہیں خود گھر پر پڑھایا کروں گا۔ مناسب توجہ ملنے پر اگر انہوں نے امپروو کیا تو ان شاءاللہ اگلے سال کسی اور اچھے اسکول میں داخل کروادیں گے۔" وہ مطمئن لہجے میں بولا۔

"لوگ کہیں گے اپنی اولاد کو شہر کے سب سے بہترین اسکول میں داخلہ دلوایا ہے اور یتیم بھانجوں کو۔۔۔"

"میں دنیا والوں سے یا لوگوں کی زبان سے خائف نہیں ہوں ثانی!" ہدایت نے اسے بات مکمل نہ کرنے دی "انسان کو صرف اپنے ضمیر کے سامنے جواب دہ ہونا چاہیے اور بس۔" وہ قطعیت بھرے انداز میں بولا۔

ثانیہ شوہر کے مزاج سے واقف تھی۔ اسے واقعی نہ لوگوں کی تعریف سے غرض ہوتی تھی نہ تنقید کی پروا۔ شاید اسی لیے وہ اتنے اطمینان سے رہتا تھا۔ وہ اطمینان جواب ثانیہ کی زندگی سے رخصت ہوچکا تھا۔

☆ ☆ ☆

کئی مہینوں تک سوگ کی کیفیت میں مبتلا رہنے کے بعد شاہدہ باجی سنبھل گئی تھیں۔ اب انہوں نے ازخود گھر کے کاموں میں حصہ لینا شروع کردیا۔ ثانیہ انہیں کام کرنے سے منع بھی نہ کرسکتی تھی کہ اس طرح وہ خود کو گھر میں اجنبی محسوس کریں گی لیکن ان کا کیا کام بھی ثانیہ کے من کو نہ بھاتا تھا۔ وہ کھانا پکاتیں تو مسالوں اور کوکنگ آئل کا بے دریغ استعمال کرتیں۔ مہینے بھر کا راشن بیس' بائیس دن میں ہی ختم ہوجاتا۔ تیز مسالوں والا کھانا ثانیہ کے حلق سے بمشکل نیچے اترتا۔ وہ شاہدہ باجی کو ٹوک بھی نہیں سکتی تھی۔ اس مشکل کا حل ہدایت نے نکالا۔ اس نے کھانے کی میز پر سرسری انداز میں ثانیہ کو مخاطب کیا۔

"بیگم! آج آپ نے کھانا تو لاجواب بنایا ہے لیکن مرچیں بہت تیز ڈال دیں۔ کئی دنوں سے میرے معدے میں تیزابیت ہورہی ہے۔ مرچیں ڈالتے وقت ذرا ہاتھ ہولا رکھا کرو۔" وہ نرمی سے بولا۔

"کھانا تو آج میں نے بنایا ہے۔ آئندہ مرچیں کم ڈال دیا کروں گی۔" شاہدہ باجی بولی تھیں۔

"آپ نے بنایا ہے؟ جب ہی تو میں کہوں، بالکل اماں والا ذائقہ۔ بس آپا! آئل اور مسالے کم ڈالا کریں۔ مجھے تیزابیت رہنے لگی ہے۔"

وہ رسانیت بھرے انداز میں بولا۔ شاہدہ باجی نے مسکرا کر اثبات میں گردن ہلادی۔ مسئلہ حل ہو گیا۔ یوں ہی مسئلے جنم لیتے رہتے۔ کچھ حل ہو جاتے۔ کچھ حل طلب رہ جاتے۔

ثانیہ بھی کبھی تو اس طرز زندگی کی عادی ہونے لگتی اور کبھی اسے شدت سے وہ ہی وقت یاد آتا جب وہ اپنی راجدھانی کی آپ مالک تھی۔ کیا سنہری وقت تھا۔ اب تو ہدایت اور اپنے بچوں کے ساتھ آؤٹنگ پر جانا بھی خواب و خیال ہو گیا تھا۔ ہدایت ہی سب بچوں کو گھر کے قریبی پارک میں لے جاتے۔

ثانیہ شاہدہ باجی کے بچوں سے ہمیشہ پیار بھرے لہجے میں مخاطب ہوتی، لیکن اسے لگتا جیسے یہ پیار صرف لہجے میں ہی ہے۔ وہ ان بچوں کے لیے اپنے دل میں محبت بھرے جذبات نہ پاتی تھی۔ وہ محبت جو اپنے بہن بھائیوں کے بچوں سے تھی۔ ہدایت کے بھانجوں سے نہ تھی۔

"اپنے خونی رشتوں سے محبت فطری چیز ہے ثانی! تم ایسی باتیں سوچ کر بلاوجہ اپنے ذہن کو الجھاتی ہو۔"

"مجھے لگتا ہے ہدایت! جیسے میں ایک دوغلی عورت ہوں اور میں منافقت برتتی ہوں۔" وہ شوہر سے اپنے دل کی کوئی بات نہ چھپاپاتی۔

"یہ منافقت نہیں ہے ثانی! یہ مروت ہے۔ تم ان بچوں سے محبت نہیں کرتیں اس کے باوجود محبت بھرا برتاؤ اختیار کرتی ہو۔ اس سے بڑی اور کیا بات ہو سکتی ہے۔" ہدایت کی باتیں اس کے ضمیر کی خلش کم کردیتیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ بچوں کا لاابالی پن قدرے کم ہوا۔ اب شاید ثانیہ کو بھی ان سے انسیت ہو گئی تھی۔ وہ ان لوگوں کی عادی ہو گئی تھی۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتیں جو پہلے بہت کوفت میں مبتلا کرتیں اب

اس نے ان باتوں سے سمجھوتا کرلیا تھا۔

کچھ وقت اور آگے سرکا۔ زندگی کے اگلے پریشان کن باب کا تعلق اس کے میکے سے تھا۔ ضویا احمر سے لڑجھگڑ کر میکے آن بیٹھی تھی۔ احمر جو ہمیشہ سے ہی اس کی مٹھی میں تھا جانے کیسے اس کی مٹھی سے پھسل گیا۔ شاید وہ گھر میں ہونے والی ہر وقت کی چخ چخ سے تنگ آچکا تھا۔ ماں، بہنیں مستقل ضویا کے خلاف اس کے کان بھرتی رہتی تھیں پہلے وہ ایسی باتوں کو نظرانداز کردیتا تھا۔

ضویا اسے اپنی کامیابی تصور کرتی اور طنزیہ مسکراہٹ چہرے پر سجا کر ان کا جی مزید جلاتی۔ کبھی کبھی طنزیہ فقرے بھی لڑھکا دیتی۔ لڑائی کا آغاز ان ہی چھوٹی موٹی باتوں سے ہوا۔ احمر، ضویا کو خاموش ہونے کا کہتا رہا۔ اس نے شوہر کی بات کو کوئی اہمیت نہ دی۔ فریقین میں تو تکرار بڑھتی رہی۔ ضویا ساس، نندوں کو دوبدو جواب دیتی رہی اور پھر احمر کی برداشت جواب دے گئی۔

اس نے ضویا کے چہرے پر مکے بعد دیگرے دو طمانچے رسید کیے تھے۔ ضویا اور بھڑک گئی۔ دونوں بچوں کی انگلی پکڑ کر اسی وقت گھر سے نکل گئی۔ اب چار مہینے ہونے کو آئے تھے، وہ میکے میں بیٹھی تھی۔ احمر یا اس کے گھر والوں نے کوئی رابطہ نہ کیا تھا۔

امی، ابو کی راتوں کی نیندیں اڑ گئی تھیں۔ امی ضویا کو ہی موردالزام ٹھہراتیں۔ ضویا، ہسٹریائی ہو کر چلانے لگتی۔ تینوں بہنیں اس کی دل جوئی کے لیے جلدی جلدی میکے کا چکر لگاتیں۔ کوئی سمجھاتا تو کوئی تسلی دیتا۔ بہنوں کے آنے سے ضویا کا جی بھی بہل جاتا، لیکن ثانیہ محسوس کرنے لگی تھی کہ زین کی بیوی عروج اب ان بہنوں کی آمد پر پہلے کی طرح خوش دلی سے استقبال نہیں کرتی۔ شاید اس پر کام کا بوجھ بڑھ گیا تھا۔ ثانیہ جب بھی جاتی اس کا ہاتھ بٹانے کی کوشش کرتی۔

"آپ رہنے دیں ثانیہ باجی! میں کرلوں گی لیکن ضویا باجی کو سمجھائیں۔ لڑکی کا اصل گھر سسرال ہی ہوتا ہے۔ امی، ابو الگ ٹینشن میں ہیں۔ اس مسئلے کا اب

کوئی حل نکلنا چاہیے۔"

"ہاں حل تو نکلنا چاہیے۔" ثانیہ یہ ہی کہہ سکی۔

ضوبیا کے بچوں نے ہمیشہ پیسوں کی فراوانی دیکھی تھی۔ اب بھی وہ ضد کر کے زین کے ساتھ بازار جاتے تو چیزوں سے لدے پھندے گھر لوٹتے۔ زین بے چارہ برا پھنسا تھا۔ ضوبیا کے لحاظ میں اس کے بچوں کی فرمائشیں پوری کرتا تو جیب کا کباڑا ہو تا سو ہو تا بیوی کا منہ بھی پھول کر غبارہ ہو جاتا۔

عروج کی ناگواری اور بے زاری رفتہ رفتہ کھل کر سامنے آرہی تھی۔ ضوبیا سے چھوٹی ہونے کے باوجود وہ ضوبیا پر ڈھکے چھپے الفاظ میں طنز کرنے لگی تھی۔ ثانیہ ضوبیا کی وجہ سے پریشان سی تھی۔ کبھی کبھار اسے ہدایت کی بہت پہلے کہی بات یاد آتی تو وہ لرز کر رہ جاتی۔ اگر اللہ نے اسے شاہدہ باجی والی آزمائش میں مبتلا کیا ہوتا تو؟ لاکھ سر جھٹک کر سوچ کو دماغ سے نکالتی، مگر یہ سوچ رگ و پے میں جھرجھری دوڑانے کا باعث بن جاتی۔ اللہ سے اپنا سہاگ سدا سلامت رکھنے کی دعا کرتی۔

شاہدہ باجی اور ان کے بچوں سے مزید محبت اور اپنائیت سے پیش آتی۔ عفت آپا صحیح کہتی تھیں رشتے نبھانا بھی ایک آرٹ ہے۔ اگر آج ہم کسی کے کام نہیں آئیں گے تو کل کوئی ہمارے بھی کام نہیں آئے گا اور ضوبیا کہتی تھی کہ ہر انسان کو حق ہے کہ وہ زندگی میں آسانیاں منتخب کرے۔ یہ ہی حق عروج بھی استعمال کر رہی تھی۔ اسے اپنے گھر میں ضوبیا اور اس کے بچوں کا وجود نرا جھنجھٹ لگتا تھا۔ ماں باپ بوڑھے اور بے بس تھے۔ اب گھر پر بھابھیوں کا راج تھا۔

ضوبیا کو بالآخر یہ حقیقت سمجھ میں آگئی۔ ابو ہدایت کو ساتھ لے کر ضوبیا کے سسرال گئے تھے۔ انہیں اپنے بیٹوں سے زیادہ ہدایت کی فہم و فراست پر بھروسا تھا۔ اس نے خود کو کسی موقع پر داماد نہیں سمجھا تھا بلکہ ہمیشہ بیٹا بن کر دکھایا تھا۔ ضوبیا کے سسرال میں اس نے بہت سلیقے، سبھاؤ سے بات کی۔ فہمیدہ آنٹی کا رویہ اب بھی درشتی لیے ہوئے تھا لیکن ضوبیا کے سسر نے ابو اور ہدایت کے آنے کا مان رکھا بلکہ ان سے معذرت بھی کی اور یقین دلایا کہ وہ بہت جلد احمر کو ضوبیا اور بچوں کو لانے کے لیے بھیج دیں گے۔

احمر خود بچوں کے بغیر نہ رہ سکتا تھا بس اسے ضوبیا کے گھر والوں کے رابطے کا انتظار تھا۔ اب وہ ضوبیا کو لینے جاتا تو اس کی انا کو کوئی ٹھیس نہ پہنچتی۔ وہ ضوبیا کو لینے چلا گیا تھا۔ ضوبیا بنا چوں چرا کیے اس کے ساتھ چلی گئی۔ زندگی کی حقیقتیں تلخ سہی، مگر اس کڑوے گھونٹ کو پیے بنا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

ہدایت کو باہر کی بہت اچھی یونیورسٹی سے اسکالر شپ پر پی ایچ ڈی کرنے کا موقع ملا تھا۔ اس نے ثانیہ سے مشورے کے بعد آفر قبول کرلی تھی۔ دونوں میاں بیوی عارضی مدت کے لیے جدا ہو رہے تھے۔ ثانیہ کا دل بہت اداس تھا لیکن اس اداسی میں پریشانی کا کوئی گزر نہ تھا۔ شوہر کی غیر موجودگی میں اسے میکے جاکر نہیں رہنا تھا۔ وہ یہاں اپنے گھر میں آسانی سے رہ سکتی تھی۔ وہ کون سا یہاں پر اکیلی تھی۔

شاہدہ باجی اور ان کے بچے تھے نا اس کے پاس۔ شاہدہ باجی کے بڑے دو بیٹوں نے تو ماشاء اللہ خوب قد نکال لیا تھا۔ وہ باہر کے سارے کام بھی بہ آسانی نمٹا سکتے تھے۔ شاہدہ باجی بھی اب خاصی مصروف رہنے لگی تھیں۔ انہوں نے آس پڑوس کی عورتوں کے کپڑے اجرت پر سلائی کرنا شروع کردیے تھے۔ حالانکہ ثانیہ کو دنیا والوں کی زبانوں سے خوف آیا تھا کہ کیا کہیں گے سب کہ ہدایت 'بیوہ بہن کو گھر بٹھا کر کھلا بھی نہ پایا' لیکن ہدایت کو ان باتوں کی کوئی پروا نہ تھی۔

"شاہدہ باجی کے لیے مصروفیت بہت ضروری ہے اور جب ان کے ہاتھ میں اپنی کمائی آئے گی تو ان کا اپنی ذات پر اعتماد بڑھے گا۔ ان کی زندگی میں اسی اعتماد کی کمی ہے۔ ہاں اگر وہ جسمانی طور پر اس مشقت سے تھکنے لگیں تو مجھے بتا دینا۔ میں اسی روز ان کا کام چھڑوا دوں گا۔"

اس نے ثانیہ کو مخاطب کیا اور فی الحال تو شاہدہ باجی اپنے کام سے پوری طرح مطمئن تھیں۔ گھر کے دوسرے کاموں میں وہ جس قدر بے ڈھنگی تھیں سلائی کا کام اتنا ہی نفیس انداز میں کرتی تھیں۔ اب انہیں بوتیک کا کام بھی ملنے لگا تھا جس کے دام انتہائی مناسب تھے۔

"جب ہدایت پڑھائی مکمل کر کے وطن واپس آئیں گے نا شاہدہ باجی تو ان کی ترقی بھی ہوگی اور تنخواہ میں بھی ٹھیک ٹھاک اضافہ ہوگا پھر ہم ان شاء اللہ اپنا بزنس شروع کریں گے۔ اپنا بوتیک کھولیں گے۔" وہ شاہدہ باجی سے مخاطب تھی۔

"ہدایت ابھی وطن سے باہر گیا نہیں اور آپ دونوں خواتین اس کی واپسی کے بعد کی پلاننگز کر بیٹھیں۔ کیا کہنے آپ کے۔" وہ ہنسا تھا۔

"اچھا ٹائم ضائع مت کرو۔ جاؤ جہاں جانا ہے۔" شاہدہ نے مسکرا کر چھوٹے بھائی کو ٹوکا۔

"کہاں جانا ہے؟" ثانیہ حیران ہوئی۔

"اگر آپ اجازت دیں خاتون تو آپ کے ساتھ ڈنر پر جانا ہے۔ اگلے مہینے کی چودہ تاریخ کو ہماری ویڈنگ انیورسری ہے۔ ہم ایک مہینے بعد گوروں کے دیس میں ہوں گے تو کیا خیال ہے پیشگی سالگرہ نہ منالیں۔"

وہ مسکراتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ ثانیہ نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر شوہر کو دیکھا۔ اس کی شادی کو آٹھ برس ہونے کو آئے تھے اور وہ پہلی بار شادی کی سالگرہ پر ڈنر کروانے لے جا رہا تھا۔

"حیران بعد میں ہونا۔ فٹافٹ تیار ہو جاؤ۔ ابھی عبداللہ سو رہا ہے۔ جاگ گیا تو ساتھ چلنے کی رٹ لگا دے گا۔ ہمارے پیچھے تو شاہدہ باجی سنبھال لیں گی اسے۔"

"ہاں میں سنبھال لوں گی لیکن واپسی پر ہمارے لیے بھی یاد سے چرغہ پیک کروا کر لانا۔ ہم نے تو کافی دنوں سے کوئی نہیں کھائی۔"

شاہدہ باجی نے بے تکلفی سے فرمائش کی۔ ہدایت نے محبت سے انہیں دیکھا۔ بہت عرصہ لگا تھا انہیں یوں بے تکلفی سے فرمائش کرنے میں۔

"فکر ہی نہ کریں شادو باجی۔ چکن روسٹ بھی لاؤں گا اور ساتھ آپ کی پسند کی رس ملائی بھی۔ بس اتنے ہم واپس آئیں آپ نے اپنے بچوں اور ہمارے بچوں کا خیال رکھنا ہے۔" اس نے انہیں مسکرا کر مخاطب کیا۔

"بیوی' یار جلدی سے تیار ہو جاؤ۔" وہ ثانیہ کو ہانک لگاتا اس کے پیچھے بیڈ روم میں داخل ہوا۔ وہ کپڑوں کی الماری کا پٹ کھولے کھڑی تھی۔ سوٹ کا انتخاب مشکل ہو رہا تھا۔

"وہ پیازی رنگ والا سوٹ پہن لونا جو تم نے اتنے عرصے پہلے بنوایا تھا اور ابھی تک صرف ایک بار پہنا ہے۔" اس نے فرمائش کی۔

"پیازی والا سوٹ پہنوں گی تو آپ ڈنر کے بعد مجھے وہ غزل سنائیں گے جو آپ نے اتنے عرصے پہلے اپنی ڈائری میں میرے لیے لکھی تھی اور مجھے ایک بار بھی نہیں سنائی۔" ثانیہ نے جوابی فرمائش کی۔

"تم نے کب پڑھی؟" ہدایت نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں۔

"جس دن آپ نے لکھی تھی اس سے اگلے روز۔" ثانیہ نے مزے سے بتایا۔ ہدایت بلاناغہ ڈائری لکھتا تھا اور ثانیہ اس کے کالج جانے کے بعد اس کی ڈائری لازمی پڑھتی تھی۔

"کسی کی ڈائری پڑھنا غیر اخلاقی فعل ہے ثانیہ بیگم۔" وہ جز بز ہوتے ہوئے بولا۔

"ہاں تو کسی کی ڈائری تھوڑی پڑھتی ہوں۔ میں تو اپنے ماسٹر ہدایت اللہ کی ڈائری پڑھتی ہوں۔ باقاعدگی سے بلاناغہ۔" اس نے کمال بے نیازی سے اعتراف کیا۔

"اللہ ہی تمہیں ہدایت دے بیوی!" اس چوری اور سینہ زوری پر وہ فقط یہ ہی کہہ پایا۔

"اللہ نے مجھے ہدایت ہی دیا ہے میاں جی۔" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ہدایت نے اسے محبت پاش نگاہوں سے دیکھا پھر خود بھی مسکرا دیا تھا۔

نعیمہ ناز

باتیں تو دونوں کے درمیان بہت سالوں سے تھیں۔ تب سے جب سے دونوں کا "لو" شروع ہوا تھا اور تب سے بھی جب دونوں کے "لو" کے آگے "میرج" کے نئے لفظ کا اضافہ ہوگیا۔ پھر میرج جیسے جیسے آگے بڑھتی گئی۔ اس سے جڑا "لو" جانے کیوں پیچھے ہٹتا گیا' جس طرح محبت کرنے کے لیے ایک سے زیادہ وجوہات ہوتی ہیں۔ اسی طرح محبت کے خاتمے کی بھی کوئی ایک وجہ نہیں ہوتی' ایک کے بعد ایک پیار کی مالا کے موتی گرتے جاتے ہیں' بکھرتے جاتے ہیں' دونوں کے درمیان باتیں اب بھی ہوتیں' مگران باتوں کی نوعیت بدل گئی تھی۔ الفاظ بدل گئے تھے۔ موضوعات بدل گئے تھے۔ اب دونوں کے درمیان گفتگو کا آغاز کسی اختلافی موضوع پر ہوتا اور اختتام جھگڑے پر' ایک دوسرے سے ناراضی اور منہ پھلانے کے سیشن طویل ہوتے جارہے تھے۔ لڑائیوں کا دورانیہ بڑھتا جارہا تھا۔

یہ دونوں امیر تھے۔ بہت زیادہ مشہور تھے' بہت زیادہ' ان دونوں چیزوں یعنی دولت اور شہرت کی زیادتی دو دھاری تلوار ہے' انسان لاپروا ہوجائے' انہیں برتنے کا طریقہ اور سلیقہ ملحوظ نہ رکھے تو یہ تلوار بڑا ہی نقصان پہنچاتی ہے۔ تو پھر ملک کے مشہور بزنس ٹائیکون علی اشعر اور اس سے زیادہ مشہور' معروف اور معروف ماڈل اور اداکارہ بیوی کے درمیان یہ دودھاری تلوار محبت اور رشتے کے خوب صورت مگر نازک دھاگے کے عین اوپر آگئی تھی' کسی بھی وقت گر سکتی تھی۔

دونوں کے درمیان جھگڑوں کی وجوہات اب تو بہت ساری ہوگئی تھیں۔ مگر بنیادی وجہ ایک تھی' جس پر سب سے زیادہ سب سے سنجیدہ معرکے ہوتے تھے۔ وہ مسئلہ تھا لباس' غریبوں کے ہاں پیسوں کے کم ہونے پر جھگڑا ہوتا ہے۔ امیر اور ماڈرن فیملیز میں لباس کم ہونے پہ جھگڑا ہوتا ہے۔ جیسے جیسے عیشا کی شہرت اور مقبولیت کا گراف بڑھ رہا تھا اس کا لباس مختصر ہوتا جارہا تھا۔ فیشن کی دنیا میں وہ اب آئی کون کی حیثیت اختیار کرگئی تھی۔ ملک کی ٹاپ ماڈل اور بہترین اداکارہ کے ایوارڈ اس کے پاس تھے۔

علی اشعر اس سے پیار کرتا تھا۔ اس کی اور اس کی صلاحیتوں کی قدر کرتا تھا۔ اسی لیے شادی اور ایک بیٹی کے بعد جب وہ انتہائی سنجیدگی اور محنت سے اپنے کیریئر کے لیے جدوجہد کررہی تھی تو علی اشعر نے اسے بھرپور سپورٹ کیا تھا۔ اب بھی اسے اپنی بیوی سے کوئی مسئلہ نہیں تھا' سوائے اس کے کہ وہ لباس میں کچھ تو حدود و قیود کی پابندی کرلے۔ سیلولیس' شولڈر لیس پہ اسے کوئی خاص اعتراض نہ ہوا۔ پنڈلیاں دکھاتے لباس بھی قابل قبول تھے۔ مگر جب کچھ انگلش میگزین میں تواتر سے ایسی تصاویر کی اشاعت ہوئی جو نظیر اکبر آبادی کے اس شعر کی تفسیر تھی کہ

یاں آگا بھی کھل رہا ہے' یاں پیچھا بھی کھل رہا ہے
یاں یوں بھی واہ واہ ہے' یاں ووں ۔۔۔ بھی واہ واہ ہے

علی اشعر تصاویر دیکھ کر بھنا گیا۔ دونوں کے درمیان زبردست معرکہ ہوا۔

"مجھے معلوم نہیں تھا تم اتنے کنزرویٹو ہو۔" عیشا چلائی۔

"مجھے بھی معلوم نہیں تھا تم اتنی بے شرم ہو۔"

علی اشعراس سے زیادہ زور سے چلایا۔
"میں نے کیا بے شرمی دکھائی ہے؟" دکھ اور صدمے کے مارے عیشا کے منہ سے کوئی اور لفظ نہ نکلا۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
"یہ دیکھا ہے تم نے۔" علی اشعر نے میگزین اس کی طرف پھینکا۔
"ماڈلنگ میں تو ایسا ہوتا ہی ہے۔"
"کس چیز کی ماڈلنگ ہے یہ؟" علی اشعر نے دانت پیسے۔
"نظر نہیں آرہا' کپڑوں کی ہے۔" عیشا نے اس "اندھے" کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔
"کہاں ہیں کپڑے؟ اس میں تو صرف تم نظر آ رہی ہو اس پروڈکٹ کے بغیر جس کی ماڈلنگ کر رہی ہو۔"
"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" عیشا تلملائی۔

"اتنا نہیں ہوا کہ اپنی فیملی کو ذلیل کرنے والے کام کروں۔"

"تم آئے دن بہانے ڈھونڈتے رہتے ہو مجھ سے لڑنے جھگڑنے کے' ایک بار ہمت کرکے فیصلہ کیوں نہیں کرلیتے۔" **عیشا** اسے صرف غصہ نہیں دلا رہی تھی بلکہ اکسا بھی رہی تھی۔

قصور دراصل علی اشعر کا بھی اتنا نہیں تھا' وہ ملک کی ایک بہت بڑی کاروباری فیملی سے تعلق رکھتا تھا جن کے باپ' دادا نے قیام پاکستان کے بعد محنت اور ایمان داری کے ساتھ کام کرتے ہوئے اپنے بزنس کی بنیاد رکھی تھی۔ ستر سالوں میں انہیں اللہ نے برکت بھی دی اور ترقی بھی' ابھی یہ گھرانہ ان بہت سی برائیوں اور وباؤں سے دور تھا جو حرام رزق کی زیادتی سے گھرانوں اور گھروں میں در آتی ہیں۔ اس کے والدین تعلیم یافتہ تھے۔ جدید دور کے تقاضوں سے بہرہ مند تھے۔ مگر کچھ مذہبی اور اخلاقی قدریں ابھی گھرانے میں موجود تھیں۔ والدہ کا دوپٹا سر سے اتر کر کاندھے پر آگیا تھا' مگر ابھی لباس کا حصہ تھا' اسے کاٹھ کباڑ بنا کر اسٹور میں نہیں ڈال دیا تھا۔ والد صاحب پانچوں وقت کے نہ سہی' مگر جمعے کی نماز کی پابندی ضرور کرتے تھے۔ سالانہ زکوٰۃ اور ٹیکسوں کی ادائیگی کی پابندی۔ ایمان داری اور پاسداری سے کی جارہی تھی۔

اس ماحول میں پل کر بڑا ہوا علی اشعر اگرچہ باہر سے بزنس کی بہت اعلا ڈگری لے کر آیا تھا اور اپنے رویے' حلیے اور رہن سہن میں بہت ماڈرن اور جدید ہونے کے باوجود اندر کہیں نہ کہیں اخلاقی اور مشرقی اقدار کا حامی ضرور تھا' **عیشا** سے شادی اپنی مرضی اور پسند سے کی تھی۔ والدین کو بھی کوئی اعتراض نہ ہوا کہ اس سے پہلے تین بیٹوں کی شادی اپنی مرضی اور پسند سے کرچکے تھے۔ چوتھے نے اپنی مرضی کرنی چاہی تو وہ اپنے فیصلوں میں آزاد تھا۔ **عیشا** سے جب اس کی ملاقات ہوئی تو وہ شوبز میں آنے کے خواب دیکھ رہی تھی۔ ارادے بنا رہی تھی' محبت ہوئی تو وہ شوبز میں قدم رکھ چکی تھی اور شادی ہوئی تو اس فیلڈ میں اس کے قدم کچھ جم گئے تھے۔ بیٹی کی پیدائش کے بعد شہرت کی ابتدائی سیڑھیوں پہ تھی اور اب جب ان کی شادی کی عمر سات سال اور بیٹی کی عمر چھ سال تھی وہ شہرت کے آسمان پر تھی۔

آسمان پہ ہونے کا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ وہاں رہنے والے جب نیچے زمین پر دیکھتے ہیں تو انہیں سب کچھ بہت چھوٹا چھوٹا اور معمولی سا دکھائی دیتا ہے۔ **عیشا** کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہو رہا تھا۔ اسے علی اشعر سے محبت تو تھی' مگر اس کے اعتراضات بہت فضول لگتے تھے۔ شادی قائم رکھنے کا معاملہ اتنا سنجیدہ اور اہم نہ رہا اس کے نزدیک' وہ روٹھ کر میکے آگئی تھی۔ جہاں والدین تو حیات نہیں تھے' مگر شادی شدہ بھائی تھے۔ کسی کو ضرورت نہیں تھی' نہ ہی ہمت کہ اس کے معاملات میں دخل دے۔ سوائے اس کی بڑی بہن کے۔ جن سے علی اشعر کی بات ہوئی تھی۔

"آپ اسے سمجھائیں' گھر توڑنے کی بے وقوفی نہ کرے۔ میرا نہیں تو کم سے کم اپنی بیٹی کے بارے میں تو سوچے۔"

آپا نے **عیشا** کو سمجھانے کی کوشش کی' اس نے سب کچھ سنا اور شرط عائد کردی۔

"اس سے کہو' لینے آجائے۔"

علی اشعر تک یہ شرط پہنچی۔ وہ راضی ہوگیا' مگر ایک شرط اس نے بھی رکھ دی۔ **عیشا** کے اس طرح جانے سے اس کی انا ہرٹ ہوئی تھی۔ اتنی چاہت' الفت اور ہر طرح سے خیال رکھنے کے باوجود بھی وہ ناراض ہو کر یوں گھر چھوڑ گئی۔ اس کا اصرار تھا کہ پہلے **عیشا** اسے فون کرکے اس طرح گھر چھوڑنے پہ معذرت کرے۔ پھر وہ لینے آجائے گا۔

عیشا کو یہ شرط قبول نہیں ہوئی۔ اپنی بات منوائے بغیر وہ **عیشا** کی بات ماننے پہ راضی نہیں تھا۔ رشتے کی ڈور میں کھینچا تانی اپنی آخری حدود میں پہنچ چکی تھی۔

"تم ہی کچھ لچک دکھادو' وہ بہرحال شوہر ہے' تم سے محبت کرتا ہے اور پھر ایمان داری کی بات ہے۔ دیکھا جائے تو غلطی تمہاری ہے۔ تمہیں گھر چھوڑ کر نہیں

آنا چاہیے تھا۔" آپا کے سمجھانے کا اثر بس اتنا ہی تھا جتنا کہ چکنے گھڑے پہ پانی کی چند بوندیں۔

"سوری کس بات کی؟ میں گھر چھوڑ کر اس لیے آئی ہوں کہ اس گھر کا ماحول اور علی کی باتیں اب ناقابل برداشت ہو چکی ہیں۔ ہر وقت اعتراض' ہر بات میں اعتراض' میرے کیریئر کے راستے میں ایک بھاری پتھر بنتا جا رہا ہے وہ۔" عیشا نخوت سے بول رہی تھی۔

"تمہیں اس مقام تک پہنچنے کے لیے سب سے زیادہ اسی نے سپورٹ کیا ہے تمہیں۔" آپا کو اس کی تو تا چشمی سی باتیں اور رویہ کھل رہا تھا۔

"اور اب وہی میری شہرت اور میری کامیابی سے جیلس ہو رہا ہے۔" عیشا نے ایک نظر بڑی بہن کو دیکھا۔

"آپ کو معلوم ہے مجھے پڑوسی ملک سے آفر آ رہی ہے' ایسے ویسے لوگوں کی نہیں' بلکہ بہت بڑے بڑے ناموں اور بینرز کی طرف سے' علی چاہتا ہے کہ میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گھر بیٹھ جاؤں۔ آپ میری جگہ ہوتیں تو کیا کرتیں۔" عیشا نے گیند ان کے کورٹ میں ڈال دی جو بڑے تحمل سے اسے سن رہی تھیں۔

"میں تمہاری جگہ ہوتی تو مفاہمت کا راستہ اختیار کرتی۔" آپا نے تحمل سے ہی اسے جواب دیا تھا۔

"ایک آزاد' خود مختار اور کامیاب عورت کو' مفاہمت کی کیا ضرورت ہے؟ اگر وہ واقعی میری اور میرے کیریئر کی پروا کرتا ہے تو لینے آجائے۔ میں چلی جاؤں گی' لیکن میں اس سے سوری کیوں کروں؟ جیسے اسے اپنی انا عزیز ہے' مجھے بھی ہے۔"

"وہ تمہارے کیریئر کی راہ میں حائل نہیں ہے۔ عزت اور وقار کے ساتھ کام کرو۔ وہ ہر جگہ تمہیں سپورٹ کرے گا۔" آپا نے اسے سمجھانے کی کوشش کی' مگر سعی لاحاصل تھی۔

عیشا کو کچھ نہیں سمجھنا تھا۔ لہٰذا وہ نہ سمجھی اور نہ ہی سمجھنے کی کوشش کی' پتا نہیں کیا بات ہے' دنیا بھر میں بہت سے کامیاب افراد خصوصاً" کامیاب عورتیں اپنی شان دار کیریئر اور بلندیوں پہ پہنچ کر کامیابی کا خراج ناکام ازدواجی زندگی کی قیمت میں ادا کرتی ہیں۔ عیشا کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا' اسے اس اکیلے کی کوئی خاص پروا نہیں تھی۔ بیٹی سے اسے محبت تھی۔ مگر اس کے اور اپنے بہترین مفاد میں یہی تھا کہ وہ علی اشعر کے پاس رہے' بیٹی سے ملنے پہ کوئی پابندی تو نہیں تھی' گاہے گاہے ملاقات بھی ہو جاتی' کبھی براہ راست ورنہ روزانہ فون کے ذریعے۔

شادی ختم ہو گئی تو اسے بھی سکون آگیا اور میڈیا کو بھی' جو روزانہ کی بنیاد پر اس کی گھریلو زندگی کے بارے میں خبریں چھاپ رہا تھا۔

کچھ دن افسوس کے عالم میں گزار کر وہ اپنی دنیا میں گم ہو گئی۔ شہرت اور کامیابی کا ایک اور اونچا آسمان اسے اپنے پاس آنے کی دعوت دے رہا تھا۔ وہ بلا توقف سیڑھیاں چڑھنے میں مگن ہو گئی' پڑوسی ملک میں ایک کے بعد ایک دونوں فلمیں اس کی سپر ہٹ گئیں۔ وہ مقبولیت کا ایک نیا اور انوکھا مزا چکھ رہی تھی۔ اس کی اداکارانہ صلاحیتوں کے چرچے ہر طرف تھے۔ اس کے ساحرانہ حسن اور باوقار انداز و اطوار میں بڑی کشش تھی۔ زیادہ عرصہ نہیں لگا تھا' صف اول کی فنکاراؤں میں اس کا شمار کیا جا رہا تھا۔

مقدر کا ستارہ عروج پر ہو تو اکیلا ہوتے ہوئے بھی انسان اکیلا نہیں ہوتا' تنہائی کو بانٹنے کے بہت سے متمنی قریب آجاتے ہیں یا آنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کا مزاج نہیں تھا۔ اس طرح کسی کی حوصلہ افزائی کرنا' مگر اچھے دوست کی ضرورت تو ہر کسی کی طرح اسے بھی محسوس ہوتی تھی۔ اس دنیا میں جہاں ہر رشتے خصوصاً" دوستی اور تعلقات کی بنیاد کسی نہ کسی غرض پر ہوتی ہے' وہاں ہم مزاج' ہم نفس و دم ساز کا دم غنیمت ہی لگتا ہے۔

وہ ساتھی فن کار تھا۔ مہربان اور دوست فطرت کا مالک' دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ وقت گزار کر خوشی محسوس ہوتی تھی۔ شوبز کی دنیا بڑی کیلکولیٹڈ سی دنیا ہے۔ اپنے ایک ایک لمحے کی بھرپور قیمت وصول کرتی ہے۔

دونوں کسی پارٹی میں تھے۔ ہاتھوں میں گلاس اور سب کو معلوم ہے کہ ان میں سافٹ ڈرنک نہیں ہوتا' عیشا کا لباس جدید فلمی فیشن کے عین مطابق تھا۔ تھوڑا سا چھپاتا ہوا اور بہت کچھ دکھاتا ہوا۔

ویسے فیشن کا یہ انداز بھی بہت خوب ہے کہ مرد حضرات کے لباس یوں تیار کیے جاتے ہیں کہ سر سے پاؤں تک وہ بالکل ڈھک جائیں۔ کالر سے گردن چھپ جائے' کفوں اور آستینوں سے بازو اور کلائیاں' موزوں میں پیر تک چھپ جاتے ہیں اور خواتین کے لیے ایسے ملبوسات' فیشن کی اساس ہیں جو ہر چند کہیں ہے' نہیں ہے۔

اس طرح کے لباس دیکھ خیال آتا ہے کہ شاید کچھ لوگ ذہنی طور پر ابھی بھی لاکھوں' کروڑوں سال پہلے والی دنیا کے باسی ہیں' جب چند پتوں سے جسم کی ستر پوشی کا کام لیا جاتا تھا' اب چند پتوں کی جگہ کپڑے کے چند ٹکڑوں اور ڈوریوں نے لے لی ہے۔ کبھی ہوگی یہ جنگل کی تہذیب' مگر آج کی جدید دنیا میں فیشن کے نام پہ آج کا تمدن ہے یہ۔

ایشا اور اس کے ساتھی فنکار کی تصاویر وائرل ہوگئیں۔ سوشل میڈیا میں جیسے بھونچال آگیا۔ بھانت بھانت کے تبصرے اور تجزیے ہو رہے تھے۔ وطن کے لوگوں کی شرم جاگ رہی تھی۔ غیرت انگڑائیاں لے رہی تھی' کسی کو مذہبی روایات یاد آرہی تھیں' کسی کو مشرقی کلچر' کسی کو ملک کے وقار کا خیال آیا۔ کسی کو قوم کی عزت کی فکر ہوئی۔ کوئی اسے بالکل عیاں بتلا کر شرم دلا رہا تھا' تو کوئی نیم عریاں بتا کر اپنی پارسائی جتا رہا تھا۔

کسی کسی نے تو حد ہی کردی' اسے بدصورت بھی کہہ دیا۔ حالانکہ اگر حسن کی تعریف یہ ہی ہے کہ وہ دل و نظر کو خود پر سے ہٹنے نہ دے تو عیشا کی یہ تصویر حسن کے معیار پہ پوری اتر رہی تھی۔

"میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ ایسی کیا قیامت آگئی ہے؟" عیشا جھنجلا رہی تھی' اپنی فلم میں اس سے زیادہ خود کو ایکسپوز کرنے والے ڈریس پہنے تھے اس نے۔ ہیرو کی بانہوں میں جھولتے ہوئے کسی قدر بولڈ مناظر عکس بند کرائے تھے۔ ان سب پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوا؟

"وہ فلم تھی میری جان' فلم میں عموماً" لوگ بہت کچھ گوارا کرلیتے ہیں۔ عام زندگی میں نہیں۔" یہ اس کی میڈیا مینجر بھی تھی اور پرسنل سیکریٹری بھی' جیا کبیر۔

"کسی کو کیا کہ میں اپنی پرائیویٹ لائف میں کیا کرتی ہوں۔" ایشا نے سگریٹ سلگا لیا۔ وہ واقعی بہت ٹینس ہو رہی تھی۔

"تم ایک پبلک فگر ہو' پبلک فگر کی کوئی پرائیویسی نہیں ہوتی' ہو ہی نہیں سکتی' ایک طرف آپ لوگ چاہتے ہو کہ شہرت کے آسمان پہ چاند بن کر چمکو' دنیا آپ کو دیکھے' جانے اور سراہے اور جب دنیا ہر زاویے سے آپ کو دیکھنے کی' آپ کو جاننے کی کوشش کرتی ہے تو آپ چیخنے لگتے ہو' پرائیویسی' پرائیویسی۔ الس ناٹ فیئر۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو جیا؟" عیشا نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"یار! یہاں سب لوگ سب کچھ کرتے ہیں' تم جو چاہتی ہو کرو' مگر پاپا رازیوں سے بچ کر' یہ ہی لوگ تمہاری پرائیویٹ لائف کو پبلک تک پہنچاتے ہیں۔ ان سے بلکہ کسی سے یہ توقع نہ رکھو کہ وہ تمہاری پرائیویسی کا احترام کریں گے۔ بہت سوں کی روزی روٹی ان ہی طور طریقوں سے بندھی ہے۔"

"اور یہ جو لوگوں کے ٹوئیٹس آرہے ہیں؟"

اپنے پورے کیریئر میں پہلی بار اسے یوں لتاڑا جارہا تھا' باتیں سنائی جارہی تھیں۔ تنقید کی وہ عادی تھی' مگر وہ کچھ مخصوص تنقید نگاروں کی طرف سے ہوتی تھی۔ عوام سے تو ہمیشہ اسے پیار و محبت اور پسندیدگی ملی تھی۔ بے چاری عیشا بوکھلا سی گئی۔ اتنے سال اس فیلڈ میں گزارنے کے باوجود بھی وہ خود کو بالکل نووارد محسوس کررہی تھی۔ فی الحال تو اس نے خاموشی اختیار کررکھی تھی۔

"کچھ تو کہو۔" جیا نے اکسایا۔ سوشل میڈیا پہ وہ اپنا پوائنٹ آف ویو لوگوں سے شیئر کر سکتی تھی' کرنا چاہیے تھا' جیا کے خیال میں۔

"ہونہہ...." وہ تنتنائی۔ "مجھے کیا ضرورت ہے اپنی صفائی پیش کرنے کی' اپنی پرسنل لائف میں کچھ بھی کروں' کسی کو کیا؟ میں کیا سب کے آگے جوابدہ ہوں؟"

سوچ سوچ کر اسے ٹھیک ٹھاک غصہ آنے لگا تھا۔ اس کی ہم وطن ایک اور اداکارہ اپنی فلم میں موم بتی جلا کر چرچ میں کھڑی دعا مانگ رہی تھی۔ دیے جلا کر دیوی کے آگے کھڑی دعا مانگ رہی تھی۔ اس پر کسی کو نہ غصہ آیا' نہ شرم' کیونکہ وہ فلم تھی۔ اداکاری تھی' باہر جو کچھ غلط اور ناجائز ہوتا ہے وہ فلم میں جائز ہو جاتا ہے۔ صحیح ہو جاتا ہے۔

"اپنی مرضی سے' آزادی کے ساتھ' اپنی خوشی کے لیے کچھ وقت کسی کے ساتھ نہیں گزار سکتی میں؟" وہ پھٹ پڑی۔ سوشل میڈیا اور عوام تو ایک طرف اب اس کی تصویر پر اخبارات میں کالم بھی لکھے جا رہے تھے یا کم از کم کالموں میں اس کا تذکرہ کیا جا رہا تھا۔

جیا کبیر ہنس پڑی' پھر گنگنائی۔

"ہونٹوں پہ کبھی ان کے میرا نام بھی آئے"

"ہماری فیلڈ میں خبر میں رہنا ضروری ہے۔ نام آنا چاہیے لوگوں کی زبانوں پہ' چاہے اس کے ساتھ بد لگے یا نیک۔"

"اسٹاپ اٹ یار؟"

عیشا دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ ویسے بھی اسے یہاں کے سب سے بڑے بینر کی فلم ملی تھی۔ اس کی شوٹنگ شروع ہونے والی تھی۔ اپنی تمام تر توجہ اور دھیان اس طرف لگاتا تھا اور اس نے لگا ہی لیا تھا کہ پھر ایک نیا کھڑاک پیدا ہو گیا۔ فلم کی شوٹنگ شروع ہونے سے پہلے ہی معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا۔ وہاں سے میسج آیا تھا اس کے لیے کہ اسے اپنے مداحوں سے معذرت کرنی چاہیے۔

"مگر کیوں؟" عیشا کا احتجاج حیرت کے ستونوں پہ کھڑا تھا۔

"کیونکہ تم ان کی آنے والی فلم کی ہیروئن ہو۔ جب تمہیں سائن کیا گیا تو تم رینکنگ میں نمبر ٹو تھیں' اب فائیو پر پہنچ رہی ہو' انہیں تمہاری وہی پوزیشن چاہیے پہلے والی۔" جیا کبیر نے دو ٹوک اور واضح پیغام اس تک پہنچایا تھا۔

اس کی اونچی ناک اور اس سے اونچی انا کی دیوار آڑے آ رہی تھی' معذرت؟ سوری کا ایک لفظ بہت چھوٹا سا' آسان سا لفظ مگر عیشا کے لیے چھوٹا نہیں تھا' آسان بھی نہیں تھا۔

"کیا یہ ضروری ہے؟" اس نے جیا کبیر کو دیکھا۔

"بالکل ضروری ہے۔" اس نے عیشا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ "اس بینر تلے کام کرنے والی دو ہیروئنیں ہالی ووڈ پہنچ گئی ہیں اور ان کی تین فلمیں آسکر کے لیے نامزد ہوئی ہیں۔ اب تم سوچ لو' آگے جانا ہے یا واپس پلٹ کر گھر جانا ہے۔"

اور وہ کوئی پیچھے پلٹ کر جانے کے لیے تو یہاں نہیں آئی تھی۔

ایک مختصر سے ٹویٹ میں اس نے کہا۔

"میں اپنے تمام مداحوں سے معذرت چاہتی ہوں' جنہیں میری غیر متوقع تصویر سے دلی کوفت ہوئی۔ آپ سب کی محبت میری خوش نصیبی ہے اور میں یہ خوش نصیبی برقرار رکھنا چاہتی ہوں۔"

عیشا کا یہ ٹویٹ اس کی تصویر سے زیادہ وائرل ہوا اور رینکنگ میں وہ اپنی پہلے والی پوزیشن نمبر ٹو کے بجائے نمبر ون پر آگئی تھی۔

منشا محسن علی
دل برائے فروخت

وہ اکتوبر کی ایک گیلی آوارہ سی شام تھی۔ میں نے سر اٹھا کر فینی کو دیکھا جو میرے قریب بیٹھا تھا۔ میں جانتی تھی کہ کچھ دیر بعد وہ مجھے تسلی دے رہا ہو گا اور مجھ سے زیادہ خود پھوٹ پھوٹ کر رو رہا ہو گا۔ وہ ہمیشہ سے ہی تو ایسا کرتا آرہا ہے اور اگر آج کسی نامعلوم وجہ کی بنا پر ایسا نہیں بھی کرے گا تو مجھے قطعاً" حیرت نہیں ہو گی۔ میں رسٹ واچ کے مدھم پڑتے ڈائل کو دیکھ رہی تھی اور فینی مجھ دیکھ رہا تھا۔

"وہ نہیں آیا نا؟"

میں نے دور تک پھیلی روش کو دیکھا "اس نے کہا تھا چھ بج کر پانچ منٹ پر پہنچے گا۔"

اس نے ڈائل کی طرف دیکھا "چھ بج کر بیس منٹ ہو رہے ہیں سونل۔" سورج کب کا جا چکا تھا۔ پوسٹ لیمپ جلنے لگے تھے۔

"شاید میری رسٹ واچ ۔۔۔ خراب ہو گئی ہے۔" میں نے لرزتی ہوئی آواز میں اس کے سامنے انتہائی بودی دلیل دی۔

"گھڑی خراب نہیں ہوئی سونل۔ اس نے جھوٹ بولا تم سے۔۔۔ فریب دیا تمہیں۔۔۔ اور تم نے یقین کر لیا۔"

مجھے وہ نیلی آنکھیں یاد آئیں وہ فریب دینے والی تو نہیں لگتی تھیں۔۔۔ فینی بھی تو جھوٹ نہیں بولتا تھا اور کم از کم قیامت تک مجھ سے تو ہرگز نہیں بول سکتا تھا۔۔۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو سونل۔"

"کہاں؟"

وہ تاسف سے سر ہلا رہا تھا۔ "پیکنگ ہو چکی ہو گی۔ ہمیں جانا ہو گا۔"

"فینی اگر۔۔۔ اگر وہ آگیا اور میں اسے یہاں نہ ملی تو وہ ٹوٹ جائے گا۔" وہ یقین تھا تو کچے دھاگے کا سا تھا۔

"وہ نہیں ٹوٹے گا۔۔۔ آفٹر آل مشرقی لڑکا ہے۔" فینی طنز سے مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔۔۔ اور میں اس کی پشت کو دیکھتی رہ گئی۔

"وہ آئے گا۔۔۔ اسے آنا ہو گا۔۔۔ نیلی آنکھوں والے ہمیشہ بے وفا تو نہیں ہوتے۔" میں نے مسکرانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے آنکھیں سامنے پتھریلی روش کی طرف جما دی تھیں۔

✡ ✡ ✡

میں نے "آدم جی سرکس ہاؤس" میں آنکھ کھولی تھی اور اردگرد کا ماحول مجھے حیرت زدہ کر گیا تھا۔ حیات کا یہ زندگی نامہ بڑا حیران کن تھا۔ میرے اردگرد جیسے انسان نہیں چھلاوے بستے تھے جو میری حیران آنکھیں دیکھ کر قہقہے لگاتے تھے۔ مجھے یہ زندگی کبھی ناپسند نہیں رہی۔ میرے لیے یہ دلچسپ صورت حال تھی۔ میں فیڈر تھامے ہال میں قطاروں کے درمیان اطمینان سے چلتی ہوئی لوگوں کی حیرت دیکھتی تھی اور وہ کبھی کبھی تو اتنی اونچی آواز میں تالیاں پیٹتے تھے کہ میں خوف سے کانوں پر ہاتھ رکھ لیتی تھی اور فیڈر ہجوم کے قدموں میں کہیں گم ہو جاتا تھا۔ میں گلے کا ہینڈل پکڑتی اور خود بھی پکڑی جاتی تھی۔۔۔ وہ محظوظ ہوتا تھا۔

"چوری کر رہی تھیں؟"

"نہیں تو۔۔۔"

"تو پھر گلے کا ہینڈل کاہے کو چھیڑا؟"

میں نے ہینڈل سے ہاتھ اٹھا لیا۔ "میں تو دیکھ رہی تھی۔"

"وہ ہنسا۔ "سونو۔۔۔ تم آنکھوں سے نہیں دیکھتی ہو کیا؟"

میں جانتی تھی' وہ میرا مذاق اڑا رہا تھا۔ "میں تمہاری آدم جی سے شکایت لگاؤں گی۔"

وہ یہ دیوار پر لٹکی لالٹین کی لو بڑھا رہا تھا۔ "ہاہا۔۔۔ یہ بھی کر دیکھو ننھی چوہیا۔۔۔ ویسے آدم جی ابا ہیں تمہارے' منہ پھاڑ کر ان کا نام مت لیا کرو۔"

ٹکٹوں پر دھرے پیپر ویٹ سے میں سردار کا سر پھاڑ کر باہر نکل آئی تھی۔ اور دروازہ بھی باہر سے بند کر دیا تھا۔ وہ بے چارہ ٹکٹ گھر کی چھوٹی کھڑکی سے واویلا کر رہا تھا۔

شام کا شو ختم ہوتا ہال خالی ہو جاتا۔۔۔ لوگ' قہقہے' آوازیں سب گم ہو جاتے تھے۔

میں سات سال کی ہو کر بھی فیڈر پیتی تھی آٹھویں سال یہ بھی چھوڑ دیا تھا۔۔۔ آدم جی نے اکیلے ہی مجھے پالا پوسا تھا۔۔۔ اماں تو میرے پیدائش کے وقت ہی چل بسی تھیں اور آدم جی کا کہنا تھا کہ انہوں نے تو مجھے دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ کافی عرصہ تو میں اماں سے خفا رہی پھر دل کو سمجھا بجھا ہی لیا کہ بھلا مرے ہوؤں سے کیا خفگی؟

خیر اماں کی کمی آدم جی نے بڑے احسن طریقے سے پوری کی تھی سرسوں کے تیل سے چمپی کر کے دو چوٹیاں گوندھ دیتے تھے اور تو اور میرے گھاگھرے چولیاں تک انہوں نے سی تھیں۔۔۔ مجھے تو بڑی حیرت ہوتی تھی اور میں اس کا اظہار بھی کر دیتی تھی۔

"آپ یہ کام کیوں کرتے ہیں؟"

رنگ برنگی نلکیوں سے وہ مطلوبہ نلکی ڈھونڈ رہے ہوتے تھے۔ "اس کی دو وجوہات ہیں۔"

"وہ کیا؟"

"تیری ماں کو بیٹے پسند تھے اور مجھے بیٹیاں۔۔۔ طے یہ پایا کہ اگر بیٹا ہوا تو اس کی ساری دیکھ بھال وہ کرے گی اور اگر بیٹی ہوئی تو اس کا خیال رکھنا میرے ذمہ ہو گا۔" وہ مسکرائے تھے۔

"اور دوسری وجہ؟" میں نے پوچھا تھا۔

"دوسری وجہ یہ کہ سلائی کا کام میں کر سکتا ہوں۔۔۔ سرکس والوں کے کاسٹیوم بھی تو میں خود سیتا ہوں۔"

اور میں جانتی تھی کہ وہ سارے کام خود اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے۔ میں نے انہیں آدھی آدھی رات کو اٹھ کر کام کرتے دیکھا تھا۔

"اب تو سو جائیں آدم جی۔۔۔ بہت رات ہو چکی ہے۔ اتنی دیر تک کام کیوں کرتے ہیں آپ؟" میں منہ بسور کر ان کے کندھے پر سر رکھ دیتی تھی۔

"پیٹ پالنا آسان نہیں ہوتا سونو۔"

اس بات کی تو مجھے صدیوں خبر نہ ہوئی تھی۔۔۔

مجھے پڑھنے لکھنے کا بڑا شوق تھا۔۔۔ سرکاری اسکول میں داخلہ بھی مل گیا تھا تختی اور سلیٹ پر املا آدم جی ہی لکھواتے تھے۔۔۔ اسکول میں میری دنوں میں شہرت ہو گئی تھی۔

"ارے یہ آدم جی سرکس والے کی بیٹی ہے۔" دوستی کے لیے بہت سے ہاتھ بڑھے تھے۔

"سونل۔۔۔ اپنے ابا سے دو ٹکٹ تو لے آنا۔"

اور میں آدم جی کے پاس پہنچ جاتی تھی ان کے لمبے بال شانوں تک آتے تھے میں ان میں ہاتھ پھیرتی، انہیں پیار سے سہلاتی تو وہ چونک اٹھتے تھے۔

"کیا چاہیے سونو۔۔۔؟" شاید وہ بھی اب میری دلداریوں کے مقاصد و مطالب اچھی طرح جان گئے تھے۔۔۔

"آدم جی۔۔۔ وہ میری دوستوں کو ٹکٹ چاہیے تھے۔"

وہ مجھے پاس بٹھا لیتے تھے۔ "اپنی دوستوں سے کہو، مفت میں شو دیکھ لیا کریں۔"

میں خوش ہو کر ان کی پیشانی کا بوسہ لیتی۔ "شکریہ آدم جی۔"

جانے کیوں آج تک مجھے انہیں "ابا" کہنا نہیں آیا تھا۔ سب کی دیکھا دیکھی میں انہیں "آدم جی" ہی کہتی تھی۔

کھانا پکانے کا شعبہ تو سردار کے پاس تھا لیکن جب سے میں نے ہوم اکنامکس پڑھنی شروع کی تھی، سوچنے لگی کہ آئندہ میں ہی کچھ بنایا کروں اور پھر میں آدم جی کے پاس پہنچ گئی تھی۔

"آج سے کھانا میں پکاؤں گی۔" میری آواز اتنی اونچی ضرور تھی کہ باورچی خانے میں موجود ہستی تک پہنچ گئی۔۔۔ دو تین دیگچیاں اکٹھی گری تھیں اور شاید الٹا کر کے فرائنگ پین بھی دیوار پر دے مارا گیا تھا۔

آدم جی نے زندگی میں پہلی بار حیرت سے مجھے دیکھا تھا۔ "تم کر لو گی سونل؟"

"جی۔۔۔ جی۔۔۔ میں کر لوں گی۔" اور پھر میں کچن میں آ گئی تھی۔

جو میں نے گوندھا وہ "آٹا" تو ہرگز نہیں تھا خیر جب روٹی توے پر ڈالی تو جانے وہ کون سے براعظم کا نقشہ تھی اس شام سب نے ہوٹل سے کھانا کھایا تھا حتی کہ

میں نے بھی ہوٹل کا کھانا کھایا تھا۔

آدم جی کھانا بہت دیر سے کھاتے تھے تو اس شام میں جب اٹھی تو دیکھا وہ میرا پکایا ہوا کھانا کھا رہے تھے۔ میں تڑپ کے آگے بڑھی تھی۔

"آدم جی... یہ مت کھائیں۔"

"کیوں؟"

"روٹی کچی ہے اور سالن میں نمک مرچ تیز ہے۔"

"سونل... بیٹیوں کی پہلی روٹی اور پہلا سالن تو ماں باپ ہی کھاتے ہیں ناں..." وہ نوالے بنا بنا کر کھاتے رہے اور

میں بس انہیں دیکھتی رہ گئی تھی۔

میں جو بھی دوبارہ کچھ نہ بنانے کا سوچے بیٹھی تھی، کچھ ماہ بعد پکی روٹی اور اچھا سالن بنانا سیکھ گئی تھی... بھلا بیٹیاں کب اپنے ماں باپ کو کچی روٹیاں کھلانا پسند کرتی ہیں...؟ کبھی نہیں۔ سچ کہوں تو آدم جی سرکس ہاؤس رنگ نسل ذات پات سے پرے کی ایک چیز تھا... ایک خاندان کی طرح تھا... جہاں ہر فرد یکساں عزت پاتا تھا اور شاید یہی بات سب سے اہم بھی ہوتی ہے۔

"کیوں؟"

وہ رو دینے کو تھا۔ "جی... وہ آپ سردار ماما سے پوچھ لوں ناں۔"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "تمہاری بات ہو رہی ہے تو تم سے ہی پوچھا جائے گا۔" وہ چپ چاپ زمین پر گرے استعمال شدہ ٹکٹ دیکھ رہا تھا۔

"اچھا سنو..."

"جی؟" اس نے سر اٹھایا تھا۔

"تمہیں سیٹی بجانی آتی ہے؟" وہ حیران رہ گیا تھا۔ کالی آنکھوں میں حیرت سج گئی تھی۔

"جی ہاں آتی ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے جیسے ہی سرکس شو میں کوئی اونگھنے لگے گا تم سیٹی بجا کر اسے جگا دینا۔"

اور پھر مجھے بھی فینی نے سیٹی بجانا سکھا دیا تھا... آدم جی پہلے تو حیران ہوئے اور پھر سر جھٹک کر ہنس دیے تھے۔ سرکس شو کے دوران نیند کی وادیوں میں قدم رکھتے خواتین و حضرات کو ہماری سیٹیاں جگا دیتی تھیں...

☆ ☆ ☆

جن دنوں میں آٹھویں کے پیپر دے کر فارغ تھی اور ایک نجی اسکول میں سلائی سیکھ رہی تھی، ان ہی دنوں سردار اپنے بھانجے کو لے آیا تھا... نام تو اصل میں اس کا کچھ اور تھا مگر سب اسے "فینی" کہتے تھے۔ وہ سوکھا چرخ سا گہرے سانولے رنگ کا لڑکا تھا جس میں دلچسپی لینے کی واحد وجہ یہ تھی کہ مجھے اس کا نام بڑا ہی پسند آیا تھا۔

میں اور فینی ہال کی سیڑھیوں پر بیٹھے تھے اور میں اس کی عدالت لگائے بیٹھی تھی... وہ میرے پاس ہی سر جھکائے بیٹھا تھا۔

"تمہارا نام فینی کیوں ہے؟"

سرمے سے بھری آنکھیں میری طرف اٹھی تھیں۔ "جی پتا نہیں۔"

☆ ☆ ☆

بلاشبہ فینی ایک اچھا دوست تھا۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ میری شرارتوں میں برابر کا حصہ دار تھا۔ آدم جی اسے سرکس کے مختلف کرتب سکھا رہے تھے اور اس کی دیکھا دیکھی میں نے بھی ایریل ایکٹ، تانبے کی تار پر چال، کٹنگ بورڈ کرتب، رقص اور بہت کچھ سیکھ لیا تھا... پھر آنے والے دنوں میں، میں نے اور فینی نے اکٹھے شو کر کے سب کو حیران کر دیا تھا۔ آدم جی نے میرا چہرہ ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

"سونو... تم نے یہ کیسے کر لیا؟"

میں کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔ "آدم جی! آخر بیٹی کس کی ہوں۔ جب اتنا کچھ آپ کر سکتے ہیں تو تھوڑا بہت میں بھی کر سکتی ہوں۔" میں نے انہیں مطمئن کر دیا تھا اور وہ فقط سر ہلا کر رہ گئے تھے۔

اکثر بوریت سے اکتا کر میں اور فینی لال حویلی کی سڑک پر چہل قدمی کے لیے نکل جاتے تھے قدم سے قدم ملا کر چلنا بہت اچھا لگتا تھا۔

"تم اس زندگی سے خوش ہو سونل؟" وہ کبھی کبھی بہت ہی عجیب سوال کرتا تھا۔

"میں ناخوش نہیں ہوں فینی... زندگی بغیر کسی فکر اور پریشانی کے گزر رہی ہے تو اچھا ہے۔"

وہ تھم گیا تھا۔ مجھے بھی رکنا پڑا تھا۔ "تم نے آگے کا کچھ نہیں سوچا؟ آگے زندگی کس ڈھب پر چلے گی؟"

"جیسے گزرے گی گزار لوں گی۔" میں اپنی دانست میں مطمئن تھی اور پھر مجھے فینی نے پتھر کا کر دیا تھا۔

"تم ایک لڑکی ہو سونل... تم ہمیشہ ایسے نہیں رہ سکتیں۔"

ایسا تو میں نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ میری زندگی تو آدم جی کے گرد گھومتی تھی۔ میرا مرکز تھے وہ اور مجھے خبر ہی نہیں تھی کہ لڑکیوں کے لیے تو مرکز چھوڑنا ضروری ہوتے ہیں۔ مدار سے ہٹنا اہم ہوتا ہے۔ میں نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"میری پرسکون زندگی میں یہ تم نے کیسا پتھر پھینکا ہے فینی!"

"یہ حقیقت ہے۔ جس پر آج تک پردہ پڑا رہا... آج وہ پردہ ہٹا تو سب واضح ہوا... میں معذرت خواہ ہوں۔"

اور اس رات جب لالٹین کی مدھم روشنی میں دیواروں پر آڑے ترچھے سائے پڑ رہے تھے تو آدم جی نے مجھے مخاطب کیا تھا۔

"سونو... تمہیں فینی کیسا لگتا ہے؟" اندھیرے میں وہ سوال روشنی تو نہ تھا۔

"برا نہیں لگتا آدم جی!" مجھے نہیں یاد کہ میں نے کس سوچ کے تحت وہ جواب دیا تھا۔ بہرحال آدم جی مطمئن ہو گئے تھے۔

زندگی نے 'وقت نے عجب طور سے میرا امتحان لیا تھا۔ تو مجھے آدم جی کو چھوڑنا تھا۔ یوں لگا کوئی کند چھری سے مجھے ذبح کر رہا ہو۔ دل کے آگے لاکھ تاویلیں' دلیلیں ڈھیر کر دو مگر سمجھتا ہی نہیں... شام چھ بجے کے

شو کے وقت میں اور فینی ہال کے باہر کھڑے تھے۔ لگاتار ہونے والی بارشوں کی وجہ سے موسم میں خنکی بڑھ گئی تھی۔ وہ دائیں ستون سے ٹیک لگائے کھڑا تھا جبکہ میں بائیں ستون کے ساتھ لگی کھڑی تھی۔

"پتا ہے سونو... رات آدم جی نے مجھ سے کیا سوال کیا؟"

میں نے سر اٹھا کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔ "کیا سوال؟"

وہ مسکرایا تھا اور میں نے دیکھا تھا کہ اس کے نمکین سانولے نقوش پر وہ مسکراہٹ کتنی بھلی لگ رہی تھی۔ "انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ سونو تمہیں کیسی لگتی ہے۔" وہ پرشوق نظروں سے مجھ دیکھ رہا تھا۔

"پھر تم نے کیا جواب دیا؟" میں نے پوچھا۔

وہ جیسے شرما گیا تھا۔ "میں نے جواب دیا کہ سونو تو مجھے دنیا میں سب سے اچھی لگتی ہے... بہت پیاری..." وہ کتنی خوشی خوشی سب بتا رہا تھا۔

میں نے اپنے دل کی طرف نگاہ کی تھی۔ وہاں دور دور تک سناٹا تھا۔ اتنی گہری چپ کہ مجھے خوف آنے لگا تھا۔

"اور تمہیں معلوم ہے کہ آدم جی نے مجھ سے بھی ایک سوال کیا۔" میں نے ٹھنڈی سانس لی تھی۔

"کون سا سوال؟" وہ اشتیاق سے پوچھنے لگا تھا۔

"انہوں نے پوچھا کہ فینی تمہیں کیسا لگتا ہے؟" ٹھنڈے موسم میں بھی میں نے اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہوتے دیکھے تھے۔

"پھر... تم نے کیا جواب دیا؟" وہ پوچھ رہا تھا اور میں چپ ہو گئی تھی... "تم نے کیا جواب دیا... بتاؤ۔" وہ دوبارہ پوچھ رہا تھا۔

میں نے چاہا کہ اسے جواب دوں مگر میں کچھ بول ہی نہ پائی تھی... ایک لفظ تک نہیں...!!! وہ چند ثانیے کھڑا مجھے دیکھتا رہا... دیکھتا رہا... پھر میں نے اس کے گہرے سانولے گالوں پر آنسو لڑھکتے دیکھے تھے... وہ روتا ہوا نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

"تو میں تمہیں اچھا نہیں لگتا سونو... کوئی بات

نہیں... کوئی بات نہیں۔"
وہ آگے بڑھ گیا تھا... میں نے دائیں ستون کے پاس ایک لال گلاب کی تازہ کلی دیکھی تھی میں نے جھک کر اسے اٹھالیا۔
میں تو اسے صرف اور صرف دوست سمجھتی رہی تھی۔ جو میری شرارتوں اور دکھوں میں حصہ دار تھا۔ وہ واقعی میرا اچھا دوست تھا... اس رات سونے کے لیے لیٹی تو یہ سوچ کر ہنس پڑی۔ "سونل... تمہارے پاس تو کوئی چوائس ہی نہیں۔" مجھے شرمندگی ہوئی تھی... لیکن کوئی بات نہیں، میں اگلی صبح اس سے معافی مانگ لوں گی۔

☆ ☆ ☆
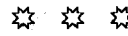
ٹکٹ گھر کی ایک پٹ والی چھوٹی کھڑکی سے وہ باہر دیکھتا ہوا بڑا بے نیاز نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ میں اس کی رگ رگ سے واقف تھی۔ اس نے ذرا کی ذرا نظریں اٹھا کر مجھے دیکھا تھا اور پھر دوبارہ رخ موڑ لیا تھا۔
"سنو... میں تم سے یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ..." میں نے بات ادھوری چھوڑ کر اس کا ردِ عمل دیکھنے کی کوشش کی تھی۔
"میں نہیں سن رہا۔"
میری ہنسی — چھوٹ گئی۔ خیر میں نے ہنسی پر قابو پا کر اسے آہستگی سے مخاطب کیا تھا۔ "فینی... قسم لے لو مجھ سے... میں تمہیں ناپسند نہیں کرتی اور تم مجھے برے بھی نہیں لگتے۔"
وہ اب میری طرف دیکھتا مجھے شرمندہ کر رہا تھا۔
"میں نے ایسا سوال نہیں کیا تھا کہ جواب دینے میں تمہیں صدیاں لگ جاتیں سونو..."
میں جانتی تھی، اس کی بات سچ تھی۔ "تمہارا سوال ایسا بھی نہیں تھا کہ لمحوں میں جواب تمہارے آگے رکھ دیتی۔"
"میں نے تو آدم جی کو جھٹ کہہ دیا تھا کہ سونو مجھے بہت پسند ہے۔" وہ اپنی دلیل میرے سامنے رکھ رہا تھا۔
میں زچ ہو گئی۔ "تمہاری بات اور ہے فینی۔"
"میری بات اور کیوں ہے؟"
"کیونکہ تم لڑکے ہو۔"
"اور تم؟" وہ تیکھے چتونوں سے پوچھ رہا تھا۔
"میں لڑکی ہوں اور لڑکیاں، لڑکوں کے بارے میں پوچھے گئے سوالوں کے جواب منہ پھاڑ کر نہیں دیتیں۔" میں نے اسے مطلع کیا تھا۔
جانے وہ سمجھا تھا یا نہیں۔ چھوٹی کھڑکی کا اکلوتا پٹ لہرا رہا تھا۔ میں اس کا اضطراب دیکھ رہی تھی۔
"مجھے لگا تھا تم اپنے دل میں میرے لیے کچھ خاص جذبات رکھتی ہو گی، مگر شاید میں غلط تھا۔"
جانے وہ غلط تھا یا صحیح تھا، مگر پھر بھی میں اتنا جانتی تھی کہ کبھی مجھے اتنی فرصت ہی نہیں ملی تھی کہ اس خاص جذبے کے بارے میں کچھ سوچتی... تو میں اسے کیسے جھوٹی امید دلاتی۔ اس لیے میں نے اس سے صاف صاف بات کرنا ہی مناسب سمجھا تھا۔
"دیکھو فینی... جھوٹ کہہ کر میں تمہارا دل نہیں رکھنا چاہتی، تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟" وہ سر ہلا گیا تھا۔ "مجھے زندگی میں کبھی اس بارے میں سوچنے کی فرصت ہی نہیں ملی۔ کتنی عجیب بات ہے نا، شاید اب تک میں کسی دائرے میں ہی سفر کر رہی تھی۔" میں چپ ہو گئی تھی اور وہ بھی چونے لگی دیوار کو کھرچنے لگا تھا۔
"تو تم واقعی مجھ سے محبت نہیں کرتیں؟"
میں بمشکل دروازے سے لگی کھڑی تھی۔ "میں نے کبھی تمہارے بارے میں ایسا نہیں سوچا۔ مگر میں کوشش کروں گی۔"
"وہ تو جیسے بنفشے کے پھول کی طرح کھل اٹھا تھا۔ "واقعی! تم سچ کہہ رہی ہو سونو؟" وہ پہلی بار مسکرا کر مجھ سے تصدیق چاہ رہا تھا۔
میں نے بھی مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا تھا۔ "میں جھوٹ نہیں بولتی۔"
"اور ان ہی دنوں جب میں اسے سوچنے والی تھی۔

آدم جی نے مطلع کیا کہ ہمیں سکھر شو کے لیے جانا ہے۔ یہ پہلی بار تھا کہ آدم جی کسی اور کسھر میں شو کرنے جارہے تھے۔ میں اور فینی اس خاص شو کی ریہرسلز میں جُت گئے تھے۔ ہمیں دن رات کا ہوش نہ تھا۔ یہ بہت عرصے بعد تھا کہ میں کسی شو میں حصہ لے رہی تھی کیونکہ میں تین ماہ پہلے اپنا دایاں بازو تڑوا چکی تھی۔ آدم جی نے مجھے منع بھی کیا تھا۔

"سونو..... تم کیوں خود کو ہلکان کررہی ہو۔ پہلے ہی بمشکل تمہارے بازو کی ہڈی جڑی ہے۔" وہ فکرمندی سے بولے۔

"ارے آپ فکر مت کریں۔ آدم جی کی بیٹی ہوں۔ میں بہت بہادر ہوں۔" میں نے اترا کر انہیں دیکھا تھا۔

"تم اپنے دل سے یہ سب کرنا چاہ رہی ہو۔" وہ پوچھ رہے تھے۔

میں نے ان کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ "ہاں بابا۔ میں اپنی خوشی سے یہ سب کرنا چاہتی ہوں۔ میں دنیا کو دکھانے والی ہوں کہ آدم جی کی بیٹی کسی سے بھی کم نہیں ہے۔"

اور وہ چونک گئے۔ ٹھٹک کر رہ گئے۔ "بیٹیاں تو سات پردوں میں اچھی لگتی ہیں۔ ڈھانپا ہوا کٹورہ ہوتی ہیں۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے کچھ سوچ رہے تھے اور میں الجھتی ہوئی ریہرسل کے لیے آگئی تھی۔

میں تار پر ننگے پاؤں چلنے والی تھی اور گول رنگز کے ساتھ رقص کرنے والی تھی۔ تار پر ننگے پاؤں چلنا انتہائی دشوار تھا' توازن میں ذرا سی گڑبڑ بھی موت کے منہ میں دھکیل سکتی تھی۔ مگر شاید مجھے رسک لینا پسند تھا۔

فینی نے مجھے کئی بار ٹوکا تھا۔ "سونو..... یہ بہت خطرناک ہے۔"

"میں خطروں سے نہیں ڈرتی..... تم مجھے ڈراؤ مت۔" میں نے اسے وارننگ دی تھی۔

وہ بینچ پر پانی کی بوتل منہ سے لگائے بیٹھا تھا۔ "یہ تم نے خوب کہی۔ میں تمہارے لیے ڈر رہا تھا۔"

"تم کتنے ڈرپوک ہو۔" میں نے اسے چھیڑا تھا۔

وہ گہری نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ "محبت کے معاملے میں ہر شخص ڈرپوک ہوتا ہے سونو۔"

اب اسے کافی حد تک اندازہ ہوچکا تھا کہ مجھے کیسے خاموش کرایا جاسکتا ہے۔ اب میں نے بھی پانی کی بوتل اٹھا کر منہ سے لگالی تھی۔ باہر اکتوبر کی شام کھلی کھڑکیوں سے اندر جھانک رہی تھی۔ ہال اور راہداری کی رنگ برنگی بتیوں کی روشنی ترچھے رخ سے گر رہی تھی۔

✡ ✡ ✡

کسی نے سچ کہا ہے کہ جب محبت ہورہی ہوتی ہے تب یوں لگتا ہے جیسے کوئی دوسرا ہمارے اندر اُگنا شروع ہوگیا ہے اور یہ بات یقین میں تب بدلی جب آدم جی سرکس کے خصوصی شو کے تیسرے دن میں نے اسے دیکھا تھا۔

میں نے پہلی بار کسی مرد کے بھورے بال اور نیلی آنکھیں دیکھی تھیں۔ شو کے دوران میں نے اسے اپنی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھا تھا۔ پہلے مجھے الجھن ہوئی تھی' مگر پھر تو جیسے صدیوں کا سفر لمحوں میں ہی طے ہوگیا۔ سکھر میں ہمارا قیام ایک ماہ کے لیے تھا۔ وہ ہر روز آنے لگا تھا۔ گیارہویں روز مجھ سے وہ شو کے اختتام پر ملا تھا۔ لمبی سی چادر اوڑھے' میں رہائش گاہ کے قریب ہی ٹہل رہی تھی جب وہ میرے قریب آیا تھا۔

"ہائے....." میں نے اسے اپنے ساتھ ساتھ چلتا ہوا پایا۔ سرمئی رنگ کی شرٹ پہنے مجھے وہ بڑا اچھا لگا تھا۔

"جی....." میں نے سوالیہ نظر اٹھائی تھی۔

"کیا میں آپ کا نام جان سکتا ہوں؟" فوراً ہی ور کی بھینی بھینی مہک پھیل رہی تھی۔

"میں سونل ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے اسے جواب دیا تھا۔

"آپ کی پرفارمنس دیکھ کر تو میں آپ کا فین ہوگیا

ہوں۔ یو آر امیزنگ۔" وہ کچھ زیادہ ہی جوش کا مظاہرہ کر رہا تھا میں بس مسکراتی رہی تھی۔

"ویسے آپ کا نام بہت پیارا ہے۔" اس دن مجھے پہلی بار اپنے نام کی خوب صورتی کا علم ہوا تھا۔

"آپ کا کیا نام ہے؟" میں نے رک کر پوچھا تھا۔

"میرا نام عباس ہے۔" زرد روشنیوں تلے کھڑا وہ دیوتاؤں سا شخص مجھے تو کسی اور ہی دنیا کا باشندہ لگا تھا۔

اس رات پہلی بار میں نے کسی شخص کو ایک الگ نظریے سے سوچا تھا۔ شاید میں بدل رہی تھی یا پھر بدل گئی تھی اس بات کا احساس مجھے فینی نے دلایا تھا۔

"تم کھوئی کھوئی سی رہنے لگی ہو۔"

"ارے نہیں... تمہیں غلط محسوس ہوا۔" جانے کیوں میں نے اسے ٹال دیا تھا۔

"اچھا کہیں چائے پینے چلیں۔" وہ میری رائے جاننا چاہ رہا تھا۔

"نہیں فینی، پلیز پھر کبھی۔" میں نے فینی کو تو انکار کر دیا تھا مگر میں عباس کو انکار نہیں کر سکتی تھی۔

آدھے گھنٹے بعد ہم دونوں ایک ہوٹل میں چائے پی رہے تھے۔

"میں نے تم جیسی لڑکی کبھی نہیں دیکھی۔"

"مجھ جیسی کیا مطلب؟"

اتنی انوسنٹ، اتنی ڈیئرنگ... تم نے مجھے حیران کر دیا ہے۔" اس نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا تھا اور میں چاہ کر بھی اسے روک نہیں پائی تھی۔ وہ میری آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"پتا ہے سونل... میں نے جب سے تمہیں دیکھا ہے، میں خود کو بھول رہا ہوں۔ جانے یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔" مجھے واقعی وہ بے بس سا ہی لگا تھا۔

"فلرٹ کر رہے ہو؟" میں نے اطمینان سے چائے کے کپ کے کناروں پر انگلیاں پھیری تھیں۔

"تمہیں میں ایسا لگتا ہوں؟" وہ ناراض ہوا تھا اور میں دور کہیں خلاؤں میں گھور رہی تھی۔

"میں نے کبھی بھی انسانوں کے بارے میں اندازے نہیں لگائے، کیونکہ میرے لگائے گئے اندازے ہمیشہ ہی غلط ثابت ہوتے ہیں۔ پتا ہے عباس! آدم جی کہتے ہیں کہ آج کے انسان کو پرکھنے کے لیے صدیاں بھی ناکافی ہیں۔"

وہ اپنی رسٹ واچ کے ڈائل کو دیکھ رہا تھا۔ "کیا تم بھی مجھے پرکھنے کے لیے صدیاں چاہتی ہو؟"

میں نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ "تم تو لمحوں کی گنتی کے شمار میں ہو۔"

☆ ☆ ☆

اکتوبر کی وہ ٹھنڈی شام عجب یاسیت بھری تھی۔ میں نے واپسی پر فینی کو اپنے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا پایا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات میری سمجھ میں نہیں آئے تھے۔ میرا دل چاہا کہ میں اسے ایک مسکراہٹ سے نوازوں، مگر میں چاہ کر بھی ایسا نہیں کر پائی تھی، جو میں نہیں کر پائی تھی وہ اس نے کر دیا تھا۔

"تم اس نیلی آنکھوں والے لڑکے سے مل کر آ رہی ہو نا؟"

"ہاں... وہ میں...

"ان ملاقاتوں کی وجہ جان سکتا ہوں؟"

"ہر بات کی وجہ نہیں ہوتی فینی۔"

وہ چپ چاپ جوتے کی نوک سے گھاس کرید رہا تھا۔ "سونل! تم پہلے تو ایسی نہیں تھیں۔"

"کیسی؟" یہ سوال بڑا اہم تھا۔

"تم خود غرض ہوتی جا رہی ہو۔" مجھے یہ لفظ "خود غرض" بڑا مانوس سا لگا تھا، جانے کیوں؟ "تم نے اس کے لیے میری آفر ٹھکرا دی۔"

"آئی ایم سوری... میں اس کو پہلے ہاں کہہ چکی تھی۔" میں شرمندہ ہوئی تھی۔

"تم اس اجنبی کو منع بھی تو کر سکتی تھیں نا سونل؟"

اس کا عباس کو اجنبی کہنا مجھے سخت برا لگا تھا۔

"وہ اجنبی نہیں ہے، سمجھے۔"

"تو پھر کون ہے؟"

اس کا سوال مجھے مزید برا لگا تھا۔ میں ہولے سے بولی تھی۔ "دوست ہے وہ میرا۔"

وہ چند ثانیے کھڑا مجھے دیکھتا رہا۔ دیکھتا رہا۔ پھر بڑبڑایا۔ "شاید میں بھی کبھی دوست ہوا کرتا تھا۔ تمہارا۔۔۔" وہ آگے چل دیا تھا اور میں جیسے وہیں کی وہیں کھڑی رہ گئی تھی۔

سرد اکتوبر اپنے جوبن پر تھا' فضا میں خنکی سی تیرتی رہتی تھی۔ ہماری واپسی میں پانچ دن رہ گئے تھے۔ اگلے دن شو کے اختتام پر میری معمول کے مطابق عباس سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس دن وہ جینز پر دھاریوں والی ٹی شرٹ پہن کر آیا تھا' جس میں اس کا کسرتی جسم بہت نمایاں ہو رہا تھا۔ میں اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

"ہماری واپسی میں اب صرف پانچ دن رہ گئے ہیں۔" میں نے انگلیوں پر گنتے ہوئے اسے خبردار کیا تھا۔

"تو تم چلی جاؤ گی؟" نیلی آنکھوں میں بے تابی بڑھنے لگی تھی۔

"جانا تو ہوتا ہے نا۔ مسافر ہی تو تھی اس شہر میں۔" میں نے ٹھنڈی سانس بھری تھی۔

"رک جاؤ سونل۔" وہ میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا تھا اور میں جیسے اپنے آپ کو ٹھنڈا ہوتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

"کس کے لیے رک جاؤں عباس؟" میں نے آنکھوں میں پانی جمع ہوتا محسوس کیا تھا۔

"میرے لیے رک جاؤ۔"

"کس حیثیت سے؟"

یہ ہی وہ سوال تھا جس پر اکتوبر کی وہ شام ختم ہوئی تھی۔ وہ سوال ادھورا رہ گیا تھا اور پھر وہ آیا ہی نہیں۔ میں راہ دیکھتی رہ گئی تھی۔

فینی نے سڑک سڑک چائے پیتے ہوئے کہا تھا۔ "میں تو نیلی آنکھیں دیکھ کر ہی سمجھ گیا تھا ان سے بے وفائی جھلکتی تھی۔" میں خاموش رہی تھی۔

آخری دن سے پہلے میں نے اسے فون کیا تھا۔

"سونل۔۔۔ میں تمہیں روک لوں گا۔" اور میں جھلی ایک جملے کی آس میں نیندیں گنوا بیٹھی تھی۔ جانے کیوں مجھے یقین تھا کہ وہ آئے گا۔ فینی جھوٹ بکتا ہے کہ نیلی آنکھوں والے بے وفا ہوتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

اکتوبر کی آوارہ شام نے میری آنکھیں پتھر کر دی تھیں۔ اندھیرا پھیل گیا تھا اور اندھیرے میں تو مسافر راستہ بھٹک ہی جاتے ہیں۔ اب جانے اس اندھیرے نے عباس کو بھٹکایا تھا یا پھر سونل کو؟

"سونل۔۔۔" آدم جی میرے سامنے کھڑے تھے' میں بس انہیں وحشت کے عالم میں دیکھے گئی تھی۔

"وہ نہیں آئے گا۔"

آدم جی کے اس تھکے تھکے لہجے پر میں زبردست انداز میں چونکی تھی۔ میرا دل تو جیسے سینے سے نکل کر باہر آپڑا تھا۔ "تو وہ جانتے تھے؟ مگر کب؟ کیسے؟ کہیں فینی نے تو؟ نہیں۔۔۔ نہیں فینی جیسا۔۔۔ شخص باتیں ادھر ادھر نہیں کر سکتا' کبھی نہیں۔" میں نے سوچتے ہوئے نفی میں سر ہلایا تھا۔

آدم جی میرے قریب بیٹھے تھے۔ "پتا ہے سونو۔۔۔ مجھے علم تھا' ایسا ہی ہو گا۔ ایسا ہی تو ہوتا آیا ہے۔ تمہیں یاد ہو گا کہ ایک بار میں نے تم سے کہا تھا کہ آج کے انسان کو سمجھنے' پرکھنے کے لیے صدیاں درکار ہوتی ہیں اور کبھی کبھی تو یہ بھی کم پڑ جاتی ہیں' میں نے سچ کہا تھا۔"

میں نیم زرد سی روشنی میں ڈبڈبائی آنکھوں سے ہتھیلیوں کی لکیریں دیکھ رہی تھی۔ "آپ کو۔۔۔ کیسے علم ہوا آدم جی؟"

"یہ جو اولاد ہوتی ہے نا' اس کے بھی رنگ ہوتے ہیں اور یہ رنگ ماں' باپ ہی پڑھ سکتے ہیں۔ کسی اور کو نظر نہیں آتے۔"

"تو پھر فینی کو وہ رنگ کیسے نظر آ گئے تھے؟ شاید وہ۔۔۔ خیر۔۔۔"

آدم جی اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ "چلو سونل۔۔۔ وقت بہت ہو گیا ہے' لمبا سفر کرنا ہے۔"

"آپ چلیں میں آتی ہوں۔"

وہ رکے اور بغور مجھے دیکھا تھا۔ "تم آؤ گی نا سونو؟"

یوں لگا سینے سے نکلے دل کو کسی نے کچل کر رکھ دیا ہو۔ میں نے آہستہ سے کہا تھا۔ "میں آؤں گی آدم جی۔۔۔ آؤں گی۔"

وہ آگے بڑھ گئے تھے۔ میں کچی زمین پر جھک گئی تھی۔ بائیں ہاتھ کی مٹھی دھیرے سے کھولی۔ ادھ کھلا گلاب سوکھ چکا تھا مگر میری ہتھیلی کے پسینے سے بھیگ چکا تھا۔ میں نے آخری بار اس جگہ کو دیکھا تھا جہاں ہم بیٹھتے تھے۔ ڈھیروں باتیں کرتے تھے۔ میں نے گہری سانس لی تھی۔

"عباس۔۔۔ میں آدم جی کی بہادر بیٹی ہوں۔ تین، چار بار ٹوٹے ہوئے بازو جڑوا چکی ہوں۔ کیا ہوا جو تم نے دل توڑ دیا۔ خیر۔۔۔ دل بھی جڑ ہی جائے گا۔"

فینی کی طرف پلٹتے ہوئے میرے دل میں کوئی رنج، کوئی ملال نہیں تھا۔ شاید وہ کبھی یہاں آئے گا تو اسے کچی مٹی تلے سویا ہوا محبت کا پہلا اور آخری تحفہ (سوکھا لال گلاب) یاد آئے گا۔ میں قہقہہ لگاتے ہوئے فینی کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی، وہ حیرت سے جیسے مرنے کو تھا۔

"اس۔۔۔ یہ کیا ہے سونل؟"

"کچھ بھی نہیں۔۔۔ تمہیں کیا لگ رہا ہے؟"

"مجھے تو لگا تھا تمہاری واپسی روتے دھوتے ہوگی اور میں سارے راستے تمہیں چپ کرواکر تھک جاؤں گا۔"

"میں نے تمہاری تھکن کا خیال کر لیا۔"

وہ بڑبڑایا۔ "میری محبت کا خیال کرو تو مزا بھی آئے۔"

"تم نے کچھ کہا؟"

"نا۔۔۔ نہیں۔۔۔ کچھ نہیں۔۔۔ کچھ بھی تو نہیں۔" وہ جیسے گڑبڑا گیا تھا۔

"تم اتنی پرسکون کیسے ہو؟"

"محبت دفنا کر آرہی ہوں۔"

"واقعی۔۔۔؟" میرے اطمینان نے اسے مزید متوحش کیا تھا۔

"ہاں۔۔۔ کچھ لوگ ہماری زندگی میں ہمیں صرف سبق دینے آتے ہیں۔ ہماری زندگی میں بس ان کا اتنا ہی کام ہوتا ہے فینی۔ پھر وہ روپوش ہو جاتے ہیں۔"

جانے وہ سمجھا تھا یا نہیں مگر سر ہلا کر رہ گیا تھا۔ جانے کیوں میرا دل آہستہ آہستہ پرسکون ہوتا جارہا تھا۔

"سنو۔۔۔" میں نے پکارا تو وہ متوجہ ہوا تھا۔

"سن رہا ہوں۔"

"دل بیچنا چاہ رہی ہوں، خریدو گے؟" اس رات میں نے فینی کے چہرے پر روشنیاں اترتی دیکھی تھیں۔

"میں خریدوں گا سونل۔" وہ ہکلا رہا تھا اور میں مسکرا رہی تھی۔

"میں جانتی ہوں کہ اپنے دل کا خیال نہیں رکھ پاؤں گی، اسی لیے فینی کو بیچ رہی ہوں، کیونکہ میں جانتی ہوں کہ وہ میرے دل کا خیال مجھ سے زیادہ بہتر طریقے سے رکھے گا۔"

آپ کا کیا خیال ہے کیا دل کو واقعی فروخت کردینا چاہیے؟

☆

عطیہ خالد

یہ جہاں.....

گھٹا ٹوپ سیاہ رات اکیلی باقی تھی، اب آسمان پر۔ ستارے تو سب ہی ٹوٹ کر برس گئے تھے یک لخت۔ اور ٹوٹ کے گر جانے والوں کی کسے خبر ہوتی ہے۔ وہ کہاں جا گر گریں گے۔

میں یک ٹک تک رہی تھی اس سیاہ رات کو۔ بنا پلک جھپکائے۔ مٹی کی مورت کی طرح جو گھڑے جانے سے پہلے ہی جڑ دی گئی ہو۔ گول مول مٹی کے تودے کی طرح۔

رات کی سیاہی کب صبح کے اجالے میں بدلی مجھے خبر بھی نہ ہوئی...... نہ میرے تکنے میں سر مو فرق آیا تھا۔ نہ بیٹھنے میں!!!

☆☆☆

فون کی گھنٹی کب سے چیخ رہی تھی۔ لیکن کون سنتا؟ میں اور شامہ دونوں کالج کے لیے تیار ہو رہی تھیں۔ اور دونوں میں سے کسی کی تیاری بھی کم اہم نہیں تھی۔ شامہ کا آج آخری پرچا تھا اور میں اسی کالج میں پرنسپل کی پوسٹ پر تھی۔ شامہ نے اپنی سب چیزیں سنبھال کے میرا پرس اور چادر بھی اٹھا لی۔ میں نے گھر کی چابیاں اٹھاتے ہوئے شامہ کی طرف دیکھا۔ جیسے پوچھا ہو کہ فون کی دہائی سنی جائے یا نہیں؟

''آپ سن کر آیئے، میں گاڑی نکالتی ہوں۔'' اس نے چادر میرے کندھے پر ڈالتے ہوئے کہا۔

''السلام علیکم! جی فرمایئے۔''

''میں فرانس سے بات کر رہا ہوں۔ گیتی صاحبہ سے بات ہو سکتی ہے۔''

اس چند حرفی جملے نے مجھے وہیں بت بنا ڈالا تھا ساکت و جامد بت۔

''امی! امی جی، کیا ہو گیا ہے؟'' شامہ کی الجھی ہوئی آواز نے چھناکے سے اس سکوت کو توڑ دیا۔ میں نے چونگا فون پر رکھا اور سیاہ چشمے کو آنکھوں پر جمایا اور چادر اوڑھتی ہوئی باہر نکل آئی۔ میں نے خود کو سنبھال لیا تھا بظاہر۔

''کس کا فون تھا امی؟''

''رانگ نمبر تھا۔'' میں نے گاڑی کو سڑک پر ڈال دیا تھا۔

''ایک تو یہ رانگ نمبرز!! خیر امی! میں کہہ رہی تھی کہ آج میرا آخری پیپر ہے تو واپسی پر میں انیہ کے ساتھ چلی جاؤں ان کی طرف۔ اگر آپ اجازت دیں تو......''

''کیسے جاؤ گی تم لوگ؟''

''وہ ارسل انکل لے جائیں گے۔'' اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

''گویا پروگرام تو طے ہے؟''

ایسی بات نہیں امی، جب رات انیہ کا فون آیا تو میں نے کہہ دیا تھا کہ اگر امی نے اجازت دی تو میں اوکے کروں گی۔ آپ اس وقت سو چکی تھیں۔''

''تو پھر سارا دن کالج یونیفارم میں گزارا جائے گا۔'' مجھے ہر قسم کی بے ترتیبی سخت ناپسند تھی۔

''یعنی کہ اجازت ہے؟'' شامہ نے سائڈ پر

ناولٹ

رکھا بیگ دکھایا۔ جس میں اس کے کپڑے تھے۔

''ابھی تو تم کہہ رہی تھیں کہ اجازت پر پروگرام طے ہونا تھا۔''

''امی جی! بیگ واپس گھر بھی تو جا سکتا ہے ناں۔'' کسی اور بچی کی طرح جھنجھلائے بغیر شامہ نے کہا۔

''او کے۔''

''شکریہ امی۔'' وہ مسکرائی

''انیہ کو کہو، پاپا کو مت بلوائے۔ میں تم دونوں کو بھجوا دوں گی۔''

''جی امی۔'' اس نے اسی وقت میسج کر دیا۔ اس کی تیزی اور خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔

تو بہت محسوس کرنے لگی ہے شامہ اب تنہائی کو۔ تو کیا شادی کر دوں اس کی؟ میں نے گاڑی روکتے ہوئے سوچا۔ لیکن اس کو اتار کر اپنی سہیلیوں کی طرف بھاگتا دیکھ کر خود ہی اپنے خیال کی نفی کر دی۔

''ابھی صرف سترہ سال کی ہے میری بچی۔ صرف سترہ سال۔ کیا ہوتی ہے یہ عمر؟'' سید ھا دل پر جا پڑا تھا اپنا ہی ہاتھ۔

سامنے املتاس کے پیڑ کے نیچے کھڑی لڑکیوں کے جھنڈ کو دیکھتی ہوئی میں اپنے آفس کی طرف چلی گئی۔ معصوم پریوں جیسی الھڑ لڑکیاں۔

''آفت لگ رہی ہیں میڈم کیتی! یہ سبز ساری تو ان کو بہت بہت سوٹ کرتی ہے۔''

اس لڑکی کی سرگوشی اتنی اونچی ضرور تھی کہ میں نے با آسانی سن لی۔ کوئی دن نہیں جاتا تھا جب میں ایسا جملہ بلکہ جملے نہ سنتی تھی۔ آفس میں پہنچ کر میں نے چادر اتاری جو فوراً سکینہ نے تھام کر تہہ کر دی۔

''سکینہ! مس ثروت کو بلاؤ۔'' سب کچھ بھلا کر اب وہ اپنے فرض کی طرف متوجہ ہو چکی تھیں۔

☆☆☆

تیسری بار ہونے والی ڈور بیل پر میں چونک کر اٹھی۔ کالج سے واپسی پر میں اکیلی تھی۔ شامہ تو انیہ کے ساتھ جا چکی تھی۔ اور ماسی کو میں نے خود جلدی چھٹی دے دی تھی۔ ساری کو درست کرتے ہوئے میں نے دروازہ کھول دیا۔

اندر آنے والے کو میں نہ بھی کہتی تب بھی وہ آ جاتا۔ جو یہاں تک آ گیا تھا۔

زبردستی آنے والے کو بھلا روکا جا سکتا ہے؟؟

''کیسی ہو؟''

گو کہ مہمان کی نظریں اتنی سادہ تو نہ تھیں لیکن میں اب سادہ نہ رہی تھی۔ نہ ہی سادہ اور نہ ہی کم عمر۔

''بالکل ٹھیک، چائے پیو گے؟'' میں نے اس کے بے تکلف انداز کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

''آں!! چائے رہنے دو۔ میں کھانا کھاؤں گا۔ کھانے میں کیا ہے؟'' اس نے بے تکلفی میں نیا ریکارڈ بنانا چاہا۔

''مٹن بریانی۔'' میں نے اپنے اطمینان سے اسے حیران کرنا چاہا بلکہ خائف بھی۔

''باقی باتیں موقوف، میں ہاتھ دھو کر آتا ہوں۔ تم کھانا نکالو۔''

رائتہ اور سلاد بنانے میں، میں پندرہ منٹ لگانے والی ہوں۔ میں نے اسے ٹی وی ریموٹ پکڑایا۔ مبادا وہ کچن میں نہ چلا آئے۔ وہ ہنس دیا۔

''یعنی کہ؟'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''دنیا بھر کی بریانیاں کھا لیں، لیکن اس دم بریانی کا لطف نہیں آیا۔ کیا ذائقہ ہے تمہارے ہاتھ میں کیتی۔'' اس نے دوبارہ پلیٹ بھرتے ہوئے کہا۔

''شانو کھانا بہت اچھا بناتی ہے۔ خاص کر یہ دم بریانی۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''یعنی کہ؟'' اس نے اپنا سر جھٹکا۔ ''یعنی کہ یہ بریانی شانو نے بنائی ہے۔'' وہ ہنسنے لگا جیسے بہت مزیدار لطیفہ سنا ہو۔

''میٹھا؟'' اس نے ڈھیٹوں کی طرح چمچ بجا

کر کہا۔ میں نے قلفے کا پیالہ سامنے رکھ دیا۔
"یعنی کہ؟ تم ابھی بھی قلفہ ہی کھاتی ہو؟"
"میں نے برسوں بعد کچھ دیر کے لئے آئے مہمان کو معاف کر دیا اور خاموشی سے برتن سمیٹ کر کچن میں رکھ آئی۔
"اب تم آرام کرو۔" میں نے اسے لیونگ میں صوفے پر پسرتے دیکھ کر کہا۔
"آرام! یعنی کہ۔۔ میں یہاں آرام ہی کر رہا ہوں۔ بھئی میں اپنے گھر آیا ہوں۔ تم بلاوجہ مجھے مہمان نہ بناؤ۔" اس نے صوفے پر پسر کر کشن سر کے چاروں طرف پھنسا لیے۔
مجھے مجبوراً بیٹھنا پڑا۔ یعنی یہ رات کو بھی یہیں رہے گا۔ اس کا مطلب یہ آپا کی طرف نہیں گیا۔ میں نے پوچھنا چاہا لیکن رک گئی۔ بلاوجہ بات لمبی ہو جاتی۔
رات شامہ کا فون آ گیا۔ اس نے بتایا کہ ارسل انکل کسی ایمرجنسی کی وجہ سے گھر نہیں آ رہے تھے۔ سو اس کا واپس آنا مشکل تھا۔ اسے معلوم تھا کہ میں کسی بھی حالت میں رات گھر سے باہر رہنے کی اجازت نہیں دینے والی تھی اس لیے وہ مجھ سے گاڑی لے کر آنے کے لئے کہہ رہی تھی۔ میرا اس وقت نکلنا ممکن نہ رہا تھا۔ ابھی میں سوچ ہی رہی تھی کہ بھابھی کا فون آ گیا۔ وہ پوچھ رہی تھیں کہ شامہ ان کے گھر ہی رک جائے۔ گھر میں کوئی لڑکا تو تھا نہیں۔
"ٹھیک ہے بھابھی؟"
میرے کہتے ہی فون انیہ نے جھپٹ لیا اور ہزار ہزار شکریہ ادا کرنے لگی۔ میں نے فون آف کیا تو دونوں کے بے شمار بوسوں والے آئیکون دھڑا دھڑ آئے۔ اچھا ہی تھا کہ وہ اس بلا کے جانے کے بعد آتی۔
"کیسے رہتی ہو اکیلی اتنے بڑے گھر میں؟" اس نے چائے کا کپ تھامتے ہوئے پوچھا۔
"کیوں اکیلے رہنا کیا مشکل ہے؟" میں نے الٹا اسی سے پوچھا۔
"یار! میں تو اکیلے رہتے رہتے تھک گیا ہوں۔"
گزشتہ سترہ برسوں کی کہانی سنانے میں اسے سترہ منٹ بھی نہیں لگے۔ باہر سے ٹھوکر کھا کر آنے والوں کو اپنا بڑھاپا گزارنے کے لیے اپنا وطن، اپنے لوگ ہی یاد آتے ہیں۔ جوانی کے زعم میں رشتوں کو محض ایک پھونک سے اڑا دینے والے نجانے کس آس میں لوٹ آتے ہیں۔

☆☆☆

اس کے سامنے اپنے بھرم کو مضبوطی سے قائم رکھنے کی کوشش تنہائی میں بکھر رہی تھی۔
کیوں ظاہر کروں اس ظالم پر میں اپنی کمزوری'
کیوں؟؟ عورت اکیلی رہ سکتی ہے۔ جب رہ کر دکھا دیا اس نے تو پھر تم ہوتے کون ہو پوچھنے والے کہ کیسے رہتی ہو؟ رہ لیتی ہے عورت جب اس کے سائبان ہی اس کے اپنے وجود میں نقب لگانے لگتے ہیں۔
کہاں جائے پھر وہ......؟
بنا موت آئے مر جائے......؟؟
ایسی عورت مرد بن جاتی ہے...... بلکہ مرد سے بھی طاقت ور......

شانو کے سلام سے میں چونکی۔ دروازہ کس نے کھولا' ابھی میں پوچھنے ہی والی تھی کہ زور سے مردانہ سلام کی آواز آئی۔
"لو بھئی کیتی! تمہارا پسندیدہ حلوہ پوری۔" کتنا ڈھیٹ تھا وہ۔ مجھے بے یقینی سی ہوئی۔
"شانو! دیکھو صاحب کے لیے تو یہ ناشتہ لے آؤ۔ اور میرے لیے سادہ توس اور آملیٹ۔"
میں نے حیران پریشان شانو کو کام بتایا۔ ناشتے کے بعد ہم ابھی چائے پی رہے تھے کہ شامہ آ گئی۔ اور آتے ہی پیچھے سے مجھ سے لپٹ گئی۔ اس کی نظر مہمان پر نہیں پڑی تھی۔ میں نے اس کو فوراً اس کی طرف متوجہ کیا۔

''شمامہ سلام کرو بیٹا! یہ میری بیٹی شمامہ اور یہ ہیں منو آپا کے بھائی۔'' کوئی سابقہ یالاحقہ لگانے کو دل نہیں مانا۔

شمامہ نے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔'' کے ساتھ ہی آواز آئی،

''یہ اتنی بڑی سی اپنی ہم شکل گڑیا کہاں سے لی تم نے گیتی؟''

''او مائی گاڈ! آئی کانٹ بلیو دس۔'' اس نے ماتھے پر ہاتھ مار کر اداکاری کی انتہا کردی۔

شمامہ نے قدرے حیرانی سے میری طرف دیکھا۔ یہ بالکل غلط نہیں تھا، ہماری شکلوں میں غیر معمولی مشابہت تھی۔ وقت نے میرے عکس کو مزید اجال دیا تھا۔ اب ہم معمولی سے عمروں کے فرق کے ساتھ بہنیں معلوم ہوتی تھیں۔ ماں بیٹیاں نہیں۔ اگر کوئی اجنبی بھی ہمیں دیکھتا تو اسی طرح حیران ہوتا تھا۔

لیکن شمامہ پر پڑتی اس کی نظریں مجھے ماضی کی طرف دھکیل رہی تھیں۔ ماضی، جسے میں اپنے طور پر دفن کرچکی تھی۔ اپنے اوپر پڑی منوں مٹی کو جھاڑ کر باہر نکل رہا تھا۔ مجھے اس ماضی کو اب کسی طور بھی جگانے سے دلچسپی نہ تھی۔ میں اس کا سایہ بھی اپنی معصوم بچی پر پڑنے نہیں دینا چاہتی تھی۔

☆☆☆

''یہ زینے پر، چوکھٹ میں تصویر کی طرح جم کر کھڑی کیا دیکھتی رہتی ہو گھنٹوں؟''

''جو بھی دیکھوں۔ تمھیں اس سے کیا؟'' دو بدو جواب آیا۔

''ہمارے گھر میں کسی کو نہیں پسند لڑکیوں کا یوں کھڑا ہونا۔'' میں دانت پیستا۔

''تو نہ ہو پسند۔ ہم تو مہمان ہیں اور مہمانوں سے کیسے بات کی جاتی ہے اتنا بھی نہیں جانتے۔''

وہ ناک چڑھاتی اور میں آگ بگولہ ہو کر کبھی ابا سے کہتا کبھی منصورہ آپا جنہیں ہم سب منو آپا کہتے تھے۔ لیکن سب ہنس کر ٹال دیتے۔

اماں کہتیں۔''زوہیر! اتنا غصہ کیوں کرتے ہو۔ چھوٹی سی بچی ہے ابھی وہ۔ میں اسے سمجھادوں گی۔''

''چلو تم، تمھیں اماں بلا رہی ہیں۔'' میں پھر اس کے سر پر جا دھمکتا۔

''اچھا بابا! آرہی ہوں۔ اب کیا راستے میں ہی جمے رہو گے بت بن کر یا ہٹو گے بھی؟'' وہ ذرا بھی تو نہ گھبراتی۔ الٹا مجھ ہی کو گھورتی۔

میں گراؤنڈ سے کھیل کر پسینے میں شرابور گھر پہنچتا تو گیتی نہائی دھوئی، رنگ برنگی پونیوں کا باغ سر پر سجائے منو آپا کے پاس بیٹھی ہوتی۔ میں بھی اس کی پونیوں کا دشمن بن جاتا، کبھی منو آپا کی اوڑھنی کھینچتا۔

''دیکھو تو زوہیر کیسا اوٹ پٹانگ سا لڑکا ہے۔ لیکن گیتی تو بہت سمجھ دار بچی ہے۔'' منو آپا کہتیں۔ اور گیتی فوراً منصورہ آپا کی پسندیدہ نظمیں سنانا شروع کردیتی۔ میں پاؤں پٹخ کر چلاتا تو ابا میاں فوراً مجھے لپٹا لیتے۔

''ارے میرا اسپورٹس مین آیا ہے۔ ضرور جیت کر آیا ہوگا۔ یونہی تو نہیں کپتان بنایا اسکول والوں نے اسے۔''

لیکن میرا غصہ ختم نہ ہوتا جب تک میں گیتی کی پونیاں نہ اجاڑ دیتا۔ سب روکتے رہ جاتے لیکن میں اس کے بال کھینچ کر بھاگ جاتا۔ گھر بھر کو اچھی لگتی تھی وہ سرخ وسفید چابی والی گڑیا۔ اچھی تو مجھے بھی لگتی تھی۔ لیکن میں چاہتا تھا، وہ میری ہر بات مانے لیکن اس کو تو ذرہ برابر بھی میری پروا نہیں تھی۔

پیاری خالہ اس مرتبہ گرمیوں کی چھٹیوں سے ذرا پہلے ہی آ گئی تھیں۔ وہ بہت بیمار تھیں۔ گیتی بھی اس بار بدلی بدلی سی تھی۔ نہ زینے پر کھڑی ہوتی، نہ محراب میں...... اگر ذرا کی ذرا کھڑی بھی ہوتی تو مجھے دیکھتے ہی بھاگ کھڑی ہوتی۔

منو آپا نے بتایا کہ اب گیتی اور پیاری خالہ ہمارے ساتھ ہی رہیں گی۔ گیتی کا داخلہ بھی میرے اسکول میں کروا دیا گیا۔ ہم نے ایک ساتھ آنا جانا

شروع کر دیا۔ ایک دن ہم واپس پہنچے تو گیتی کے ابا گھر آئے ہوئے تھے لیکن وہ بیٹھک میں ہی ابا کے پاس بیٹھے رہے اور واپس چلے گئے۔ ان کے اونچا اونچا بولنے سے گیتی سہم گئی تو منو آپا ہم دونوں کو چھت پر لے گئیں۔ مجھے سب معاملہ جاننے کا بے حد تجسس تھا۔ لیکن ابا نے منع کر دیا تھا کہ میں گیتی سے اس کے ابا کے متعلق کوئی بات نہ کروں۔ انہوں نے کہا۔

''بہت سی باتیں وقت کے ساتھ خود بخود سمجھ میں آجاتی ہیں۔''

لیکن میں نے اپنی طبیعت سے مجبور ہو کر گیتی سے پوچھ لیا۔

" گیتی اس بار تمہارے ابا تم کو لینے کیوں نہیں آئے؟" اس کا سر ایک دم جھک گیا۔ گالوں پر آنسو پھیل گئے۔ میں گھبرا کر بولا۔

" معاف کر دو گیتی! اب کبھی نہ پوچھوں گا۔"

" میرے ابا نے دوسری شادی کر لی ہے۔" اس نے ایسے کہا جیسے بھاری راز کا بوجھ اٹھائے اٹھائے تھک گئی ہو۔

''چھی چھی۔ یہ کیسی بات کی گیتی تم نے کہیں بچے بھی ایسی باتیں کرتے ہیں۔"

''تم نے پوچھا تھا تو میں کیا کہتی؟"

''اچھا اب کبھی نہ پوچھوں گا۔" میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور پھر پوچھا۔

''ان کی دوسری شادی کا پتا تم کو کیسے چلا؟''

''ابا! ایک دن جمیلہ آنٹی کو لے آئے تھے گھر اور کہا تھا کہ یہ تمہاری نئی امی ہیں۔''

" پھر؟" میں تو تجسس سے باؤلا ہو گیا۔

" وہ ہر روز امی سے لڑائی کرتی تھیں۔ پھر ایک دن انہوں نے مجھے بھی تھپڑ مارا۔" گیتی کی آنکھوں میں پھر آنسو آگئے تھے۔

میں نے فوراً اپنا کچھ نہ پوچھنے کا عہد دہرایا۔ کچھ دن تو مجھے اس کی اداس صورت کا بہت خیال رہا۔ ہم مل کر کھیلتے رہے۔ لیکن ایک دن وہ میرے پیچھے گراؤنڈ چلی آئی اماں کا پیغام لے کر۔ میرا بس نہ چلتا تھا کہ اسے تھپڑ لگا دوں۔ گھر پہنچ کر میں سب پر خوب برسا۔ تو اماں نے مجھے ہی ڈانٹا۔ مگر گیتی نے سوری کر کے مجھ پر پانی ڈال دیا۔ باقی سب سے زیادہ سمجھ دار تو وہ تھی۔

پیاری خالہ کی بیماری بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ اماں اور ابا ان کو ہسپتالوں میں لیے لیے پھرتے۔ گیتی بے حد افسردہ رہتی۔ بس منو آپا اس کو بہلائے رکھتیں۔ لیکن مجھ سے اس کی کبھی نہ بنی۔ میری تو وہ اگر پنسل یا کاپی کو ہاتھ بھی لگا لیتی تو میری اس سے جھڑپ ہو جاتی۔ سب مجھے ہی سمجھاتے، اس پر مجھے مزید غصہ آجاتا۔ مجھے بھی مل کر کھیلنا اچھا نہ لگتا تھا۔ مجھے اس سے اپنی چیزیں بانٹنا بھی پسند نہ آیا حالانکہ وہ کبھی بھی مجھ سے نہ لڑتی نہ الجھتی۔ بس وہ چاہتی تھی کہ ہر کام میں میری نقل کرے۔ محلے کی دوسری لڑکیوں کی طرح اسے گڑیوں کا کوئی شوق نہ تھا۔ ہاں میدان میں سائیکل چلانے، کرکٹ کھیلنے کا بہت شوق تھا۔

میں میٹرک میں تھا اور گیتی آٹھویں میں جب پیاری خالہ کی وفات ہو گئی۔ صدمہ تو سب کو بہت تھا لیکن گیتی کا حال تو بہت خراب تھا۔ وہ ہر وقت روتی رہتی۔ اگر کسی وقت خاموش بھی ہوتی تو اس کی صورت سے لگتا کہ وہ رو رہی ہے۔ اور اسی بات سے مجھے اس پر غصہ آجاتا۔ ٹھیک ہے اس کی امی فوت ہو گئی تھیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب تھا کہ وہ ہر وقت نحوست پھیلائے رکھے۔ میں نے امڈ آنے والے غصے کو بھی دل میں نہیں رکھا تھا۔ ابا، اماں میرے اس رویّے سے نالاں نظر آتے۔ لیکن اس کا ایک فائدہ ہوا گیتی نے رونا بالکل بند کر دیا تھا اور پڑھائی میں جت گئی تھی۔ اب نہ وہ روتی تھی نہ ہنستی تھی۔ بس ہمہ وقت کتابوں میں گم نظر آتی۔

اس نے انٹر کر لیا تو کہنے لگی کہ میرے ساتھ یونیورسٹی میں داخلہ لے گی۔ جہاں سے میں بی ایس سی کر رہا تھا لیکن مجھے یہ برداشت نہیں تھا۔ بھلا

گرلز کالجز کی کمی تو نہیں تھی کراچی میں۔

ابا سب سے زیادہ اس کے حامی تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ایک تو آنے جانے میں آسانی ہوگی۔ کیمپس ہمارے گھر سے بالکل قریب تھا۔ دوسرے ہمارے سبجیکٹس ایک سے تھے۔ اسے میری وجہ سے بہت آسانی ہو جاتی۔ نمبر تو اس کے اتنے تھے کہ داخلہ ملنے میں کوئی مشکل نہ تھی۔ غرض تمام دلیلیں اس کے حق میں تھیں۔ جلتے کڑھتے میں اسے ساتھ لے جانے پر مجبور ہوا۔ بڑی سی چادر میں لپٹی ہوئی وہ خوش خوش میرے ساتھ چل رہی تھی۔ یونیورسٹی کی پرشوکت عمارت پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔ میں جو سخت کبیدہ خاطر تھا، کچھ نرم پڑ گیا۔

بعد میں اس کے بے حد محتاط رویے سے میں بھی قدرے مطمئن ہو گیا۔ البتہ اماں ابا سے میری لڑائیاں جاری ہی رہتیں۔ مجھے جتنے حربے روٹھنے کے آتے تھے، منو آپا اور گیتی اس سے زیادہ طریقے مجھے منانے کے دریافت کر لیتیں۔۔۔

اماں کہتیں، زوہیر! تمہارے غصے سے میری عمر کم ہوتی جاتی ہے۔" ان کی باتوں کو میں ہنسی میں اڑا دیتا، ابا کے آگے دو بدو سوال جواب کرنے سے بھی میں نہ چوکتا۔ اکلوتا تھا، جوان تھا، خوبروئی میں بھی کسی سے کم نہیں تھا۔ مجھے دبنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

☆☆☆

خاندان بھر کے لڑکے لڑکیوں میں پہلی شادی تھی، منصورہ آپا کی۔ اماں ابا کا سب سے ہی تعلق اچھا تھا۔ سو سب رشتہ داروں کی خوشی دیدنی تھی۔ ہمارے تینوں چچا مع اپنے اہل و عیال کے آ چکے تھے۔ بڑے ماموں، ممانی جو نانا جان کی وفات پر بھی نہ آ سکے تھے، امریکہ سے آئے تھے۔

چھوٹی ممانی سے تو اماں کا سہلاپا بہت گہرا تھا۔ سو ان کا قیام و طعام تو مہینہ بھر سے ہمارے ہی ہاں تھا۔ جوڑوں کی خریداری سے لے کر زیور تک اور فرنیچر سے لے کر پہناونیوں تک اماں نے ان ہی کے مشورے کو صائب جانا تھا۔ وہ تھیں بھی تو اتنی سلیقہ مند اور سمجھ دار۔ اور اماں کہتی تھیں گیتی کو گھٹی انہوں نے ہی دی تھی۔ مانو اپنا سارا سلیقہ اور سمجھ داری اس میں منتقل کر دی تھی۔ اب اسی نے مہمانوں اور باورچی خانے کا سارا انتظام بڑے سلیقے سے سنبھالا ہوا تھا۔ اماں کو تو مہمانوں سے ملنے ملانے سے فرصت نہ تھی۔

سارا گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ کسی کو چائے چاہیے، تو کسی کو کھانا۔ کسی کو بستر درکار ہے تو کسی کے بچے کو گرم دودھ۔ ہر جانب سے گیتی ہی کو پکار پڑتی اور وہ چراغ کے جن کی طرح حاضر ہو جاتی۔ مہمان تو مہمان نوکر تک اس کے گن گا رہے تھے۔ منو آپا تو کہہ رہی تھیں کہ گیتی کی وجہ سے انہیں اماں ابا کی کوئی فکر نہیں تھی۔

"حد ہوتی ہے لاپروائی کی بوا۔ کب سے میں نے چائے کے لیے کہا ہوا ہے۔ کام چوروں سے بھرا ہوا ہے سارا گھر!" میں غصے سے بولتا اندر آیا تو گیتی فلاسک میں چائے چھان رہی تھی۔

"بس ذرا میں ان لڑکیوں کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔" اس نے گیت گاتی ہوئی لڑکیوں کی طرف اشارہ کیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔۔

"تو بیٹھی رہتیں۔ میں بوا سے چائے لے جاتا۔"

مجھے اپنی تیز آواز پر شرمندگی ہوئی۔ اس کا بھی تو دل چاہ رہا ہوگا کہ وہ باقی لڑکیوں کی طرح گیت گائے۔ اس نے کتنے اچھے کپڑے پہن رکھے تھے لیکن اتنے اچھے کپڑے پہن کر بھی وہ تو سارا دن کاموں میں ہی مصروف رہی۔ میں سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے مجھے چائے اور مٹھائی سے سجی کشتی تیار کر کے پکڑا دی۔

ہر وقت مسکرانے والی گیتی، منو آپا کی وداعی کے وقت بے تحاشا رو رہی تھی۔ رونا تو مجھے بھی آ رہا تھا مگر میں ضبط کیے کھڑا رہا۔ دیر رات تک قناتوں والوں، کرسیوں والوں اور کیٹرنگ والوں سے نپٹتا،

میں بے تحاشہ تھک گیا تھا۔ اندر آیا تو گھر میں بالکل خاموشی تھی۔ یعنی سب مہمان سو چکے تھے۔ میں خاموشی سے اوپر چھت پر چلا آیا۔ جہاں آپا کا جھولا تھا۔ میں وہاں بیٹھ کر ڈھیر سارا رونا چاہتا تھا۔ لیکن وہاں تو پہلے ہی سے گیتی بیٹھی ہوئی تھی۔ چاند کی روشنی اتنی ضرور تھی کہ میں نے اسے پہچان لیا۔ آن کی آن میں میں اپنا غم اور اداسی بھول گیا۔

"بھلا اتنی رات میں چھت پر اکیلی لڑکی کا کیا کام!"

میں نے اپنے بے قابو غصے کی آگ اس پر انڈیل دی۔ وہ اپنے کپڑوں سے الجھتی بگٹٹ نیچے بھاگی۔ وہ سیڑھیوں کے قریب ایک دفعہ گری بھی پھر اٹھ کر بھاگی۔ میں غصے سے کھولتا ہوا جھولے پر بیٹھا تو ملائم سا کپڑا ہاتھ میں آ گیا۔ جگہ جگہ سے نم یہ گیتی کا دوپٹہ تھا۔ وہ رو رہی تھی۔ میرے کڑوے الفاظ میرے آگے آ کر کھڑے ہو گئے۔ بے چاری ڈر گئی۔ اس کچے بور سے مہکتے دوپٹے نے میرے خیالات یکسر بدل دیے تھے۔ گیتی کا سراپا میری آنکھوں کے آگے گھوم گیا۔

کمال ہے، اتنی خوبصورت ہے گیتی، میں نے کبھی محسوس ہی نہیں کیا۔

میں دوپٹہ ہاتھوں میں بھینچے ہوئے وہیں لیٹ گیا۔ وہ دوپٹہ نہیں تھا، ایک نئے جہان کا دروازہ میرے لیے وا ہوا تھا۔ کچا کچا سا مہکتا وہ جہان بے حد دل پذیر تھا۔ اس نئے جہان کو دریافت کرتا جانے کب میں سو گیا تھا۔ صبح اٹھا تو دوپٹہ میرے ہاتھ پر لپٹا ہوا تھا۔ گہری سانس بھر کر اس مہک کو میں نے اپنے اندر اتارا اور فوراً اٹھ کر اس کو اپنی الماری میں رکھا اور منہ ہاتھ دھو کر ناشتے کے لیے چلا آیا۔

گیتی اور بوا سب کو ناشتہ کروا رہی تھیں۔ میں نے غور سے اسے دیکھا۔ سفید دوپٹہ اوڑھے روئی روئی سی آنکھوں والی گیتی۔ یہی ایک دوپٹہ رنگنے سے رہ گیا تھا۔ اور اچھا ہوا رہ گیا تھا۔ سفید دوپٹے میں لپٹا اس کا چہرہ کس قدر من موہنا لگ رہا تھا۔

رات ولیمے سے واپسی پر اماں نے منو آپا کی ساس سے آپا کو ساتھ لے جانے کے لیے اجازت طلب کی تو وہ کہنے لگیں۔

"جاوید کہہ رہے ہیں کہ وہ صبح خود منصورہ کو لے کر آ جائیں گے۔"

اماں نے میرے ذریعے ابا کو کہلا بھیجا۔ ابا جی پہلے ہی ان رسم و رواجوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے، کہنے لگے، اس میں کوئی حرج نہیں۔" ہم رخصت ہونے لگے تو جاوید بھائی کہنے لگے۔

"گیتی! تم رک جاؤ اپنی آپا کے پاس۔"

یہ کہتے ہوئے انہوں نے اس کی ناک دبائی۔ اماں نے فوراً سلیقے سے انکار کر دیا تو میرا بڑھتا ہوا فشار خون نیچے آیا۔

"آپا کو تو آنے نہیں دیا اور صاحب کہتے ہیں، "گیتی! تم رک جاؤ۔" ساری رات میں کڑھتا رہا۔

☆☆☆

"بہت راہ دکھائی تم نے۔ ہم لوگ تو اب نکلنے والے تھے۔" جاوید بھائی بولے۔

"آج جانا ناگزیر تھا بھائی جان! شادی کے لیے پہلے ہی دس چھٹیاں لے چکا تھا میں۔ سو آج جانا پڑا۔"

"آپا! آپ رکیں گی نہیں آج؟" میں نے ان کو چادر سنبھالتے دیکھ کر کہا۔

"نہیں۔ ابھی گھر میں بہت سے مہمان ہیں جو صرف منصورہ کی خاطر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ وہ چلے جائیں پھر آ جائیں گی۔"

"اب ہمیں اجازت۔"

اتنی پرائی ہو گئی تھیں آپا صرف دو دنوں میں۔

"تی! تم چلی چلو ہمارے ساتھ۔" جاوید بھائی نے گیتی کی طرف جھک کے کہا۔

"گیتی نہیں جا سکتی۔"

میرا یوں بولنا سراسر غلط تھا۔ جاوید بھائی کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ ان کے جاتے ہی اس سے پہلے کہ اماں مجھ پر غصہ ہوتیں، میں گھر سے نکل گیا

تھا۔ آدھی رات کو میں واپس آیا تو گیتی جاگ رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ کچن کی طرف بڑھی تو میں بولا۔

"رہنے دو۔ میں کھانا کھا کر آیا ہوں۔"

"چائے؟"

"بنا دو تو بہت اچھا ہو۔" وہ چائے بنانے لگی تو میں بھی کچن میں چلا آیا۔

"اماں کو تو آج بہت غصہ ہوگا۔"

"اچھا! تم کو ان کے غصے کی پرواہ ہے۔"

"بس، مجھے نہیں اچھا لگتا کہ تم کسی کے گھر جاؤ۔"

"بس اپنے ہی اچھا لگنے کی پرواہ ہے۔" غصہ جتاتی ہوئی آج وہ پرانی گیتی لگ رہی تھی۔

"اچھا بابا! معاف کردو۔ غلطی ہوگئی۔" میں نے کہا تو اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ میں اور معافی!!

لیکن میرے چہرے پر کچھ اور بھی تھا جو وہ کپ رکھتے ہی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ میں نے مسکرا کر چائے کا کپ منہ سے لگا لیا۔

☆☆☆

"مانوس راہیں مانوس منزلوں کی طرف لے جاتی ہیں۔ عشق مجاز کے راہی عشق حقیقی کی طرف جلد قدم مارتے ہیں۔ مجاز کی طلب اور جستجو ان کے دلوں کا زنگ اور میل دھو کر اسے مصفّا اور اجلا کر دیتی ہے۔ ان کی آرزو واحد پر مجتمع ہو جاتی ہے اور ان کا دل جلد یا بدیر محبوب حقیقی کی مسند بن جاتا ہے۔"

گیتی کے خاموش ہوتے ہی ابا اور جاوید بھائی کی 'واہ! واہ' 'بہت خوب' کی آوازیں آئیں۔ ابا اور جاوید بھائی کی نشست صبح سے جمی ہوئی تھی۔ اب جو گیتی چائے دینے گئی تو انہوں نے اسے بھی شریک گفتگو کر لیا۔

میں تو جاوید بھائی کے اصرار کے باوجود ان کی محفلوں میں کم کم ہی شریک ہوتا تھا۔ ان کے دوستانہ سلوک کے باوجود میرے دل کی گرہ نہ کھل سکی۔ گیتی کے لیے ان کا التفات مجھے سخت ناپسند تھا۔ بظاہر اس میں کوئی قابل اعتراض بات نہ تھی۔ لیکن میرا بس چلتا تو گیتی کو ان کے سامنے آنے سے بھی منع کر دیتا۔

ابھی آپا کی شادی کو چھ مہینے بھی نہیں ہوئے تھے کہ جاوید بھائی کی امی سیڑھیوں سے گر گئیں۔ ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔ اب تو منصورہ آپا کا آنا ایک دم کم ہوگیا۔ زیادہ تر آپا فون پر بات کر لیتیں۔ کبھی کبھار امی ابا ملنے چلے جاتے۔ لیکن جاوید بھائی ہفتے عشرے بعد ضرور چلے آتے۔ میں نے ایک دو بار اماں سے بھی برہمی کا اظہار کیا تو وہ مجھے ہی باؤلا کہنے لگیں۔

جاوید بھائی ہمیشہ گیتی کو ساتھ چلنے کے لیے کہتے۔ کبھی کوئی بہانہ، کبھی کوئی بہانہ بناتے۔ آپا نے بھی گیتی کو بھیجنے کے لیے کئی پیغام بھیجے۔ تو میں نے اماں کو صاف منع کر دیا۔ بلکہ گیتی کو بھی تنبیہہ کر دی۔ وہ خود بھی کہیں آنے جانے کی شوقین نہیں تھی۔ یوں بھی وقت کہاں تھا اس کے پاس۔ ہم اپنی پڑھائی میں مگن تھے۔ میرا ایم ایس سی کا فائنل سمسٹر تھا۔ اور گیتی ڈبل میتھس کے ساتھ بی ایس سی کر رہی تھی۔ صحیح معنوں میں ہمارے پاس سر کھجانے کی فرصت نہیں تھی۔

ادھر ہمارے امتحان شروع ہوئے ادھر ننھے ندیم صاحب نے آ کر مجھے ماموں اور گیتی کو خالہ کے منصب پر سرفراز کر دیا۔ گھر میں خوب رونق ہو گئی۔ ہر وقت کا آنا جانا۔ میرا کمرہ تو پہلے ہی اوپر تھا۔ گیتی نے بھی اوپر والے اسٹور میں اپنی کتابیں رکھ لیں۔ البتہ سوتی وہ اماں ہی کے ساتھ تھی۔

ظالم امتحان کے چکر میں ہم نے ابھی تک ندیم سے دل بھر کر کھیلا بھی نہیں تھا کہ جاوید بھائی آپا کو لے جانے کے لیے چلے آئے۔ ابا جی نے چھوٹے بچے کے خیال سے رات کو سفر کرنے سے منع کر دیا۔

یوں جاوید بھائی بھی رات رک گئے۔ روزانہ کی طرح پڑھتے پڑھتے چائے پینے کے خیال سے

نکلا تو سوچا، گیتی سے بھی پوچھ لوں۔ اسٹور کی لائٹ بھی جل رہی تھی۔ دستک دینے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اندر سے آواز آئی۔

"میں بس یہی کہنا چاہتا تھا کہ منصورہ کی آبادی صرف اسی صورت میں ممکن ہے۔ اس کو صاف صاف کہہ دیا ہے میں نے۔ اگر وہ نہیں، تو تم بھی نہیں۔" یہ آواز جاوید بھائی کی تھی۔

"منصورہ سے تو میں پہلے ہی بات کر چکا ہوں۔ اس کو راضی ہونا پڑے گا۔"

☆☆☆

بس اس سے زیادہ سننے کی تاب کہاں تھی مجھ میں۔ ایک لمحے کے توقف کے بغیر ابا کے کمرے میں پہنچا کہ سیف سے ریوالور نکال سکوں۔ اتنے میں آپا کے کمرے سے آتی ندیم کے رونے کی آواز میرے لیے صور اسرافیل تھی۔ یہ میں کیا کرنے جا رہا تھا۔ میں نے سیف کی چابی وہیں پھینک دی اور صحن میں نکل آیا۔ دل چاہتا تھا اوپر چلا جاؤں اور اس احسان فراموش سے پوچھوں کہ کیا کمی تھی ہماری محبتوں میں؟

اور میری بہن اس قدر اندھی ہو چکی تھی کہ اسے اپنی سوکن بنانے پر تیار تھی۔ یقیناً اپنا گھر بچانے کے لیے وہ یہ قربانی دے رہی تھی۔

لیکن گیتی...... آخ تھو!!!!

☆☆☆

نفرت کی آگ میں جلتا میں معلوم سے نامعلوم ہو گیا۔ میں نے اپنے تئیں قصہ پارینہ بن جانا چاہا۔ میں نے گھر چھوڑ دیا۔ اس رات کی تلخی نے میرے وجود کو کیکر بنا ڈالا تھا۔ خاردار کیکر جو صرف الجھنا جانتا تھا۔ میں ساری دنیا سے الجھتا ہی پھرتا رہا۔ پہلے میں نے وہ شہر چھوڑا پھر ملک۔ مختلف ملکوں میں بھٹکتا رہا۔ کئی سال بھٹکتا میں فرانس میں ٹک گیا۔ یہاں مجھے ایک دور پار کے رشتہ دار سے گیتی کی شادی کی اطلاع ملی۔ میں جو مسکی کی انتہائی کوشش کے باوجود شادی کے لیے راضی نہ ہوتا تھا فوراً مان گیا اور ہم نے شادی کر لی۔ ایک ایک سال کے وقفے سے مونا اور سومی اس دنیا میں چلی آئیں۔

بھولی بھالی مونا اور سومی میرے وجود کے گرد موجود لاتعداد نفرت کے دائروں کو کاٹ کر مجھے گدگدانے لگی تھیں۔ انہیں پیار کرتے ہوئے مجھے اماں کے شفقت آمیز بوسوں کی، ابا کی محبت سے لبریز نگاہوں کی بے تحاشا یاد آتی۔ سومی تو بنی بنائی منصورہ آپا تھی۔ ویسے ہی نین نقش، ویسی ہی عادات۔ ان سب کے ساتھ ایک اور وجود بھی یاد آتا تھا۔ اور اس کی یاد ایسا بارود تھا جو دل و دماغ کے ریشے ریشے میں آگ لگا دیتا تھا۔ جلا کر راکھ کر دیتا تھا۔ اتنے برسوں بعد بھی یہ آگ ٹھنڈی نہ ہو سکی تھی۔ نہ ہی میں ایسا بھسم ہوا تھا کہ اس راکھ میں ماضی کے ساتھ دفن ہو جاتا۔

ان ہی دنوں میری ملاقات اظہر سے ہوئی۔ ہم ایک ہی فرم میں نوکری کر رہے تھے۔ اظہر بہت اچھا سلجھا ہوا نوجوان تھا۔ مجھے بھی اس کی صحبت بھا گئی کچھ میں بھی بھٹک بھٹک کر تھک چکا تھا۔ میری اکثر شامیں اس کے اپارٹمنٹ میں گذرنے لگیں۔ وہ مزیدار پاکستانی کھانے بنانے میں ماہر تھا۔ میرا ڈنر اب اکثر اس کے ساتھ ہونے لگا۔ کھانا بناتے بناتے وہ اسکائپ پر گھر والوں سے باتیں کرتا جاتا۔

باتیں سن سن کر میں اس کے سب ہی گھر والوں سے متعارف ہو چکا تھا۔ اس کی فیملی بہت سلجھی ہوئی تھی۔ اور ان کے آپس میں بہت گہرے روابط تھے۔

اس کے گھر سے آنے والے فون اور میسجز مجھے ایک حسرت میں مبتلا کر دیتے۔ ایک دن وہ اسکائپ پر غالباً چھوٹی بہن سے بات کر رہا تھا۔ وہ کسی شمامہ کا ذکر کر رہی تھی جسے وہ بھابھی بنانا چاہتی تھی۔ شمامہ کے حسن کی تعریف میں جس طرح وہ زمین و آسمان کے قلابے ملا رہی تھی۔ اس نے مجھے حسد کرنے پر مجبور کر دیا۔

کیا تھا اظہر کے پاس، جو میرے پاس نہیں تھا۔ کیا کمی تھی مجھ میں؟؟ اور اس کے لیے اس کی

بہن کسی پری رو کو منتخب کیے بیٹھی تھی۔ میکی کی کم صورتی کا احساس اس سے پہلے مجھے کبھی نہ ہوا تھا۔ مجھے ایک دم غصہ آ گیا اور میں بنا کھانا کھائے اٹھ آیا۔

مانو اور سومی سے کھیلتے ہوئے بھی کہیں الجھا رہا۔ دل ہی دل میں میں نے پاکستان واپس جانے کا فیصلہ کر لیا۔ میکی کے سامنے میں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ میں اس کو تو ساتھ لے جانا بھی نہیں چاہتا تھا۔ لیکن وہ مجھے بھی جانے سے منع کر رہی تھی۔ وہ ہوتی کون تھی مجھے روکنے والی۔ میں نے اپنا غصہ نکالنے کے لیے بڑی غلط جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ میں بھول گیا تھا کہ میں کہاں ہوں۔

وہ کون ہوتی تھی؟ اس نے مجھے بہت جلد بتا دیا۔ اسی وقت اس نے مجھے بچیوں کے ساتھ گھر سے نکال باہر کیا تھا۔ صرف تین سال کی مانو اور چار سال کی سومی کو لے کر میں اظہر کی طرف آ گیا۔ ان کو سنبھالتے، ان کے کام کرتے مجھے نانی یاد آ گئی۔ بڑی مشکل سے چند دن گزار کر میں نے ان کا ویزہ حاصل کیا اور انہیں لے کر پاکستان آ گیا۔

☆☆☆

''زوہیر! زوہیر!''

میرے وجود کے ذرے ذرے نے اس آواز کے تعاقب میں پلٹ کر دیکھا تھا۔ اور آواز کے مالک پر نظر پڑتے ہی فضا میں منتشر ہر ذرہ یوں منجمد ہو گیا کہ اس کی یکجائی ممکن نہ رہی تھی۔

"میرے بھائی! میرے بچے! میرے چاند۔"

یہ منو آپا تھیں جو مجھے چوم چوم کر رو رہی تھیں۔

"کہاں چلے گئے تھے زوہیر ہمیں چھوڑ کر؟"

''پاپا یہ کون ہیں؟'' مانو اور سومی مجھے ہلا ہلا کر پوچھ رہی تھیں

"یہ تمہاری بیٹیاں ہیں؟" منو آپا نے وہیں سڑک پر بیٹھ کر انہیں لپٹا لیا تھا۔

"میں تمہاری پھوپو ہوں بیٹا۔"

وہیل چیئر پر بیٹھے ہوئے جاوید بھائی نے مجھے لپٹانے کی کوشش کی تو نفرت کی لہر نے میرے ہر مسام کو تلخ کر ڈالا۔ میں فوراً ان سے علیحدہ ہوا۔

زوہیر! بس تم ہمارے ساتھ گھر چلو۔" انہوں نے کیب کو روکتے ہوئے کہا۔ میں جو تین دن سے کراچی آ کر ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ منو آپا کے ساتھ چپ چاپ چلا آیا۔

☆☆☆

میرا اگر اس گھر سے روح کا ناتا تھا تو اس گھر کے مکین بھی مجھ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ خالہ جان مجھے بہو بنانا چاہتی تھیں۔ وہ تو کئی بار زوہیر کے سامنے اظہار کر چکی تھیں کہ وہ مجھے اپنی بہو بنائیں گی۔ کسی کو اس پر اعتراض نہیں تھا نہ مجھے نہ زوہیر کو۔ وہ ایسا نہ بھی چاہتیں تو میں ان کے احسانات بھول نہیں سکتی تھی۔ میں اس گھر کے مکینوں پر جان قربان کر دیتی تو کم تھا۔ بھلا میں اپنے محسنوں کو کوئی نقصان کیسے پہنچا سکتی تھی۔

جاوید بھائی کی مجھ پر نظر کیسی تھی؟ مجھے اس کا احساس بہت جلد ہو گیا تھا۔ لیکن وہ اس طرح مجھے مجبور کریں گے میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ منو آپا اس لیے اس قدر کمزور ہو چکی تھیں۔ انتہائی لاغر اور آزردہ۔ ہر وقت اندھیرا کیے گھٹ گھٹ کر روتی تھیں۔ رات دن مجھ سے معافیاں مانگتیں۔ ان کو اپنا گھر بچانے کی فکر تھی ہر عورت کی طرح۔ میں تو ان سے نظر ملانے کے قابل نہیں تھی۔ بات ابھی خالہ، خالو کے علم میں نہیں تھی۔ لیکن کب تک؟ جاوید بھائی نے منصورہ آپا کی واپسی اسی شرط سے مشروط کر دی تھی۔ زوہیر کے غصے سے ڈر کر اس کو سارے معاملے سے لاعلم رکھا گیا تھا۔ مگر ہونی کو کون روک سکتا ہے۔

جس روز جاوید بھائی نے مجھ سے بات کی' میں سخت خوف زدہ ہو گئی تھی۔ وہ یوں میرے کمرے میں چلے آئیں گے، مجھے گمان بھی نہ تھا۔ ابھی وہ مجھ سے اصرار کر ہی رہے تھے کہ منو آپا اوپر آ گئیں۔

"خبیث انسان! تیری ہمت کیسے ہوئی میری بہن سے ایسے بات کرنے کی۔" منو آپا نے کھینچ کے ان کے منہ پر تھپڑ مارا۔

"مردود! تو کیا مجھے چھوڑے گا، میں ہی تجھ سے خلع لے لوں گی۔ تو اسی وقت ہمارے گھر سے نکل جا۔ بلاتی ہوں میں ابا اور زوہیر کو۔"

میں منو آپا کے پیچھے کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی۔

جاوید بھائی کو منو آپا سے اس بہادری اور جرأت کی امید نہیں تھی۔ وہ فوراً ہی کمرے سے نکل گئے۔ منو آپا ان کے پیچھے لپکیں۔ ان کو ندیم کی فکر تھی۔ جاوید تو اسی وقت گھر سے نکل گئے۔ ان کی گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سن کر مجھے کچھ تسلی ہوئی لیکن ابھی میں پوری طرح سنبھلی نہیں تھی کہ زوہیر کمرے میں چلا آیا۔ ہمیشہ کی طرح کسی کی نہ سننے والا، شتاب کار، مغلوب الغضب۔

وہ پاگل ہو گیا تھا۔ وہ ایسا کیسے کہہ سکتا تھا۔ وہ مجھ پر الزام لگا رہا تھا...... گھٹیا ترین الزام......

"ارے مارِ آستین نکلی تو تو۔" وہ کف اڑا رہا تھا۔

"بے غیرت بے حیا۔ اپنے بہنوئی کو ہی......"

"زوہیر! تم کو غلط فہمی ہوئی...... اس میں اس کا کیا قصور؟؟" منو آپا لیتے رد کا مگر اس نے ہمیشہ کی طرح بات کا ایک حصہ سن کر فیصلہ کر لیا تھا۔

"بس اب کوئی ڈراما نہیں۔"

میری روح اس کے الفاظ کے بھاری پتھروں تلے کچلی گئی تھی۔ وہ مجھے گالیاں دے رہا تھا۔ اپنے گھرانے کے وہ احسانات گنوا رہا تھا جو میں کبھی بھولی ہی نہیں تھی۔ میں احسان فراموش نہیں تھی۔ اس نے کہا، میں اپنے ہی گھر میں سیندھ لگانے والا چور تھی۔ اس نے مجھے گالی دی...... بار بار دی......

"ہاں بنا لیا دیوانہ پھر...... جاوید کو بنا لیا اپنا دیوانہ۔" میں ڈٹ کر کھڑی ہو گئی۔

اس نے مجھ پر تھوک دیا...... میں وہیں کھڑے کھڑے مر گئی...... رات کی سیاہی نے میری زندگی کے سارے رنگ نگل لیے تھے۔ زوہیر کے حرام فعل (غصہ) نے میری روح کو داغ دار کر دیا تھا۔

میں اب اس گھر میں کیسے رہ سکتی تھی!!

صبح زوہیر گھر میں نہیں تھا۔ میں نے اماں کی ڈائری سے ابا کا نمبر نکالا اور انہیں فون کر دیا۔ خلاف توقع ابا دو گھنٹوں میں آ چکے تھے۔ انہوں نے باہر ٹیکسی میں بیٹھے بیٹھے ایک چھوٹے لڑکے سے اندر پیغام بھیجا۔ میں نے اپنا بیگ پہلے ہی تیار کر لیا تھا۔ خالو جان زوہیر کو ڈھونڈنے نکلے ہوئے تھے۔ میرے لیے یہ بہت بہتر ہوا۔ میں خالہ جان کو اطلاع دے کر وہاں سے نکل آئی۔ پیچھا کرتی آوازوں کے لیے میرے کان بند تھے۔ میں اس جہنم سے نکل آئی تھی۔ ساری دنیا اب جنت تھی میرے لیے، اس گھر کے سوا۔

ابا کا گھر توقع سے زیادہ پرایا ثابت ہوا تھا۔ میری آمد پر ابا کی بیوی نے نہ خوشی کا اظہار کیا نہ ناراضی کا۔ ایک مہینے میں میری شادی طے کر دی گئی۔ طالب میرے تایا کا بیٹا تھا۔ میں نے اپنے لیے ایک نئے امتحان کا انتخاب کیا تھا۔ یہ اندازہ مجھے شادی کی رات ہوا۔ طالب بہت چھوٹے ذہن اور سوچ کا بالکل اجڈ اور گنوار شخص تھا۔

وہ کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ نہ کرنا چاہتا تھا۔ گھر میں تایا، تائی کے علاوہ دو چھوٹی بہنیں بھی تھیں۔

آمدنی کا واحد ذریعہ ایک رکشہ تھا جو تایا چلاتے تھے۔ طالب نے مجھ سے نوکری پر اصرار کیا تو میں نے گورنمنٹ جاب کے لیے اپلائی کر دیا لیکن وہ سب تو مجھے ایک دن بھی گھر بٹھانے کے روادار نہیں تھے۔ مجبوراً میں نے ایک پرائیویٹ اسکول میں نوکری کر لی۔ شمامہ گود میں آئی تو میں نے نوکری چھوڑنی چاہی۔ مگر میرے چاہنے سے کیا ہوتا۔ نوکری تو مجھے کرنی ہی تھی۔ شمامہ سال کی ہوئی تو مجھے گورنمنٹ جاب مل گئی۔

گھر سے اسکول کا راستہ ایک گھنٹے کا تھا۔ اپنا رکشہ ہونے کی بہت سہولت تھی۔ تایا ہی مجھے لاتے، لے جاتے۔ شام چار بجے گھر پہنچتی تو بچی کا حال

تڑپا دیتا۔ اس کا میلا حلیہ، گندے فیڈر، گندے کپڑے۔ وہ اس حال میں بھی واویلا نہ کرتی۔ میں نے اس کے رونے کی آواز بھی نہیں سنی۔ میرا سارا صبر اس میں منتقل ہو گیا تھا۔ اس کو نہلا دھلا کر دودھ پلانے تک، سو بار تائی چکر لگا جاتیں۔

"جلدی کرو۔ ٹیوشن کے بچے کب سے آئے بیٹھے ہیں۔"

باہر صحن میں چولہا رکھ کر کھانا پکاتے بچوں کو پڑھاتی۔ شامہ دو سال کی ہوئی تو میں نے میڈم سے بات کر کے اس کو ساتھ لے جانا شروع کر دیا۔ کم سے کم ہر دم اٹکی ہوئی سانس بحال ہوئی۔

میں نے اپنی موجودہ زندگی کا پچھلی زندگی سے کبھی تقابلی جائزہ نہ لیا تھا۔ میرے محسوسات برف کی طرح سرد ہو چکے تھے۔ ایک اپنے وجود پر پڑا ہوا تھوک تھا جو دھوئے نہیں دھلتا تھا۔ اگر کسی روز کچھ گرد پڑی بھی محسوس ہوئی تو طالب تھا ناں، اس کے طعنوں کا میں نے کبھی برا نہیں مانا۔ سچی بات وہ مجھے کبھی غلط لگا ہی نہیں۔ یہاں تک کہ جب اس نے مجھے اپنی ایک ساتھی ٹیچر کی گاڑی پر گھر آتا دیکھ کر طلاق دے دی، تب بھی مجھے لگا، اس نے ٹھیک ہی کیا۔ اس کا ہی حوصلہ تھا جو اس نے چار سال مجھے اپنے نام کی عزت دی۔ اگر وہ مجھ پر شک کرتا تھا تو جائز ہی کرتا تھا۔

بھلا کوئی لڑکی بے وجہ تو اپنی ماں کا گھر نہیں چھوڑتی ناں؟ میں اس کو وجہ بتاتی تو وہ ایک دن بھی مجھے اپنے گھر نہ رکھتا۔

☆☆☆

اب میں اکیلی نہیں تھی۔ میرے ساتھ میری بیٹی تھی۔ میرے پاس نوکری تھی۔ زندہ رہنا اگر آسان نہ تھا تو ویسا مشکل بھی نہیں تھا۔ کچھ تگ و دو کے بعد گرلز ہاسٹل میں کمرہ مل گیا۔ میری ساتھی ٹیچرز نے بہت مدد کی۔ ایک نے تو کمرہ ملنے تک اپنے گھر رکھا۔ شامہ اب اسکول جاتی تھی۔ میں نے دوبارہ پڑھائی شروع کر دی۔ میتھس میں ماسٹرز کرنا تھا مجھے۔ اسکول نے میرے پیریڈز ایڈجسٹ کر دیے تھے۔

گرمیوں کی چھٹیوں میں سارا ہاسٹل بھائیں بھائیں کرنے لگتا تھا۔ خوف اور اذیت کی یلغار ہو جاتی تو ہم ماں بیٹی سارا دن کی مصروفیت ایجاد کر لیتیں۔ میں دو وقت اکیڈمی میں پڑھانا شروع کر دیتی اور شامہ میرے ساتھ ساتھ رہتی۔ میرا ماسٹرز مکمل ہو گیا۔ مجھے کالج میں لیکچرر شپ مل گئی۔ ایک ایک دن گن کر گزارتے بھی بارہ سال گزر گئے۔ مجھے کالج میں پرنسپل کا عہدہ مل گیا۔ گھر بھی ملا اور گاڑی بھی۔

ہمارا گھر......میرا اور شامہ کا گھر......جس میں میری شامہ اڑتی پھرتی تتلی کی طرح......

میٹرک کے بعد وہ میرے ہی کالج سے ایف ایس سی کر رہی تھی۔ اس کے ساتھ اسی کی کلاس میں سارہ نے بھی داخلہ لیا۔ سارہ، منو آپا کی بیٹی۔ میں نے تو داخلہ فارم سے ہی پہچان لیا تھا۔ کالج یونیفارم میں دو چوٹیاں کیے ہوئے سارہ جاوید۔ یعنی بس گیا منو آپا کا گھر۔

اور ایک دن منو آپا سارہ کو لے کر گھر تک آ پہنچی تھیں۔ جاوید کو فالج ہو گیا تھا۔ اور منو آپا نے اسے معاف کر دیا تھا۔ ان کے پاس اس کے سوا چارہ بھی کیا تھا۔۔۔ خالہ جان اور خالو جان نہ رہے تھے۔ منو آپا کے غم کی کوئی انتہا نہ تھی۔ ان کا میکہ ختم ہو گیا تھا۔

لیکن میں! میرا نہ میکہ آباد تھا......نہ سسرال......

منو آپا مجھے دیکھ دیکھ کے روتی رہیں۔ شامہ سے مل کر تو بہت خوش ہوئیں۔ انہوں نے بہت چاہا کہ میں ان کے گھر بھی جاؤں۔ لیکن میں نہ گئی۔ پھر ان لوگوں نے بھی اصرار نہ کیا۔ البتہ منو آپا اور سارہ آ جاتے تھے کبھی کبھار ندیم کے ساتھ۔

☆☆☆

"یہ میری بیٹیاں ہیں کیتی۔" ایک دن وہ دو پریوں کو ساتھ لے آیا۔

"یہ کہاں تھیں اب تک؟" میں سخت حیران ہوئی۔ وہ ہزار رکھائی کے باوجود اکثر ہی آ جاتا تھا۔

لیکن اب بیٹیاں!

"یہ منو آپا کے پاس۔"

"اوہ! تو منو آپا کو سب خبر تھی۔ اور یہ جھوٹ کہتا تھا کہ ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہوں"۔

ایک دم سے دل کو کچھ ہوا۔ اس نے کبھی ذکر تک نہیں کیا۔ بچیاں میرے سامنے کھڑی تھیں۔

"کتنی پیاری ہیں۔" میں نے ان پھول جیسی بچیوں کو پیار کیا۔

"آنٹی! ہم کل بھی آجائیں۔" ان کو انکار کرنا بہت مشکل تھا۔

"بیٹے! ہم تو کل کالج میں ہوں گے۔"

"آپ کی چھٹی کے بعد۔" ان کا اصرار بے حد معصومانہ تھا۔

"اوکے بیٹا" میرے کہتے ہی وہ شامہ سے لپٹ گئیں۔

شامہ کا چہرہ پھول کی طرح کھلا ہوا تھا۔ میری رشتوں کو ترسی ہوئی بیٹی۔ ان کا آنا جانا غیر محسوس طریق پر بڑھ رہا تھا۔ یوں تو مجھے زوہیر سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ زندگی اس کو بہت سبق دے چکی تھی۔ سترہ سال کم نہیں ہوتے کسی کو سیدھا کرنے کے لیے۔ لیکن میں کچھ بھولی نہیں تھی۔ اس کا آنا مجھے الجھا دیتا تھا۔

"شامہ بہت معصوم ہے بالکل تمھاری طرح۔" وہ رکا پھر بولا۔

"یوں لگتا ہے جیسے درمیان کا وقت نکل گیا ہے۔ میں اسی گیتی سے دوبارہ مل رہا ہوں۔"

جس روز اس نے یہ کہا میں نے اسے آنے سے منع کر دیا۔

"زوہیر! آئندہ تم میرے گھر نہیں آؤ گے۔ نہ تم نہ تمھاری بچیاں۔"

"یعنی تم مجھے معاف نہیں کرو گی۔ ٹھیک ہے۔ میرا قصور ہی ایسا تھا۔ مجھ ملعون کو معافی نہیں ملنی چاہیے۔"

"میں سمجھتا تھا کہ میری بچیوں کو ماں مل جائے گی۔ خیر تمھارا شکریہ، اتنے دن برداشت کیا۔"

میں بنا کوئی جواب دیے اٹھ کر کچن میں چلی گئی اس کے سیاہ پڑتے چہرے کو دیکھے بغیر۔ وہ بچیوں کو لے کر چلا گیا اور پھر نہیں آیا۔

☆☆☆

"گزرا وقت واپس نہیں آسکتا گیتی! لیکن اسے معاف کر دے۔ وہ بہت شرمندہ ہے۔ دیکھ تیرا کیا بگڑا ہے ابھی میری گڑیا۔"

"منو آپا! آپ حقیقت جانتی ہیں۔ اب آپ کو اپنا بھائی نظر آرہا ہے۔ آخر کیوں؟"

"مجھے معاف کر دے گیتی! جاوید کو تو سزا مل گئی۔ زوہیر کو بھی زندگی نے سبق سکھا دیا۔"

"دنیا بھری پڑی ہے لڑکیوں، عورتوں سے منو آپا۔! میں ایک طلاق یافتہ عورت۔"

"وہ تجھ سے محبت کرتا ہے۔"

"منو آپا! آپ آئندہ اس تعلق سے کوئی بات نہیں کریں گی۔ آپ اس شخص کا نام بھی میرے گھر میں نہیں لیں گی۔"

میں نے منو آپا کے سامنے یہ لہجہ استعمال کرنے کا کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

"ارے اتنی عمر کی لڑکیاں اب شادیاں کرتی ہیں۔ کیسے گزارو گی ساری زندگی؟"

"زندگی بڑی اچھی گزر رہی ہے۔ اور گزرے گی منو آپا!"

"تنہا؟؟"

"میری بیٹی ہے منو آپا!"

"ارے بیٹی تو میری ہے۔ میں آج لے جاؤں گی اپنے ندیم کے لیے۔ تو اپنا سوچ میری گڑیا۔"

"ندیم کے لیے۔ منو آپا نے یہ سوچا بھی کیسے؟؟"

میں نے صاف انکار کر دیا۔

"بس آپا۔" میں نے بات ختم کر دی۔ منو آپا نے اپنی طرف سے مجھے سمجھانے کی بھرپور کوشش کی۔ انہیں صرف اپنا بھائی نظر آرہا تھا۔ لیکن میں اب وہ معصوم گیتی نہیں رہی تھی جو بلاوجہ قربانی کا بکرا بن جاتی۔ میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ

میں اس شخص کا نام بھی سننا نہیں چاہتی

☆☆☆

اچانک وہ ہو گیا جس کی توقع نہیں تھی۔ جاوید بھائی کی ناگہانی وفات نے صورت حال بالکل بدل دی۔ موقع ایسا تھا کہ میں بھی جانے سے رک نہ سکی۔ بچیاں لوگوں کے ہجوم میں سخت گھبرا رہی تھیں۔ انہیں اس ماحول کی عادت نہیں تھی۔ میں نے ان کو شامہ کے ساتھ گھر بھجوا دیا۔ منو آپا کی عدت تک میں گاہے بگاہے ان کی طرف جاتی رہی۔ رشتہ داروں کی بھیڑ دیکھتی تو بچیوں کو ساتھ لے آتی۔ شامہ کا ایف ایس سی کمپلیٹ ہو چکا تھا۔ وہ جو ہمیشہ چھٹیوں میں پریشان ہوتی، اب بچیوں کی وجہ سے مگن تھی۔ کئی کئی دن وہ ہماری طرف رہ جاتیں۔ تینوں کو کھیلتا دیکھ کر مجھے بھی اچھا لگتا۔ کبھی کبھار پک اینڈ ڈراپ کے لیے زوہیر بھی آ جاتا۔ بچیوں کو لے کر دروازے سے ہی چلا جاتا۔

اس نے دونوں کا اسکول میں ایڈمیشن کروا دیا تھا۔ سومی کو بخار آ رہا تھا۔ وہ سخت چڑچڑی ہو رہی تھی۔ منو آپا کا فون آیا کہ شامہ کو بھیج دوں۔ سومی بہت رو رہی ہے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ بچی کی بیماری کا سن کر انکار کرنا نامناسب لگا۔

''شامہ بیٹا! چلو، ذرا سومی کا پتا کر آئیں۔'' میں نے آئینے میں اپنی ساری کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ سومی کو تو جیسے شامہ کی جدائی کا بخار تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی اٹھ بیٹھی۔ دودھ بھی پی لیا۔ دونوں شامہ کے ساتھ کارٹونز میں مگن ہو گئیں تو میں منو آپا کے ساتھ ان کے بیڈروم میں چلی آئی۔ ان کے پاس اب آنسوؤں کے سوا کوئی بات نہیں تھی۔ سارہ کچن میں مصروف تھی۔ اس کے چچا شام میں آ رہے تھے۔ زوہیر اپنے کسی دوست سے ملنے گیا ہوا تھا۔ کوئی بزنس شروع کرنا چاہتا تھا۔ آپا تفصیل بتانے لگیں۔

''نجانے اس لڑکے کی قسمت میں کیا پھیر ہے۔'' ان کی تان اسی بات پر ٹوٹتی۔

''ان بچیوں کو ماں چاہیے گیتی! زوہیر کچھ بھی کر لے، ماں نہیں بن سکتا۔ تم نے تو بہت چھوٹی عمر میں اپنی ماں کو کھویا ہے گیتی! کیا تم بھی یہ بات سمجھ نہیں سکتیں؟ تم نے شامہ کے ساتھ ان کو کھیلتے دیکھا ہے ناں!'' وہ کہتی جا رہی تھیں۔ میں خاموش سنتی رہی۔

''اپنی وجہ سے شامہ کو کیوں محروم کرتی ہو؟'' دل اس جملے میں اٹک گیا تھا۔

''آپا! اب اجازت دیجیے، کافی دیر ہو گئی۔'' میں شامہ کو لینے کے لئے بچیوں کے کمرے کی طرف آئی۔

لاؤنج میں موجود آئینے میں مجھے تینوں بیٹھی نظر آ رہی تھیں۔ زوہیر بھی ساتھ ہی بیٹھا تھا۔ نجانے کس وقت کا آیا ہوا تھا۔ چاروں کھلکھلا کر ہنس رہے تھے۔ زوہیر نے مانو کو گود میں بٹھایا ہوا تھا اور دوسرا ہاتھ پھیلا کر سومی اور شامہ کے گرد پھیلایا ہوا تھا۔ جب وہ ہنستے ہوئے ہلتا اس کی انگلیاں شامہ کے کندھے سے ٹکراتیں۔ میری چھٹی حس نے الارم بجایا۔

''شامہ شامہ!'' میری آواز ایسی بلند تھی کہ شامہ، مانو اور سومی ٹام اینڈ جیری بھول کر کھڑی ہو گئیں۔

''چلیں شامہ بیٹا!'' میں نے زوہیر کو نظر انداز کر کے شامہ کو پکارا۔ کچھ تعلق کبھی بھی نبا ہے نہیں جانے چاہئیں۔ میں نے گاڑی کو گھر کی طرف موڑتے ہوئے سوچا۔ کسی بھی قیمت پر نہیں۔

لیکن رات بھر آپا کی باتوں نے سونے نہ دیا کہ کیا واقعی شامہ کو باپ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اب جبکہ وہ خود شادی کے قابل ہے۔

کیا زوہیر میں شامہ کے باپ کا کردار نبھانے کی صلاحیت ہے۔؟

یہ وہی زوہیر ہے جس نے محض اوچھی بات سن کر تجھے دار پر لٹکا دیا تھا۔ اور آج کا وہ منظر۔۔۔ شامہ کے کندھے سے مس ہوتی ـــ انگلیاں ذہن میں پیوست تھیں۔

''اپنی وجہ سے اسے کیوں محروم کرتی ہو؟'' دل

اس جملے میں اٹک گیا تھا۔ عجیب الجھن تھی جس کا کوئی حل نہیں سوجھ رہا تھا۔

منو آپا واقعی سچ کہہ رہی تھیں۔ مجھے باپ کی چھاؤں نہیں ملی تھی۔ اسی لیے تڑپ تڑپ کے مرد رشتہ داروں کو اپنائی تھی۔ خالو ابا ملے تو وہ، جاوید بھائی ملے تو وہ۔ طالب کو بھی شاید اس لئے ہی میں نے بھی قصوروار نہیں ٹھہرایا۔ میں اپنی شامہ کو محروم نہیں رکھوں گی۔ میں نے شامہ کو آواز دی۔

"بیٹا! ناشتہ کرلیا؟" میں نے پوچھا تو وہ کہنے لگی۔

"آپ کے بغیر بھی کیا ہے امی؟"

وہ صحیح کہہ رہی تھی وہ تو مجھ سے پوچھے بنا ایک قدم نہیں اٹھاتی تھی۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ سانس بھی مجھ سے پوچھ کر لیتی۔ میں نے اس کو لپٹا لیا۔ آنسو نہ جانے کہاں سے چلے آئے ڈھیروں۔

"امی کیا ہوا ہے؟" وہ پریشان ہوگئی۔

"امی! آپ ان کی بات مان لیں۔" اس نے اٹکتے ہوئے کہا اور مجھے حیران کر دیا۔

"آپ رات بھر نہیں بیٹھی رہی ہیں۔ امی! آپ بہت پریشان ہیں؟" اس نے میرے پاس بیٹھ کر میرا ہاتھ تھام لیا۔

"امی اتنی دیر نہ ہو جائے کہ انتظار کرنے والا مایوس ہو جائے۔ دستک دینے والا ہاتھ تھک جائے۔

آپ ہی تو کہتی ہیں امی کہ معاف کر دینا بہترین بدلہ ہے جس سے دونوں فریق فائدہ اٹھاتے ہیں۔

مجھے فخر ہے کہ میری ماں کوئی عام عورت نہیں ہے۔ وہ کیمیا گر ہے۔ وہ تراشنے کا ہنر جانتی ہے ڈھالنے کا ہنر۔ اس کی انگلیاں اذہان پر دستک دیتی ہیں اور ان کی سمتیں متعین کرتی ہیں۔ آپ تو ماں ہیں، ہزاروں بیٹیوں کی امی تو سومی اور مونا کیوں نہیں؟" اس کے لہجے میں فخر تھا۔

"آپ ان کی بات مان لیں امی۔۔۔" اس نے میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ اتنی بڑی ہوگئی میری بیٹی مجھ کو سمجھانے لگی

فیصلہ ہوگیا تھا...... یہ فیصلہ ایک عورت کا نہیں ایک ماں کا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے منو آپا کو فون کیا تو زوہیر بھاگا چلا آیا۔ شامہ نے مجھے ڈرائنگ روم میں بھیجتے وقت میرا چشمہ اتار لیا۔

"اب ٹھیک ہے۔" وہ میرا گال چوم کر بولی۔

☆☆☆

"مجھے پتا تھا گیتی تم مان جاؤ گی۔ تم بہت عظیم ہو۔" وہ کھلکھلا رہا تھا۔

"سنو، اب شامہ کو خود سمجھا دینا کہ آگے داخلہ نہ لے۔ چھوڑے اب یہ ڈاکٹری کا چکر۔ مجھے کون سا بیوی کی کمائی کھانی ہے۔ بہت پیسہ جمع ہے میرے پاس۔"

"لیکن شادی سے شامہ کی پڑھائی کا کیا تعلق۔" میں حیران ہوئی۔

"تو کیا کالج سے دولہن بن کر آنا ضروری ہے۔"

"ارے تو میں چھٹی لے لوں گی۔ شامہ کو پڑھائی چھوڑنے کی کیا ضرورت ہے بھلا۔"

"تمھاری عقل کو کیا ہوگیا ہے گیتی! دلہن کالج جائے گی اور دلہن کی اماں چھٹی لے کر بیٹھیں گی۔ یعنی کہ..." وہ ہنسا، مردودسی ہنسی۔

"میں چاہتی ہوں کہ تم سادگی سے بارات لے آؤ۔" یہ قضیہ چکا دینا اب بہت ہی ضروری تھا۔

☆☆☆

میری زندگی میں موجود کن عوامل نے مجھے کیا نقصان پہنچایا۔ کس کا کتنا قصور تھا؟؟ کس کا زیادہ تھا کس کا کم؟؟؟ میں نے ان لاحاصل بحثوں پر کبھی وقت ضائع نہیں کیا۔ مجھے آج پر، ابھی پر سوچنے کی عادت تھی۔ میں اپنے فرض میں مگن تھی۔ میں نے اپنی بیٹی کو کبھی بچھڑ جانے والوں کی سیاہ روٹی نہیں دکھائی تھی۔ میں نے اس کو محبت سے تعمیر کیا تھا۔ محبت کرنے والا انسان دوست وجود بنانے کی کوشش کی تھی۔

مجھے زوہیر کو معاف کر دینے پر اکساتی میری بیٹی بہت سی حقیقتوں سے واقف نہیں تھی۔ ضروری

نہیں تھا کہ وہ بھی کیتی کی طرح نقصان اٹھاتی۔ اس لیے اس کو اب ہر بات کا علم ہو جانا بہت ضروری تھا۔ سو میں نے اس سے کچھ نہیں چھپایا تھا۔ بتا دیا کہ اس کے متعلق کیا خیالات تھے اس مردود کے، شامہ کا تو غصے سے برا حال تھا۔

"امی! اس مرد کو آئینہ دکھانا بہت ضروری ہے۔ کیا سمجھ کر وہ رشتہ مانگنے چلا آیا ہے؟ امی اس کو معاف نہیں کرنا۔ ہرگز بھی نہیں۔"

اس کی تو حالت بدل گئی تھی۔ بار بار مجھ سے لپٹ کر مجھے پیار کرتی میری بیٹی۔

☆☆☆

ارسل بھائی کب سے مجھ سے کہہ رہے تھے کہ میں اظہر سے نکاح کر کے شامہ کو اس کے ساتھ بھیج دوں۔ وہاں چاہے تو وہ آگے پڑھ لے، چاہے تو آرام سے گھر بیٹھے۔ اظہر کی نوکری بہت اچھی تھی۔ وہ اپنا گھر بھی خرید چکا تھا۔ شامہ کا ذہن تیار کرتے ہوئے ایک تذبذب تھا اتنی چھوٹی بیٹی کی شادی؟؟ لیکن زوہیر کے مذموم ارادوں نے مجھے سمجھا دیا کہ سب سے بہتر اور محفوظ راستہ اس کی شادی ہی تھا۔

ارسل بھائی ہمارے علاقے کے ایس پی تھے۔ اور صوفیہ بھابھی اسکول میں میری کولیگ رہ چکی تھیں۔ بہت سلجھے ہوئے محبت کرنے والے لوگ تھے۔ اظہر پڑھائی مکمل کرنے کے بعد فرانس میں جاب کر رہا تھا۔ میں نے ان لوگوں کو ساری بات بتا دی تھی۔ نئے رشتوں کی بنیاد صاف اور شفاف بنیادوں پر رکھی جانی ضروری تھی۔

☆☆☆

"میں نہ کہتا تھا منو آپا کہ کیتی مجھے انکار کر ہی نہیں سکتی۔" زوہیر کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔

"اچھا! مجھے تو اس نے صاف منع کر دیا تھا۔"

"مانتی ہیں ناں اپنے بھائی کو پھر۔ اس نے تو مجھے شادی کی تاریخ بھی دے دی۔ آپ بس اب بارات کی تیاریاں کریں۔ زیادہ لمبی چوڑی بارات نہ ہو۔ اس نے کہا ہے کہ صرف دو چار دوستوں کو لے کر میں آ جاؤں۔ عورتوں کو منع کر دیا ہے اس نے۔"

"لو عورتوں کو کیوں منع کیا۔ ایک ہی تو بھائی ہے میرا۔ میں ابھی فون کرتی ہوں۔"

"رہنے دیں آپا! رخصت ہو کر تو دولہن نے یہیں آنا ہے۔ پھر کر لینا اپنے سارے شوق پورے خوب دھوم سے کریں گے ولیمہ۔ آپ جس کو چاہیں بلائیں۔ کارڈ کا تو وقت نہیں۔ آپ فون کر دیں سب رشتہ داروں کو۔" وہ جھوم رہا تھا۔

☆☆☆

"کوئی مسئلہ تو نہیں ہوگا ناں ارسل بھائی۔" میں گھبرا رہی تھی۔

"بے فکر رہو۔ یوں تو کوئی مسئلہ ہوگا ہی نہیں لیکن تمہاری تسلی کے لیے بتا رہا ہوں میرے بے شمار جوان وردی میں بھی اور بنا وردی کے بھی بارات میں شامل ہیں۔"

نکاح ہو چکا تھا۔ میں نے اندر آ کر دولہن بنی شامہ کو پیار کیا۔ میری کولیگز اور اس کی سہیلیوں نے خوب رونق لگائی ہوئی تھی۔

جب زوہیر اپنے دوستوں کے ساتھ ہار پھول پہنے ہوئے پہنچا اور اس نے اسٹیج کی طرف بڑھنا چاہا تو راستے میں ہی وردی والے جوانوں نے دھر کے ایک سائڈ پر بٹھا دیا۔

"کیوں؟ کیا؟" پوچھنے کی بھی ہمت نہ ہوئی اسے۔ فنکشن کے دوران نہ ان کو باہر نکلنے دیا گیا نہ ہی فون کرنے دیا گیا۔ وہ کھسیانا بیٹھا کھمبا نوچتا رہا۔

بینڈ والوں نے انتہائی خوبصورت دھن چھیڑ دی تھی۔ میں نے اپنی پری کا ہاتھ اظہر کے ہاتھ میں دیا۔ اسے کار میں بٹھا کر میں پلٹی تو ارسل بھائی کے جوان بڑی عزت سے زوہیر کو ہال سے باہر چھوڑنے جا رہے تھے۔ اس کے باقی ساتھی تو پہلے ہی رخصت ہو چکے تھے۔ اللہ نے میری لاج رکھ لی تھی۔ زوہیر جیسے خود غرض مردوں کے سامنے میں سر بلند کھڑی تھی۔

یہ زندگی امتحانات سے معنون ہے۔۔۔۔
ہر کسی کا امتحان الگ۔۔ ہر کسی کی آزمائش جدا۔
نتائج اس کے ہاتھ جو عمل بھی دیکھتا ہے
۔۔جس کی نظر دلوں کے پاتال تک۔۔
امتحان زوہیر کا بھی تھا، طالب کا بھی، جاوید کا بھی اور ریاض احمد کا بھی۔۔
ساری راہیں کھلی تھیں ان کے سامنے۔
ریاض احمد کی بیوی بیمار تھی۔۔۔ دوسری شادی کا جائز راستہ اپنایا گیا۔ کیا ہی اچھا راستہ تھا۔ لیکن بیمار بیوی، کمسن بچی کو چھوڑ دینا۔۔
کہاں کا انصاف تھا؟؟
دوسرا امتحان جب بیٹی نے پناہ طلب کی۔۔
بنا دیکھے بھالے بیاہ دیا اس کو۔ بوجھ تو اتر گیا۔۔
جان تو چھوٹ گئی۔۔ مگر!!
ایک امتحان جاوید کا تھا۔ اس نے اسفل راستہ اختیار کیا۔۔۔ افسوس اپنی راہ کھوٹی کرلی۔۔
زوہیر پر تو دو لفظ بھی ضائع کرنے کو جی نہ چاہے۔۔۔
ایک امتحان طالب کا بھی تھا۔۔۔ بیوی کی کمائی کو حق جان کر کھانے والا۔۔ ہر پل اس سے اس کے کردار کی گواہی مانگتا۔۔
پھر اس کے ماتھے پر طلاق کا جھومر سجا دینے والا۔۔ قابل رحم مرد۔۔۔
امتحان صرف مردوں کا ہی نصیب نہیں۔۔
گیتی آرا کو دوسروں کے گھر رہنا پڑا دامن بچا کے۔۔۔ رہ گئی۔۔
تنہا جینا پڑا۔۔۔ جی گئی۔
مرد بننا پڑا۔۔ بن گئی۔۔
اسے زندگی کی تمام دھوپ چھاؤں اپنے ناتواں وجود پر اٹھانی پڑی۔۔ اٹھالی۔
قطرہ قطرہ سلگتی۔۔۔ کندن بن گئی۔
زندگی تو گزر گئی۔۔۔ ہر طور گزر ہی جانی تھی۔۔ اس کی بھی اوران کی بھی!!

☆

حمیرا فضا

یہ ساز زندگی

"آپ سارے صاف ستھرے کام اپنے اور آپی کے لیے رکھ لیتی ہیں اور میری جھولی میں گراتی ہیں سب کڑوے کام۔" میں نے روتے ہوئے لال پیاز فرش پر پٹخی۔

"زہر کو زہر مارتا ہے' لوہے کو لوہا کاٹتا ہے' تم تیکھی ہو اس لیے تم سے ایسے کام لیتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں یہ پیاز تمہاری ضد اور نافرمانی کی ساری کڑواہٹ نچوڑ لے۔ پیاز کھانے کا لازمی جز ہے۔ اس کی افادیت تو تم سمجھتی ہی ہو گی ۔۔۔ تمہاری دادی اور ابو کو پیاز بڑی مرغوب ہے۔ کھانے کی میز سے دو پلیٹیں سلاد کی کبھی غیر حاضر نہیں ہوئیں۔ ان کی پرت در پرت میں زندگی ہے۔ نفع قلیل' خسارہ طویل' خوشی کم' آنسو بیشتر۔"

میری فلسفی ماں اپنا گیان اور دوبارہ سے ساری پیاز میری گود میں گرا کے چلی گئیں۔

ان میں لکھنے پڑھنے کے جراثیم وافر مقدار تھے اور صفائی پسند دادی اور ابا کو ان جراثیموں سے الرجی۔ میں نے امی کو اپنے خواب' کھانوں میں پکاتے دیکھا تھا اور ان کے سارے گُن تو مرچ مسالوں کے ڈبوں میں صاف دکھائی دیتے تھے۔ یہ میرا روز کا احتجاج تھا جس پر دادی جان فرماتیں کہ گھر کے چھوٹے بچے چھوٹے کام ہی کرتے ہیں۔ کوئی ان سے پوچھے' پیاز کاٹنا کوئی چھوٹا کام ہے بھلا؟ خون پسینہ نہ سہی آنسو تو بہانا ہی پڑتے ہیں۔

دادی اور آپی کو مجھ سے بہت محبت تھی۔ یہ میری بے تکی چلتی ہوئی زبان تھی جو دادی کو لاٹھی اور آپی کو جھاڑو اٹھانے پر مجبور کر دیتی۔ میں بھی کیا کرتی' وہ روز بروز نصیحتوں کی پٹری پر چڑھتیں تو میں بھی بدتمیزی پر اتر آتی۔ بس یہ سین بھی کچھ دیر ہی چلتا۔ میرا غصہ ٹھنڈا ہوتا تو ندامت کے ابال آنے لگتے۔ تب یہ پیاز ہوتی اور افسوس کے آنسو' کیونکہ معافی مانگنا تو میری سرشت میں تھا ہی نہیں۔

وقت بدلا تو سمجھ میں آیا کہ ابھی تو پیاز کی ایک پرت اتری ہے۔ آپی اور دادی' دونوں کا ٹھکانہ بدل چکا تھا۔ آپی کا شوہر کبھی کبھی ملنے دیتا اور دادی سے ملاقات کی تو کوئی سبیل ہی نہیں نکل سکتی تھی۔ امی کا بی پی اب زیادہ رہنے لگا تھا اور ابو کے اعتراضات کم۔ کونے میں رکھی بوڑھی سی لاٹھی' میز پر سجی اکلوتی سلاد کی پلیٹ' تنہا کمرے کا سناٹا اور سر پر پڑتے ڈھیروں کام' اکثر دادی کی کمی اور آپی کی اہمیت جتانے لگے تھے۔

مجھے رونا ناپسند تھا۔ اسے میں مضبوط شخصیت کی توہین سمجھتی تھی۔ بس جب بھی دل بھر آتا میں پیاز سے ٹوکری بھر لیتی۔

ایف ایس سی کا رزلٹ آیا اور میں فیل ہو گئی۔ ابو کا سرمایہ' امی کے سپنے اور میرے بڑے بول' میں نے ہر

چیز کا غم پیاز کی آڑ میں بہا دیا۔

"کوئی خواب اگر شکست کھائے تو مر نہیں جاتا' نہ کوئی شے ناکام ہو کر اختتام پذیر ہو جاتی ہے۔ جہاں سے خواب ٹوٹتے ہیں وہیں سے امید انہیں پھر سے جوڑ سکتی ہے۔ جب بھی تمہیں احساس ہو کہ تم غلط سمت نکل آئی ہو تب یقین رکھو کہ آس پاس سے ہی کوئی ٹھیک رستہ بھی نکلتا ہو گا۔ تم ذرا نادان ہو اور کچھ خود پرست بھی۔ تم درست سواری میں سوار ہوئیں' خواب خریدنے صحیح دکان پر بھی اتریں' مگر تمہارے رستے آزاد تھے اور سارے سکے کھوٹے۔ اب کی بار ٹھیک رستوں سے گزرنا اور محنت کے سکے ساتھ لے جانا نہ بھولنا۔" وہ صرف ایک عظیم ماں نہ تھیں بلکہ ایک چھپی ہوئی کمال کی لکھاری بھی تھیں۔ یہ ناممکن تھا کہ وہ پیاز اور ناکامی کے آنسوؤں کا فرق نہ پہچان پاتیں۔

میں اکثر امی سے کہتی کہ پھر سے لکھنا شروع کر دیں تب بھیگی مسکراہٹ کا ایک ہی جواب ہوتا۔

"پہلے جوش تھا۔ تمنا بھی تھی' مگر اجازت نہ تھی۔ اب آزادی ہے' خواہش بھی ہے' لیکن ہمت نہیں رہی' جیتے جاگتے کرداروں نے اتنا تھکا دیا ہے کہ اب مجھ سے فرضی کرداروں کے غم نہیں اٹھائے جائیں گے۔"

یاسیت کی بیساکھیاں بڑی ظالم ہوتی ہیں امید کے سہارے سامنے بھی ہوں تو نظر نہیں آتے۔ امی کا حال بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ کہانیاں ان سے بولتی رہتی تھیں' مگر انہوں نے کان بند کر لیے تھے۔

پھر مجھ سے وہ ہو گیا جو میری اپنی شان کے بھی خلاف تھا۔ میرے اڑیل دل میں پڑھائی کی شمع روشن ہی ہوئی تھی کہ ارد گرد محبت کا پروانہ گھومنے لگا۔ محبت کی الف بے اتنی بھلی لگی کہ ڈاکٹری کا خواب خود ہی پیچھے رہ گیا۔ دادی ہوتیں تو لاٹھی اٹھا لیتیں اور آپی ہوتیں تو جھاڑو۔ ابو کو جانے صدمہ تھا یا غصہ' وہ بالکل ہی چپ ہو گئے' مگر امی نے سارے ہتھیار اٹھائے تھے۔ شفقت کے' سرزنش کے' مصلحت کے۔

"ابو نے آپ سے دماغ کا تعلق نبھایا اور آپ کی ساری خوب صورت کہانیاں بے معنی کر دیں' مگر آپ کی رسائی تو دل کی دنیا تک ہے جہاں جذبات کے اصول چلتے ہیں۔ جہاں محبت کا راج ہوتا ہے۔ آپ تو اتنی حساس ہیں امی کہ فرضی کہانیوں کے کرداروں کو بھی جدا نہیں کر سکتیں پھر یہ تو میری اصل کہانی ہے۔" دلائل کے ہتھیار کے سامنے میں بھی سینہ تان کر کھڑی ہو گئی۔

"مجھے محبت سے نہیں' غلط محبت سے خوف آتا ہے۔ میں لکھ نہ سکی مگر تقدیر نے مجھے پڑھنے پر لگا دیا۔ ان آنکھوں نے خواب مار کر چہرہ شناسی سیکھی ہے۔ اس لڑکے کے چہرے پر وفا کا رنگ نہیں ہے بیٹا۔" وہ اور ان کے آنسو ایک ساتھ بول رہے تھے۔

"یا تو آپ میری محبت سے نظریں چرا لیں یا پھر رسوائی کا سامنا کریں۔" میں نے بھی لحاظ کا آخری پردہ گرا کر انہیں تنہا چھوڑ دیا تھا۔

✡ ✡ ✡

آج اس کے والدین کو آنا تھا۔ سب ناخوش تھے مگر میرے ساتھ تھے۔ آج کی دعوت کی پیاز بھی میٹھی لگی۔ باریک باریک پیاز کاٹتے ہوئے گہری خوشیوں کا احساس دل میں اتر رہا تھا۔ دوپہر کا وعدہ تھا' شام تک دیر کا گمان ہوا' رات تک مجبوری کا اندیشہ گزرا اور اگلی صبح تک یقین کا اندھیرا چھا گیا کہ میرے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔

"عین وقت پر والدین مکر گئے۔ کچھ نہیں کر سکتا۔" بس یہ جملہ گونجا اور سارے رابطے منقطع ہو گئے۔

میں دو دن شرمندگی کے مارے کمرے میں بند رہی' مگر امی ابو خاموشی کے اس خول میں قید ہو چکے تھے جہاں سے نکلنے کے لیے کافی وقت درکار ہوتا ہے۔

زندگی پیاز ہی کی طرح لگی اور پیاز کی یہ پرت بڑی تیکھی تھی۔ آنکھ روتی تو جلن دل کو تینکتی ہوئی روح کو

جلانے پہنچ جاتی۔ یہ تو چھپ چھپ کر رونا تھا پھر وہ دن آیا جب میں سب کے سامنے روئی۔ بے دھڑک 'بے خوف' چیخ و پکار کے ساتھ۔ محبت سے سمجھانے والی امی میرا ساتھ چھوڑ گئی تھیں۔ چھوٹا گھر اتنا بڑا ہو گیا تھا اور بڑا دل اتنا خالی۔ سارے بلب جلانے پر بھی اتنی روشنی نہ ہوتی کہ من کا اندھیرا چھٹ سکتا۔ جیتے جی ابو نے امی کی کم ہی مانی 'مگر اب وفا خوب نبھائی۔ دو تین ماہ میرا ساتھ دیا پھر وہ بھی ان کے پاس چلے گئے۔

ماموں نے سر پر ہاتھ رکھ دیا پر دل پہ مرہم کون رکھتا۔ ماموں کے گھر میں بہت سارے افراد تھے مگر اپنا کوئی نہ تھا۔ سب کے ذمے ان کے من پسند کام تھے اور میرے ذمے بکھری چیزیں سمیٹنا' جھاڑ پونچھ کرنا' سب کے حکم پر دوڑنا اور پیاز کاٹنا تھا۔ روزانہ بہت زیادہ کھانا بنتا اور ڈھیروں پیاز کٹتی۔ ایک کاٹتی تو دادی کی نصیحتیں یاد آتیں۔ دوسری کاٹتی تو آپی کی نوک جھونک..... تیسری کاٹتی تو امی کا پیار رلاتا..... چوتھی کاٹتی تو ابو کی جھڑکیاں.....

بس کاٹتی جاتی اور روتی جاتی۔

پیاز زندگی تھی اور کس قدر غنیمت تھی۔ اپنی کڑواہٹ میں میرے آنسو پی رہی تھی اور میرا بھرم رکھ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

حکومت اپنوں پر چلتی ہے۔ کسی کے ماتحت زندگی میں بس غلامی ہی ہوتی ہے۔ صبح' دوپہر' شام وہی ایک جیسے کام تھے۔ زندگی گول گول گھوم رہی تھی اور گول گول کٹتی پیاز میں میری ضد اور بدتمیزیاں جانے کب کی کٹ چکی تھیں۔ جو مجھے پہلے نہیں جانتا تھا' وہ اب دیکھتا تو اسے میں فرمانبردار ہی لگتی۔ ایک ایک کر کے ماموں کی پانچ بیٹیاں رخصت ہوئیں تو میری بھی باری آ گئی۔ زندگی کی ایک اور پرت سامنے تھی۔ بس ڈر تھا کہ یہ باقیوں کی طرح کڑوی نہ ہو۔

میں ہر کام خوش اسلوبی اور نفاست سے کرتی۔ دو مہینے گزرے ہی تھے کہ ایک دن ساس نے کہا۔

"بہو! باقی کام تم سنبھال لو۔ کچن میں بس اتنا ہی کہ لہسن ادرک چھیل کر پیاز کاٹ دیا کرو' اب تمہارے ہاتھ کا ذائقہ کسی کو نہ بھائے تو مجھے ہی کھینا ہو گا۔"

میں جس کام سے چڑتی تھی' بھاگتی تھی وہی زندگی کے مشابہ تھا۔ وہی ایک بار پھر مجھے سونپ دیا گیا۔

☆ ☆ ☆

میں آج بہت خوش تھی۔ شادی کے بعد پہلی بار آپی ملنے آئی تھیں۔

"تم خوش ہو ناں؟ سسرال والے کیسے ہیں؟ زیادہ کام تو نہیں کراتے؟" وہ شربت پیتے ہوئے سوال کرنے لگیں۔

"بہت خوش ہوں آپی! سب بہت خیال کرنے والے' بہت عزت کرنے والے ہیں اور کام تو آپ کرواتی تھیں مجھ سے' ادھر تو کوئی کام ہی نہیں۔" میں نے بھی ہنستے ہوئے دوسرا گلاس ہونٹوں سے لگا کر دل کو ٹھنڈک پہنچائی۔

"ارے واہ! اور شوہر کیسا ہے تمہارا؟" وہ چہکتے ہوئے پھر بولیں۔

"ان کی تعریف میں کیا کیا کہوں اب' یوں سمجھیں کہ رانیوں والے ناز و انداز ہیں میرے۔ ہر خواہش پوری کرتے ہیں میری۔ گھر پر بھی میری بادشاہت اور ان پر بھی میری حکمرانی۔

آپ نے بھی کن باتوں میں لگا دیا ہے مجھے' میں جا کر کھانا بنانے میں امی جی کی مدد کرتی ہوں۔ اتنے دنوں بعد تو میرا کوئی اپنا آیا ہے۔ آپ کی آؤ بھگت میں میرے سسرال والے کوئی کمی نہ چھوڑیں گے۔" ان کو خوش ہوتا چھوڑ کر میں کچن کی طرف بھاگی۔

برسوں کے ضبط نے ہار مان لی تھی۔ میں نے جلدی سے پیاز کی ٹوکری اٹھا لی۔ وہ سارے جھوٹ جو میں نے بولے تھے وہ آنکھوں سے بس چھلکنے ہی والے تھے۔

☆

دعا کی والدہ کا اچانک انتقال ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی ماں اور سوتیلے بھائی حماد کے ساتھ رہتی ہے۔ دعا کے دو ماموں، ریاض احمد جن کی بیوی رابعہ احمد ہیں اور الیاس احمد جن کی بیوی مریم ہے۔ رابعہ احمد کے کہنے پر ریاض احمد دعا کو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں کہ سوتیلے بھائی کے ساتھ رہنے کا اب جواز نہیں ہے۔

ریاض احمد کے دو بیٹے عمیر اور عمر ہیں اور ایک بیٹی نوال ہے۔ عمیر بہت سلجھا ہوا نوجوان ہے۔ جس نے باپ کے ساتھ مل کر ان کا کاروبار بھی سنبھال رکھا ہے۔ جبکہ عمر ایک بگڑا ہوا ضدی اور خود سر نوجوان ہے۔

الیاس احمد اپنے بڑے بھائی ریاض احمد کے برابر میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ہی رہتے ہیں۔ آنے جانے کے لیے درمیان میں دروازہ ہے۔ ان کی بیوی مریم ایک امیر خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ بیوی کی جائیداد ہتھیانے کی کوشش میں ہیں۔ مریم کا ایک بھائی ایکسڈنٹ میں معذور ہو جاتا ہے اور اس کی بیوی مر جاتی ہے وہ ذہنی طور پر بھی ڈسٹرب ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر اس کا علاج شادی تجویز کرتے ہیں۔

مکمل ناول

انعم اور احسن ایک خوشگوار زندگی گزار رہے ہیں۔ لیکن اولاد کی کمی ان کی زندگی میں ہے۔ انعم کے شک کرنے پر احسن اپنا ٹیسٹ کرواتا ہے۔ انعم بہت پریشان ہے‘ احسن اسے تسلی دیتا ہے۔ لیکن اس کے بار بار پریشان ہونے پر ناراض ہو کر اسلام آباد چلا جاتا ہے۔ اس کی رپورٹ پازیٹو آتی ہیں‘ وہ بالکل نارمل ہوتا ہے۔ انعم کا نروس بریک ڈاؤن ہو جاتا ہے۔ کمی اس میں ہوتی ہے۔

الیاس احمد بنیادی طور پر لالچی آدمی ہے۔ اسے رشتوں کا بھی پاس نہیں۔ وہ اپنی بیوی سے بھی اکھڑا اکھڑا رہتا ہے اور اپنے بھتیجے عمیر کو بھی باپ بھائی کے خلاف بھڑکاتا ہے۔

عمیر اور دعا ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ رابعہ احمد یہ پسند نہیں کرتیں۔ عمیر اور نوال دونوں بہن بھائی دعا کو اس کی ماں کے غم سے باہر نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ریاض احمد کو بہن اور بھانجی سے بہت محبت ہے۔ وہ اس کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ عمر کو دعا ایک آنکھ نہیں بھاتی‘ وہ اسے ہر وقت ذلیل کرتا رہتا ہے۔

دعا کو دیکھ کر الیاس احمد کا لالچی ذہن مختلف منصوبے بنانے لگتا ہے۔

الیاس احمد‘ عمر کے کہنے پر اس کے والد سے اس کے علیحدہ بزنس کی سفارش کرتے ہیں‘ جسے ریاض احمد سختی سے رد کر دیتے ہیں۔ عمر ان سے مزید برگشتہ ہو جاتا ہے۔

تبریز ملک اپنے معذور بھائی کی شادی اور مریم کو ان کا حصہ دے کر ہمیشہ کے لیے امریکہ میں رہائش پذیر ہونا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر الیاس احمد ایک شاطرانہ منصوبہ بناتا ہے۔ اور عمر کو اپنے ساتھ ملا لیتے ہیں۔ عمر کا رویہ دعا کے ساتھ انتہائی دوستانہ ہو جاتا ہے۔ رابعہ احمد بھی اس کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں‘ کیونکہ انہیں مریم نے مشورہ دیا ہوتا ہے کہ عمر اور دعا کی شادی ہو گئی تو باپ‘ بیٹے کے درمیان فاصلے کم ہو جائیں گے۔

ریاض احمد‘ عمر اور دعا کی باہم پسندیدگی کو جانتے ہیں۔ اور ان کی شادی کا عندیہ دیتے ہیں‘ مگر رابعہ‘ دعا کا عمر سے شادی سے گریز اور بار بار عمر اور دعا کے اچھے تعلقات کو جتاتی رہتی ہیں۔ دعا کے رویے سے عمر کھٹک جاتا ہے۔

رابعہ احمد کی کوششوں سے عمر اور دعا کا تعلق سب کی نظر میں آجاتا ہے۔ ریاض احمد کو کھیل سمجھ میں آنے لگتا ہے۔ وہ عمر کو اسلام آباد برانچ کا چارج دے دیتے ہیں۔

عمیر کو دعا کا شادی سے انکار اور عمر سے تعلق کا رویہ الجھن میں ڈال دیتا ہے۔ دعا بھی ممانی کی نیت کا فتور سمجھ جاتی ہے‘ مگر کم ہمتی اور کوئی اور ٹھکانا نہ ہونے کے سبب خاموش رہتی ہے۔

منصوبے کے مطابق الیاس احمد بیمار ہو کر ریاض احمد کے گھر جاتے ہیں جہاں دعا‘ عمر کے کمرے سے برآمد ہوتی ہے۔ عمر گناہ کا اعتراف کرتا ہے۔ رابعہ کو اس سارے ڈرامے کے باوجود دعا کی پاک دامنی پر یقین ہوتا ہے‘ وہ عمر کو ڈانٹتی ہیں۔ ریاض احمد صدمے سے بیمار ہو کر اسپتال پہنچ جاتے ہیں۔ اور دعا کو الیاس احمد اپنے گھر لے آتے ہیں‘ جہاں مریم اسے خوب لعن طعن کرتی ہے۔ دعا اپنی پاک دامنی ثابت نہیں کرپاتی‘ اس کے باوجود عمیر کا دل اسے قصور وار نہیں مانتا۔

الیاس احمد‘ مریم کے معذور بھائی کے لیے دعا کا نام پیش کرتے ہیں۔

الیاس احمد اپنی لچھے دار باتوں سے مریم اور رابعہ احمد کو دعا کی آصف سے شادی پر راضی کر لیتے ہیں۔ ریاض احمد اور نوال کے کہنے پر عمیر‘ دعا کو اس کی شادی سے ایک روز قبل الیاس کے چنگل سے چھڑا لیتا ہے اور اسے اپنی محبت کا یقین دلا کر اس کے سوتیلے بھائی کے دروازے پر چھوڑ آتا ہے۔

اس کا سوتیلا بھائی ملک چھوڑ کر جا چکا ہے۔ دعا گھر فون کرتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ عمر نے عمیر کو گولی ماردی ہے۔ نوکرانی اسے کہیں اور جانے کا مشورہ دیتی ہے۔ بہت بری حالت میں دعا اپنی دوست انعم کے گھر پہنچ جاتی ہے اور اسے اپنے حالات بتاتی ہے۔

دعا کے متعلق رابعہ کے اصل خیالات اور عمر کے کرتوت جان کر ریاض احمد ان سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ آصف خودکشی کرلیتا ہے۔

انعم' دعا کو اپنے گھر میں پناہ دے دیتی ہے۔ انعم کی ساس کینیڈا سے ملنے آتی ہیں۔ انہیں یہ بات پسند نہیں آتی۔ وہ انعم اور دعا کا موازنہ کرتی ہیں۔ یہ بات دعا کو الجھن میں ڈال دیتی ہے۔ وہ انعم کو اس کی بے اولادی کا احساس دلاتی ہیں۔ عمیر قاتلانہ حملے میں بچ جاتا ہے۔ ریاض احمد' عمیر اور نوال کی بے رخی' رابعہ احمد کو اپنی غلطیاں سوچنے پر مجبور کردیتی ہے۔ عمر نشے کی حالت میں ماں سے بھی بدتمیزی کرتا ہے اور الیاس احمد سے بھی پیسوں کا تقاضا کرتا ہے اور سارا سچ مریم کے سامنے اگل دیتا ہے۔ دونوں کا جھگڑا ہو جاتا ہے اور عمر' الیاس احمد پر فائر کھول دیتا ہے۔ عمیر' الیاس احمد کو اسپتال لے جاتا ہے۔ مریم' عمیر کو عمر اور الیاس احمد کے گٹھ جوڑ اور سازش کا بتاتی ہے۔ عمر کو پولیس پکڑ کر لے جاتی ہے۔ تھانے میں اس پر تشدد ہوتا ہے۔ عمیر اور ریاض احمد تھانے جاتے ہیں جہاں سے رہائی پانے کی خاطر عمر انہیں سچ سچ بتا دیتا ہے۔

چھٹی قسط

انعم نائٹ کریم کا مساج کرتے ہوئے' خاموش لیٹے احسن کا بغور جائزہ بھی لے رہی تھی۔ یہ چپ اس کے ساتھ آفس سے ہی آئی تھی۔ اس نے دل آرا کو بھی بات نہیں دیا تھا۔ کھانا کھا کے سیدھا بیڈ روم میں آ کے لیٹ گیا تھا۔ انعم کی فکر بجا تھی۔

کپڑے اتار کے' کھلے بالوں میں برش پھیر کے' وہ باتھ روم میں چینج کرنے چلی گئی۔ دس منٹ بعد وہ ٹراؤزر شرٹ میں باہر نکلی تو وہ منہ پر کشن رکھے ہوئے تھا۔

"تم کچھ اپ سیٹ ہو' اینی پرابلم احسن....؟" اس نے قریب بیٹھ کے نرمی سے اس کا کندھا ہلایا۔

"آئی تھنک' کل تم ماما جان کے ساتھ شاپنگ کے لیے چلی جاؤ۔" اس نے کشن ہٹا کے' سر کے نیچے بازو بڑھا کر کے رکھا۔

"آپ ہمارے ساتھ نہیں جائیں گے۔" اسے حیرت ہوئی۔ وہ ہمیشہ اس کی ہر طرح کی شاپنگ خود بڑی دلچسپی سے کرتا تھا۔

"میں نہیں جا پاؤں گا' ابھی تھوڑا بزی ہوں' ماما کو آئے اتنے دن ہوگئے ہیں' میں وقت ہی نہیں نکال پا رہا۔" احسن نے وجہ بتائی۔

"بٹ یو نو احسن! مجھے آپ کے بغیر بالکل مزا نہیں آتا۔"

"فار گاڈ سیک انو' میں شاپنگ پہ جانے کو کہہ رہا ہوں' مری نہیں۔ ماما جانی تمہارے ساتھ جائیں گی۔ وہ تمہارے لیے مجھ سے زیادہ بہتر چیزیں پسند کرسکتی ہیں۔" احسن نے خفگی سے نہیں سنجیدگی سے کہا۔ انعم جیسی نازک مزاج کے دل میں یہ جملے اور لہجہ گڑ گیا۔

"آپ خفا ہوئے بغیر تحمل سے بھی کہہ سکتے ہیں۔" اس نے فوراً" احساس دلایا۔

"میں چند روز کے لیے اسلام آباد جارہا ہوں۔" اس نے اگلا قدم بتایا۔

"کیا؟ اسلام آباد' یوں اچانک۔" وہ حیرت سے چلاتی ہوئی فوراً" اٹھ بیٹھی۔

"پرسوں جارہا ہوں' اچانک نہیں۔" احسن نے رخ موڑ لیا۔

"میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گی۔" وہ ٹھنکی اور تکیہ اٹھا کے احسن کو مارا۔

"ماما جانی اتنی دور سے' ہم سے ملنے آئی ہیں اور ہم انہیں تنہا کردیں۔" اس نے نرمی سے احساس دلایا۔ وہ روزمرہ کے لہجے میں بول رہا تھا' لیکن انعم کو سب بہت چبھ رہا تھا۔

"کیا ہے احسن؟" اس نے کندھے سے پکڑ کر کھینچا۔

"کچھ نہیں یار' سو جاؤ' میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ پھر بات کریں گے۔" جمائی روکتے ہوئے اس نے بیچ میں پڑا کشن اٹھا کے منہ پر رکھ لیا۔

✡ ✡ ✡

الیاس احمد کو ہوش آ گیا تھا۔ ریاض احمد کے گھر سے کوئی اسپتال نہیں آیا تھا۔ تبریز ملک نے مریم کو بتا دیا تھا۔ انہوں نے عمر کو جیل بھجوا دیا ہے۔ مریم کو بھائی صاحب سے اتنی جلد بازی اور یک طرفہ فیصلے کی توقع نہیں تھی۔ ان کا دل بہت سے وسوسوں میں گھر گیا تھا۔ تبریز ملک ڈاکٹر سے اجازت ملنے پر آئی سی یو میں الیاس کے پاس آئے تھے۔

"الیاس کیسے ہو؟" انہوں نے ان کے قریب ہو کر خیریت پوچھی۔ "بہتر ہوں۔" انہوں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"ڈونٹ وری الیاس' میں اس لڑکے کو اچھی طرح سبق سکھاؤں گا۔ اس لڑکے کو رشتوں کا احترام اور تمیز بھول گئی ہے۔" تبریز ملک بہت غصے میں تھے۔

الیاس احمد نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ ان کی آنکھوں کے آگے دھند سی چھا گئی۔

"تم ذرا ٹھیک ہو جاؤ تو پولیس کو اپنا بیان قلم بند کروا دینا' بعد کے سارے معاملات میں دیکھ لوں گا۔" انہوں نے اطمینان دلایا۔

"کاش! مجھے ہوش ہی نہ آتا۔" الیاس احمد نے دل میں کہا۔

"مریم بیٹیا! تم کیوں خاموش اور اداس کھڑی ہو' تمہارا شوہر خطرے سے نکل آیا ہے۔ اب تم بھی ہلکی پھلکی ہو جاؤ اور شکرانے کے نفل پڑھو۔ بھائی تو میں نے کھو دیا مگر شکر ہے میرے رب کا کہ میری بہن کا گھر برباد ہونے سے بچ گیا۔" انہوں نے پھر قریب کھڑی مریم سے کہا۔

"تم الیاس کے پاس رکو' میں فیکٹری کا چکر لگانے جا رہا ہوں' ڈاکٹر نے اطمینان دلایا ہے۔ پھر بھی اگر کوئی مسئلہ ہو تو' مجھے کال کر لینا۔" انہوں نے چھوٹی بہن کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور نکل گئے۔ الیاس احمد' بیوی کو بغور دیکھتے ہوئے چپ تھے' مریم کی آنکھوں میں غصہ اور نفرت صاف پڑھی جا سکتی تھی۔ ان کی زبان تالو سے جا لگی۔

"سن لیا' بھائی صاحب کیا کہہ کر گئے ہیں۔ عمر جیل میں جسمانی ریمانڈ پر ہے۔ ریاض بھائی اور عمیر اس سے دو گھنٹے کی ملاقات بھی کر کے آئے ہیں' ان دو گھنٹوں میں اس نے کیا بات کی ہوگی' یہ تم جیسا شاطر اور چالاک انسان بہتر سمجھ سکتا ہے۔ اس ملاقات کے بعد' ان کے گھر سے کوئی بھی اسپتال نہیں آیا۔" مریم نے تلخ الفاظ چبا چبا کے ادا کیے۔

"پلیز مریم' مجھ پہ رحم کھاؤ' میں بہت پریشان ہوں۔" وہ اس لب و لہجے پہ تڑپ گئے۔

"تم جانتے ہو الیاس احمد' ان تین دنوں میں' میں نے ایک بار بھی تمہاری صحت و سلامتی کی دعا نہیں مانگی۔ شدت سے ایک ہی دعا کی ہے کہ تمہیں کبھی ہوش نہ آئے' تم مر جاؤ تاکہ تمہارے نام کی ذلت' میرے سر سے ہٹ جائے۔ تمہیں ڈسنے کو میرا ہی بھائی ملا تھا۔" مریم نے غصے سے ان کا بازو پکڑ کر جھنجوڑا۔

"بتاؤ تم نے اتنی گھٹیا حرکت کیوں کی؟ ایک معصوم یتیم و بے آسرا لڑکی کو گھر سے بے گھر کیا۔ وہ بے چاری نہ جانے کہاں کہاں دھکے کھا رہی ہوگی اور میری عقل دیکھو کہ میں نے تمہاری ساری بکواس پر یقین کر کے تمہارا ساتھ دیا۔ تمہارے ساتھ اتنے سال گزار کے بھی میں تمہارے اندر کی بے ایمانی کو پکڑ نہ سکی۔ تم کتنے گرے ہوئے انسان نکلے۔" مریم انہیں جھنجوڑتی ہوئی خود بھی رونے لگی تھیں۔ انہیں کسی پل چین نہیں تھا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے بار بار دعا کا چہرا آتا اور جو انہوں نے اس معصوم کے ساتھ ناروا

سلوک کیا تھا۔ یقیناً" اس کا حساب بہت سخت ہونے والا تھا۔

الیاس احمد کے چہرے پر تکلیف کے آثار گہرے ہو گئے۔ ان کے پاس صرف خاموشی تھی۔

"جب بھائی صاحب کو ساری حقیقت معلوم ہو گی تو تم اپنی صفائی میں ان سے کیا کہو گے۔ میں نے تمہارا ساتھ دیا۔ میں نے اپنے شوہر' اپنے مجازی خدا پر اندھا اعتبار کر کے کتنا بڑا دھوکا کھایا۔ کتنی شرم کی بات ہے الیاس کہ تم نے بھانجی کے ساتھ ہی زیادتی کر ڈالی' تمہیں نقب لگانے کو اپنا ہی گھر ملا تھا۔ کیا بھائی صاحب اور بھابھی جان میرا یقین کر لیں گے کہ اس سارے کھیل میں میرا کوئی حصہ نہیں تھا۔ میں بے قصور ہوں۔" وہ روتی جا رہی تھی۔ بولتی جا رہی تھی۔

الیاس احمد نے تکلیف سے آنکھیں میچ لیں۔ انہیں بالکل اندازہ نہیں تھا کہ ان کی اصلیت کا پول اتنے برے طریقے سے کھلے گا کہ وہ اپنی ہم سفر سے ہی نظریں ملانے کے قابل نہیں رہیں گے۔

"تمہیں رشتوں کی قدر اور احترام تھا ہی کب' یہ تو میں ہی بھائی جان اور بھابھی جان کے ساتھ مل جل کر بیٹھتی تھی' مگر اب وہ جو ہمارے ساتھ کریں گے شاید تمہیں بھی ٹھیک سے اندازہ نہ ہو۔ ورنہ تم......"

"پلیز مریم..... پلیز۔" ان سے مزید تلخی برداشت نہیں ہوئی۔ وہ اسے چپ کرواتے لمبے لمبے سانس بھرنے لگے۔

"ڈاکٹر.... ڈاکٹر کو بلاؤ۔" ان کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں۔

وہ اپنے گال صاف کرتی ہوئی بڑے آرام سے ڈاکٹر کو بلانے چل دی۔

☼ ☼ ☼

عمیر نے عمر کا بتایا ہوا ایک ایک لفظ رابعہ احمد اور نوال کے گوش گزار دیا۔ رابعہ احمد کا رنگ زرد تھا' وہ ساکت بیٹھی تھیں۔ نوال بے آواز روتی ہوئی سب سن رہی تھی۔

"میرا دل تو پہلے ہی نہیں مانتا تھا کہ وہ اتنی بیچ حرکت کر سکتی ہے۔ وہ چند دن پہلے تک بہت اپ سیٹ تھی' میں نے وجہ پوچھی تو صاف ٹال گئی۔ اس نے عمر کی حرکتیں' کسی سے شیئر نہیں کیں۔ اتنا گھٹیا الزام سہ کے بھی منہ سے اف تک نہ کی۔" نوال کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ اس کی ہچکی بندھ گئی تھی۔

"میں نہیں جانتی تھی کہ عمر اتنا گر جائے گا۔ اس نے کتنی دیدہ دلیری سے یہ سب کر لیا' تمہارے پاپا جان کہتے تھے کہ یہ لڑکا بہت بے رحم اور سنگ دل ہے۔ کسی کا بڑے سے بڑا نقصان کرتے ہوئے بھی نہیں چوکتا' اس نے جان بوجھ کر اپنے باپ کو تڑپانے کے لیے دعا پر وار کیا تاکہ وہ اپنے باپ کو ذہنی اذیت میں مبتلا کر سکے۔" رابعہ احمد نے ماتھا مسلتے ہوئے اپنا مشاہدہ بیان کیا۔

اس سارے کھیل کا مرکزی کردار تو پکڑا جا چکا تھا' اب اپنے حصے کا قصور بھی اس کے کھاتے میں ڈال دینے میں کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ اپنے بچاؤ کا فی الحال یہ ہی سب سے آسان رستہ تھا۔

"بہت معذرت کے ساتھ' لیکن ماما جان! آپ غلط بیانی نہ کریں' آپ نے ہی زبردستی عمر کو دعا کے ساتھ نتھی کیا' آپ نے بڑھ چڑھ کر ان کی فرینڈ شپ کروائی۔ ان کی انڈر اسٹینڈنگ کی بہت بڑی حامی تھیں آپ' میں نے تو بہت پہلے آپ کو باور کروایا تھا لیکن تب تو آپ نے برا مانتے ہوئے مجھے ڈانٹ کے خاموش کروا دیا تھا۔ عمر کو اتنا گھٹیا اسٹیپ اٹھانے میں' آپ کی واضح مدد حاصل رہی ہے۔" عمیر نے بغیر لگی لپٹی رکھے سچ بول دیا تھا۔

اس کے لیے ماں قابل احترام ضرور تھیں' لیکن وہ اتنی بڑی غلطی بلکہ گناہ کر کے' ایک یتیم و بے آسرا لڑکی کو دربدر کر کے' خود کو اتنے آرام اور سہل الفاظ میں بری نہیں کر سکتی تھیں۔ رابعہ احمد کا سر جھک گیا۔ ان کی زبان تالو سے چپک گئی سب سچ تھا۔

"ہم دونوں بھی اس کے مجرم ہیں بھائی! ہمیں

احساس ہو گیا تھا کہ اس کے ساتھ کچھ گڑبڑ ہے' لیکن ہم نے اس کے مسئلے پر توجہ نہیں دی۔ ہم دونوں کی لاپروائی کا ماما اور عمر نے فائدہ اٹھایا۔" نوال نے کہا تھا۔

"شاید وہ ہمارے گھر اور رشتوں کو بچانا چاہتی تھی۔ اس نے اس گھر کے کھائے نمک کا حق ادا کر دیا۔ عمر کی ہر زیادتی تنہا سہ کر' بہت بڑی قربانی دی ہے۔" روتے ہوئے نوال سے بولنا مشکل ہو رہا تھا۔

عمیر کا چہرا شدت ضبط سے سرخ پڑ چکا تھا۔ رابعہ احمد ابھی تک سر نہیں اٹھا پائی تھیں۔ اس فیورٹ مام' آئیڈیل بیوی' سگھڑ' باسلیقہ گرہستن پہ کتنا برا وقت آیا تھا۔

"وہ لڑکی محبت سے گندھی تھی۔ اسے احترام اور رشتوں کی قدر گھٹی میں گھول کے پلا دی گئی تھی۔ اسے ماما اور پاپا جان سے محبت تھی۔ مجھ سے اور نوال سے محبت تھی اور اسی محبت میں وہ اپنا نقصان کر بیٹھی۔ جس کا ازالہ ہم سب مل کر بھی نہیں کر سکتے۔"

عمیر کے لہجے میں کرب تھا۔ اس کے دل میں ہلکا سا درد مسلسل رہنے لگا تھا۔ جس میں دعا نام کی ٹیسیں اٹھتی رہتیں۔

"مجھے معاف کر دے میرے اللہ..... مجھے معاف کر دے۔ میں نے اس معصوم لڑکی کے ساتھ بہت برا کیا۔ مجھے معاف کر دے۔" رابعہ احمد کے آنسو رواں ہو گئے۔ عمیر کی برداشت جواب دے چکی تھی۔ وہ اپنے چہرے پر پھیلی دکھ کی گہری تحریر کو چھپانے کے لیے تیزی سے اٹھ گیا۔

☼ ☼ ☼

دل آرا صوفے پر بیٹھی تھیں۔ انعم کارپٹ پر پھسکڑا مارے ان کی گود میں سر رکھے ہوئے تھی۔

"ممی! یقین کریں' میں احسن پر شک نہیں کر رہی۔ وہ مجھے واقعی چینج سا لگنے لگا ہے۔ مجھ سے اپنے آفس کی روٹین تک شیئر نہیں کرتا۔" انعم نے منہ بسور کے کہا۔

دل آرا کینیڈا میں بھی ہوتیں' وہ تب بھی ان سے اپنے دن بھر کی روٹین اور احسن کی ہر چھوٹی سے چھوٹی شکایت ضرور کرتی تھی۔

"مے بی' اس کی کوئی آفیشل پرابلم ہو' جو تم سے شیئرنگ والی نہ ہو۔" وہ اس کی شکایتوں پر صرف مسکرا سکتی تھیں۔ کیونکہ وہ اس کے بچپنے کو جانتی تھیں۔

"وہ کل اسلام آباد جا رہا ہے' مجھے ساتھ چلنے کا کہا ہی نہیں۔" اس نے اپنا اصل دکھ بیان کیا۔

"شاید اس نے میری وجہ سے تمہیں منع کر دیا ہو۔ فرض کرو' اگر وہ تمہیں ساتھ لے جانا چاہتا تو کیا تم مجھے چھوڑ کے چلی جاتیں۔" دل آرا نے اس کا دھیان بٹانے کو نکتہ پکڑا۔

"نیور' میں کبھی نہیں جاتی۔" اس نے زور سے نفی میں سر ہلایا۔

"میری جان' میری گڑیا' چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل پہ نہیں لیتے۔" دل آرا نے اس کا سر چوما۔

"جو بھی ہے ماما جی' آپ اس کے کان ضرور کھینچیے گا' اس نے مجھ سے مس بی ہیو کیا ہے۔" اس نے ضدی بچے کی طرح منہ بسور کر کہا۔ "اچھا..... میں اسے ڈانٹوں گی۔" وہ مسکرا دی تھیں۔

☼ ☼ ☼

ریاض احمد بیڈ پہ دو تکیوں سے ٹیک لگائے' ہاتھ میں موبائل پکڑے' کسی سوچ میں گم تھے۔ عمر سے ملاقات کے بعد ان کے دل و دماغ کو کسی پل چین نہیں تھا۔ ایک لمحے کی لغزش نے ان کی عمر بھر کی محنت پر پانی پھیر دیا تھا۔ انہوں نے ہمیشہ بڑی آپا کا احترام کیا۔ ماں کے بعد انہیں ماں کا درجہ دیا۔ ان کی یتیم بچی کے سر پر ہاتھ رکھا۔ اس بچی کے معاملے میں ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہے' اپنے بچوں پر اسے فوقیت دی۔ لیکن.....

لیکن کیا ہوا؟ ان کے ہی بیٹے اور بظاہر فرماں بردار بیوی نے ان کی ساری محنت اور ریاضت پر سیاہی پھیر دی۔

عمیر نے دروازہ کھول کے دیکھا' انہیں جاگتا پا کے

سیدھا اندر آگیا۔

"سوری... میں سمجھا شاید آپ سو رہے ہیں' اس لیے ناک کرکے' آپ کو ڈسٹرب نہیں کیا۔" اس نے معذرت کی۔

"نیند..." وہ استہزائیہ ہنسی ہنسے۔ "نیند تو جیسے آنکھوں سے روٹھ ہی گئی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے بہت عرصہ غفلت کی نیند سوتا رہا ہوں' اب آنکھیں بند کرنے کو دل نہیں چاہتا اور ڈسٹربنس... اب یہ ہی تو میری زندگی کی بقایاجات ہے۔" تب ہی رابعہ احمد بھی دودھ کا گلاس لیے آگئیں۔

عمیر پائنتی بیٹھ کے باپ کے پیر دابنے لگا۔ دلاسا دینے والے سارے الفاظ کھو چکے تھے۔

"یہ لیں میڈیسن۔" رابعہ احمد نے ان کی دوائیں اور پانی کا آدھا گلاس ان کی طرف بڑھایا۔ فی الحال درد سے یہ ہی نجات کا طریقہ تھا۔

"نہیں' مجھے نہیں کھانی کوئی دوا۔" انہوں نے سختی سے منع کردیا۔ انہیں شریک حیات کی اپنے اردگرد موجودگی بھی کھٹکنے لگی تھی۔ کئی بار دل میں خیال آیا کہ وہ اپنا کمرہ بھی علیحدہ کرلیں۔ پھر ملازمین کا سوچ کر خاموشی اختیار کرلی۔

"آپ دوا نہیں لے رہے اسی لیے نیند نہیں آتی اور فرسٹریشن بھی بڑھنے لگی ہے۔ پلیز پاپا جان! ہمارے لیے' اپنا' اپنی صحت کا خیال رکھیں' پلیز۔" اس نے منت کے انداز میں باپ کے پیروں پہ دباؤ بڑھایا۔

"میری روح تکلیف میں ہے۔ کوئی بھی دوا میرے درد میں افاقہ نہیں کرسکتی۔" وہ دونوں ہاتھ زور زور سے نفی میں ہلاتے ہوئے' ہسٹریائی ہو رہے تھے۔

عمیر اور رابعہ احمد ایک دوسرے سے نظریں چُرا گئے۔ اس نے ماں کے ہاتھ سے پانی کا گلاس پکڑ کر باپ کو پکڑا دیا' تاکہ ان کا غصہ ٹھنڈا ہو۔ وہ گلاس پکڑ کر گھونٹ گھونٹ پانی پینے لگے۔ رابعہ احمد بیڈ کے دوسرے کونے پر سہمی ہوئی سی جا ٹکیں۔ وہ پانی پی چکے تو عمیر نے ان کا ہاتھ پکڑلیا۔

"آپ عمر کے لیے جو بھی فیصلہ کریں گے' جو بھی کہیں گے' ہم اس سے اختلاف نہیں کریں گے۔"

"عمر جیل میں ہی سڑے مرے گا' یہ ہی میرا قطعی فیصلہ ہے۔ میری بے گناہ بیٹی اتنی بڑی سزا کی مستحق ٹھہری۔ اس نے ایک یتیم و معصوم لڑکی کے ساتھ زیادتی کی۔ اس کی ذات سے' مجھے آج تک ایک لمحہ کا سکھ نہیں ملا۔ وہ سزا جو آج تک ہم اسے نہیں دے سکے' وہ میرے غفور والرحیم رب نے خود اس کے لیے منتخب کردی ہے۔ اب وہ اس سزا کو بھگتے۔" ان کا ـــــ لہجہ نفرت بھرا تھا۔

ماں کا دل لحہ بھر کو مٹھی میں جکڑ گیا۔ عمیر اس کی حمایت کرنے کی ذرا سی بھی غلطی نہیں کرسکتا تھا۔

"اب تم آرام کرو عمیر! اور اس ٹاپک کو ہمیشہ کے لیے کلوز کردو' صبح سے میں بھی ریگولر تمہارے ساتھ آفس جایا کروں گا' کافی عرصہ ہوگیا ہے' یہ نہ ہو کہ بے توجہی کسی بڑے نقصان سے دوچار کردے۔" وہ بڑے نارمل لہجے میں بزنس ڈسکس کرنے لگے۔ جیسے انہیں کسی اور چیز کی پروا نہیں تھی۔

"او... کے پاپا جان' گڈ نائٹ۔" عمیر نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔

"آپ کا اگر رونے کا شغل کرنے کا پروگرام ہے تو برائے مہربانی آپ اٹھ کے کمرے سے باہر جاسکتی ہیں۔ کیونکہ ایک خوش آئند فیصلہ کرنے کے بعد مجھے سخت نیند آرہی ہے۔" انہوں نے ـــــ سر جھکائے بیٹھی رابعہ احمد سے کافی سنجیدگی سے کہا۔

وہ سست روی سے اٹھیں' مٹھی میں دبی ٹیبلٹ دراز میں ڈالی اور بتی بجھادی۔

☆ ☆ ☆

انعم سلائیڈ ہٹا کے گیٹ سے باہر نکلتی ہوئی گاڑی کو نظروں کی زد میں لیے ہوئے تھی۔ اس کے چہرے پر ازحد حیرت' دکھ' بے یقینی اور غصے کے ملے جلے تاثرات تھے۔

دل آرا نے ہلکی سی دستک دے کر دروازہ کھول دیا' انہیں اس موقع پر اس کے پاس ہی ہونا چاہیے تھا۔

"انو۔۔۔" انہوں نے قریب جا کے نرمی سے اسے بلایا۔ اس کا دماغ اتنا حاضر نہیں تھا کہ مڑ کے دیکھتی یا فوراً" جواب دیتی۔

"اتنی ہائپر مت ہوانو۔" انہوں نے کندھوں سے تھام کے اس کا رخ اپنی طرف کیا۔

"آئی کانٹ امیجن کہ احسن میرے ساتھ ایسا بھی کر سکتا ہے۔" وہ بند گیٹ کو گھورے جا رہی تھی۔

"آئی نو کہ وہ آج اسلام آباد جانے والا ہے۔ وہ ہمیشہ کی طرح گھر آ کے' فریش ہو کے جاتا' اس طرح تو کبھی بھی ڈرائیور کو بھیج کے لگیج نہیں منگوایا۔ ایون اس نے مجھے کال کرنے یا میسج چھوڑنے کی بھی زحمت نہیں کی۔" وہ رو دینے کو تھی۔

"مے بی اسے ارجنٹ جانا پڑ گیا ہو یا بزی ہو' ویٹ کرو' وہ کال کرے گا' اگر زیادہ بے چینی ہے تو خود کال کر لو۔" انہوں نے رسان سے مشورہ دیا۔

"میں کیوں کروں اسے کال یا میسج' جب اسے میری پروا نہیں۔" وہ اپنے آنسوؤں پر بڑے ضبط سے پہرے بٹھائے ہوئے تھی۔

"اتنی جلدی بدگمان نہیں ہوتے میری جان' وہ شوہر ہے تمہارا' میچور بنو' تم دونوں کوئی سیونٹین ایج میں نہیں ہو۔" انہوں نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے بڑے مناسب الفاظ کا استعمال کیا۔ وہ جانتی تھیں کہ وہ رائی کا پہاڑ بنا رہی ہے۔

"بلیو می' وہ بدل رہا ہے۔ کیا آپ اس کی میرے لیے دیوانگی سے واقف نہیں' اس کا رویہ سنجیدہ' خاموش' روکھا پھیکا سا ہو کے رہ گیا ہے' ہر گھنٹے بعد کال اور دو گھنٹے بعد میسج کرنا' اس کی برسوں پرانی عادت ہے اور اب۔۔۔" انعم نے سسکی بھری۔

"انعم کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اصل بات یہ ہے کہ تمہیں خود پر کانفیڈنس نہیں رہا۔" دل آرا اس کی سوچ پر تاسف سے سرہلاتی رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆

تبریز ملک اپنے آفس میں تھے جب انہیں ایس پی کے آنے کی اطلاع موصول ہوئی۔ ایس پی نے انہیں عمر سے تفتیش کے بعد ساری کہانی حرف بہ حرف بتا دی۔

"کیا آپ کو یقین ہے کہ عمر سچ بول رہا ہے۔" تبریز ملک کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

"معذرت کے ساتھ' وہ لڑکا سچ کہہ رہا ہے یا جھوٹ' یہ تو آپ ہی بہتر جانتے ہوں گے کیونکہ یہ آپ لوگوں کا گھریلو معاملہ ہے۔ آپ کا بہنوئی الیاس احمد بھی اس جرم میں برابر کا شریک ہے۔ بلکہ اس پلان کی منصوبہ بندی ہی اس نے کی ہے۔ عمر نے تو صرف ایک کردار ادا کیا ہے۔ وہ بھی پیسوں کے لالچ میں' اس نے اتنے شاطرانہ انداز میں بیک گراؤنڈ میں رہ کے ساری ڈائریکشن دی ہے کہ کسی کا ذرا سا بھی شک اس کی جانب نہیں جاتا' یہ تو بدقسمتی سے معاملہ اقدام قتل تک جا پہنچا اس لیے سارے راز افشا ہو گئے ورنہ سب کی نظر میں عمر ہی مجرم رہتا۔"

ایس پی نے اصل بات بتا دی تھی۔

"ٹھیک ہے' میں ایک دو دن میں آپ کو کال کروں گا۔" انہیں اس طرح گھریلو معاملات کسی غیر کے سامنے کھلنے پر ازحد شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔ اگر انہیں اس معاملے کی ذرا سی بھی بھنک پڑ جاتی تو وہ عمر کو جیل بھجوانے کے بجائے بالا ہی بالا دونوں سے خوب نبٹ لیتے۔

"بٹ سر! میرا مشورہ ہے کہ الیاس احمد کو بھی سزا ملنی چاہیے۔ یہ انصاف کا تقاضا ہے اور اصل میں مستحق بھی وہی ہے۔ باقی جو آپ کو بہتر لگے۔"

ایس پی نے ٹیبل سے موبائل اور چابی اٹھا کے مصافحہ کیا۔ اس کے الفاظ تبریز ملک کے دل و دماغ میں گڑ گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

چرخے دے ہر ہر پھیرے

ماہی میں تینوں یاد کراں
یاد کراں میں تینوں
یاد کراں ماہی وے

انتہائی بھدی اور موٹی آواز کو بڑا سُر لگا کے گانے کی کوشش میں ہلکان ہوا جا رہا تھا۔ عمر جو دیوار سے ٹیک لگائے، آنکھیں موندے بیٹھا تھا، اس نے جھٹکے سے آنکھیں کھول دیں۔ شوکت علی، عارف لوہار اور عطا اللہ تک اسے برداشت تھا، لیکن نصرت فتح علی خان کا وہ بہت بڑا مداح تھا۔ کھا جانے والی نظروں سے اس پھٹے اسپیکر کو گھورا۔

"اسٹاپ اٹ، اسٹوپڈ، ایڈیٹ، اگر تم نے اپنی یہ بھاں بھاں بند نہ کی، تو میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔" اس نے انتہائی ناگواری سے اسے ڈانٹا۔

"سویرے سے خاموش ہی بیٹھے ہیں، تجھے تو میں نے کوایا (بلایا) بھی نئیں۔ میری مرضی میں جو کروں، تینوں کی تکلیف اے۔" دوسرا قیدی جو پچھلے تین روز سے اس کے ساتھ تھا۔ اس نے عمر کے انگریزی لہجے سے ذرا بھی ڈرے یا جھجکے بغیر اڑیل گھوڑے کی طرح منہ اٹھایا۔ وہ بھی عمر کی خاموشی سے تنگ آ کے بے سرا گا رہا تھا۔

"جو مرضی کے بچے، سر نیچے رکھ کے ٹانگیں اوپر لگاؤ، اپنا سر پھوڑو، میرے سر میں درد نہ کرو، یہ تمہارے چاچے کا چائے کا ڈھابا نہیں ہے۔ یہ قید خانہ ہے۔" عمر مزید بگڑا۔ اسے اس شخص سے شدید چڑ ہو رہی تھی۔

"اوئے اک گل (بات) تے بتا۔ چپ رہ، رہ کے تیرا دل نہیں اوب دا، زبان منہ وچ رہ، رہ کے تھک دی نیئں۔" چل منیا (مانا) کہ تیرے اور میرے وچ تھوڑا فرق اے، پر ہمیں اک دوجے کی بولی کی تو سمجھ آندی اے نا۔"

اس نے بڑا سنبھل کے بولتے ہوئے عمر کے دل کا چور پکڑ لیا۔ وہ دل ہی دل میں اس شہری بابو سے دوستی کا خواہاں تھا۔

"تم بلاوجہ میرے سر پر مسلط ہونے کی کوشش نہ کرو باسٹرڈ۔" اس نے وارننگ دی۔ اس کا غرور کم نہیں ہوا تھا۔

"اور اچھا اے، تے دس (بتا) تو کہندا (بتاتا) سی کہ تیرا باپ، ایک دو دن وچ تجھے چھڑانے آئے تو تے وڈا آدمی اے، تیرا باپ۔" اس کے دونوں ہاتھ اوپر لے جا کے وڈی چیز کا حدود اربعہ بتایا۔

"ہاں بہت وڈا۔" ہے میرا پیو، اسی لیے سالا ابھی تک، مجھے چھڑانے نہیں آیا، جب مر جاؤں گا، تب جنازے کو کندھا دینے آئے گا۔" عمر اس ذکر پر اچھا خاصا چڑ گیا۔ اس نے انجانے میں اس کی دکھتی رگ کو چھیڑ دیا تھا۔

"اب اگر تم نے مزید ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو میں تمہارا منہ توڑ دوں گا، تمہاری بکواس سے میں ڈسٹرب ہو رہا ہوں، خاموش رہو۔" عمر نے اتنی تلخی اور غصے سے اسے دھمکایا کہ وہ واقعی سہم کر خاموش ہو گیا۔ عمر نے لمبا سانس خارج کرتے ہوئے، سر دیوار سے ٹکا لیا۔

✵ ✵ ✵

رات کو کھانے کی میز پر حسب معمول چار نفوس موجود تھے۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے چمچے اور پلیٹ کا شور ابھرتا۔ ملازم، ریاض احمد کی کرسی کے پاس آ رکا۔

"سر! آپ کے مہمان کو میں نے گیسٹ روم میں بٹھا دیا ہے۔" ملازم کھانے کے اوقات میں کبھی بھی کسی مہمان یا کال کا میسج لے کر نہیں آتے تھے۔ سوائے چند خاص لوگوں کے۔

"کون مہمان؟" ان کا ہاتھ رک گیا۔

"تبریز ملک آئے ہیں، آپ کو اور بیگم صاحبہ کو بلا رہے ہیں۔" سب کے کھانے کی طرف بڑھتے ہاتھ رک گئے۔

"چلو ہم آ رہے ہیں۔ ان کا کھانے سے دل اچاٹ ہو گیا۔ وہ ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے اٹھ گئے۔ رابعہ احمد اور عمیر نے بھی ان کی تقلید کی۔

تبریز ملک صوفے کی پشت پر بازو پھیلائے، ٹانگ پر

ٹانگ چڑھائے اپنے مخصوص انداز میں براجمان تھے۔

"السلام علیکم!" وہ ریاض احمد کی تعظیم میں کھڑے ہوئے۔ مصافحہ کے ساتھ دونوں گلے ملے اور سب نے نشستیں سنبھال لیں۔

"ریاض احمد! مریم میری چھوٹی' اکلوتی اور لاڈلی بہن ہے' جو پورے سترہ برس مجھ سے چھوٹی ہے۔ اسے میں نے اپنی بیٹی سمجھا اور بیٹی کی طرح ہی پالا ہے۔" تبریز ملک نے بغیر کسی تمہید کے اپنا مدعا بیان کرنا شروع کردیا۔ ان کا لب و لہجہ خطرناک حد تک سنجیدہ تھا۔

"بے شک آپ کے والدین' خدا انہیں غریق رحمت کرے' میری بہن کا رشتہ لے کر آئے تھے' لیکن جب میرے علم میں آیا کہ الیاس احمد آپ کا بھائی ہے تو میں نے اسے دیکھے بغیر ہی رشتہ پکا کردیا۔" انہوں نے انگلی اٹھا کے اپنی بات میں وزن پیدا کیا۔

"یہ رشتہ آپ کے والد صاحب یا الیاس کی وجہ سے نہیں' بلکہ آپ کی شرافت' ایمان داری اور اصول پسندی' جس کا پورا شہر معترف ہے۔ اسے مدنظر رکھ کے' میں نے اپنی لاڈلی بیٹی کے مستقبل کا فیصلہ کیا تھا۔ لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ آپ اپنے گھریلو معاملات میں انصاف سے کام نہ لے سکے۔

آپ ایک یتیم و مسکین لڑکی کی دو' چار ماہ سے زیادہ حفاظت نہ کرسکے۔" ریاض احمد کا سر سینے تک جھک گیا۔

"ایک معصوم لڑکی کی پاک دامنی اور پاکیزگی کو آپ کے بیٹے اور بھائی نے مکمل پلاننگ کے ساتھ داغ دار کیا اور آپ آنکھیں بند اور کان لپیٹے بے خبر رہے۔" تبریز ملک نے ذرا توقف کیا۔

ریاض احمد نے جھکا ہوا سر اٹھا کے اپنی شریک حیات کو دیکھا' جو ان کا اٹھتا سر دیکھ کے فوراً" نظریں چرا گئیں۔

تبریز ملک نے رابعہ احمد کا گریز اور ریاض احمد کی آنکھوں میں ہلکورے لیتے دکھ اور شکوے دیکھے۔

"رابعہ بیگم' مریم نے ہمیشہ آپ کی سمجھ داری اور معاملہ فہمی کی تعریف کی' آپ کیسی ماں ہیں جو اپنی ہی اولاد کا جھوٹ اور اس کی بدکرداری نہ پکڑ سکیں' وہ بچی جو آپ کی بیٹی کی طرح تھی' آپ نے جان بوجھ کر اس لڑکی کو اپنے درندہ صفت بیٹے کے سپرد کردیا۔"

رابعہ احمد کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔ ان کا خود پر ضبط ٹوٹ گیا۔

"یہ آنسو عمر کی ماں کے ہیں' دعا کے لیے نہیں' آپ نے بہت بڑا گناہ کیا ہے۔ ایک لڑکی کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کے' اپنے شوہر کو دھوکے میں رکھ کر اور اپنے آوارہ اور بدچلن بیٹے کی پشت پناہی کرکے۔" تبریز ملک نے مرکزی کردار کو گھیرا۔ ان کا فہم' سب سے زیادہ قصوروار اس عورت کو ہی ٹھہراتا تھا۔

"کیوں عمیر! سنا ہے تمہاری تو اس سے بہت اچھی دوستی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے تمہاری ماں اور بھائی کے خوف سے' تم سے کچھ شیئر نہ کیا ہو' لیکن کیا تم اس کی آنکھوں میں جما خوف نہ پڑھ سکے۔ تم سب کے دلوں سے خدا کا خوف ختم ہوگیا ہے۔ خدا کی قسم..... جب سے مجھے اس یتیم لڑکی سے ہوئی زیادتی کا علم ہوا ہے' میرے دل سے جوان بھائی کی موت کا دکھ جاتا رہا ہے۔" انہوں نے لمبا سانس خارج کیا۔ زخم پھر سے ہرے ہوگئے تھے۔ ان کا یہاں آنے کا مقصد ان سب کو شرمندہ کرنا نہیں بلکہ آئندہ پیش آنے والے حالات سے آگاہ کرنا تھا۔

"میں کبھی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ میرا بھائی اور بیٹا مل کر اپنے ہی گھر میں نقب لگائیں گے۔ میں ہی اس کا گناہ گار ہوں اور اس ظلم کے لیے میں خود کو کبھی معاف نہیں کرپاؤں گا۔" ریاض احمد کی آواز گلوگیر ہوگئی۔ انہوں نے انگوٹھے اور انگلی کی مدد سے آنکھوں کو دبایا۔

"اب میں نے سوچ لیا ہے کہ میں عمر کے ساتھ ساتھ الیاس احمد کو بھی...." آگے جو کچھ تبریز ملک نے کہا' وہ وہاں بیٹھے سب لوگوں کے ہوش اڑانے کو کافی تھا۔ وہ انصاف کے لیے اس حد تک جاسکتے ہیں۔ یہ ان

کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

احسن نے اسلام آباد جانے کے اگلے روز اپنی خیریت کا میسج بھیجا تھا۔ تین روز گزر جانے کے بعد' انعم کی بجھی ہوئی صورت اور نم آنکھوں کو دیکھ کر دل آرا نے خود اسے کال کی تھی۔ احسن خاصی جلدی میں تھا۔ اس نے اپنی مصروفیت گنوا کے معذرت کرلی اور انعم کو گڈ وشز کا میسج بھیج دیا۔ دل آرا کو اس سے زیادہ بات کرنے یا تفصیل میں جانے کا وقت ہی نہ مل سکا۔

چوتھے روز انعم نے دل بڑا کر کے اسے کال کی تھی۔ اتنے برسوں میں پہلی بار ایسا ہوا تھا۔ اس خود ساختہ لڑائی کو اس نے خود ہی ختم کیا۔ احسن کا نمبر ملایا۔

"ہیلو انو...." احسن کی تھکی ماندی آواز انعم کو خاصی سنجیدہ اور روکھی سی لگی۔

"احسن...." وہ رو پڑی۔ اس کے اتنے روز کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا تھا۔

"انو... انو میری جان... کیا ہوا؟ تم رو کیوں رہی ہو؟ کچھ خدانخواستہ برا ہو گیا ہے۔ سب خیریت تو ہے' پلیز انو رووف مت۔ میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے۔ پلیز ٹیل می۔"

احسن کی جان اس کے رونے سے کھنچی جا رہی تھی۔

"کک.... کچھ نہیں ہوا۔" اس نے بمشکل اپنی ہچکی پر قابو پایا۔ "تم نے تین دن سے کانٹیکٹ نہیں کیا اور جاتے ہوئے مل کر بھی نہیں گئے۔ میرا دل بہت بھرا ہوا ہے۔" اس نے آنسوؤں کی شدت پر قابو پا کے سسکتے ہوئے گلہ کیا۔

"تھینک گاڈ۔" اس نے لمبا شکرانے کا سانس لیا۔ "تمہارے رونے نے تو مجھے پریشان کر دیا تھا۔"

"تم کب آ رہے ہو؟" انعم نے پوچھا۔

"شاید کل...." احسن نے ماتھا مسلا۔

"شاید...." اس نے شاید کو حلق پر زور دے کر دہرایا۔ "یعنی پرسوں بھی ہو سکتی ہے۔" اس کے لہجے میں خفگی در آئی۔

"پلیز انو جان' ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ میں یہاں ضروری کام سے ٹھہرا ہوں' تفریح کرنے کے لیے نہیں' میرا دل بھی اتنا ہی اداس ہے جتنا تمہارا' تمہارا یہ رونا مجھے کسی پل چین نہیں لینے دے گا۔"

احسن کا دل بھی اداس ہو گیا تھا۔ وہ اس سے اتنا دور تھا کہ اسے خود سے لگا کے تسلی بھی نہیں دے سکتا تھا' نہ ہی اس کے آنسو پونچھے جا سکتے تھے۔

"یو نو' میرا دل تمہارے بغیر بالکل نہیں لگتا' مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا' کسی لمحے قرار نہیں' پلیز احسن' جلد لوٹ آؤ۔" اس کی بے بس آواز میں پھر سے نمی گھلنے لگی۔

"سوری یار' میں اپنی مصروفیت میں تمہیں کال نہیں کرپایا' تم اپنی آئی ڈی چیک کرو' میں نے تمہارے لیے بہت سے میسجز چھوڑے ہیں۔"

"ہم رات کو آن لائن بات کریں گے۔" انعم نے کہا۔

"اوکے مائی لارڈ' اب اکثر اسلام آباد آنا جانا لگا رہے گا۔ بلکہ میں تو اسلام آباد میں ہی اپنا نیا گھر بنانے کا سوچ رہا ہوں۔" اس نے انعم کی حالت سے حظ اٹھاتے ہوئے اسے چھیڑا۔ انعم کے ہاتھ پیروں کی جان نکل گئی۔ اس سے مزید کچھ بولا یا پوچھا نہ گیا۔

"اچھا یار بند کرو' مجھے ایک ضروری کال آ رہی ہے۔ بعد میں رابطہ ہو گا۔" اس نے روانی سے کہہ کر دوسری طرف چھائی خاموشی کا نوٹس لیے بغیر کال بند کر دی۔

انعم کا موبائل والا ہاتھ اس کے پہلو میں آگرا۔ اس کے ذہن میں احسن کے الفاظ تیز آندھی کی مانند چکرا رہے تھے۔

"اسلام آباد میں ہی اپنا نیا گھر بنانے کا سوچ رہا ہوں۔"

☆ ☆ ☆

الیاس احمد پہلے سے کافی بہتر تھے لیکن وہ بغیر

سہارے کے چل پھر نہیں سکتے تھے۔ مریم بھی بغیر ضرورت انہیں مخاطب نہیں کرتی تھی۔ عمر کے جیل جانے کی خبر اور مریم کے بدلتے تیوروں نے انہیں خاصا چڑچڑا کردیا تھا۔

مریم پریشان تھی، تبریز ملک جو کل شام آنے کا کہہ گئے تھے، واپس نہیں لوٹے تھے۔ اس نے کال کی تو وہ منقطع کردی گئی۔ بعد میں موبائل مسلسل بند تھا۔ اس کا دل کسی سوکھے پتے کی مانند لرز رہا تھا۔ جس انہونی سے وہ ڈرتی تھی شاید وہ ہونے والی تھی۔

"یہ لیں میم۔" نرس نے ڈسچارج کارڈ مریم کو تھمایا۔

"یہ کیا؟" وہ اپنی گہری سوچوں سے چونکی۔

"یہ ان کا ڈسچارج کارڈ ہے۔" اس نے ہاتھ سے الیاس احمد کی طرف اشارہ کیا۔

"ڈسچارج کارڈ، لیکن پیشنٹ اس کنڈیشن میں نہیں ہے کہ ہم..." مریم الجھ گئی۔

"میم! کسی تبریز ملک صاحب کے کہنے پر انہیں ڈسچارج کیا گیا ہے۔" نرس آدھی ادھوری معلومات فراہم کرکے جاچکی تھی۔ مریم بے دلی سے سامان سمیٹنے لگی۔ الیاس احمد سوائے دل ہی دل میں کڑھنے کے کچھ نہیں کرسکتے تھے۔ مریم نے لبوں پر چپ کی مہر لگا رکھی تھی۔ وہ ان کے کسی غیر ضروری سوال کا جواب نہیں دیتی تھی۔ الیاس احمد بغیر کسی سہارے کے سست روی اور نقاہت سے قدم اٹھاتے ہوئے پارکنگ ایریا تک آئے تھے۔

"ویلکم مسٹر الیاس احمد، تمہیں صحت یابی بہت... بہت مبارک ہو۔"

تبریز ملک باوردی پولیس آفیسر کے ساتھ ان کے استقبال کے لیے کھڑے تھے۔ الیاس احمد کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ مریم کی رنگت متغیر ہوگئی۔

"یہ... یہ سب کیا ہے بھائی صاحب؟" وہ ہکلائی۔

"مکافات عمل، سزا وہ نہیں جو عمر نے تمہیں دی بلکہ سزا تو اب شروع ہوگی، کیونکہ تمہارے اور عمر کے گناہوں کی فہرست بہت لمبی ہے۔ اب تمہیں ایک ایک کرکے ہر گناہ اور زیادتی کا حساب دینا ہوگا۔" تبریز ملک نے اسے گھورتے ہوئے چبا چبا کے کہا۔

"تم ہوتے کون ہو مجھے سزا دلوانے والے۔" الیاس احمد کا ضبط بھی جواب دے گیا۔ انہوں نے سالے صاحب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔

"آصف ملک کا بڑا بھائی، جو تمہاری اس گھٹیا منصوبہ بندی کی بھینٹ چڑھا۔" تبریز ملک کی آنکھیں سرخ انگارہ ہوگئیں۔

"آپ میرے ساتھ اچھا نہیں کررہے بھائی صاحب۔ اس سب کا نتیجہ آپ کی بہن کو بھگتنا پڑے گا۔" الیاس احمد کے دھمکی آمیز لہجے میں دم خم باقی نہیں تھا۔ مریم بے آواز آنسو بہارہی تھی۔

"میری بہن تو دس سال سے بھگت رہی ہے۔ اب تم جیسے گھٹیا شخص کی باری ہے۔ جلدی رہائی نہیں ملے گی تمہیں بھی۔"

تبریز ملک نے ان کے کندھے پر ہاتھ کا زور سے دباؤ ڈالا۔ سامنے کھڑا شخص ان سے حیثیت و مرتبے میں بہت بلند تھا۔ قومی و صوبائی اسمبلی تک اس کے تعلقات تھے۔ وہ اسے مزید چڑا کے اپنے لیے کوئی بڑی مصیبت نہیں کھڑی کرسکتے تھے۔

تبریز ملک کے اشارہ کرنے پر ڈی ایس پی الیاس احمد کی طرف بڑھا۔ انہوں نے آخری غصیلی بھری نگاہ خاموش آنسو بہاتی مریم پر ڈالی۔

وہ ہاتھ مسلتی کپکپا رہی تھی۔ ایک طرف اس کا شوہر اور بچوں کا باپ تھا تو دوسری طرف جان سے بڑھ کر عزیز بھائی، اس کا واحد میکہ، ماں باپ دونوں کی جگہ تھا۔ وہ ان دونوں کے بیچ خاموشی اختیار کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کرسکتی تھی۔

✲ ✲ ✲

دل آرا اور دعا، انعم کے بیڈ کے پاس کھڑی تھیں۔ جبکہ وہ پچھلے دو گھنٹے سے ہوش و خرد سے بے گانہ پڑی تھی۔ ملازمہ کی اس پر نظر پڑی تو اس نے واویلا مچا کے

ان دونوں کو خبر کی۔

"شاید ڈپریشن کی وجہ سے ان کا بی پی لو ہو گیا ہے۔ میں نے انجکشنز لگا دیے ہیں۔ آپ یہ میڈیسن منگوالیں اور کل انہیں کلینک پر لے کر آیئے گا' میں اپنی تسلی کے لیے ایک دو ٹیسٹ لوں گا۔"

ڈاکٹر نے نسخہ دل آرا کی طرف بڑھایا۔ وہ ان کا فیملی ڈاکٹر تھا' پہلے بھی انعم کا اسی سے علاج ہو تا رہا تھا۔

"ڈاکٹر شمس! کوئی پریشانی کی بات تو نہیں۔" دل آرا کا پریشانی سے اپنا فشار خون بلند ہو چکا تھا۔

"فی الحال یہ خطرے سے باہر ہیں' لیکن اتنا بی پی لو ہونا اچھی علامت نہیں۔ یہ تو ہوش میں آکے یہ خود ہی بتا سکتی ہیں کہ ان کی یہ کنڈیشن کس وجہ سے ہوئی ہے۔" انہوں نے دل آرا کو وضاحت سے بتایا۔

وہ محض اثبات میں سرہلا کے رہ گئیں۔

"مجھے اجازت دیں' اللہ حافظ۔"

وہ اپنا بیگ اٹھا کے' باہر نکل گئے۔ دل آرا سر تھام کے وہیں بیٹھ گئیں۔ دعا نے بیڈ کے کنارے ٹک کے انعم کا نچ ہوا ہاتھ تھام لیا۔

☆ ☆ ☆

الیاس احمد کو حوالدار نے زور سے دھکا دے کر عمر کو بیرک میں دھکیلا۔ عمر چاچا جان کو اپنے قدموں میں گرتا پڑتا دیکھ کے' حیرت سے ہڑبڑا کے اٹھ کھڑا ہوا۔

"چاچو جی... آپ... آپ کدھر؟"

اگلے لمحے بے اختیار اس نے چچا کو آگے بڑھ کر اٹھنے میں مدد دی۔ الیاس احمد چاہنے کے باوجود نفرت سے اس کے ہاتھ جھٹک نہ سکے۔ بمشکل سیدھا ہو کے انہوں نے اپنی قمیص کا دامن جھاڑا۔

"یہ پوچھ بھتیجے کہ چاچو جان' آپ... وہ بھی زندہ سلامت۔" انہوں نے اپنا منہ' آستین سے صاف کر کے طنزیہ کہا۔ عمر یک دم زور زور سے ہنسنے لگا۔

"میں پاپا جان کا ہر پل انتظار کرتا ہوں کہ وہ مجھے چھڑانے آئیں گے' لیکن آپ کو دیکھ کے میرا لاحاصل انتظار ختم ہو گیا' اینڈ آئم شیور کہ کوئی معجزہ ہو جائے تو ہو جائے' وہ میرے لیے دوبارہ نہیں آئیں گے۔"

عمر پاگل ہو رہا تھا اور وہ رونے کے بجائے ہنس رہا تھا۔

"عمر احمد! تم نے میرے ساتھ دشمنی پال کے اچھا نہیں کیا۔ تین گولیاں تم نے ماری تھیں' بس یہاں سے رہا ہو لینے دو' گن کے پوری تین ہی گولیاں میں بھی تمہارے جسم میں اتاروں گا۔ اگر تمہاری بھی قسمت اچھی ہوئی تو بچ جاؤ گے ورنہ..." انہوں نے دھمکی آمیز لہجے میں اپنی بات ادھوری چھوڑی۔

"میں یہاں ——— آپ سے سینئر ہوں چاچو جی فی الحال ہمیں اس جگہ پر ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر ہی رہنا پڑے گا۔ دشمنی کا معاملہ جیل سے رہائی کے بعد طے کریں گے۔ ابھی تھوڑی دیر بعد آپ کو جسمانی ریمانڈ کے لیے لے جایا جائے گا اور واپسی پر میں' آپ کے زخموں پر ٹکور کروں گا تو دنیا میں سب سے زیادہ اپنا اور سگا لگوں گا۔"

"منحوس! تمہارا میں منہ توڑ..." ان کا جملہ منہ میں ہی رہ گیا۔ سپاہی لاک اپ کا دروازہ کھول رہا تھا۔

"الیاس احمد! باہر آجاؤ..."

"کک... کدھر جانا ہے۔" تھوک نگلتے ہوئے انہوں نے عمر کو خوف زدہ نظروں سے دیکھا۔ جیسے وہ انہیں بچانے پر قادر ہو۔

"ڈرائنگ روم... جلدی نکلو' پیچھے لمبی لائن ہے۔" سپاہی نے کہتے ہوئے آگے بڑھ کر انہیں بازو سے دبوچ لیا۔ الیاس احمد کی رنگت پھیکی پڑ گئی۔

"جائیں... جائیں چاچو جان' بیسٹ آف لک۔" عمر پیچھے سے ہانکا۔

☆ ☆ ☆

اس نے انہیں چائے کا بڑا مگ پکڑایا اور ان کے سامنے والے صوفے پر اپنا مگ لیے بیٹھ گئی۔

"انعم کا پرابلم احسن کی محبت یا بے توجہی نہیں بلکہ وہ شک ہے جو اس کے دل کے کسی گوشے میں چھپ

کے بیٹھ گیا ہے۔"

ڈاکٹر کو گئے ہوئے ایک گھنٹہ بیت گیا تھا۔ انعم کو ابھی تک ہوش نہیں آیا تھا۔ دعا سے ان کی پریشان صورت برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ وہ انہیں تسلی دلاسے دے کے باہر لے آئی۔ اب وہ ان کے سامنے اپنا تجزیہ بیان کر رہی تھی۔

"تمہارا مطلب' وہ احسن پر شک کرنے لگی ہے۔ اس کی محبت سے بدگمان ہو گئی ہے۔" دل آرا نے حیرانی سے کہا۔

"حیرت ہے' آپ اس سے اتنا قریب ہیں پھر آپ نے اس کے رویے میں یہ منفی تبدیلی کیوں محسوس نہیں کی۔"

دل آرا کے چہرے پر ابھرنے والی شکنوں کا پر سوچ جال' دعا کو الجھا گیا۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ احسن اس کا شوہر ہے۔ شک تو اس نے تب بھی نہیں کیا تھا جب وہ ایک دوسرے سے منسوب تھے۔ احسن کو فارن کنٹری اسٹڈیز کی پرمیشن اسی نے دلوائی تھی۔ میں تو احسن کی اس خواہش کے سخت خلاف تھی۔ میرے دل میں سو طرح کے وسوسے تھے۔ اگر اس نے وہاں جا کے اپنا عہد توڑ دیا تو میں انعم کو کیسے سنبھالوں گی' تب اس نے میرا حوصلہ بڑھایا تھا۔ اسے اپنی محبت کی سچائی پر پختہ یقین تھا اور بالکل ایسا ہی ہوا۔ احسن لاسٹ پیپر دے کے اگلے روز میرے پاس تھا۔ انو کے لیے اس کی وارفتگی پہلے سے بڑھ گئی تھی۔ ان دونوں نے بچپن سے لے کر آج تک کسی تیسرے کے متعلق سوچا ہی نہیں۔ ان دونوں کی دنیا ایک دوسرے کے قرب سے ہی مکمل ہے۔"

دل آرا اس سچائی کو ماننے میں تامل کا شکار تھیں۔

"یہ سب میں بھی جانتی ہوں آنٹی جی' وہ احسن سے محبت کم اور اس پر اعتماد زیادہ کرتی تھی اور بڑے فخر سے گردن اکڑا کے کہا کرتی تھی کہ احسن میرے اعتماد کو توڑ ہی نہیں سکتا۔ آپ شاید ٹھیک سے میرا پوائنٹ آف ویو سمجھ نہیں پا رہیں۔ بظاہر جو ہمیں انعم کا شک لگ رہا ہے' وہ دراصل کچھ اور کیفیت ہے۔"

اس نے لحہ بھر کا توقف کیا تاکہ دل آرا کے چہرے کے تاثرات کا اندازہ اتنی بڑی بات کہنے سے قبل لگا سکے۔

"کچھ اور کیا...؟" ان کے تجسس کو ہوا لگی۔

"انعم... کی وہ کمزوری... احساس کمتری ہے۔ وہ کمی جو اللہ کی طرف سے ہے۔ وہ اب اسے اپنے محبوب سے ہٹ کہ صرف شوہر کے روپ میں دیکھنے لگی ہے' جس کو اولاد اور وارث کی چاہ ہو سکتی ہے۔ ایسے میں وہ اس سے چھپ چھپا کے اسے دھوکے میں رکھ کے کہیں دوسری شادی نہ کر لے۔"

دعا نے اتنے دن اس کے ساتھ گزارنے پر جو کچھ محسوس کیا تھا' وہ تھوڑی جھجک کے ساتھ ان کے گوش گزار دیا۔ دل آرا سکتے کی حالت میں بیٹھی تھیں۔ وہ اپنی فیملی میں بہت سمجھ دار اور زیرک خاتون سمجھی جاتی تھیں' ان کی عقل میں اتنے نزدیک کی بات کیوں نہ آئی۔

وہ کینیڈا میں تھیں تب بھی انعم' احسن کی ذرا ذرا سی شکایت پر رونے لگتی' اس کا یہ رویہ پچھلے چند ماہ سے تھا اور ان دنوں شدت پکڑتا جا رہا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ دن بھر اکیلی ہوتی ہے' اس کے پاس احسن کو سوچنے کے علاوہ اور کوئی ایکٹویٹی نہیں۔ اس لیے معمولی باتوں کو بھی دل سے لگا لیتی ہے۔

احسن مجبور اور پریکٹیکل ہو گیا تھا۔ اس میں تھوڑی بہت تبدیلیاں آگئی تھیں۔ اب پہلے سے زیادہ مصروفیت تھی اور بزنس وسیع ہو گیا تھا۔ اپنے باپ دادا کے حوالے سے اسے سیاست دانوں میں بھی اٹھنا بیٹھنا پڑتا تھا۔ سو طرح کے جھمیلے تھے لیکن انعم بدلتے وقت اور حالات کے ساتھ اس کی مجبوری اور ذمہ داری کو سنجیدگی سے نہیں لے رہی تھی۔ انعم کی سوچ اس اسٹوڈنٹ لائف میں ہی اٹکی ہوئی تھی۔ اب انہیں دعا کا کہا ہر لفظ سچ لگ رہا تھا۔

"نہیں... میں تو انو کی ماں ہوں' پھر میں اس کے اندر آئی ہوئی اتنی بڑی تبدیلی کیوں نہیں پکڑ پائی۔"

"اس کی وجہ آپ کی وہ بے تحاشا محبت ہے، جو آپ انعم سے کرتی ہیں۔ آپ اس سب کو اس کی ذہنی ابتری کے بجائے اس کا بچپنا خیال کرتی رہیں۔" اسے ان کی عقل پر قطعاً "افسوس نہیں تھا۔

"اس سب کا کوئی حل بھی تو ہونا چاہیے۔ مجھے واپس بھی جانا ہے۔ اگر ان کے درمیان غلط فہمیاں طول پکڑ گئیں تو..." دل آرا کے دل میں نئے خوف نے سر اٹھایا۔

"احسن ایک سمجھ دار اور پریکٹیکل انسان ہے۔ آپ کو اس سے ڈیٹیل میں بات کرنا ہو گی۔ وہ یقیناً" سمجھ لے گا۔ انعم کو سمجھانا فی الحال مشکل ہے۔ احسن وقتاً" فوقتاً" اسے اپنی محبت کا یقین دلائے۔ آفیشل ورک سے ہٹ کے ان کی ایک ڈومیسٹک لائف بھی ہے۔ جس میں ایک معصوم اور تھوڑی سی پگلی سے لڑکی ان سے خود ہی لڑتی اور اس کے لیے روتی رہتی ہے۔ انعم کو بھی تھوڑا گائیڈ کریں کہ وہ شوہر کی ذمہ داریوں کو سمجھے اور اپنا پہلے جیسا بھروسا قائم رکھے۔" دعا نے کسی ماہر نفسیات کی طرح اس مسئلے کا حل بھی بتا دیا۔

دل آرا کو اس کی سمجھ داری پر رشک آرہا تھا۔ ان کا ذہن کسی اور طرف پلٹ گیا۔

"سنو تم احسن کو بھائی کیوں نہیں کہتیں۔" دل آرا نے اچانک بہت عجیب اور بے تکا سوال کر ڈالا۔

"جی..." دعا کا دماغ جھنجھنا کے رہ گیا۔ یہ کیسا بے موقع سوال تھا؟ وہ جواب دینے کے بجائے دل آرا کا منہ تکتی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

رابعہ احمد کو بالکل چپ لگ گئی تھی۔ وہ دن بھر اپنے بیڈ روم میں اور کبھی گھر کے کسی کونے میں پڑی رہتیں۔ خلاؤں میں گھورے جاتیں اور کبھی سر جھکائے آنکھیں موندے، ذرا سی آہٹ پر چونک جاتیں۔ گھر کا سارا انتظام ملازموں پر چھوڑ دیا تھا۔ دل چاہتا تو کچن میں آجاتیں اور سارے کام خود ہی نمٹا دیتیں۔ اور کبھی عمیر یا ریاض احمد کو چائے کا ایک کپ بھی بنا کر دینے کی روادار نہ ہوتیں۔ ابھی بھی عمیر نے خود ملازمہ کے سر پر کھڑے ہو کر چائے، کٹلس بنوائے تھے۔ اب وہ، رابعہ اور ریاض احمد لاؤنج میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

"میرا خیال ہے تم کراچی جا کے دعا کو واپس لے آؤ۔" ریاض احمد نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے اچانک مشورہ دیا۔

"ج... جی..." عمیر کے کپ سے چائے چھلک گئی۔

"م... مگر کیوں پاپا جان۔" ایک بے تکا سوال اس کے منہ سے پھسلا۔

"کیا مطلب کیوں؟ میں چاہتا ہوں کہ ہم نے جو اس کا اعتماد توڑا ہے، وہ اپنے دشمنوں کو جیل میں دیکھ کے بحال ہو۔ اسے پتا چلے کہ ہم سب واقعی دل سے اس کا برا نہیں چاہتے تھے، ہمیں گمراہ کیا گیا تھا، ورغلایا گیا تھا۔ ہم سب اس سے معافی مانگیں گے۔"

ریاض احمد نے کپ میز پر رکھ دیا۔

"تمہارے پاپا جان بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں، تم مجھے بھی ساتھ لے جانا عمیر، میں اسے منالوں گی۔ اس کے آگے ہاتھ جوڑوں گی کہ مجھے معاف کر دے، وہ بہت اچھی اور نرم دل ہے، وہ ضرور ہماری عزت و لاج رکھے گی۔ مجھے لے جاؤ عمیر اس کے پاس، پلیز عمیر..." رابعہ احمد اس کا بازو جھنجھوڑ کر منت کر رہی تھیں۔ عمیر اس اچانک افتاد پر بھونچکا رہ گیا۔ وہ انہیں کیا جواب دے، کیسے ٹالے۔

"اگ... اگر اس کے بھائی نے انکار کر دیا، نہ بھیجا، آپ صرف دعا کے متعلق نہ سوچیں۔ پچھلی بار بھی حماد کا رویہ بہت اکھڑا اور سخت تھا۔ نجانے اسے دعا نے کیا بتا کر مطمئن کیا ہے۔ اگر اس نے کوئی ہنگامہ کھڑا کر دیا تو..."

عمیر نے بہت سارے سوالات ان کے سامنے لا کھڑے کیے تاکہ ان کا ذہن الجھ کے اس فرمائش سے ہٹ جائے۔

"تم بھی درست کہہ رہے ہو لیکن ہمیں ایک کوشش ضرور کرنی چاہیے۔ دعا ضرور مان جائے گی۔" چپ سادھے رابعہ احمد بھی بولنے لگی تھیں۔ ان کا بس چلتا تو ابھی اڑ کے پہنچ جاتیں۔

"اگر ہم اس طرح اچانک سے گئے اور اس نے ہمارے ساتھ لڑائی جھگڑا کیا' دعا نے ہی آنے سے انکار کر دیا تو بلاوجہ معاملہ بڑھ جائے گا' پھر ابھی میرے پاس اس کا ایڈریس بھی نہیں ہے۔" عمیر کے ذہن نے تھوڑی پھرتی دکھائی۔

"عمیر کی سوچ بھی درست ہے' ہمیں کال کرنی چاہیے۔" ریاض احمد جلد ہی متفق ہو گئے جبکہ رابعہ احمد کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔ وہ اپنے کیے پر ازحد شرمندہ اور معافی مانگنے کو بے تاب تھیں۔

"میں کل شام ان کے گھر جاؤں گا۔ کرایہ داروں سے ان کا ایڈریس اور کانٹیکٹ نمبر لوں گا۔"

عمیر اتنا کہہ کر مزید سوالات سے بچنے کے لیے فوراً" اٹھ کھڑا ہوا۔

☼ ☼ ☼

الیاس احمد کی حالت عمر سے بھی زیادہ بری تھی۔ انہیں سیدھا اسپتال سے یہاں لایا گیا تھا۔ ان کا جسمانی ریمانڈ بھی پورے تین دن کا تھا۔ ان کی عقل بھی ٹھکانے آگئی تھی۔ وہ جو عمر کو جیل سے باہر جا کے بدلہ لینے کی باتیں سوچتے تھے' وہ جوش بھی ماند پڑ گیا تھا۔

"لگتا ہے ہم دونوں کو چھڑانے کے لیے کوئی نہیں آنے والا۔" الیاس احمد کے دل میں ابھی بھی خوش فہمی باقی تھی جبکہ عمر اپنی ہر امید ختم کر چکا تھا۔

"ہم دونوں یہاں آپ کے سالے صاحب اور میرے اباجی کی ملی بھگت سے قید ہیں وہ ہمیں کیوں چھڑائیں گے۔" عمر کی شکل خاصی بے چاری لگ رہی تھی۔

"تمہارا کوئی یار دوست ملنے نہیں آیا۔ وہ جن کے باپ' بیس اور اکیس گریڈ کے آفیسر تھے۔ شاید ان میں سے کوئی مدد کر دے۔" الیاس احمد بڑے دور کی کوڑی لائے تھے۔

"برے وقت کا ساتھی کون ہوتا ہے۔" عمر نے مایوسی سے کہا۔

"اب مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میں نے لالچ میں آ کے کتنی غلطیاں کی ہیں۔" عمر نے آخر اعتراف کر ہی لیا تھا۔

"جو بھی ہوا' لیکن ہمیں کم از کم دعا کے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔" الیاس احمد نے بھی ہلکا سا اعتراف جرم کیا۔

"اچھا اب سو جائیں چاچو جان! صبح پھر اٹھ کے مزدوری پر جانا ہے۔ میری تو ٹانگوں میں بہت درد ہو رہا ہے۔" عمر کے چہرے پر تکلیف کے آثار تھے۔ اس نے بازو دہرا کر کے سر کے نیچے رکھ لیا۔

☼ ☼ ☼

دعا کا حرف بہ حرف سچ نکلا تھا۔ وہ دل آرا کے گلے سے لگی پھوٹ پھوٹ کے روتے ہوئے احسن کے آخری الفاظ دہرا رہی تھی۔ ساکت وصامت بیٹھی دل آرا کا یقین پختہ ہو گیا تھا۔ وہ پہلی بار سنجیدگی سے سوچنے لگی تھیں۔

"تم جانتی ہو انعم! تمہارا ایک بار پہلے بھی نروس بریک ڈاؤن ہو چکا ہے۔ کل بھی تمہارا بی پی اتنا ڈاؤن تھا۔ اگر کوئی سیریس نقصان ہو جاتا تو میں احسن اور جنید آفندی کو کیا جواب دیتی۔ تم کیوں اپنی جان کی اور ہماری دشمن بن گئی ہو۔" دل آرا نے سنجیدگی سے کہا۔ انہوں نے اسے تسلی نہیں دی تھی۔

"آئی ایم سوری ماما جی' آئی ریئلی ڈونٹ نو کہ میری طبیعت اتنی کیسے بگڑ گئی۔ میں آپ کو پکارنے والی تھی لیکن مجھے ہوش ہی نہیں رہا۔" انعم نے منمنا کے اپنی کمزور سی صفائی دی۔

"تم سب کچھ خود ہی فرض کر لیتی ہو۔ احسن کی ہر بات اور عمل کا غلط مطلب نکالتی ہو۔" دل آرا زچ ہو گئی تھیں۔

"آپ کو میں اور میری فیلنگز جھوٹ لگتی ہیں۔ اس دن اگر آپ نے مجھے اس کے ساتھ اسلام آباد بھجوا دیا ہوتا تو میری یہ حالت نہ ہوتی۔ آپ تو اب بھی مجھے غلط اور اسے ٹھیک کہہ رہی ہیں کیونکہ وہ آپ کا اکلوتا اور چہیتا بیٹا ہے۔ میں کسی کی کچھ بھی نہیں۔" انعم ایک دم زور زور سے بول کر رونے لگی۔

دل آرا کے چہرے کی رنگت اڑ گئی۔ وہ اسے ہکا بکا دیکھ رہی تھیں۔ انعم ہاتھ سے گال رگڑتی ہوئی اندر بھاگ گئی۔ اسے احسن کے ساتھ ساتھ ان کی محبت پر بھی شک ہونے لگا تھا۔ ان کی —— آنکھوں میں آنسو جامد ہو گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

اس نے لیپ ٹاپ بند کیا۔ ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسا کے ہاتھ سر کے نیچے رکھ لیے اور آنکھیں موند لیں۔ وہ بہت تھک گیا۔ نیند اس کی دکھتی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ دعا کو بھلا کے جتنا خود کو عملی زندگی میں مصروف رکھنے کی کوشش کرتا، وہ اسے مزید شدت سے یاد آتی۔ اس کے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی تو وہ اپنے انہماک سے چونک کے سیدھا ہو گیا۔ بھلا اس وقت کون ہو سکتا تھا۔

"یس کم ان!" اس نے آنے کی اجازت دی۔

رابعہ احمد آہستگی سے دروازہ دھکیل کے اندر داخل ہوئیں۔

"میں سمجھی، شاید تم سو رہے ہو گے۔ اس لیے احتیاطاً" دستک دی۔" اسے ابھی تک جاگتا دیکھ کے انہیں حیرت نہیں دکھ ہوا تھا۔

"ذہن پر سکون ہو تو نیند خود بخود مہربان ہو جاتی ہے۔" اس نے گلہ نہیں کیا تھا، غیر ارادی زبان پھسل گئی۔

"میں تمہارے پاپا جان کے سونے کا انتظار کر رہی تھی۔" وہ کرسی کھینچ کے اس کے دائیں طرف ٹک گئیں۔

"کوئی خاص بات ہے۔" اس کی زبان لڑکھڑائی۔

"میں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی قسمت میں خواری لکھی۔ نجانے میں اتنی خود غرض کیسے ہو گئی کہ عمر کی بھلائی کے لیے اس معصوم لڑکی کو ٹارگٹ بنا لیا۔ بخدا عمیر، میرا خدا گواہ ہے کہ میری نیت خراب نہیں تھی نہ ہی میں چاہتی تھی کہ عمر اس کے ساتھ کچھ برا کرے۔ میں تو عمر کے اندر کسی مثبت تبدیلی کی خواہاں تھی۔ مجھے اپنی اس چھوٹی سی خواہش یا غلطی کا کتنا بڑا خمیازہ بھگتنا پڑ رہا ہے۔ میرا گھر بکھر گیا۔ میری اولاد مجھ سے بدظن ہو گئی۔ مجازی خدا نے تو اس دن کے بعد سے پلٹ کے نگاہ غلط بھی نہیں ڈالی۔ نہ گلہ نہ شکوہ، بس ہر سو خاموشی، یہ خاموشی مجھے اندر سے کاٹتی ہے۔ میری غلطی مجھے گناہ لگنے لگی ہے۔ میرا ضمیر مجھے کسی پل چین نہیں لینے دیتا۔ میں سب کے پیچھے بھاگ بھاگ کے تھک گئی ہوں۔۔۔ ٹوٹ گئی ہوں۔۔۔ مر رہی ہوں عمیر۔" ان کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ رکے آنسو بڑی تیزی سے رواں ہوئے تھے۔

عمیر سر جھکائے اپنے ہاتھوں کو تکنے گیا۔ اب وہ ہمیشہ کی طرح انہیں خود سے لگا کے پشت سہلا کے سر چوم کے دلاسے نہیں دیتا تھا۔ پھر وہ کن الفاظ میں ان کی تسلی و تشفی کرواتا۔

"آپ پریشان مت ہوں، سب بہت جلد ٹھیک ہو جائے گا۔" اسے کچھ نہ کچھ تو کہنا تھا۔ آخر وہ ماں تھیں۔

"یہ سب تب ہی ٹھیک ہو گا، جب وہ اس گھر میں لوٹ آئے گی، ہم سب کو معاف کر دے گی۔" انہوں نے اپنے آنسو خشک کیے۔ عمیر کو ان کے یہاں آنے کی وجہ اب معلوم ہوئی تھی۔

"میں کوشش کر رہا ہوں نا اسے واپس لانے کی، لیکن وعدہ نہیں کرتا۔" اس نے آس و نراس کے درمیان معاملہ لٹکایا۔

"تم مجھے۔۔۔ صرف ایک بار۔۔۔ صرف ایک بار" اس کے پاس لے جاؤ۔" وہ منت سماجت پر اتر آئیں۔

"یہ سب اتنا آسان نہیں ماما جان، جتنا آپ نے

سوچ لیا ہے۔ اتنا بڑا اور گھٹیا الزام اس کے کردار پر لگا ہے۔ وہ بھی ان لوگوں کے ہاتھوں جو آنکھ کھلنے سے لے کر اب تک ہمیشہ سے اس کے سب کچھ تھے۔ نہ تایا، نہ چچا، نہ پھوپھی نہ خالہ۔ ماں کے بعد اس کے سب رشتے ہم سے ہی تو منسوب تھے۔ ہم نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ بے شک ہم نے زبان سے کچھ بول کے اس کی کردار کشی نہیں کی، لیکن ہم نے اس کے حق میں آواز بھی تو بلند نہیں کی۔ اگر آپ اس وقت آگے بڑھ کر عمر کے منہ پر تھپڑ مار کے اسے بیٹی کہہ کر سینے سے لگالیتیں تو شاید آج آپ کو یہ خلش نہ ستا رہی ہوتی۔ جب اسے اس گھر سے گھسیٹ کے لے جایا جارہا تھا تب بھی کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے نہ روکا۔ حالانکہ وہ کتنے مان سے سر اٹھا کے اس گھر میں آیا کرتی تھی۔ اس کا وہ زخم.... وہ گھاؤ جو ہم نے لگایا ہے۔ وہ بہت گہرا ہے۔ ابھی اسے سنبھلنے میں وقت لگے گا۔ اس پر زور زبردستی کرنا مناسب نہیں، اب کی بار اسے خود فیصلہ کرنے دیں۔ پلیز ماما جان.... پلیز....“

اس نے بڑے صاف اور واضح الفاظ میں سب کچھ ان کے سامنے کھول کے رکھ دیا۔ رابعہ احمد کی زبان تالو سے لگ گئی۔ وہ سچ ہی کہہ رہا تھا۔ عمیر نے لمبا سانس خارج کرکے خود کو ہلکا کیا۔ ان کے ذہن و دل پر بوجھ بڑھنے لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

دل آرا رات کے کھانے پر بھی اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلی تھیں۔ انعم کی بدگمانی اور شکوک بھرے الفاظ ان کے دل میں کھب سے گئے تھے۔ احسن کی پیدائش کے دوران ایسی پیچیدگیاں ہوگئی تھیں کہ دل آرا پھر سے ماں نہ بن سکیں۔ ان کے دل میں بیٹی کی شدید خواہش تھی، جو دب کے رہ گئی لیکن انعم کی ماں کی وفات کے بعد انہوں نے خود بخود اس معصوم بچی کو اپنی ممتا بھری آغوش میں سمیٹ لیا۔ وہ ان کے ساتھ اس قدر گھل مل گئی تھی کہ اس کے باپ نے اس کی طرف سے بے فکر ہوکے، چند ماہ بعد ہی دوسری شادی کرلی۔ یوں وہ ہمیشہ کے لیے دل آرا اور جنید آفندی کی اکلوتی اور لاڈلی بیٹی بن گئی۔ وہ اسے لمحہ بھر کے لیے اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ کرتے۔

چھ سال کا احسن، جوان کا اکلوتا، جائیداد کا وارث تھا۔ اس کا کمرہ گورنس کے ساتھ الگ کردیا گیا تھا جب کہ انعم پورے گیارہ برس کی عمر تک اپنے والدین کے ساتھ سوتی رہی تھی۔ دل آرا اور جنید آفندی کو اسے خود سے الگ کرنے کا حوصلہ ہی نہ ہوتا تھا۔

احسن اور انعم میں بہت دوستی تھی لیکن کھیل کے دوران ان کی لڑائی ہوتی تو ڈانٹ احسن کے حصے میں آتی اور وہ بخوشی اس ڈانٹ کو سن کر تھوڑی دیر بعد پھر سے اس پھولے گالوں والی لڑکی کو سوری کرکے منا لیتا۔ اس نے کبھی اپنے والدین کے رویے میں اس فرق کو محسوس نہیں کیا تھا۔ انعم اس کی بھی عادت بن گئی تھی۔ وہ بھی سمجھتا تھا کہ محبت وصول کرنا اس کا حق ہے اور وہ بھی اپنے والدین کی طرح اس گڑیا سے محبت کرتا تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی محبت مضبوط ہوتی گئی۔ وہ دونوں بھی ایک پل دور رہنے یا الگ سے کوئی ایکٹویٹی کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے۔

یہ دل آرا کی انعم سے شدید اور سچی محبت تھی کہ انہوں نے اسے بیٹی سے بہو بنالیا تھا۔ انعم جس کی ہر خواہش زبان پر آنے سے قبل پوری کی گئی تھی۔ جسے زندگی میں کبھی گرم و سرد ہوا نے چھوا تک نہیں تھا وہ انعم اس وقت پہلی بار روئی تھی جب شادی کے تین سال بعد، میڈیکل چیک اپ میں اس کی نیگیٹیو رپورٹس آئی تھیں۔

اب انعم میں ایک اور واضح اور منفی تبدیلی آرہی تھی۔ وہ جو انعم کے متعلق سوچنے سے کترا رہی تھیں، وہ دعا نے صاف اور واضح لفظوں میں انہیں بتا دیا تھا۔ دل آرا نے بہت سوچ سمجھ کے اس کا حل سوچ لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

چند گھنٹے رونے دھونے کے بعد جب انعم کے ذہن ودل کا تمام غبار دھل گیا تو اسے دل آرا کے ساتھ اپنے الفاظ اور تلخ رویہ یاد آیا۔ وہ ازحد شرمندگی میں گھری کمرے سے نکلی تھی۔

"ماما جی... ماما جی، پلیز دروازہ کھولیں، پلیز ماما جی..."

وہ روتے ہوئے زور زور سے دروازہ دھڑ دھڑا رہی تھی۔

"آئم رئیلی سوری ماما جی... آپ ہی میری ماں ہیں، آپ میرا سب کچھ ہیں۔ میں نے آپ کا دل دکھایا آپ مجھے ماریں، ڈانٹ لیں، لیکن مجھ سے ناراض مت ہوں۔" اس کی گریہ زاری بڑھتی جارہی تھی۔

"میرا دل بند ہو جائے گا ماما..."

اس کے دل کا بند ہونا متوقع تھا اور دل آرا کا دل بند ہو گیا تھا۔ انعم کے آنسوؤں نے ان کا کلیجہ مسل ڈالا تھا۔ انہوں نے پھرتی سے اٹھ کے دروازہ کھول دیا۔ انعم سیدھی ان کے سینے سے آ لگی۔

"پلیز ماما جی، مجھے معاف کردیں۔ چاہے دس جوتے لگالیں لیکن ناراض مت ہوں۔" وہ ان کے سینے سے چمٹی زاروزار سسکتی منت کررہی تھی۔

دل آرا نے اس کے گرد دونوں بازو لپیٹ کے اسے خود میں مزید سمیٹ لیا، جیسے وہ اسے بچپن میں خوف زدہ ہو جانے پر خود میں چھپالیا کرتی تھیں۔

"میں نے تمہاری زندگی سے جڑے اس اہم مسئلے کا حل سوچ لیا ہے۔" ان کی آواز میں سنجیدگی نمایاں تھی۔

"سچ ماما جی! آپ احسن کو سمجھائیں، وہ واپس آئے تو اچھی طرح اس کی کلاس لیں۔"

"نہیں..." دل آرا نے یک لفظی جواب دیا۔

"تو پھر...؟" انعم کی سرخ آنکھیں ان کی جانب اٹھیں۔

"احسن کی دوسری شادی، میں احسن کی دوسری شادی کروارہی ہوں۔"

دل آرا نے اتنا بڑا دھماکا اتنے آرام سے کیا کہ انعم کو لگا کہ اسے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔ اس نے زور سے نفی میں سر ہلایا اور دل آرا نے اتنے ہی پرزور طریقے سے اثبات میں سر ہلا کے اس کے وہم کو یقین میں بدل دیا۔

☆ ☆ ☆

ریاض احمد نے عمیر کو حماد کے پرانے گھر کا رابطہ نمبر اور پتا لینے بھیجا تھا۔ عمیر شام کا گیا رات گئے تک واپس نہ لوٹا۔ وہ سڑکوں پر بلاوجہ گاڑی دوڑاتا، دعا کو ڈھونڈتا رہا۔ شاید کسی بازار یا سڑک کے فٹ پاتھ پر چلتی نظر آجائے اور اسے کئی ایک جگہوں پر وہ نظر آ بھی گئی۔ اس کے پاؤں یک دم بریک پر جا پڑتے۔ ایسا تو اکثر ہوتا تھا۔ چونکنا، رکنا، ٹھٹکنا اور تصور ٹوٹ جاتا۔

اس کا خیال تھا ریاض احمد دوا کھا کے سو گئے ہوں گے۔ اس نے مرکزی دروازہ کھول کے اندر قدم رکھا وہ دونوں لاؤنج کے صوفوں پر براجمان رات کے ساڑھے بارہ بجے بھی چاق و چوبند عین مرکزی دروازے پر نظریں جمائے بیٹھے تھے۔ وہ جس لمحے سے بچنے کے لیے رات گئے گھر آیا تھا، وہ تکلیف دہ لمحہ سامنے کھڑا تھا۔

"عمیر! نمبر مل گیا؟ تم نے کال کی، اتنا لیٹ کیوں آئے ہو؟ میں کب سے انتظار میں بیٹھا ہوں۔" ریاض احمد کی بے تابی میں بہت سی سوال چھپے تھے۔

"تمہارا سیل فون بند کیوں جارہا تھا۔ ہم نے کئی بار ٹرائی کیا۔" رابعہ احمد کی پریشانی ممتا بھری تھی۔

"وہ بیٹری... ڈاؤن تھی، آپ لوگ بلاوجہ پریشان ہورہے تھے اور پاپا جان" آپ نے دوا کیوں نہیں لی۔"

اپنے حواسوں پر قابو پاتے ان کے سوالوں کو نظرانداز کرکے اس نے الٹا سوال کر ڈالا۔

"میں نے تمہیں حماد کی طرف بھیجا تھا۔ میڈیسن کھا بھی لیتا تو نیند تب بھی نہ آتی۔ اب بتاؤ کہ کیا بنا؟" ریاض احمد کو اس کی بے وقت کی فکر ذرا نہیں بھائی تھی۔

"پاپا جان نمبر... مل گیا ہے... میں نے کال کی تھی، لیکن حماد... حماد میری آواز سنتے ہی ہتھے سے اکھڑ گیا۔ بہت ناراض ہورہا تھا، دعا نے اسے سب سچ بتادیا ہے،

کہہ رہا تھا آپ لوگوں نے میری بہن پر الزام لگا کے اچھا نہیں کیا۔ وہ بہت معصوم 'سیدھی سادی اور پاکیزہ ہے۔ اس نے دعا سے رابطہ کر انے سے صاف انکار کردیا۔ دعا کی ذہنی حالت بہت ابتر تھی۔ ابھی وہ بہت مشکل سے سنبھل پائی ہے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اب وہ اس پر' ہم لوگوں کا سایہ بھی نہیں پڑنے دے گا' پہلے ہی اس نے ہم پر اعتماد کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ اس نے دعا کا باہر کی یونیورسٹی میں ایڈمیشن کرا دیا ہے۔ وہ اب پاکستان نہیں آئے گی۔ وہ کل بزنس ٹور پر دبئی جارہا ہے۔ دعا بھی ساتھ جارہی ہے۔ اس نے اپنا بزنس بھی دبئی میں سیٹل کرلیا ہے۔ اس کا واپسی کا کوئی ارادہ نہیں۔"

اس قدر مبالغہ آرائی کے بعد اس نے شکر کا لمبا سانس خارج کیا کیونکہ ان دونوں کے چہرے کے تاثرات واضح کررہے تھے کہ وہ اس کے کہے الفاظوں پر یقین رکھتے ہیں۔

"عمیر... پلیز عمیر' اس سے کہو کہ ایک بار... صرف ایک صرف مجھے دعا سے مل لینے دے ' اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ کے' سینے سے لگالوں گا تو میرے جلتے سینے اور بوڑھی آنکھوں کو سکون مل جائے گا۔" ریاض احمد کے لہجے میں التجا در آئی تھی۔ وہ روہانسے ہورہے تھے۔ رابعہ احمد ساکت بیٹھی تھیں۔

"پلیز پاپا جان' مجھے وہ دونوں حق بجانب لگ رہے ہیں۔ مجھے مناسب نہیں لگ رہا کہ ہم دعا کو مزید پریشان کریں' پھر آپ کا بھی تو خواب تھا کہ وہ باہر کی یونیورسٹی میں پڑھنے جائے۔ اب وہ راضی ہوگئی ہے تو پلیز اسے جانے دیں۔ اس نے بھی خود کو بہلانے اور سب کچھ بھلانے کے لیے اتنا بڑا اسٹیپ لیا ہوگا۔ پاپا جان وہ بہت سادہ اور معصوم دل ہے۔"

وہ بولتے ہوئے صوفے سے اٹھ کے باپ کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

"میں اسے بچپن سے جانتا ہوں۔ وہ کسی کے لیے بھی اپنے دل میں کینہ اور بغض نہیں پالتی' آپ تو پھر اس کے پاپا جان ہیں۔ میں نے آخری ملاقات میں اس کے سامنے سب کلیئر کردیا تھا کہ میں یہ سب پاپا جان کے کہنے پر کررہا ہوں۔ اس کا دل آپ کی طرف سے صاف ہے' اسے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے لیے باہر جانے دیں' وہ لوٹ آئے گی... بس تھوڑا سا انتظار۔" اس نے باپ کے ہاتھ تھام لیے۔

اسے جب بھی اپنی کوئی بات منوانی ہوتی۔ وہ یوں ہی ان کے ہاتھ نرمی سے تھام کے سر جھکا کے تھپکنے لگتا' جہاں وہ باپ کا اتنا فرماں بردار اور مان رکھنے والا تھا۔ انہیں بھی اسے انکار کرتے ہوئے جھجک سی آتی۔ اب بھی آنسو بوڑھی آنکھوں میں جم گئے تھے۔ آنکھ سے باہر نہیں گرے تھے۔

انہوں نے سر اثبات میں سرہلا دیا۔ عمیر کے دل سے بہت بڑا بوجھ سرک گیا۔ رابعہ احمد خاموش رہیں۔ کل رات عمیر نے انہیں بھی اچھی طرح سب سمجھایا تھا۔ انہیں بھی یہی بہتر لگ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

تبریز ملک' اپنے کمرے سے نک سک سے تیار آفس جانے کے لیے نکلے۔ لاؤنج سے گزرتے ہوئے اچانک ان کی نگاہ گلاس وال سے نظر آتے وسیع لان پر پڑی تو وہ ٹھٹک کر رک گئے۔ ان کے قدم جیسے زمین نے جکڑ لیے۔ مریم کے بچے لان میں بلیوں کے پیچھے بھاگ رہے تھے اور وہ خود لان میں پڑی کرسی پہ مغموم صورت لیے ایک نقطے پر نگاہیں ٹکائے بے حس و حرکت بیٹھی تھی۔ وہ کتنی دیر رک کے اسے بغور دیکھتے رہے۔ ان کے دل پر بوجھ بڑھتا جارہا تھا۔ کبھی یہ ان کے گھر کی بلبل ہوا کرتی تھی۔ سارے گھر میں اس کی چہکار' قہقہوں اور شرارتوں سے ہر دم رونق رہتی۔ اس کے چہرے پر اتنی دور سے بھی صدیوں کی تھکن واضح پڑھی جاسکتی تھی۔

"راشدہ... راشدہ..." انہوں نے ملازمہ کو آواز دی۔ وہ بھاگتی ہوئی ان تک پہنچی۔

"جی سر۔" وہ مودب تھی۔

"مریم کو بلا کرلاؤ۔"

وہ ابھی بھی اسے نگاہوں کی زد میں لیے ہوئے تھے۔ جو خود پر مرکوز ان دو نگاہوں سے بے خبر تھی۔

ملازمہ فوراً "حکم کی تعمیل میں باہر دوڑی۔ انہوں نے چند لمحوں بعد دیکھا کہ پیغام ملتے ہی مریم اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔ وہ بھی صوفے کی طرف بڑھ گئے۔

"جی بھائی صاحب! آپ نے بلوایا تھا۔" وہ ان کے سامنے سر جھکائے کھڑی تھیں۔

"بیٹھ جاؤ۔" انہوں نے ٹھوڑی پر انگلی پھیری۔

مریم ذرا سہمی ہوئی سمٹ کر بیٹھ گئی۔

"جو کچھ الیاس نے کیا' اس سب میں تم کتنی شامل تھیں؟" بغیر تمہید باندھے اچانک پوچھ لیا گیا۔ مریم کے چہرے کی رنگت متغیر ہو گئی۔

"آپ کی قسم بھائی صاحب! میں عمر اور الیاس احمد کی منصوبہ بندی اور چالوں سے بالکل بے خبر تھی۔ میرا خدا گواہ ہے جس رات وہ عمر کے کمرے سے برآمد ہوئی' میرے وہاں پہنچنے سے قبل ہنگامہ ہو رہا تھا۔ ہم سب لاعلم تھے' کسی کی کچھ سمجھ میں نہ آیا اور اس نے بھی اپنی صفائی میں زبان تک نہ کھولی۔ جب وہ میرے گھر آگئی تب میں نے ضرور اس سے زیادتی کی کیونکہ مجھے غصہ تھا کہ اس معصوم صورت نے ہم سب کو اتنا بڑا دھوکا دیا۔ ریاض بھائی کا مان اور گھر توڑ دیا۔ میں بدبخت اور بے وقوف عورت اپنے مجازی خدا کے دل کا چور اور آنکھوں پہ چڑھی لالچ کی پٹی نہ پکڑ سکی۔ اس نے جب بھی رقم کا مطالبہ کیا' آپ نے اسے دے دی اور میں واقعی یہ سمجھتی رہی کہ اس کے بزنس میں کرائسس چل رہے ہیں۔ اس نے کبھی رقم واپس نہیں کی۔ اس لالچی کی نظر' میرے حصے کی جائیداد پر لگی ہے۔ یہ تو میں تب جان پائی جب پانی سر سے گزر چکا تھا۔ جب وہ پورچ میں گولیاں کھا کے مر رہا تھا۔ بخدا میں کچھ نہیں جانتی تھی۔"

مریم زار و زار رونے لگی۔ وہ بھی کٹہرے میں کھڑی تھی۔ بھائی صاحب سخت اصول پسند اور خدا ترس تھے۔ ان سے کچھ بعید نہ تھا کہ اس پر شک کی صورت میں 'اسے فوراً' یہاں سے چلتا کرتے۔ زندگی بھر دوبارہ اس کی شکل نہ دیکھتے۔ اس کے پاس بھائی کے علاوہ کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ پھر وہ جھوٹ بھی نہیں بول رہی تھی۔

"تم جو کہہ رہی ہو۔ وہ بالکل سچ پر مبنی نہیں ہے مریم! تم نے اس لڑکی کو اپنے گھر کے کمرے میں قید کر کے' اس کی آئندہ کی پوری زندگی کے لیے اپنے معذور اور ذہنی مریض بھائی کا انتخاب کر کے' کیا اچھا کیا تھا؟ اس نے تمہارا کون سا بڑا نقصان کیا تھا جو تم اس سے بدلے میں' پوری زندگی مانگ رہی تھیں۔ اس یتیم و مسکین لڑکی کو سزا دینے کا اختیار تمہیں کس نے دیا تھا؟ تم خود بھی ایک ماں تھیں مریم! میں نے تمہاری تربیت اس نہج پر تو نہیں کی تھی کہ تم ظالم اور سفاک بن جاؤ۔ تمہارے اندر سے رحم دلی ختم ہو جائے اور تم دوسروں کی تقدیر کے فیصلے کرتی پھرو۔ اتنا بڑا فیصلہ کرنے سے قبل تمہارا دل نہیں کانپا۔ تم اس لڑکی کو گناہ گار سمجھ کے سزا دے رہی تھیں۔ یہ جانے بغیر کہ تم خود سزا پالو گی۔"

وہ اتنی آسانی سے مریم کو چھوڑنے والے نہیں تھے اور نہ ہی اس کے آنسو ان کے دل کو موم کر کے سچ کہنے سے روک سکتے تھے۔

"اب تم سر جھکائے روتی رہو۔ مریم! تب تم نے ایک بار بھی نہ سوچا کہ تم نہ صرف اس یتیم لڑکی کے ساتھ زیادتی کرنے جا رہی ہو بلکہ اپنے باپ جیسے بھائی کو بھی دھوکا دینے جا رہی ہو۔ الٹا تم صفائیاں دے رہی ہو کہ تم بے گناہ ہو' تم نے کچھ نہیں کیا' بے خبر تھیں۔ اپنی غلطی تسلیم کرنے کے بجائے مجھے مزید دھوکا دے رہی ہو۔ میری آنکھوں میں دھول جھونک رہی ہو۔ سزا کی مستحق تو تم بھی ہو۔ چونکہ میں تمہاری طرح خود کو خدا نہیں سمجھتا' اس لیے تمہارے لیے کوئی سزا منتخب نہیں کروں گا۔ تمہارے لیے یہی کافی ہے کہ تم اپنے شوہر اور گھر سے دور رہو بالکل اس معصوم کی طرح جو در بدر ہو رہی ہے۔"

تبریز ملک سے مریم کا رونا برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ وہ اس پر کٹیلی نگاہ ڈال کے اٹھے اور لمبے لمبے ڈگ

بھرتے لاؤنج سے نکل گئے۔ روتی ہوئی مریم پر سوچ کے بہت سے در وا ہوگئے۔ اسے اپنا وجود' سوچ اور عمل واقعی بہت گھٹیا اور ارزاں لگا۔

☆ ☆ ☆

دل آرا کے الفاظ نے انعم کو اس قدر بدظن اور بدگمان کیا تھا کہ وہ دو دن سے کمرہ نشین تھی۔ دل آرا اس کی فطرت سے واقف تھیں' اس لیے خاموش رہیں۔

"دو دن تم نے کمرے میں بند رہ کے کیا ڈسیژن لیا ہے۔" دل آرا نے جگ میں سے جوس کا گلاس بھر کے انعم کے سامنے رکھا۔

"آپ اتنی ظالم کیسے ہوسکتی ہیں۔ میرا احسن مجھ سے چھین لیں گی' آپ کے ذہن میں اتنی بڑی بات آئی کیسے؟ میں اس کے بغیر ایک پل بھی جینے کا تصور نہیں کرسکتی۔ مر جاؤں گی میں' سوسائیڈ کرلوں گی۔" انعم ہسٹریائی انداز میں سر پر ہاتھ مار مار کے رونے لگی۔ وہ سمجھی تھی کہ اس کی دو دن کی ناراضی نے انہیں اپنی غلطی کا احساس دلا دیا ہوگا۔

دل آرا کرسی گھسیٹ کے اٹھیں اور اسے دونوں کندھوں سے تھام کے اٹھایا۔

"اٹھو' آؤ باہر بیٹھ کے بات کرتے ہیں۔" وہ باہر کی طرف بڑھ گئیں۔ انعم روتی ہوئی گھسٹتی ہوئی ان کے پیچھے تھی۔

"تم کیوں اپنی حالت خراب کررہی ہو؟" وہ اسے بٹھا کے خود بھی برابر میں آبیٹھیں۔ اس کے چہرے پر بکھرے بالوں کو سمیٹا۔

"آپ نے میرا دل مٹھی میں لے کر بھینچ دیا اور میں جشن مناؤں۔" اس نے انہیں شکایتی انداز سے دیکھا اور اپنی سرخ پڑی ناک زور سے رگڑی۔

"کیا میں تمہارا برا سوچ سکتی ہوں۔ میں کبھی تمہارے اور احسن کی محبت یا دل کے بیچ میں دیوار بنی؟ ہمیشہ اپنے بیٹے پر' تم کو فوقیت دی اور آج تم یوں رو دھو کے' مجھ پر شک کرکے' ٹھیک کررہی ہو؟" دل آرا نے تحمل سے پوچھا۔

"میں اپنی ماں کی محبت اور خلوص پر شک کرنے کا گناہ نہیں کرسکتی' لیکن آپ احسن کو مجھ سے جدا کرنے اور میری محبت کی تقسیم۔۔۔" انعم بولتے ہوئے زور زور سے ہاتھ ہلا رہی تھی۔ اس کے لیے مزید بولنا دشوار تھا۔

"احسن بھی تم سے اتنی ہی شدید محبت کرتا ہے۔ تم دونوں کو کبھی جدا کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔"

"میں سمجھی نہیں۔" انعم نے جلدی سے اپنے گال سے آنسو پونچھے۔

"پہلے تو تم یہ ایڈمٹ کرلو کہ تم ہر رشتے سے بدگمان ہوتی جارہی ہو' یہی سوال دو دن قبل اتنا رونے دھونے سے پہلے بھی کیا جاسکتا تھا۔" دل آرا نے ذرا مسکراتے ہوئے اس کی ٹھوڑی چھوئی۔

"پلیز سب کھل کے بتائیں ماما جی۔۔۔" اس نے بے تابانہ ان کا ہاتھ تھاما۔

"دیکھو' بچوں کی مانند لی ہو کرنا چھوڑ دو۔ سمجھ داری سے سوچو اپنے حالات' مستقبل اور پوزیشن کا جائزہ لو۔ احسن تم سے بہت محبت کرتا ہے' لیکن اس کا بدلتا رویہ تمہارے سامنے ہے۔ یہ محبت اولاد کے بغیر ادھوری اور نامکمل ہے۔ شاید مستقبل قریب میں وہ وقت آجائے کہ وہ اس کمی کو شدت سے محسوس کرنے لگے' تب وہ ہمیں دھوکا دے' جھوٹ کا سہارا لے' فی الحال جنید آفندی بھی فارغ نہیں ہیں۔ کافی بزی ہیں۔ شاید نہیں یقیناً" وہ چند برس بعد خود ہی احسن سے دوسری شادی کا کہہ دیں' تم سے محبت اپنی جگہ' مگر حقیقت پسندی سے سوچو تو یہ اتنی بڑی اسٹیٹ ہے' فارن کنٹریز تک پھیلا وسیع بزنس' اس سب کے وارث اور سنبھالنے والے کا نام و نشان نہیں۔ جب یہ دونوں مرد مل کے کوئی فیصلہ کرلیں گے' تب ہم دونوں عورتیں ان کے آگے پر بھی نہیں مارسکیں گی۔ اسی لیے دانش مندی اسی میں ہے کہ خود آگے بڑھ کے اپنا نفع و نقصان دیکھ کے' کوئی قدم اٹھالیں۔۔۔" دل آرا

جتنے سہل الفاظ میں اسے سمجھا رہی تھیں' انعم کے تاثرات بدلتے جارہے تھے۔

"کیسا قدم ماما جی؟" انعم نے استفسار کیا۔

"احسن کی دوسری شادی کروادیتے ہیں۔" دل آرا نے پھر سے اپنا مطالبہ دہرایا۔

"کیا ہم بے بی ایڈاپٹ نہیں کرسکتے ماما جی۔" انعم نے بے چارگی سے پوچھا۔

"نہیں۔" دل آرا نے سختی سے منع کیا۔ "بچوں والی بات مت کرو انو' اتنی وسیع جائیداد' ہماری وراثت کسی غیر کو سونپ دیں۔ ہمارے بیٹے احسن کا' ہماری نسل کا اس دنیا سے نام ونشان ہی دنیا سے مٹ جائے' یہ مجھے ہرگز گوارا نہیں۔ جنید آفندی کو پتا چلا تو وہ ہمیں کھڑے کھڑے فارغ کردیں گے۔ میں جو بھی کروں گی' بہت سوچ سمجھ کے فیصلہ کروں گی۔" دل آرا نے اسے سختی سے ٹوک دیا۔

"لیکن ماما جی دوسری شادی' یہ سوچتے ہی میرا سانس رکنے لگتا ہے۔" وہ پھر سے رونے کی تیاری پکڑنے لگی۔

"تم اپنے دل کو مضبوط رکھو' میں کوئی ایسی لڑکی تلاش کروں گی جو صرف احسن کو اولاد دے سکے' اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ وہ بچہ تمہاری گود میں پلے بڑھے' کھیلے اور تمہیں ہی اپنی ماں پکارے' ہم اپنی نسل کی پرورش تمہاری گود اور ہاتھوں سے ہی کروائیں گے۔"

دل آرا نے اپنی ساری پلاننگ انعم کے گوش گزار کی۔ جسے سنتے ہی اس کی آنکھیں خوشی ومسرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ دکھ' حیرت اور آنسوؤں کی جگہ مسکراہٹ نے لے لی۔ دل آرا بیٹی کے چہرے پر مسرت وانبساط دیکھ کے' خود بھی مسکرارہی تھیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ منصوبہ بندی کا اختیار صرف اسی ذات کے قبضے میں ہے۔

✡ ✡ ✡

انعم بہت خوش ومطمئن اڑی اڑی پھر رہی تھی۔ اس کے دل میں شک کی اٹکی پھانس نکل گئی تھی۔ اسے یقین تھا کہ دل آرا اس کا کبھی برا نہیں چاہ سکتیں۔ وہ اس کی ماں تھیں اور ماں اپنی اولاد کی بھلائی ہی سوچتی ہے۔ اس نے خود کو ذہنی طور پر تیار کرلیا تھا۔

"ماما جی! آپ احسن سے سب خود ہی ڈسکس کیجیے گا' میری زبان سے یہ سب سن کے وہ ہتھے سے اکھڑ جائے گا۔ مجھے خود غرض اور برا بھلا کہے گا۔ میں آپ کے ساتھ ہوں۔"

انعم نے بڑی ہوشیاری سے بندوق ماں کے کندھوں پر رکھ دی۔ دل آرا اس کے آخری جملے پر کھلکھلا کے ہنس پڑیں۔

"ڈونٹ وری' تم اتنا اسٹریس مت لو' میں سب سیٹ کردوں گی' احسن کو ابھی انفارم کرنے کا وقت نہیں' پہلے ہمیں لڑکی کا انتخاب کرنا ہے۔ اس لڑکی کو احسن سے شادی اور بچہ دینے پر راضی کرنا ہوگا تب ہی اسے خبر کریں گے۔" دل آرا دور کی کوڑی لائیں۔

"لیکن ماما جی' سب سے بڑی پرابلم لڑکی ڈھونڈنا ہے۔ ایسی کون سی عورت ہوگی جو سراسر ہمارے فائدے کی خاطر کمپرومائز کرے اور اپنی اولاد بخوشی و رضا میری گود میں ڈال کے احسن کی زندگی سے نکل جائے۔ اس سب کے لیے بہت حوصلہ چاہیے۔"

انعم کی بات غلط نہیں تھی' لیکن دل آرا نے کچھ سوچ کر ہی بات منہ سے نکالی تھی۔

"مجھے اپنی نسل کا وارث چاہیے' ظاہر ہے' ماں نسلی ہوگی تو اولاد بھی نسلی دے گی۔ کوئی ایسی عورت جو بہت مجبور و بے بس ہو جس کے آگے پیچھے کوئی مضبوط سائبان اور سپورٹر نہ ہو۔ اس کے ساتھ وہ انتہائی معصوم' مخلص اور نیک دل بھی ہو۔ جو تمہاری خالی گود بھردے' پلٹ کر کبھی سوال نہ کرے' بدلے میں ہم اس کی آئندہ سات پشتوں تک کے لیے روپے پیسے کی ریل پیل کردیں گے' مگر یہ سب بہت ہوشیاری اور احتیاط سے کرنا ہوگا۔"

دل آرا ذومعنی الفاظ میں کس طرف اشارہ کررہی تھیں' وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

"اتنی خوبیوں والی عورت کہاں سے ملے گی ماما جی!؟"

"ڈونٹ وری اباؤٹ اینی تھنگ' تمہاری ماما نے سب ارینج کرلیا ہے۔ اور لڑکی بھی فائنل کرلی ہے۔"
دل آرا نے اس کا گال تھپتھپایا۔
اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ "کون ہے وہ لڑکی؟"
"اسے تم جانتی ہو' بلکہ آگے کا سارا کام تمہارا ہی ہے۔" دل آرا نے اس کا تجسس بڑھایا۔
"پلیز ٹیل می ماما جی۔۔۔" اس کے ماتھے پر بل پڑ گیا۔
"دعا۔۔۔ دعا ہے وہ لڑکی۔۔۔" انہوں نے بلی تھیلے سے نکالی جس نے سیدھی انعم کے منہ پر چھلانگ ماری۔

☆ ☆ ☆

الیاس احمد اور عمر بہت سے دوسرے قیدیوں کی طرح' زمین پر پھسکڑا مارے لمبی لائن میں لنگر کھانے بیٹھے تھے۔ پلیٹ میں پتلا سا شوربہ اور دو بڑے بڑے آلو تھے۔ اور دوسری پلیٹ میں پتلی اور چھوٹی چھوٹی روٹیاں تھیں۔ سست روی سے نوالہ توڑا۔
"عمر! یہ آلو شوربہ کب تک ہماری قسمت میں رہے گا۔" الیاس احمد رو دینے کو تھے۔
"چھوڑیں چاچو جی' بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کریں۔" عمر نے ایک اور لقمہ توڑا۔ خود کو تسلی دینے کا یہی رستہ بچتا تھا۔
"عمر تیرا دل نہیں گھبراتا۔" انہوں نے اپنے دل کی تسلی کے لیے سوال کیا۔
"دل کا کیا ہے چاچو جی! پہلے بھی اس کمبخت کی سن سن کے ہم یہاں تک پہنچے ہیں۔ جو کچھ ایک معصوم لڑکی کے ساتھ کیا' اس کی سزا دنیا میں ہی مل جائے تو بہتر ہے۔" عمر کی سوچ کا رخ بدلتا جا رہا تھا۔
"تو اتنی دور کی کب سے سوچنے لگا عمر۔" انہیں حیرانی ہوئی۔
"چاچو تم بھی اللہ سے توبہ کرلو۔ میری ماما جی کہتی ہیں کہ اللہ جی سچے دل کی توبہ و استغفار ضرور قبول کرتے ہیں۔ میں نے سچے دل سے مانگنا شروع کردیا ہے۔ شاید یہی ایک ذریعہ ہے اس کال کوٹھری سے جان چھڑانے کا۔"
عمر نے دھیمے سے ایک اور راز کی بات بتائی۔
الیاس احمد کا منہ کھلا اور نوالہ ہاتھ سے چھوٹ کے پلیٹ میں گر گیا۔
"چھیتی چھیتی کھانا کھاؤ اوئے۔" کالا کلوٹا سپاہی موٹا سا ڈنڈا پکڑے' نگرانی کے لیے چکر لگاتے ہوئے ان کی سر پر کھڑے ہو کے چیخا۔
"جلدی سے کھانا کھالو چاچو جی! ورنہ بھوکا سونا پڑے گا۔" اس نے الیاس احمد کی توجہ ان کی پلیٹ کی طرف مبذول کروائی۔ وہ اثبات میں سرہلا کے بے دلی سے لقمہ توڑنے لگے البتہ ان کی سوچیں الجھ کے رہ گئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

دعا اور انعم دونوں سیڑھیوں پر بیٹھی چائے سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ ان دنوں انعم کا موڈ بہت خوش گوار تھا۔ وہ بات بے بات مسکراتی' وہ پھر پہلے کی طرح اپنا بہت سا وقت دعا کے ساتھ گزارنے لگی تھی۔ دل آرا بھی اکثر ان کے ساتھ گپ شپ کرنے بیٹھ جاتیں۔ گھر کا ماحول پہلے سے زیادہ خوش گوار ہو گیا تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ دعا بغور انعم کے بالوں کو چہرے سے اٹکھیلیاں کرتا دیکھ کے مسکرا دی۔
"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟" انعم نے فوراً اس کا دیکھنا اور مسکرانا نوٹ کرلیا۔
"دیکھ رہی ہوں' تم مسکراتی ہوئی کتنی کیوٹ لگتی ہو۔" اس نے بالکل سچ بولا۔
"تھینک یو' تم دعا کرو' میں ہمیشہ یوں ہی مسکراتی رہا کروں۔" انعم نے اس کی آنکھوں میں جھانک کے درخواست کی۔
"آمین۔۔۔" اس نے بہ آواز بلند کہا۔
"انو! کیا تم اور آنٹی ہمیشہ سے یوں ہی لڑتی ہو۔ خاموش لڑائی۔" دعا کو ان کی لڑائی نے ورطہ حیرت میں ڈالا ہوا تھا۔ اسے ایک گھر میں رہتے ہوئے کانوں کان خبر بھی نہیں ہوئی کہ آخر جھگڑا کب اور کس ٹاپک کو

لے کر ہوا۔

"نہیں تو لیکن اس دفعہ پرسنل میٹر تھا۔" انعم نے بات ٹالی۔

"مجھے بھی یہی فیل ہوا تھا' اس لیے میں نے پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔" اس نے اپنی سوچ بتائی۔

"اتنا بھی پرسنل نہیں تھا' ماما جی احسن کی دوسری شادی کرنا چاہتی ہیں۔ اسی لیے میں خفا ہو گئی پھر انہوں نے مجھے اچھے سے سمجھایا' اس کی دوسری شادی کی تمام وجوہات' مستقبل کے اندیشے' میری بے اولادی اور احسن کا بھٹک جانا وغیرہ وغیرہ' وہ یقیناً" درست سمت میں سوچ رہی ہیں۔" انعم اتنے نارمل لہجے میں سب بتا رہی تھی۔ جیسی کسی ناول یا ڈرامے کی کہانی چھیڑ بیٹھی ہو۔

"آئی کانٹ بلیو اور تم سیریسلی مان گئیں' سب قبول کر لیا۔" دعا کو شدید جھٹکا لگا تھا۔ اسے انعم کی ذہنی حالت پر شبہ گزرا۔ وہ کتنے نارمل موڈ میں سب بتا رہی تھی۔

"ہاں' کیونکہ ماما جی کبھی میرا اور احسن کا برا نہیں چاہ سکتیں' انہوں نے میرے بچپن سے لے کر آج تک مکمل رضامندی سے اپنا لاڈلے اور اکلوتے سپوت کو مجھے سونپے رکھا' اب میں ان کی نیت پہ شک کر کے گناہ گار نہیں ہو سکتی۔" انعم اس کی طرف رخ موڑے اسے سب تفصیل سے بتا رہی تھی۔

"جب احسن تمہارے ساتھ کچھ برا کرے گا' تب سوچنا' ابھی سے یہ سب کیوں سوچ رہی ہو۔" دعا اس کے مطمئن انداز پر جھنجلا گئی۔

"وہ کبھی اپنی زبان سے اولاد کی خواہش کا اظہار کر کے' میرے لیے دکھ کا سبب نہیں بنے گا لیکن اگر آئندہ چند برسوں میں' اس نے چھپ چھپا کے کسی سے شادی کر لی تو؟" اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"اس دنیا میں بہت سے جوڑے بغیر اولاد کے' ایک دوسرے سے محبت کے سہارے زندگی گزارتے ہیں' کیا وہ بے وقوفی کرتے ہیں یا ایک دوسرے کو دھوکا دیتے ہیں۔" دعا نے ایک اور نکتہ اٹھایا۔

"لیکن ان میں سے کوئی ایک بھی کروڑوں کا مالک احسن آفندی نہیں ہو گا۔ اپنے پیرنٹس کی اکلوتی اولاد اور خود بے اولاد' اگر اس کا کوئی ایک اور بھائی ہوتا تو مجھے اتنی ٹینشن پالنے کی قطعی ضرورت نہیں تھی' ہم ان کا بے بی ایڈاپٹ کر لیتے... لیکن ایسا بھی نہیں' اتنی وسیع اسٹیٹ کا احسن کے بعد کون وارث ہو گا۔ اس کے پیرنٹس کو صرف احسن کی اولاد چاہیے۔ اپنی نسل کا وارث' اگر ابھی میں نے کوئی فیصلہ نہ کیا۔ بلکہ احسن کو اپنے پلو سے مضبوطی سے باندھے رکھنے کی غلطی کی تو اس کی سزا مجھے عمر بھر بھگتنا پڑے گی۔" انعم اپنے اندر کے محسوسات سب اس کے سامنے کھول کے بیان کرتی' بڑے محتاط انداز سے' اس کی بھی برین واشنگ کر رہی تھی۔

"ان شارٹ تم نے فیصلہ کر لیا ہے اور اپنا ذہن بھی بنا لیا ہے۔" دعا نے دوٹوک پوچھا۔

"بالکل... اب یہی لاسٹ آپشن ہے۔" اس کا لہجہ حتمی تھا۔

"اللہ سب کی سیدھے رستے کی طرف راہنمائی کرے۔" اس نے صدق دل سے دعا کی لیکن اس کا دل مطمئن نہیں ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

مریم کمرے کا دروازہ کھول کے اندر آئی۔ دونوں بچے بے سدھ پڑے سو رہے تھے۔ مریم اپنی قیمتی متاع کو دیکھ کے مسکراتی ہوئی' زین کے پاس بیٹھ گئی۔ وہ الٹا لیٹا ہوا تھا۔ وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر کے انہیں سنوارنے لگی۔

"میری جان' میرا بیٹا' اٹھ جاؤ' اسکول نہیں جانا۔" اس نے بڑے دلار سے اسے پچکارا۔ زین ذرا سا کسمسایا۔

"عروہ...! تم بھی اٹھ جاؤ' ورنہ تم دونوں لیٹ ہو جاؤ گے۔"

اس نے دوسری طرف لیٹی عروہ کا بھی بازو ہلایا۔ وہ بھی ہل جل کر کے رخ موڑ گئی۔

"پلیز زین اٹھ جاؤ لیٹ ہو گئے تو میم فوراً" مجھے کمپلین کال کر دیں گی' تم دونوں کو پنش بھی کیا جائے گا اور تم دونوں کو فائن بھی ہو گا۔" وہ ان دونوں کو اٹھانے کے ساتھ دھمکا بھی رہی تھی۔ ان دونوں نے کروٹ بدل کے منہ پر کشن رکھ لیے حالانکہ وہ دونوں پہلی پکار پر ہی فوراً" اٹھ کے بیٹھ جانے والے بچے تھے۔

"کیا بدتمیزی ہے' چلو جلدی سے اٹھو' ابھی تم لوگوں نے ناشتے پر بھی دس نخرے کرنے ہیں۔" مریم کا خیال تھا کہ ان کا چھٹی کرنے کا موڈ ہے۔ اس لیے کافی سخت لہجہ اختیار کیا۔

"ہمیں نہیں جانا اسکول۔" بیک وقت آواز بلند ہوئی۔

"کیوں.... کیوں نہیں جانا۔" وہ سمجھ گئی کہ آج وہ ضد کے موڈ میں ہیں۔

"مجھے اپنے پاپا جان کے پاس جانا ہے یا پھر ان سے ہماری بات کروائیں۔" زین کشن پھینک کے اٹھ کے بیٹھا اور ٹھنک کے بولا۔

"اور مجھے اپنے گھر واپس جانا ہے۔ میرا ماموں کے گھر بالکل دل نہیں لگتا۔" عروہ بھی فوراً" اٹھ بیٹھی۔ اس کا منہ بھی خاصا پھولا ہوا تھا۔

"عروہ میری بچی' تم پاپا کی جینئس بیٹی ہو ناں' بیٹا ابھی کچھ مجبوری ہے۔" اس نے زین کے گال پر ہاتھ پھیرا۔

"ہم بہت جلد تمہارے پاپا سے ملیں گے بلکہ وہ خود آئیں گے ہمیں لینے' ہم بہت جلد اپنے گھر لوٹ جائیں گے' پلیز تم مجھے تنگ مت کرو۔" اس نے بڑے پیار سے بہلاتے ہوئے' ان دونوں کو اس ذہنی کیفیت سے نکالنا چاہا۔

"ماما جان! آپ سے ایک بات پوچھوں' آپ جھوٹ تو نہیں بولیں گی۔" زین نے ماں کا ہاتھ تھام لیا۔ تاکہ ماں اس کی معصوم محبت کے سامنے نرم پڑ جائے۔

"پوچھیں ماما کی جان' میں بھلا کیوں اپنے بیٹے سے جھوٹ بولوں گی' پھر جھوٹ بولنا تو بری بات ہے۔ اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے والوں کو ناپسند کرتا ہے اور سخت ناراض ہو جاتا ہے۔" مریم نے اپنے پیروں پر آپ کلہاڑی مارتے ہوئے نصیحت کی۔

"تو پھر سچ بتائیں' پاپا جان کو پولیس پکڑ کر لے گئی ہے۔ جیسے عمر بھائی کو پولیس نے اریسٹ کر لیا ہے۔"

زین نے مریم کی سماعت میں دھماکا کیا' وہ آنکھیں پھاڑے باری باری دونوں کو دیکھتی رہی جن کی سوالیہ نظریں ماں کے چہرے پر جمی تھیں اسے اس لمحے محسوس ہوا تھا کہ وہ اتنے بھی بچے نہیں رہے جتنا وہ سمجھ رہی ہے۔

"تم لوگوں کو یہ سب کس نے بتایا۔" مریم نے زین کا بازو پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا۔

"ہم نے سرونٹس کو باتیں کرتے سنا ہے۔" عروہ ماں کے چہرے پر غصہ محسوس کر کے جھٹ سے بولی۔

"جھوٹ ہے' بکواس ہے یہ سب' میں سرونٹس سے بھی نمٹ لوں گی' تم دونوں پانچ منٹ میں تیار ہو کے ناشتے کی ٹیبل پر آجاؤ ورنہ میں دونوں کا سر پھاڑ دوں گی۔ ایک لفظ بھی منہ سے نکالے بغیر اسکول دفع ہو جاؤ۔"

مریم بے اختیار انہیں ڈانٹتی چلی گئی۔ اس کے حواس گم ہو گئے تھے۔ زین اور عروہ ایک ہی جست میں بستر چھوڑ کے واش روم میں گھس گئے۔

✡ ✡ ✡

آج کل انعم اور دل آرا ہر وقت سر جوڑے نجانے کن باتوں اور منصوبہ بندی میں مصروف رہتیں۔ دعا کو سب معلوم ہو چکا تھا۔ وہ ان کی ذاتیات میں گھسنا پسند نہیں کرتی تھی۔

کچن کا بکھیڑا سمیٹنے کے بعد اس نے ملازمہ کو برتن دھونے کا کہا اور خود بہت دن بعد سبز چائے بنانے لگی۔ خشک میوہ جات اس نے کاٹ لیے تھے۔ انعم اور دل آرا کو اس کے ہاتھ کی بنی چائے بہت پسند تھی۔ وہ دونوں پچھلے کوریڈور میں بیٹھی تھیں۔ دعا ان کے لیے

بھی ٹرے لگانے لگی۔

"انو... احسن کو منانے کی ذمہ داری میری' لیکن دعا کو تمہیں راضی کرنا ہوگا۔" دل آرا نے گیند اس کے کورٹ میں پھینکی۔

"یہ چیٹنگ ہے ماما جی' احسن کو تو آپ نے صرف انفارم کرنا ہے۔ رضامند تو وہ میری ہاں کے بعد ہی ہوں گے اور رہی دعا کی بات تو ماما جی سچ پوچھیں تو میرا دل نہیں مانتا۔ وہ بہت معصوم' نیک دل اور مجبور لڑکی ہے۔ میں اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ وہ میری بہترین اور اتنی پرانی دوست ہے کہ میں اسے کیسے ایکسپلائٹ کروں' مجھے شرم آتی ہے۔ اس سے یہ سب کہتے ہوئے' پلیز ماما جی' ڈونٹ مائنڈ آپ اس پرابلم کا کوئی اور حل سوچیں' کوئی اور لڑکی پلیز۔" انعم نے جھجکتے ہوئے صاف انکار کردیا۔

دل آرا کی مضبوط پلاننگ یہاں آکر کمزور پڑجاتی تھی۔ وہ ان کی ہر بات اور حکم کے آگے سر تسلیم خم کرتی' لیکن یہاں آکر دل ودماغ کمزور پڑجاتے۔

دعا نے تین مگ ٹرے میں سجائے اور پچھلے کوریڈور کی طرف آگئی۔

"انعم! میں عورت کے نسلی ہونے پر کمپرومائز نہیں کرسکتی۔ جنید آفندی ہم دونوں کے پرخچے اڑادیں گے۔ جنی ہوئی اولاد کا گلا اپنے ہاتھوں سے دبادیں گے' جس روز تم نے مجھے فون پر دعا کا بتایا۔ میں نے تب ہی فیصلہ کرلیا تھا۔ یہی وہ لڑکی ہے جو ہماری خواہشوں اور مرادوں کو پورا کرسکتی ہے۔"

دعا کے قدم اپنے نام پر رک گئے۔ اس سے قدم اٹھانا دوبھر ہوگیا۔

"اسی لیے۔۔۔ تو میں یہاں اتنے دن ٹھہری ہوں' جس روز تم نے اس لڑکی سے دوستی کی تھی۔ تب ہی میں نے اس کے خاندان کی جانچ پڑتال کروالی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے تمہاری اس سے دوستی اور اس کے گھر آنے جانے پر کوئی روک ٹوک نہیں کی تھی۔ یہی لڑکی ہمارا خاندان کو وارث دے سکتی ہے۔" دل آرا نے قطعی لہجہ میں کٹھورپن سے کہا۔

دعا کے حواس مختل ہورہے تھے اور سر گھوم رہا تھا۔

"کوئی زبردستی تھوڑی ہے ماما جی' دعا کی اپنی زندگی ہے۔ اسے پورا اختیار ہے ڈسیژن لینے کا اگر اس نے ہمیں ریفوز کردیا تو ہم کیا کرلیں گے۔" انعم نے خدشہ ظاہر کیا۔ وہ ہر رخ سے سوچ رہی تھی۔

"اگر تم اسے فورس کرو' مناؤ تو وہ کبھی ریفوز نہیں کرے گی۔ بس تم سلیقے سے اسے سمجھانا۔" دل آرا نے اسے جھڑکا۔

"اس نے مجھ پر اعتبار کیا ہے' مجھے بہت آکورڈ لگ رہا ہے کہ..." انعم متزلزل تھی۔

"پلیز انو' یہ تمہاری مجبوری ہے۔ تم اسے شادی کے لیے راضی کرو اور احسن کو میں..."

دعا کے ہاتھ سے ٹرے چھوٹ گئی۔ سارے برتن چھناکے سے ٹوٹے اور دعا دھم سے زمین پہ آگری۔ اس کے جسم میں برداشت کی سکت نہیں تھی۔

ان دونوں نے مڑ کردیکھا۔ انعم چیختی ہوئی اس کی طرف بھاگی۔ دل آرا اس کے پیچھے تھیں۔

"دعا... دعا..." انعم دیوانہ وار چیخ رہی تھی۔

دعا اپنے ہوش وحواس سے بیگانہ تھی۔ دل آرا باہر ملازمین کو مدد کے لیے بلانے دوڑیں۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

سدرہ حیات

دونوں ہتھیلیاں ٹھوڑی کے نیچے جمائے، چوکڑی مارے وہ صوفے پر بیٹھی تھی۔ نظریں ٹی وی کی اسکرین پر مرکوز تھیں۔ انہماک قابل دید تھا۔ گویا ایک ڈائیلاگ بھی مس کرنا گناہ ہو۔

"کیا بنا؟" بیگم شہاب نے اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے دریافت کیا۔

"بڑی کریٹیکل سچویشن چل رہی ہے۔" اس نے جواب دیا۔ نظریں ابھی بھی ٹی وی پر مرکوز تھیں۔

"شادی ہوئی یا نہیں؟" انہوں نے اپنے مطلب کا سوال پوچھا۔

"ابھی کہاں، سچ پوچھیں تو شادی ہونا مشکل ہی لگ رہا ہے مگر یقین سے کچھ کہا بھی نہیں جا سکتا، ویسے بھی آج کل ڈراموں میں شادی کرانا بہت آسان ہے چاہے لڑکا اور لڑکی کی مرضی کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔" اشتہارات کا وقفہ ہوا تو آواز آہستہ کرتے ہوئے اس نے تفصیلاً" جواب دیا۔

"کھانے میں کیا ہے؟" بھوک محسوس ہونے پر اسے خیال آیا۔

"چنے کی دال بنوائی ہے۔" دال کا سنتے ہی اس کا منہ بن گیا۔ وہ کیسے بھول گئی آج تو دال ڈے تھا۔

"دال؟ امی! جب سے والد صاحب کی پوسٹنگ یہاں ہوئی ہے۔ میں اس مینیو سسٹم سے تنگ آگئی ہوں۔ ہر ہفتے وہی مینیو۔ مجید چاچا سے کہیں میرے لیے تو کباب تل دیں۔"

"بری بات اقدس! ایسے نہیں کہتے۔ باپ ہیں

مکمل ناول

تمہارے۔ میں نے تو شکر کیا ہے، کتنے سال وہ ہم سے دور دوسرے شہروں میں رہے ہیں۔ اکیلے رہنا آسان نہیں ہے اور پھر کون سا وہ منع کرتے ہیں۔ تم اپنے لیے کچھ اور بنوالو... بس عادت ہے انہیں ہر کام باقاعدگی سے کرنے کی۔" ان کے خفگی سے کہنے پر اقدس تھوڑی شرمندہ ہوئی۔

"اچھا سوری ناامی۔ کباب تو بنوادیں۔" ڈراما ختم ہونے سے پہلے اس کا اپنی جگہ سے ہلنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

"کہتی ہوں۔ کرنل صاحب بھی ابھی تک نہیں آئے۔ کافی دیر ہوگئی ہے۔" انہوں نے فکر مندی سے گھڑی دیکھی۔

"اور یہ ثانیہ اور مہرین کہاں غائب ہیں؟"

"دونوں اس وقت اسٹڈی میں ہیں۔ مہرین آپی کی کل پریزنٹیشن ہے' اس کی تیاری کررہی ہیں اور ثانیہ آپی اپنی میڈیکل کی کتابوں میں سر دیے بیٹھی ہیں۔" اقدس نے مزے سے اطلاع دی۔

"اللہ جانے ان کی پڑھائیاں کب ختم ہوں گی' کھانے پینے تک کا ہوش نہیں ہے۔" بیگم شہاب نے گہرا سانس لیا۔

"اور ان کے بارے میں کیا خیال ہے جو پڑھنا ہی نہیں چاہتے بلکہ گناہ سمجھتے ہیں پڑھنے کو۔" کرخت آواز سن کر اقدس حقیقتاً" اپنی جگہ سے اچھل پڑی۔ بوکھلا تو بیگم شہاب بھی گئی تھیں۔ ان کے چہرے پر غصہ تھا' یقیناً" کوئی بات تھی جب ہی وہ اتنے غصے میں نظر آرہے تھے۔ اقدس اپنی جگہ سے کھڑی ہوچکی تھی۔ جس طرح وہ اسے دیکھ رہے تھے' اس کے دل نے خطرے کا الارم بجانا شروع کردیا تھا۔

"ارے آپ آگئے۔ دیر کردی آج۔ آپ فریش ہوجائیں تو میں کھانا لگوادوں۔" بیگم شہاب نے صورت حال سنبھالنے کی کوشش کی۔

"بھوک تو کب کی اڑ گئی بلکہ اڑادی آپ کی صاحبزادی نے۔"

"آخر ہوا کیا ہے؟"

"نکال دیا ہے یونیورسٹی والوں نے۔ فون کرکے بلایا تھا مجھے۔ شرمندگی سے پانی پانی ہوگیا میں تو۔ یہ نوبت بھی آنی تھی۔ پوچھیے اپنی اس نالائق اولاد سے' آخر کرنا کیا چاہتی ہے اپنی زندگی کے ساتھ۔ ہمیں تو ذلیل کرواہی رہی ہے۔"

"یعنی رزلٹ آگیا۔" اقدس نے لب کاٹے۔

"ایسے کیسے نکال دیں گے۔" بمشکل بیگم شہاب کے منہ سے نکلا۔

"چچا کی یونیورسٹی نہیں ہے جو مجبوراً" ایسی اسٹوڈنٹ کو رکھیں۔ یونیورسٹی کی پالیسی کے مطابق تین بار ایک کورس میں فیل ہونے پر نکال دیا جاتا ہے اور ماشاء اللہ سے آپ کی صاحبزادی اس معیار پر پوری اتری ہیں۔ نہ پڑھنے کی تو انہوں نے ویسے ہی قسم کھار کھی ہے لہٰذا اس خبر پر خوش ہی ہوئی ہوں گی کہ اب یونیورسٹی جانے کی فارمیلیٹی سے بھی جان چھوٹی۔"

اس کے ساکت وجود سے نظر ہٹا کر انہوں نے اپنی بیگم کو دیکھا۔ "میرے کمرے میں بلیک کافی بھجوادیں۔ کھانے پر میرا انتظار مت کیجیے گا۔" سپاٹ لہجے میں دوٹوک بات کرکے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔

✲ ✲ ✲

تکیے سے ٹیک لگائے' پرسکون انداز میں لیٹی وہ موبائل پر گیم کھیل رہی تھی جب زوردار آواز سے کمرے کا دروازہ کھلا۔ مہر کو اندر آتے دیکھ کر اقدس پھر سے گیم کی طرف متوجہ ہوئی۔

"سچ میں یونیورسٹی والوں نے تمہیں نکال دیا۔" مہر نے تصدیق کرنا چاہی۔

"اچھا تو مل گئی تمہیں خبر۔ خیر میرے فیل ہونے کی خبر تو بریکنگ نیوز کی طرح نشر ہوتی ہے تاکہ جو بے خبر رہ گیا ہو' وہ بھی جان سکے کہ اقدس شہاب فیل ہوگئی

ہے اور اب کی بار تو بالکل یونیک خبر ہے۔ بتایا کس نے ہے۔" اب کی بار اقدس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا جو اس کے قریب ہی بیٹھ گئی تھی۔

"فریحہ ملی تھی ابھی آتے ہوئے لان میں کھڑی تھی اسی نے مزے لے لے کر بتایا ہے۔" مہر کو رہ رہ کر اس کے طنزیہ لب و لہجے پر تاؤ آ رہا تھا۔

"ہوں میں کیسے بھول گئی' آخر دشمنوں کی دیوار سے دیوار ملی ہوئی ہے۔ وہ تو میرے حلق میں اترے نوالے تک گن لیں۔" اقدس نے منہ بنایا۔

فریحہ سراج کرنل شہاب کے دوست کرنل سراج کی سب سے چھوٹی بیٹی تھی۔ اقدس کی ہم عمر ہونے کے باوجود اس سے کبھی نہیں بنی تھی۔

"تھوڑی سی محنت کر لیتیں تو پاس ہو ہی جاتیں۔ ہر پیپر سے پہلے تو تم مووی دیکھتی پائی جاتی تھیں۔"

"ہاں تو فریش ہونا بھی تو ضروری ہوتا ہے۔" اقدس بغیر شرمندہ ہوئے بولی۔ "ایک منٹ' مجھے شرمندہ کرنے سے پہلے یاد کر لو۔ ایف ایس سی میں دو سپلی کے پیپر تم بھی میرے ساتھ دے چکی ہو۔" اقدس کو بروقت یاد آیا۔

"میں کون سا اتنی ذہین ہوں۔ مگر پاس ہونے کی کوشش ضرور کرتی ہوں۔" مہر بھی اسی کی دوست تھی فٹ سے جواب دیا۔

"انکل تو بہت ناراض ہوں گے۔" مہر کو خیال آیا۔ کرنل شہاب پڑھائی کے معاملے میں بہت سخت تھے۔

"وہ تو میری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتے ہمیشہ کی طرح۔۔۔ بس ایک ہی مسئلہ ہے۔ اس بار امی بھی خفا ہیں۔" اقدس کو ان کی فکر تھی جو کل سے ٹھیک سے بات نہیں کر رہی تھیں۔

"فریحہ کی طرح وہ خوش ہونے سے تو رہیں۔" مہر کو فریحہ کی طنزیہ مسکراہٹ یاد آئی۔

"چھوڑو اسے۔۔۔ میں مجید چاچا کو کہہ کر آتی ہوں کچھ اچھا سا بنائیں۔ اتنے میں تم اپنا موڈ ٹھیک کر لو۔ لیٹس سیلیبریٹ یار آخر اس بورنگ پڑھائی سے جان چھوٹ گئی۔"

اقدس مزے سے کہتی کمرے سے نکل گئی۔

"اس کا کچھ نہیں ہو سکتا۔" مہر نے گہرا سانس لیا۔

☼ ☼ ☼

"شکر ہے گائنی وارڈ سے جان چھوٹی۔ اب کل سے میڈیسن وارڈ شروع ہو جائے گا۔" حنا نے ریلیکس ہو کر کہا۔ ڈیوٹی آورز ختم ہو چکے تھے اور اب وہ تینوں کچھ کھانے کے لیے کیفے کی طرف جا رہی تھیں۔

"ہوں مجھے تو ویسے بھی میڈیسن وارڈ میں جانے کا شوق ہے۔ ہاؤس جاب کے بعد میڈیسن میں ہی جانے کا ارادہ ہے۔" ثانیہ نے جواباً اپنی خواہش بتائی۔ وہ اس وقت لیمن کلر کے سوٹ میں ملبوس تھی۔ دودھیا رنگت پر یہ رنگ بہت جچ رہا تھا۔ لمبے بالوں کو چوٹی میں مقید کر رکھا تھا۔ سیاہ آنکھوں میں تھکن کے باعث سرخی اُتر آئی تھی۔

وہ کوریڈور سے گزر رہی تھیں۔ سامنے سے آتی صبا نے انہیں روکا۔

"تم لوگ کہاں جا رہی ہو۔ ہاؤس آفیسرز روم میں سب جمع ہیں۔ صدف نے کیک منگوایا ہے اپنی برتھ ڈے کی خوشی میں۔"

"گریٹ۔ ہم بھی کچھ کھانے ہی جا رہے تھے۔" فرح خوش ہوئی۔

ہاؤس آفیسرز وارڈ میں اچھا خاصا میلہ لگا ہوا تھا۔ سب ہی کولیگز جمع تھیں۔ صدف کو وش کرتے ہوئے وہ بھی ایک صوفے پر ٹک گئیں۔ سینٹر ٹیبل پر ایک بڑے سائز کا چاکلیٹ کیک رکھا تھا۔

"ثانیہ! بڑا افسوس ہوا مجھے۔ شاکنگ نیوز تھی میرے لیے تو۔" حنا سے بات کرتی ثانیہ نے اس آواز پر سر اٹھا کر دیکھا۔

اسٹائلش کپڑے پہنے اوور آل دائیں بازو پر لٹکائے فریال سراج اس کے سامنے کھڑی تھی۔ براؤن بالوں

کی آبشار کمر تک جا رہی تھی۔ خوب صورت بڑی بڑی آنکھیں ثانیہ پر مرکوز تھیں۔ وہ بلا کی حسین تھی۔ کالج سے اسے بیوٹی آف دی ایئر اور موسٹ اسٹائلش گرل کا ایوارڈ بھی مل چکا تھا۔ اس کی آواز پر سب ہی متوجہ ہوئی تھیں۔

"کس شاکنگ نیوز کی بات ہو رہی ہے۔" صدف نے پوچھا۔

"ارے آپ لوگوں کو نہیں پتا۔ ڈاکٹر ثانیہ کی سب سے چھوٹی بہن کو یونیورسٹی سے نکال دیا گیا ہے۔ تیسری بار فیل ہوئی تھی ایک کورس میں۔" سب کو بتا کر وہ ثانیہ کی طرف مڑی۔

"فریحہ نے بتایا تو مجھے تو یقین ہی نہیں آیا بھلا جس کی بہن میڈیکل کالج کی ٹاپر رہ چکی ہو' وہ اتنی نالائق کیسے ہو سکتی ہے۔" فریال کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ تھی جو ثانیہ کو اچھی طرح محسوس ہو رہی تھی۔

"واقعی ثانیہ! حیرت کی بات ہے تمہاری تو دوسری بہن بھی ٹاپر ہے۔" ہیبن نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"ٹف سبجیکٹ تھا بس اسی لیے کلیئر نہیں کر سکی۔" ثانیہ نے بات بنائی۔

فریال مسکراہٹ اچھالتی صدف کے ساتھ بیٹھ گئی۔ حنا کو تاؤ تو بہت آیا مگر وہ فریال کے منہ نہیں لگنا چاہتی تھی سو خاموش ہی رہی۔ مثال' صبا اور فضا کے آنے سے ماحول پھر سے تبدیل ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

"امی! مان جائیں نا۔ میں اور مہر دونوں اکٹھے کورس کرنا چاہتے ہیں۔ اسے تو اجازت بھی مل گئی ہے۔" اقدس نے منت کرنے والے انداز میں کہا۔

"میرا نہیں خیال' کرنل صاحب مانیں گے۔ سخت ناراض ہیں تم سے۔" بیگم شہاب نے مصروف سے انداز میں کہا۔ وہ اس وقت اپنے کپڑوں کی الماری ٹھیک کر رہی تھیں۔

"خوش کب ہوئے ہیں اور ویسے بھی وہ ہمیشہ ہی مجھے آپ کی بیٹی کہتے ہیں۔ ان کی تو بس دو ہی بیٹیاں ہیں ثانیہ آپی اور مہرین آپی۔" اقدس کے شکوے پر وہ اس کی طرف مڑیں۔ چہرے پر خفگی تھی۔

"بری بات اقدس! باپ ہیں تمہارے بھی۔ فکر کرتے ہیں اسی لیے چاہتے ہیں کہ تم زندگی میں کچھ بن جاؤ۔"

"اچھا۔ نا امی پیاری امی' پلیز' ان سے بات کریں نا۔ میں نے کوکنگ کورس ضرور کرنا ہے۔" اس کے خوشامدی لہجے پر وہ مسکرائیں۔

"اچھا۔ بات کروں گی کیا نام ہے انسٹی ٹیوٹ کا؟" اقدس پرجوش سی تفصیل بتانے لگی۔ "نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف کولینری آرٹس بہت بڑا انسٹی ٹیوٹ ہے۔ چند سال ہی ہوئے ہیں کھلے ہوئے۔ مہر دیکھ کر آئی ہے۔ بتا رہی تھی بہت شان دار ہے اندر اور باہر سے۔ اس کے اونر کا اپنا ریسٹورنٹ بھی ہے۔ کیا نام تھا ہاں "لاموَر" وہی جس سے ہم نے کھانا منگوایا تھا پچھلی بار' کتنے مزے کا کھانا تھا نا۔ جس طرح ان کے ریسٹورنٹ میں مختلف ملکوں کے کوزینز ملتے ہیں۔ ویسے ہی وہ ڈفرنٹ کورسز بھی کرواتے ہیں۔ خود بھی بڑے کوالیفائیڈ ہیں' باقاعدہ پڑھ کر آئے ہیں امریکہ سے۔"

"پڑھائی کس چیز کی۔"

"اوہو امی کوکنگ کی ہی۔ شیف جو ہیں اور جو اسٹوڈنٹس ہائی اسکور لیتے ہیں ان سب کورسز میں وہ ہائی کیٹیگری میں شامل ہو جاتے ہیں۔ جن کو اونر خود کلاسز دیتے ہیں' بلکہ آگے بیرون ملک سیمینارز پر بھی لے کر جاتے ہیں اور کیریئر بنانے میں بھی ان کی مدد کرتے ہیں۔" اقدس کی باتوں سے وہ اچھی خاصی متاثر ہوئی تھیں مگر آخری بات سن کر بگڑیں۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے شیف بننے کی۔ کرنل صاحب کے کانوں میں بھنک بھی پڑ گئی تو طوفان کھڑا کر دیں گے۔"

"اوہو امی! میں بڑا ہائی اسکور لے رہی ہوں۔ پڑھائی میں تو لے نہیں سکی۔ اس میں کہاں لے لوں

گی۔ میں صرف آپ کو انسٹی ٹیوٹ کے بارے میں انفارمیشن دے رہی تھی۔" اقدس بدمزا ہوئی۔

"اچھا ٹھیک ہے، کروں گی بات مگر کچھ کہہ نہیں سکتی، ہو سکتا ہے نہ مانیں۔" الماری بند کرتے ہوئے انہوں نے ہامی بھری۔

وہ مہر کو یہ خبر سنانے کے لیے چل دی۔ ایک خوشی کی بات اس کی پڑھائی سے جان چھوٹنا تھی چاہے کچھ عرصے کے لیے ہی ہو۔ دوسری خوشی مہر اور اس کا اکٹھا ہونا تھا۔ ہمیشہ سے وہ ساتھ پڑھی تھیں۔ اب مہر بی اے کر چکی تھی اور اقدس یونیورسٹی سے نکال دی گئی تھی۔ مہر کا ہی آئیڈیا تھا کہ مل کر کوکنگ کورس کر لیں۔ وہ بھی پڑھائی کی اتنی شوقین نہیں تھی۔ لہٰذا کچھ عرصے کے لیے پڑھائی سے دور رہنے کا یہی طریقہ دونوں کو ٹھیک لگ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

ثانیہ وارڈ سے نکل رہی تھی۔ دروازے کے قریب کھڑی فریال نے اسے روکا۔

"میں تم لوگوں کی طرف سے انوی ٹیشن کی منتظر رہی۔"

"کیسا انوی ٹیشن۔" ثانیہ الجھی۔

"اتنی جلدی بھول گئیں۔ بھئی اقدس کی پرفارمنس پر کوئی پارٹی تو ہونی ہی چاہیے۔ ویسے بھی انکل کو سیلیبریٹ کرنے کا بڑا شوق ہے۔ سیلیبریشن تو بنتی ہے ورنہ زیادتی ہو جائے گی اس بے چاری کے ساتھ۔"

فریال کا طنزیہ انداز اسے چبھا تو تھا مگر وہ خاموش ہی رہی۔ اکثر وہ اس کی باتوں کو نظر انداز کر دیا کرتی تھی۔

"ڈاکٹر ثانیہ! آپ کو ڈاکٹر حسان بلا رہے ہیں، بیڈ نمبر چھ کی فائل لے کر جائیے۔" نرس کے بلانے پر وہ سرہلاتی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ فریال بھرپور انداز میں مسکراتی ہوئی وارڈ نمبر آٹھ کی طرف چل دی۔

☆ ☆ ☆

"تھک گئی آج تو، او پی ڈی تھا۔ اتنے مریض تھے۔ اب جا کر فارغ ہوئی ہوں۔" فضا گرنے والے انداز میں صوفے پر بیٹھی۔ سامنے والے صوفے پر فریال بیٹھی تھی۔

کچھ یاد آنے پر فریال سیدھی ہوئی۔ "ڈاکٹر فیصل جا رہے ہیں سب ان کو کوئی پارٹی دینے کا سوچ رہے ہیں۔"

"اس سے تو اچھا تھا ڈاکٹر حماد چلے جاتے کہیں۔ اف، مجھے تو وہ خاصے خطرناک لگتے ہیں۔ گائنی وارڈ میں ڈاکٹر سنبل تھیں اور یہاں یہ حضرت ہیں۔ توبہ، ہر چیز پر کڑی نظر ہوتی ہے۔ ذرا سی کوتاہی پر اتنی بے عزتی کرتے ہیں۔ نرس بتا رہی تھی کوئی کیس بگڑ گیا تھا کسی ڈاکٹر کی وجہ سے۔ چلو ہو گی غلطی اس کی بھی پر ہاؤس جاب کرنے والا تو سیکھ ہی رہا ہوتا ہے خود بھی۔ مگر یہ جو کمیٹی میں تھے نکلوا کر ہی دم لیا اسے۔"

"ڈاکٹر حماد کام کے معاملے میں کوئی کوتاہی معاف

نہیں کرتے۔ ضرور کوئی بڑی بات ہوئی ہوگی۔" فریال نے کہتے ہوئے میگزین اٹھایا۔

"کل تم چھٹی پر تھیں نا۔ ڈاکٹر جنید سے ملاقات ہوئی۔ تمہارا پوچھ رہے تھے۔" فضا نے بتایا۔ ڈاکٹر جنید میڈیکل کالج میں ان کے سینئر رہ چکے تھے۔ اب کسی دوسرے اسپتال میں جاب کررہے تھے۔

"آئے ہوں گے' دوست بھی تو کافی ہیں ان کے یہاں۔" فریال نے بے نیازی سے میگزین کے اوراق پلٹتے ہوئے کہا۔

"ایسی انجان مت بنو' تمہیں پتا ہے کہ وہ تمہیں پسند کرتے ہیں۔"

"سو واٹ اور بھی بہت سارے لوگ مجھ میں انٹرسٹڈ ہیں پھر کیا کروں' ہر ایک کا پروپوزل ایکسیپٹ کرلوں۔" فریال کے لہجے میں اپنی خوب صورتی کا زعم تھا۔

"تمہیں کوئی پسند نہیں آیا کبھی اور ڈاکٹر جنید میں کیا کمی ہے' مجھے تو وہ بڑے پرُخلوص سے لگتے ہیں۔ اچھے خاصے ڈیشنگ بھی ہیں۔" فضا نے اسے کریدنا چاہا۔

"ہوں گے مگر جس سے میں شادی کروں گی' وہ بہت شاندار شخصیت کا مالک ہوگا' سب سے الگ۔"

"چلو' تمہارا وہ گوہر نایاب بھی دیکھ لیں گے وقت آنے پر۔ ابھی تو اٹھو بھوک سے جان نکل رہی ہے۔ ان دونوں کو بھی لے لیتے ہیں ساتھ۔" فضا کے اٹھنے پر فریال بھی ہینڈ بیگ اٹھاتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ بھوک تو اسے بھی لگ رہی تھی۔

٭ ٭ ٭

"کیا ہوا یار! چہرے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں۔ کہیں محبت ومحبت تو نہیں ہوگئی۔" قمر نے پیپرویٹ گھماتے ہوئے جانچتی نظروں سے گوہر کو دیکھا جو قریبی کرسی پر منہ لٹکائے بیٹھا تھا۔

"تم سے اسی قسم کی چہرہ شناسی کی امید کی جاسکتی ہے۔"

"دشکل پر مت جاؤ۔ فیل ہوجانے والوں کی شکلیں بھی ایسی ہی ہوجاتی ہیں۔ اے ایم سی کے اینٹری ٹیسٹ میں فیل ہوگیا ہے۔" ڈاکٹر حماد مسکرائے۔

"ہمیشہ سے آرمی ڈاکٹر بننا چاہتا تھا پر اب...." گوہر نے افسوس سے لب کاٹے۔

"یہ بھی کوئی بات ہے منہ پھلانے کی' اس کے ساتھ رہ رہ کر تم بھی کھسکتے جارہے ہو۔" قمر کے شوخ انداز پر گوہر مسکرادیا۔

قمر' ڈاکٹر حماد کے بچپن کا دوست تھا۔ دونوں کے مزاج میں خاصا فرق تھا۔ ڈاکٹر حماد کم گو اور سنجیدہ مزاج کے تھے جبکہ قمر فطرتاً شوخ طبیعت کا حامل تھا۔ اس فرق کے باوجود وہ بہترین دوست تھے۔

"میری بات چھوڑیں قمر بھائی۔ فی الحال آپ بھائی کو راضی کریں شادی کے لیے۔" آخری بات دھیمی آواز میں کہتا ہوا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ گوہر کے آفس سے نکلتے ہی قمر اس کی طرف مڑا۔

"کیا ارادے ہیں۔"

"کس بارے میں؟" ڈاکٹر حماد نے الجھ کر پوچھا۔

"شادی کے بارے میں۔ اب تو شادی کرلے یار۔"

"تمہیں کیوں اتنی فکر ہو رہی ہے میری شادی کی۔"

"مجبوری ہے' میرے دوست جو ہو۔ اپنا نہیں تو انکل اور گوہر کا ہی خیال کرلو۔ دونوں ہی کی خواہش ہے اور پھر آنٹی کی ڈیتھ کے بعد تمہارے گھر کو کسی عورت کی ضرورت ہے۔" قمر نے سنجیدگی سے اسے سمجھانا چاہا۔

"امی کو گئے بہت سال ہوگئے ہیں۔ اب تک جیسے گزارا چل رہا ہے آگے بھی چل ہی جائے گا۔ فی الحال میں اس جھنجھٹ میں پڑنا نہیں چاہتا۔"

"بہرحال۔ تم اس پر سوچنا شروع کردو کیونکہ انکل اب تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

"میرے خیال سے تم اب جاؤ۔ مجھے وارڈ کا چکر لگانا ہے۔" ڈاکٹر حماد نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"ابھی تو جا رہا ہوں' ایک سائٹ وزٹ کرنی ہے' میرا باس بھی پہنچنے والا ہو گا۔ پھر ہو گی اس ٹاپک پر تفصیلی بات۔" جاتے جاتے بھی وہ باور کرانا نہیں بھولا تھا۔

☆ ☆ ☆

"کولیزی آرٹس گروپ میں ویل کم۔ آج پہلی کلاس ہے اس لیے چند باتیں میں آپ سب سے کرنا چاہتا ہوں۔ پہلے تعارف ہو جانا چاہیے۔ میرا نام سرمد ہے۔ بائے پروفیشن میں شیف ہوں۔ کئی ممالک کے بڑے ہوٹلز میں کام کرنے کا تجربہ ہے۔ اب آپ کے سامنے موجود ہوں۔ کولیزی آرٹس دراصل ایک ٹرم ہے جو کھانے کو بنانے سے لے کر اس کی پریزنٹیشن تک کو ڈیفائن کرتی ہے اور یہی ہم آپ کو سکھاتے ہیں۔ کوکنگ کا تعلق سائنس سے بھی ہے اور آرٹس سے بھی۔"

ہال کے اسٹیج پر کھڑے شیف سرمد کی بات توجہ سے سنتی اقدس بدمزا ہوئی۔ "یہ سائنس بیچ میں کہاں سے آ گئی۔" وہ ساتھ بیٹھی مہر کے کان میں گھسی۔

"کچھ تو تقریر میں کہنا ہی ہے۔ تم بس ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دو۔" مہر نے تسلی دی۔

"میں نے امی کو نہیں بتایا کہ ہم نے پروفیشنل کورس کے لیے اپلائے کیا ہے۔" اقدس نے سامنے دیکھتے ہوئے اطلاع دینے والے انداز میں کہا۔

"کیوں نہیں بتایا؟"

"وہ ابو کو بتاتیں اور وہ کبھی اجازت نہ دیتے پروفیشنل سنتے ہی۔" اقدس نے منہ بنایا۔

"کوئی گڑبڑ تو نہیں ہو گی۔" مہر پریشان ہوئی۔

"نہیں ہوتا کچھ' ویسے بھی جتنا میں گھر میں کم نظر آؤں گی' انہیں لگے گا' میں پڑھ کر رہی ہوں۔ کم از کم میرے بارے میں سوچیں گے تو کم۔"

اقدس پھر سے سامنے متوجہ ہوئی۔ وہ ایک بڑے اور شاندار ہال میں جمع تھے۔ اس وقت یہاں سارے نئے آنے والے اسٹوڈنٹس جمع تھے جو کہ مختلف کوزینز سیکھنے کے لیے آئے تھے۔

"کھانا بنانے کا طریقہ' چیزوں کی مقدار' کون سی چیز کیا فلیور دے گی۔ کیسے فلیوزرز بنتے ہیں' مختلف چیزوں کو ملانے سے۔ کوکنگ ایک آرٹ بھی ہے۔ آپ خود بھی کچھ نیا بنا سکتے ہیں۔ کری ایٹی وٹی لا سکتے ہیں اپنے کھانے میں' ہم آپ کو بیسکس سے شروع کرواتے ہیں۔ روز کی کلاس میں سب سے پہلے انسٹرکٹر آپ کے سامنے بنائے گا۔ آپ لوگ ریسپی نوٹ کریں گے۔ سامنے ملٹی میڈیا پر ڈسپلے بھی ہو رہی ہو گی۔ آپ سب کو اپنا کاؤنٹر دیا جائے گا۔ وہاں پر آپ لوگ روز کی وہ ڈش بنائیں گے جو کہ سکھائی جائے گی ۔ انسٹرکٹر آپ کو مانیٹر کرے گا اور بھی کچھ ساتھی ہوں گے ان کے جو آپ کو مانیٹر کریں گے۔ کوئی بھی مسئلہ ہو' آپ انسٹرکٹر سے پوچھ سکتے ہیں۔ انگریڈینٹس (اشیاء) کچھ ہم دیں گے کچھ آپ کو لانی ہوں گی۔ روز کی لسٹ لگ جایا کرے گی۔

ہر دو ہفتے بعد آپ کا ٹیسٹ لیا جائے گا۔ مارکنگ کی جائے گی۔ آخر میں جب آپ کا کورس اینڈ ہو گا تو ہائی اسکور والے اسٹوڈنٹس کو ہم کولیزی آرٹس آف آل کوزینز آفر کرتے ہیں جو کہ اس انسٹی ٹیوٹ کے اونر روحان تیمور پڑھاتے ہیں۔"

"یہ مارکس کہیں پر بھی جان نہیں چھوڑیں گے۔" اقدس کو مارکنگ پر اعتراض تھا۔

"بیسٹ آف لک۔ ان شاء اللہ آپ سب یہاں سے بہت کچھ سیکھ کر جائیں گے۔ بس محنت کریں اور پورے انٹرسٹ سے کام کریں۔ جتنا آپ دل سے اور خوشی سے کھانا بنائیں گے' اتنا ہی اچھا کھانا بن کر سامنے آئے گا۔ کوئی سوال اگر آپ کرنا چاہتے ہیں تو کیجیے۔" انہوں نے ایک سوالیہ نظر ہال میں موجود اسٹوڈنٹس پر ڈالی۔

دائیں طرف بیٹھے ایک لڑکے نے ہاتھ کھڑا کیا۔

شیفٹ سرد کے اشارے پر مائک اسے دیا گیا۔

"سر! کیا ہائی اسکور والے اسٹوڈنٹس کے علاوہ باقی بھی کولیزی آرٹس آف آل کوزینز میں اپلائے کر سکتے ہیں؟"

"جی بالکل کر سکتے ہیں مگر اس کا بھی کرائٹیریا ہے جو کہ ہماری سائٹ پر بھی دیا گیا ہے' ہائی اسکور والوں کو ہم خود آفر کرتے ہیں۔ باقیوں سے ٹیسٹ لیا جاتا ہے۔ ان کا ایکسپرینس دیکھا جاتا ہے۔ کتنی ان کے پاس نالج ہے یہ سب دیکھا جاتا ہے کیونکہ سر روحان ایڈوانس لیول سے شروع کرواتے ہیں۔ اس سے پہلے آپ کو بیسکس (بنیادی باتیں) کا آنا ضروری ہے۔" اس کو جواب دے کر انہوں نے ہال پر نظر دوڑائی مگر کسی اور نے کوئی سوال نہ کیا۔

وہ دونوں اپنی مطلوبہ کلاس کا پوچھ کر چل پڑیں۔ انسٹی ٹیوٹ کی نہ صرف عمارت خوب صورت تھی بلکہ اس کا انٹیریئر' فرنیچر' ماربل ہر چیز شان دار تھی۔

٭ ٭ ٭

"آپی! اتنے شان دار کلاس رومز ہیں اور سارے کے سارے ایر کنڈیشنڈ ہیں۔ مجھے تو سوچ کر ہی مزا آرہا ہے۔ ٹھنڈک میں پکانے کا کیا مزا آئے گا۔ ورنہ اس گرمی میں چولہے کے آگے کھڑا ہونا تو عذاب ہے۔" اقدس نے چپس کھاتے ہوئے کہا۔ سارے دن کی روداد تو وہ سنا ہی چکی تھی۔

"اچھی بات ہے کسی چیز میں تمہیں مزا تو آیا۔" ثانیہ مسکرائی۔ "میں نے سنا ہے ہمارے رومز تو کچھ بھی نہیں ہیں' ٹاپ فلور پر اس سے بھی شان دار رومز ہیں۔ وہاں روحان تیمور جو انسٹی ٹیوٹ کے مالک ہیں' وہ پڑھاتے ہیں۔ ان کا آفس بھی اسی فلور پر ہے۔"

"تم بھی ہائی اسکور لو پھر ان تک بھی پہنچ جانا۔" ثانیہ نے الماری سے کپڑے نکالتے ہوئے اقدس کا پرشوق چہرہ دیکھا۔

"ہنہ ہائی اسکور۔" اقدس کے چہرے کے زاویے بگڑے۔ خالی چپس کے پیکٹ کو اس نے ہاتھ میں گول مول کیا۔

ثانیہ کو بیگ پیک کرتے دیکھ کر حیران ہوئی۔ "آپ کہاں جا رہی ہیں؟"

"نائٹ ڈیوٹی ہے' اسپتال جانا ہے۔" ثانیہ نے مصروف سے انداز میں کہا۔

"آپی آج تو نہ جائیں۔"

"کیوں بھئی۔ ڈیوٹی تو ڈیوٹی ہے نا' جانا تو پڑے گا نا۔" ثانیہ بیگ کی زپ بند کر کے مڑی تو اقدس ناک سکیڑے کھڑی تھی۔

"کیا ہوا؟"

"میں نے اور مہرین آپی نے آپ کی برتھ ڈے پلان کی ہوئی تھی۔ بارہ بجے وش کرنا تھا۔ کیک بھی منگوا لیا تھا۔"

ثانیہ مسکراتے ہوئے اس کے پاس آئی۔ "کوئی بات نہیں چندا! کل کاٹ لوں گی یا پھر ابھی کاٹ لیتی ہوں' اسپتال تو جانا ہے نا۔"

"سارا سرپرائز خراب کر دیا آپ کے اسپتال والوں نے۔" اقدس کا موڈ خراب ہوا۔

"کوئی خراب نہیں ہوا' ابھی کاٹتے ہیں۔ گھنٹے بعد نکلنا ہے مجھے ابھی بہت ٹائم ہے۔" ثانیہ نے پیار سے اس کی پونی ٹیل ہلائی۔

٭ ٭ ٭

"کل آپ کی نائٹ ڈیوٹی تھی اور آپ جانتی تھیں کہ روم نمبر چودہ کے مریض کی حالت نازک تھی۔" ڈاکٹر حماد کی سنجیدہ آواز آفس میں گونج رہی تھی۔ ان کے سامنے والی کرسی پر ثانیہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔

"آپ کی غیر ذمہ داری کی وجہ سے اس کی حالت مزید بگڑی ہے۔"

"سر! مجھے نرس نے انفارم نہیں کیا۔" ثانیہ نے سر اٹھایا' مگر زیادہ دیر ڈاکٹر حماد کی سرد نگاہوں کو دیکھ نہ سکی لہٰذا نظریں اپنی ہتھیلیوں پر جما لیں۔

"ڈیوٹی پر موجود نرس آپ کو بتانے گئی تھی' مگر آپ نے دروازہ لاک کر رکھا تھا اور اندر سے شور کی آوازیں

بھی آرہی تھیں۔"

"سر! یہ غلط ہے۔" ثانیہ نے احتجاج کرنا چاہا، مگر ڈاکٹر حماد کی سرد آواز نے اسے بولنے سے روکا۔

"کیا یہ بھی جھوٹ ہے کہ آپ کل اپنے ڈیوٹی ٹائمنگ میں اپنی دوستوں کے ساتھ برتھ ڈے سیلیبریٹ کررہی تھیں۔"

"سر! مجھے نہیں معلوم تھا وہ سرپرائز دینے آگئی تھیں کیک وغیرہ لے کر....."

ڈاکٹر حماد نے سخت لہجے میں اس کی بات کاٹی۔

"ڈاکٹر ثانیہ! یہ اسپتال ہے۔ آپ یہاں کام کرنے آتی ہیں' پارٹی کرنے نہیں۔ یہاں ایسی کسی ایکٹیویٹی کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ میرا خیال تھا کہ آپ ایک اچھی ڈاکٹر ہیں' پوری طرح انوالو ہوکر کام کرتی ہیں' مگر آئم سوری؟ میری رائے بدل گئی ہے۔ آپ نے بہت ہی نان پروفیشنل ایٹی ٹیوڈ شو کیا ہے۔ شکر کیجیے کہ وہ مریض بچ گیا ورنہ آپ کی اس کوتاہی پر آپ کو فائر بھی کیا جاسکتا تھا۔" اے سی کی ٹھنڈک اسے اپنی ہڈیوں میں گھستی محسوس ہوئی تھی۔

"آپ جاسکتی ہیں۔" ڈاکٹر حماد کے کہتے ہی ثانیہ ان کے آفس سے باہر نکل آئی۔

شرمندگی سے اس کا چہرہ سرخ ہورہا تھا۔ ایک بات اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ آخر نرس نے جھوٹ کیوں بولا۔ اس کی دوستیں آئی ضرور تھیں۔ برتھ ڈے بھی سیلیبریٹ کی تھی مگر دروازہ کسی نے لاک نہیں کیا تھا اور پھر کھانا کھا کر وہ چلی گئی تھیں۔ نرس کو بھی خود اس نے اس مریض کے حوالے سے خاص ہدایت کی تھی کہ اس کی طبیعت ذرا سی بھی بگڑے تو اسے بلالے۔

"سوسیڈ ثانیہ شہاب! کل تک تو ہم تمہاری تعریفیں ہی سن رہے تھے مگر تم نے جو غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے تو بہت افسوس ہوا مجھے۔" لبوں پر خوب صورت مسکراہٹ سجائے' خوشبوئیں لٹاتی فریال اس کے سامنے کھڑی تھی۔

ثانیہ نے گہرا سانس لیا۔ سارا معاملہ تو وہ سمجھ ہی گئی تھی ضرور فریال نے نرس سے یہ سب کروایا تھا۔

"سوچو اگر اس وقت ڈاکٹر نتاشا نہ ہوتیں تو تم تو اسپتال سے باہر ہوتیں۔" فریال نے مزا لیتے ہوئے کہا۔

"تمہیں کیا ملے گا یہ سب کرکے۔"

"بھول گئیں' ڈاکٹر سنبل نے کتنی بے عزتی کی تھی میری' وہ بھی صرف تمہاری وجہ سے۔" فریال نے ایک پرانی بات کا حوالہ دیا۔

"میری اس میں کوئی غلطی نہیں تھی نہ میں نے جان بوجھ کر کچھ کیا تھا۔ اس وقت میری بھی نائٹ ڈیوٹی تھی۔ میں کیسے چھپاتی کہ تم دوستوں کے ساتھ باہر گئی ہو۔ میرے پاس کوئی آپشن نہیں تھا۔ اگر میں تمہارا پردہ رکھ سکتی تو ضرور رکھتی۔" ثانیہ نے اس کی بدگمانی ختم کرنے کی کوشش کی۔

"مجھے کچھ نہیں سننا۔ یہ تو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ تم میرے راستے میں ضرور آتی ہو۔" فریال نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔

"فریال میں نے کبھی تمہارا برا نہیں چاہا۔" ثانیہ نے اسے سمجھانے کی ایک اور کوشش کی۔

"اسٹرینج..... پھر بھی تم ہمیشہ میرے لیے بری ہی رہی ہو۔ ہمیشہ میرے مقابل آئی ہو۔ تمہاری کامیابیوں نے ہمیشہ میری خوشیوں کو نگلا ہے۔ پر اب میری باری ہے اور فریال سراج کبھی ہار نہیں مانتی اور جو کرنے کی ٹھان لے' وہ کرکے چھوڑتی ہے۔ سو بیسٹ آف لک ثانیہ!" اس کے کندھے پر تھپکی دیتی ہوئی اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ وہ آگے بڑھ گئی۔

پہلے ہی سر میں درد تھا اوپر سے یہ ساری باتیں سن کر مزید بڑھتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔ وہ سر جھٹکتی ہاؤس آفیسرز روم میں آگئی۔

٭ ٭ ٭

اقدس ترکیب پڑھنے میں مگن تھی۔ سر سرمد کی آواز سن کر ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی۔ نوٹ پیڈ ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچا تھا۔

"چولہے کی آنچ آہستہ کیجیے' پیاز جل رہی ہے۔"
اقدس نے جلدی سے آنچ ہلکی کی پہلے ہی اتنی مشکل سے ڈھیر ساری پیاز کاٹی تھی۔
"اس قدر چیزیں پھیلا رکھی ہیں.... ان سب کو سمیٹیں۔" سر سرمد نے کاؤنٹر کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ پھر نظر اس پر پڑی۔ "اور یہ آپ کا ایپرن کہاں ہے؟"
"اوہ سر! وہ میں پہننا بھول گئی۔" اقدس نے بوکھلا کر ایپرن اٹھایا اور جلدی سے پہن لیا۔
"صفائی کا خیال رکھا کریں۔ چیزوں کو مت پھیلایا کریں۔ جو عادتیں آپ آج ڈالیں گی' وہی زندگی بھر ساتھ چلیں گی۔ آپ کا کاؤنٹر سب سے گندا ہوتا ہے۔ بلکہ مجھے آپ کے آس پاس والوں کی شکایت بھی آئی ہے کہ آپ ان کا کاؤنٹر بھی گندا کر دیتی ہیں' چیزیں گرا دیتی ہیں اور یہ بات میں نے بھی نوٹ کی ہے۔"
اس سے پہلے کہ اقدس کوئی جواب دیتی ساتھ والے کاؤنٹر پر موجود نورین بول پڑی۔ "جی سر! میرا کاؤنٹر روز یہی گندا کرتی ہے۔ جو مجھے جاتے ہوئے صاف کرنا پڑتا ہے ورنہ میں تو بہت صفائی رکھتی ہوں۔"
اقدس نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا پھر سر کی طرف مڑی۔ "سر! غلطی سے ہو گیا ہوگا.... روز تھوڑی ہوتا ہے۔" سر سرمد کو جائزہ لیتے دیکھ کر اقدس نے جلدی سے کہا۔
دونوں کے کاؤنٹرز پر مسالے اور سبزیوں کے چھلکے وغیرہ گرے ہوئے تھے۔
"سر! کوئی سزا تو ملنی چاہیے۔" نورین نے پھر سے ٹانگ اڑائی۔
"ہوں' ٹھیک ہے پھر اقدس' آپ جانے سے پہلے سب کے کاؤنٹر صاف کر کے جائیں گی۔" اس سے پہلے کہ اقدس کچھ کہتی سر نے سب اسٹوڈنٹس کو متوجہ کیا۔
"آج سے آپ سب کے کاؤنٹرز اقدس صاف کر کے جایا کریں گی۔" کچھ اسٹوڈنٹس کے چہروں پر مسکراہٹ آگئی۔ سمجھ تو سب ہی گئے تھے کہ آج بھی اقدس شہاب سے کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔ اکثر ہی اسے پوائنٹ آوٹ کیا جاتا تھا۔
"سر! سب کے کاؤنٹر صاف کروانا کچھ زیادتی نہیں ہے۔" احمد کے کہنے پر اقدس نے تشکرانہ نظروں سے اسے دیکھا۔ کسی کو تو اس کی شکل دیکھ کر ترس آیا تھا۔
"چلیں پھر آپ کی بات مان لیتے ہیں۔ اقدس آپ کی رو میں جتنے کاؤنٹر ہیں' وہ آپ کی ذمہ داری ہیں۔ جانے سے پہلے آپ ان سب کو صاف کریں گی۔" سر سرمد نے مسکراتے ہوئے اپنی بات مکمل کی۔
"جی سر!" بمشکل اس کے منہ سے نکلا۔ سر آگے بڑھ گئے۔
ایک گہرا سانس لیتی وہ پیاز کی طرف متوجہ ہوئی جو اب جلنے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا کہ سامنے سے آتے ڈاکٹر سلمان کو دیکھ کر ان سے سلام دعا کرنے رک گیا۔ وہ اس کے دوست کے بھائی تھے۔
"گوہر کیسے ہو یار؟"
"جی ٹھیک ٹھاک۔ آپ اپنی سنائیں۔"
ڈاکٹر سلمان نے سرد آہ بھری۔ "رگڑا کھا رہے ہیں ہم بے چارے۔" ان کی مصنوعی بے چارگی پر گوہر مسکرایا۔
"پھر ملیں گے۔ میں حماد بھائی کے پاس آیا تھا۔" گوہر نے اجازت چاہی۔
"وہ تو اس وقت میٹنگ میں ہیں۔"
"اوہو' میں تو ان سے ٹاپک سمجھنے آیا تھا' میرا ٹیسٹ ہے۔" گوہر پریشان ہوا۔ "آپ پڑھا دیں گے اگر فری ہیں تو۔" گوہر کے پوچھنے پر ڈاکٹر سلمان نے اپنا سر کھجاتے ہوئے اس کے ہاتھ میں کتابیں دیکھیں۔
"نہیں!" ابھی وہ کوئی جواب دینے ہی والے تھے کہ قریب ہی نظر پڑ گئی۔
"ڈاکٹر ثانیہ! بات سنیں۔" اپنے دھیان میں آگے جاتی ثانیہ کو روکا۔ ثانیہ نے رک کر سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اب وہ قریب آچکی تھی۔ ہلکے گلابی رنگ کے

جوڑے کے اوپر اوور آل پہنے۔ گلے میں اسٹیتھسکوپ لٹکائے۔ بالوں کی چٹیا بنائے' وہ اپنے عام سے حلیے میں تھی۔ گوہر بھی اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"ثانیہ! یہ گوہر ہیں۔ ابھی فرسٹ ایئر میں آئے ہیں۔ آپ اگر فری ہوں تو انہیں ایک ٹاپک سمجھا دیں۔"

ثانیہ نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ "ابھی تو فارغ ہوں.... وارڈ سے ہی آ رہی ہوں۔"

"نہیں میں مینج کرلوں گا۔" گوہر نے انکار کرنا چاہا۔

ڈاکٹر سلمان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"کچھ نہیں ہوتا یار۔ ڈاکٹر ثانیہ پڑھا دیں گی۔ یہ ہماری کلاس کی ٹاپر ہیں۔ بہت اچھا سمجھائیں گی۔"

"ٹھیک ہے پھر ملاقات ہوگی۔"

ان کے جاتے ہی ثانیہ نے گوہر کو دیکھا جو شرمندہ سا کھڑا تھا۔

"کیفے چلتے ہیں وہیں میں آپ کو ٹاپک پڑھا دوں گی۔" ثانیہ نے نارمل انداز میں کہا۔

"جی ٹھیک ہے۔" وہ بھی سر جھٹکتا اس کے ساتھ ہولیا آخر ٹاپک تو اسے پڑھنا ہی تھا۔

کیفے ٹیریا میں زیادہ تر ٹیبل خالی تھے کیونکہ لنچ بریک ہونے میں دس منٹ باقی تھے۔ ایک ٹیبل کے گرد بیٹھتے ہوئے ثانیہ نے اسے ٹاپک نکالنے کا کہا۔ گوہر نے کتاب کھول کر مطلوبہ ٹاپک نکالا۔ آدھے گھنٹے میں اس نے گوہر کو پورا ٹاپک سمجھا دیا۔

"تھینک یو' آپ بہت اچھا سمجھاتی ہیں۔ ورنہ میں تو اس ٹاپک میں پھنس ہی گیا تھا۔" گوہر اس کے پڑھانے کے انداز سے متاثر ہوا تھا۔

"کچھ اور پوچھنا ہے۔" ثانیہ مسکرائی۔

"ابھی تو نہیں' مگر آپ برا نہ مانیں تو میں آپ سے کبھی کبھی پڑھ لیا کروں۔" گوہر نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"ضرور' میں فری ہوئی تو پڑھا دوں گی۔" اسی وقت فرح اور حنا اسے ڈھونڈتی ہوئی آگئیں۔ ثانیہ نے گوہر کا تعارف کروایا۔

"ابھی تو فرسٹ ایئر ہے۔ آگے آگے دیکھیے کن بلاؤں سے پالا پڑنے والا ہے۔" حنا نے اپنی کرسی سنبھالتے ہوئے ٹھنڈی آہ بھری۔

"کچھ کچھ اندازہ ہوگیا ہے آپ سینئرز کی پتلی حالت دیکھ کر۔" گوہر مسکرایا۔

"کچھ ہوا ہے۔" ثانیہ نے فرح کے بگڑے تاثرات دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ڈاکٹر حماد کے ہوتے ہوئے کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ صبح سے جھاڑیں پڑ رہی ہیں۔ اب میٹنگ میں گئے ہیں تو سکھ کا سانس نصیب ہوا ہے۔ ان کے پیشنٹ کو دیکھنا عذاب ہے۔" فرح پھٹ پڑی۔

"ڈانٹتے تو وہ کسی غلطی پر ہی ہیں۔" ثانیہ کا یہ کہنا حنا کو سوئی کی طرح چبھا۔

"رہنے دو۔ ان کا چہرہ ہی دیکھ کر کچھ نہ کچھ غلط ہوجاتا ہے۔ بلکہ ان کا تصور کرکے ہی غلطی ہوجانا نارمل بات ہے.... عجیب خبطی سے ڈاکٹر ہیں۔ ہر وقت کام سوار رہتا ہے ان پر۔ میرا خیال ہے گھر میں بھی ہر وقت مریضوں کے بارے میں سوچتے رہتے ہوں گے۔" حنا نے اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔ گوہر نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔

"پیدائشی ڈاکٹر لگتے ہیں۔ پیدا ہوتے ہی اسٹیتھسکوپ پکڑ لیا ہوگا اور مسکراتے تو صرف مریضوں کے ساتھ ہی ہیں۔ ہمارے لیے تو ہر وقت جلاد بنے رہتے ہیں۔"

"اب رہنے دو اس ٹاپک کو۔ کیوں گوہر کو ڈرا رہی ہو اپنی باتوں سے۔" ثانیہ نے فرح کو ٹوکا۔

"ہوں' بھوک لگی ہے۔ کھاتے ہیں کچھ۔" حنا ریلیکس ہوکر بیٹھی۔

"تم کچھ لوگے؟" ثانیہ نے خاموش بیٹھے گوہر کو متوجہ کیا۔

"نہیں۔ آپ لوگ لنچ کریں' میں چلتا ہوں۔ مجھے ٹیسٹ کی تیاری کرنی ہے۔ اگین تھینکس آپ نے بڑی مدد کی۔ اصل میں بھائی کے پاس اتنا ٹائم نہیں

ہوتا۔ ان سے پڑھنے کا موقع کم ملتا ہے۔" گوہر اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔

"تمہارے بھائی ڈاکٹر ہیں؟" فرح نے موبائل نکالتے ہوئے پوچھا۔

"جی میں ڈاکٹر حماد منیر کا چھوٹا بھائی ہوں۔" گوہر کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

یہ سن کر وہ تینوں ہی سن ہو گئی تھیں۔ حنا اور فرح کی زبان تو تالو سے چپک گئی تھی۔

"اچھا لگا آپ لوگوں سے مل کر۔" گوہر کتابیں اٹھا کر جانے لگا، مگر ان کے ہونق چہرے دیکھ کر رکا۔

"پریشان نہ ہوں، آپ کے خیالات کسی سے شیئر نہیں کروں گا، بھائی سے بھی نہیں۔ ویسے بھائی مریضوں کے علاوہ گھر والوں کے ساتھ بھی بڑے سوئیٹ ہیں۔" شرارتی انداز میں کہتا وہ وہاں سے چلا گیا۔

"اتنا سب کہنے کی کیا ضرورت تھی اس کے سامنے۔" ثانیہ انہیں ڈپٹا۔

"اب ہمیں کیا خبر تھی کہ وہ ڈاکٹر حماد کا بھائی ہے۔" حنا بولی۔

"مزاج سے تو ڈاکٹر حماد کا بھائی کہیں سے نہیں لگ رہا تھا۔" فرح نے اپنی رائے دی۔

"اب تو ہو گیا جو ہونا تھا۔ چلو لنچ کرتے ہیں، موڈ ٹھیک کرو۔" ثانیہ نے ان کے سرخ چہرے دیکھ کر موضوع تبدیل کیا اور وہ تینوں لنچ کی طرف متوجہ ہوئیں، جو ابھی ویٹر رکھ کر گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"یہ بریانی ہے؟" سر سرمد نے چمچہ واپس رکھتے ہوئے سنجیدگی سے اقدس کو دیکھا۔

"یس سر۔" اقدس نے اعتماد سے کہا۔ سرمد نے خستہ حال چاولوں پر نظر ڈالی۔

"مجھے تو یہ کھچڑی کی چھوٹی بہن لگ رہی ہے۔ بریانی تو دور دور تک نظر نہیں آ رہی۔ کیوں آپ کا کیا خیال ہے؟" انہوں نے ساتھ بیٹھے سر جاوید کی رائے لینی چاہی۔

"آپ سوچ نہیں سکتے سر، جو کیک مس اقدس نے کل مجھے کھلایا تھا ویسا میں نے اپنی پوری زندگی میں کبھی نہیں کھایا۔ یہ چاول تو پھر بھی کچھ بہتر لگ رہے ہیں۔" سر جاوید کے مسکراتے ہوئے کہنے پر اقدس کو اپنا کیک یاد آیا جو پتھر کی طرح سخت ہو گیا تھا۔

"سر! آپ ٹیسٹ کر لیں۔" اقدس کو امید تھی کہ شاید ذائقہ ہی اچھا لگ جائے۔ سر سرمد نے گہرا سانس لیتے ہوئے ایک چمچ منہ میں ڈالا۔

"عجیب بے ذائقہ سا کچھ بنایا ہے آپ نے، نمک کی بھی زیادتی ہے.... بریانی کی تو توہین کر دی آپ نے۔ اب بتائیں اس پر کیا نمبر دوں میں آپ کو؟ دو ہفتے ہو گئے ہیں کلاسز لیتے ہوئے۔ پہلے آپ کے سامنے بنایا جاتا ہے پھر آپ سے بنواتے ہیں، مگر لگ نہیں رہا کہ آپ نے کچھ سیکھا ہے۔" سر کے الفاظ پر اقدس تھوڑی شرمندہ ہوئی۔

"سر! کوشش تو کی ہے۔"

"دیکھیں، یہ ایک کوکنگ انسٹی ٹیوٹ ہے۔ آپ یہاں اپنی مرضی سے آئی ہیں، ایسا ہی ہے نا؟" سر کے سوالیہ انداز پر اقدس نے تائید میں سر ہلایا۔

"اچھی بات ہے۔ ویسے بھی کھانا بنانے میں شوق، لگن اور محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی سے کھانے میں ذائقہ آتا ہے۔ اپنی پوری کوشش کریں۔ ہم تو یہی چاہتے ہیں کہ آپ کا پیسہ اور وقت ضائع نہ ہو اور آپ یہاں سے کچھ سیکھ کر ہی جائیں۔ یہ پروفیشنل کورس ہے۔ آپ آگے اسے جاری بھی رکھ سکتی ہیں، اس سے فائدہ اٹھا سکتی ہیں، لیکن اس کے لیے انٹرسٹ لے کر سیکھنا ضروری ہے۔"

"جی سر!" اقدس نے جلدی سے کہا اور ان کے اشارہ کرتے ہی وہ وہاں سے سرپٹ بھاگی۔ آج جلدی کلاسز آف ہو گئی تھیں اور اس کا مہر کے ساتھ شاپنگ اور آؤٹنگ کا پلان تھا۔ سو فریش موڈ میں مہر کی طرف چلی گئی وہ پہلے ہی فارغ ہو چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ممی پلیز، مجھے کوئی شادی وادی نہیں کرنی فی الحال۔" فریال نے بے زاری سے کہا۔

بیگم سراج نے صوفے پر بیٹھی میگزین کی ورق گردانی کرتی اپنی بیٹی کو غور سے دیکھا جو گھر کے عام سے حلیے میں بھی بہت خاص لگ رہی تھی۔ اس کی خوبصورتی کی وجہ سے نوعمری سے ہی اس کے رشتے آنا شروع ہو گئے تھے۔ تب وہ دونوں میاں بیوی خود ہی منع کر دیا کرتے تھے۔ مگر اب جب کہ اس کی پڑھائی مکمل ہو چکی تھی' وہ چاہتی تھیں کوئی اچھا رشتہ قبول کر لیں۔

"اتنی جلدی کیا ہے ممی! ابھی میں ہاؤس جاب کر رہی ہوں پھر اسپیشلائزیشن بھی کرنی ہے۔" انہیں اپنی طرف دیکھتا پا کر فریال نے بالوں کی لٹ کو کان کے پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

"یہ سب تو ہوتا رہے گا۔ یہ دو پرپوزلز بہت اچھے ہیں۔ تم ان میں سے کوئی ایک فائنل کر لو تو کم از کم انگیجمنٹ ہی کر دیں۔"

"مجھے یہ دونوں ہی پرپوزلز نہیں پسند اور جب تک مجھے کوئی پسند نہیں آئے گا' میں شادی نہیں کرنے والی۔"

فریال کے اٹل لہجے پر بیگم سراج نے گہرا سانس لیتے ہوئے پہلو بدلا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ میں جلدی فیصلہ کیوں کرنا چاہتی ہوں۔"

"اوہ۔ ممی آپ کو پتا ہے میں بچپن کے اس سو کالڈ رشتے کو نہیں مانتی جو نانا نے آپ کو اپنے سوتیلے بھائی سے جوڑنے کے لیے کیا تھا اور پھر ان سالوں میں ہمارا ان سے تعلق رہا ہی کتنا ہے یقیناً" وہ اس رشتے کو بھول چکے ہوں گے بلکہ ہمارا رویہ دیکھتے ہوئے وہ خود یہ رشتہ نہیں جوڑنا چاہیں گے۔"

"مگر میں چاہتی ہوں پہلے ہی تمہاری انگیجمنٹ کر دوں کیونکہ تمہارے ڈیڈی نے کہا ہے کہ اگر وہ لوگ رشتہ جوڑنے آئے تو وہ اس رشتے پر غور ضرور کریں گے۔ ویسے بھی تمہارے ماموں کا رابطہ ہے فون پر۔ میں چاہے ان سے نہ ملوں پر سراج ان سے ملتے ہیں' جب بھی وہ آئیں۔ اسی لیے تو چاہتی ہوں تم کوئی فیصلہ کر لو۔" بیگم سراج نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"ڈیڈی میری مرضی کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے اور میں کسی ایسے شخص سے شادی نہیں کر سکتی جسے میں جانتی تک نہیں ہوں نہ کبھی ملی ہوں اور پھر وہ لوگ بہاولپور میں رہتے ہیں اور ہم اسلام آباد میں۔ ہمارا کوئی میچ نہیں ہو سکتا کبھی بھی۔" فریال نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے ممی کو دیکھا جن کے چہرے پر پریشانی تھی۔

"ممی! آپ ریلیکس ہو جائیں جیسا آپ سوچ رہی ہیں ویسا نہیں ہونے والا' میں جا رہی ہوں دوستوں کے ساتھ' شاپنگ کا پلان ہے۔" فریال انہیں تسلی دیتی تیار ہونے کے لیے چلی گئی۔

✡ ✡ ✡

سب معمول کی طرح اپنے کام میں مصروف تھے۔ اقدس بھی مگن سی سبزیاں کاٹ رہی تھی۔ آج مکس سبزی بنانی تھی' مگر ہمیشہ کی طرح اس کا ذہن ادھر ادھر کی سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ کاؤنٹرز کی صفائی کا آج آخری دن تھا چونکہ جتنے دن سر سرمد نے صفائی کے لیے اسے دیے تھے' وہ پورے ہو گئے تھے۔ رات سے وہ اسی بات پر خوش تھی۔

"آج تو ٹریٹ ہونی چاہیے اقدس! تمہاری سزا جو ختم ہو رہی ہے۔ تمہارے آنے سے پہلے سر آج کے دن کو اسی لیے اسپیشل دن کہہ رہے تھے۔" ثانیہ نے برتن میں چمچہ ہلاتے ہوئے اسے متوجہ کیا۔

"ٹریٹ..... ضرور' یہ مکس سبزی بن جائے۔" اقدس کے جھٹ سے کہنے پر نورین بول اٹھی۔

"تمہارے ہاتھ کا پکا کھانا کھانے سے اچھا ہے کہ بندہ بھوکا ہی رہ لے۔" اس سے پہلے کہ اقدس کچھ کہتی سر سرمد نے انہیں پوائنٹ آؤٹ کر کے چپ کروا دیا تھا۔

چولہے پر فرائی پین کافی دیر سے پڑا تھا اور خود وہ ترکیب پڑھنے میں مصروف تھی۔ آنچ بھی کافی تیز تھی۔ ترکیب اچھی طرح ذہن نشین کر کے جیسے ہی

اس نے پین میں آئل ڈالا۔ اس نے آگ پکڑلی۔ جلدی سے اسے ہینڈل سے پکڑ کر کاؤنٹر پر رکھا' مگر لکڑی کے کاؤنٹر نے بھی آگ پکڑلی۔ سب سے پہلے نظر نورین کی پڑی تھی چونکہ اس کے کاؤنٹر نے بھی آگ پکڑلی تھی۔ اس کے چیخنے پر اقدس نے بدحواس ہوتے ہوئے جلدی سے پین کا ہینڈل پکڑ کر سامنے پھینکا جو کہ سامنے موجود شیشے کی کھڑکی سے ٹکرایا۔ اس بار شیشہ ٹوٹنے کی آواز میں اقدس کی چیخ بھی شامل تھی۔

مزید نقصان سے پہلے ہی سر سرمد ایمرجنسی بٹنز دبا چکے تھے جس کے باعث ان دونوں کاؤنٹرز کے اوپر لگے سوراخوں سے پانی آنا شروع ہوگیا تھا۔ آگ کے بجھتے ہی اقدس کی جان میں جان آئی۔ دل کی تیز ہوتی دھڑکن بھی معمول پر آگئی' مگر نورین کی بری حالت تھی۔ اس کے بال نیچے سے جل گئے تھے۔ روز تو وہ بال باندھ کر ہی آتی تھی پر آج گیلے ہونے کی وجہ سے اس نے کھلے چھوڑ رکھے تھے۔ سر ان سب نے ہی کیپ سے ڈھانپ رکھا ہوتا تھا اور جس رخ سے وہ اس وقت کھڑی تھی۔ اس کے کمر سے نیچے تک آتے بال کاؤنٹر کو چھو رہے تھے جس کے باعث وہ آگ کی لپیٹ میں آگئے۔

باقی سب پھر سے اپنے کام میں مصروف ہوگئے تھے۔ نورین کو فوراً" بھجوادیا گیا جب کہ اس کی سر سرمد نے اچھی خاصی کلاس لی تھی۔

☼ ☼ ☼

میسج ٹون پر ثانیہ نے موبائل اٹھایا۔ وہ اس وقت اسپتال جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ کوئی انجان نمبر تھا۔ شروع میں اپنا نام دیکھ کر وہ میسج پڑھتی چلی گئی۔

"ڈاکٹر ثانیہ۔ مجھے نہیں معلوم کہ آپ اس میسج کو کتنی اہمیت دیں گی' مگر میں خود کو روک نہیں پایا۔ معلوم نہیں کب آپ اس قدر اچھی لگنے لگیں کہ اس دل میں اترتی چلی گئیں' میں حیران ہوں۔ پہلی بار میں کسی معاملے میں اس طرح سے بے بس ہوا ہوں۔ خود سے محبت کرنے پر آپ کو مجبور نہیں کروں گا' مگر یہ بھی جانتا ہوں کہ اپنی ذہانت سے آپ مجھ جیسے گہرے انسان تک پہنچ جائیں گی اور میری محبت اس میں سب سے زیادہ مددگار ثابت ہوں کیونکہ میری محبت کی خوشبو آپ تک ضرور پہنچے گی۔"

میسج پڑھ کر ثانیہ کے چہرے پر پرسوچ لکیریں ابھر آئیں۔ بھلا ایسا کون تھا جو اسے نام اور پیشے سے جانتا تھا۔ زیادہ دیر وہ سوچ نہیں سکی اور سر جھٹکتی ہوئی تیار ہونے لگی۔ امی پہلے ہی ناشتے کے لیے آوازیں دے رہی تھیں۔ رات دیر تک پڑھنے کی وجہ سے اس کی آنکھ صبح دیر سے کھلی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ڈھونڈ کیا رہی ہو؟" مہر نے کوفت سے اسے دیکھا جو گھنٹے بھر سے لیپ ٹاپ پر جھکی ہوئی تھی۔

"انٹرنیٹ پر سرچ کر رہی ہوں۔ کوئی ایسی ریسیپی جو جھٹ پٹ بنے اور مزے کی بھی ہو بلکہ ایسی سویٹ ڈش جو آدھی ریڈی میڈ ہو۔ جس میں مکسچرز وغیرہ ڈالنے سے ٹیسٹ آجائے۔" اقدس نے تفصیل سے بتایا نظریں ابھی بھی لیپ ٹاپ اسکرین پر ہی تھیں۔

"ضرورت کیا تھی سویٹ ڈشز کے کمپیٹیشن میں حصہ لینے کی۔ پھر کچھ الٹا سیدھا نہ ہوجائے۔" مہر نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

ابھی آگ لگنے والے واقعے کو چھ دن ہی گزرے تھے کہ سویٹ ڈش کے کمپیٹیشن کا سن کر اقدس نے فوراً" نام لکھوا دیا جب کہ مہر نے روکا بھی کہ اس بار رہنے دو اگلی مرتبہ لیں گے' مگر اقدس کچھ کرنے کے لیے تیار ہوجائے تو اسے کون روک سکتا ہے۔

"ارے واہ' ضرورت کیوں نہیں تھی۔ مانا کہ میرے ستارے ہر وقت گردش میں رہتے ہیں' لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ کچھ کروں ہی ناں۔" اقدس نے نوٹ پیڈ پر تیزی سے لکھتے ہوئے کہا۔

"کل سر سرمد اور سر جاوید دونوں ہی تمہاری تعریف کر رہے تھے۔ تم نے بہت اچھا بنانا شروع کردیا

ہے۔" اقدس نے یاد آنے پر ہاتھ روک کر پوچھا۔

"گھر میں بار بار بناتی ہوں۔ بریانی تو کوئی پانچ چھ دفعہ بنا چکی ہوں۔ ایک دو بار کوئی چیز غلط بنتی بھی ہے تو اگلی بار اچھی بننے لگتی ہے۔ تم گھر میں کیوں نہیں بناتیں۔"

"امی اور مہرین آپی نے تو اتنی بار کہا کہ کچھ بنا کر ہی کھلا دو' پر میں نے ٹال دیا۔ مجھ سے گڑبڑ ضرور ہوتی ہے۔ ایسے ہی بے عزتی ہو جاتی اور اگر ابو نے چکھ بھی لیا نا تو کہیں گے یہ وقت ضائع کر رہی ہے کچھ پڑھنے پر لگا ئیں اسے۔" اقدس نے منہ بنایا۔

"کیا لکھ رہی ہو۔ ملی کوئی ریسیپی۔" مہر نے موضوع بدلا۔

"بس دیکھتی جاؤ تم 'ایسی زبردست سوئیٹ ڈش بناؤں گی کہ سب انگلیاں چاٹتے رہ جائیں گے۔ دو ریسیپیز کو مکس کر کے ایک سویٹ ڈش بنائی ہے۔"

"مکس کرنے کی کیا ضرورت ہے' ایک ہی بنا لو۔" مہر نے حیران ہو کر پوچھا۔

"بھئی زیادہ اچھا اور یونیک ٹیسٹ آئے گا۔ اس کا نام ہو گا کریمی کیرامل ڈیلائیٹ ووینٹ اینڈ کرنچ کیک۔" اقدس نے نوٹ پیڈ دیکھتے ہوئے مزے سے کہا جیسے یقین ہو کہ کوئی زبردست چیز ہی بنے گی۔

"اللہ ہی خیر کرے۔" مہر نے خود کلامی کی۔

☆ ☆ ☆

وہ کیفے میں بیٹھی گوہر کو ٹاپک سمجھا رہی تھی جب میسج ٹون بجی۔

"کوئی پوائنٹ سمجھ میں نہ آیا ہو تو پوچھ لو۔" ٹاپک ختم کر کے ثانیہ نے گوہر سے پوچھا۔ "سمجھ میں تو آ گیا۔ رات کو پڑھوں گا پھر اگر کچھ سمجھ میں نہ آیا تو کل آپ سے پوچھ لوں گا۔"

"بالکل پوچھ لینا۔" ثانیہ نے کھلے دل سے کہا۔ تب ہی حنا اور فرح آ گئی تھیں۔

"ہو گئی پڑھائی؟" حنا نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"میں تو سمجھا' میری وجہ سے آپ لوگ اپنی دوست کو چھوڑ گئی ہیں۔" گوہر کے لہجے میں شرارت تھی۔

"کیوں بھئی' تمہاری وجہ سے ہم اپنی دوست کو کیوں چھوڑیں گے۔"

"تم اپنے بھائی سے خاصے مختلف ہو۔ وہ کچھ سنجیدہ ٹائپ کے ہیں اور تمہاری طبیعت بہت چولی ہے۔" فرح نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"حماد بھائی سنجیدہ ضرور ہیں' سخت طبیعت کے بھی لگتے ہیں' مگر ہیں بہت اچھے انسان۔" گوہر مسکرایا۔

"تمہارے سامنے تو ہم انکار کر ہی نہیں سکتے۔" حنا کی بات کو گوہر نے انجوائے کیا۔

ثانیہ نے مسکراتے ہوئے موبائل اٹھا لیا۔ اجنبی نمبر سے میسج تھا جسے وہ دو دنوں میں بھول بھی چکی تھی۔

"ثانیہ! آپ نے سوچا ہو گا کوئی سرپھرا تھا جو میسج کر کے بھول گیا' لیکن ایسا نہیں ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ میں اپنے پروفیشن کے لحاظ سے ایک بے حد مصروف بندہ ہوں' مگر یہ سچ ہے کہ بے حد مصروفیت میں بھی میرے دھیان میں آپ ہی تھیں' کسی خوش کن خیال کی طرح جو دل میں سکون سا لے آئے۔ اس معاملے میں' میں اپنے آپ کو بے بس محسوس کرتا ہوں۔

میری ذات میں بس اتنا حصہ ہے تیرا
کہ تجھے خود سے نکالوں تو میرے پاس کچھ نہیں رہتا

"ثانیہ! تم کیا لو گی؟" فرح نے اس سے پوچھا۔

"ہوں۔ کچھ بھی۔" اس کی پیشانی نم آلود تھی اور دل کی دھڑکن تیز۔ پہلے کبھی اسے ایسی سچویشن کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ اس کا مزاج ایسا تھا کہ وہ سب سے ہنس کر ملتی تھی' مگر صنف مخالف سے حدود میں رہتے ہوئے خوش مزاجی سے پیش آتی تھی۔ ایک بار میڈیکل کالج کے تیسرے سال میں ایک سینئر نے اسے پروپوز کیا تھا۔ اس نے سیدھے سبھاؤ سے انکار کر دیا تھا کیونکہ اسے پڑھنا تھا' اپنے پیروں پر کھڑا ہونا تھا جو اس کا اور اس کے والد کا خواب تھا' مگر پہلے کبھی اسے ایسی صورت حال کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔

✡ ✡ ✡

"ساری چیزیں رکھ لی تھیں نا اور وہ ریسیپی ہے پاس؟"

کمپیٹیشن شروع ہونے سے پہلے مہر بار بار اس سے یہ سوال پوچھتی رہی۔ اقدس محض سر ہلا کر اس کی تسلی کرواتی رہی۔ جب اس کا نام لے کر کاؤنٹر کی طرف بلایا جارہا تھا تو مہر نے اسے روکا۔

"اقدس پلیز! ارد گرد کا دھیان رکھنا۔ اس بار کہیں چولہا نہ پھاڑ آنا۔" مہر کو جیسے یقین تھا کہ اس بار بھی وہ کوئی گڑبڑ ضرور کرے گی۔

"اوہو! کچھ نہیں ہوتا۔ دیکھنا اس بار سیکنڈ یا تھرڈ تو آہی جاؤں گی۔" اقدس نے خود اعتمادی سے کہا اور اپنے کاؤنٹر کی طرف چلی گئی۔

شیف گلزار اور شیف صابر کا نام سن کر اقدس نے چونک کر ججز کی کرسیوں پر بیٹھے افراد کو دیکھا تھا۔ وہ انہیں فوراً پہچان گئی تھی۔ اکثر وہ امی کے ساتھ ان کے کوکنگ شوز دیکھتی تھی۔

"آخر میں جاکر خود ان سے آٹوگراف لوں گی۔" اقدس نے سوچا۔ وہ خوش تھی کہ امی کو بتانے کے لیے اس کے پاس ایک زبردست نیوز تھی۔

"ہمارے تیسرے جج ابھی پہنچ نہیں سکے۔ وہ ہمارے انسٹی ٹیوٹ کے آنر روحان تیمور کے ساتھ آدھے گھنٹے میں پہنچیں گے۔ ان کی ہدایات کے مطابق سب پارٹیسپینٹ سے گزارش ہے کہ وہ اپنا کام شروع کردیں کیونکہ ان کا وقت شروع ہورہا ہے۔"

کمپیئر کے خاموش ہوتے ہی بیل بجی تھی۔ بیل کے بجتے ہی اقدس نے ہاتھ چلانے شروع کردیے تھے۔ ریسیپی اس نے یاد بھی کی ہوئی تھی اور نوٹ پیڈ بھی چھپا کر ساتھ لے آئی تھی تاکہ اگر کچھ یاد نہ آئے تو مدد لے سکے۔ آدھا کام وہ کرچکی تھی جب رضا اس کے کاؤنٹر کی طرف آیا۔

"سر جاوید کی ہدایت ہے کہ پی نٹ بٹر یا پی نٹس کوئی اسٹوڈنٹ استعمال نہ کرے۔" وہ اپنی بات کہہ کر اگلے کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔

"سر جاوید کو کیا مسئلہ ہے اور اب تو میں ڈال ہی چکی ہوں۔ خیر دو ٹیبل اسپون سے کیا فرق پڑتا ہے۔ کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا۔" اقدس نے سر جھٹکا۔ وہ پہلے ہی بسکٹس کے چورے میں پی نٹ بٹر شامل کرچکی تھی۔ کچھ دیر بعد کمپیئر نے شیف سکندر رضا اور روحان تیمور کے آنے کا اعلان کیا۔

اقدس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ ججز کی کرسی پر کوئی بزرگ سی شخصیت بیٹھ رہی تھی۔ اقدس کو وہ بہت کیوٹ لگے تھے۔ سرخ و سفید سا چہرہ اور لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ جو اپنے ساتھ ججز سے بات کرتے ہوئے ان کے چہرے پر بہت اچھی لگ رہی تھی۔

کمپیئر نے بیس منٹ رہ جانے کا اعلان کیا تو اقدس نے ان پر سے نظر ہٹا کر جلدی جلدی اپنی سوئیٹ ڈش مکمل کرنے کی کوشش کی۔ ابھی اسے اپنی سوئیٹ ڈش کو ڈیکوریٹ بھی کرنا تھا۔ بیس منٹ میں اس نے جلدی جلدی سب کیا تھا۔

آخری بیل بجتے ہی سب نے ہاتھ روک لیے تھے۔ کمپیئر ججز کو ٹیسٹنگ کارنر کی طرف بلا رہی تھی جہاں پہلے سے ہی سارے امیدوار اپنی ڈشز سمیت موجود تھے۔ دس منٹ بعد اس کی باری آئی تھی۔

"ڈریسنگ آپ نے کریچ اور چاکلیٹ سے کی ہے۔" شیف صابر نے بغور جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"یس سر۔" اقدس نے خود اعتمادی سے جواب دیا۔

"ہوں۔ ڈریسنگ تو بہت اچھی ہے اس کے تو مارکس ملنے چاہئیں۔" شیف سکندر نے مسکراتے ہوئے کہا پھر شیف گلزار کی طرف مڑے۔

"گلزار صاحب ٹیسٹ کیجیے۔" شیف گلزار نے ایک چمچہ منہ میں ڈالا پھر دوسری بار چمچہ بھر کر منہ میں ڈالا۔

"لگتا ہے سوئیٹ ڈش مزے دار ہے۔" شیف صابر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کچھ مختلف سا ذائقہ ہے۔ آپ دونوں بھی ٹیسٹ کیجئے۔"

اقدس کو تھوڑا حوصلہ ہوا۔ کیا معلوم اس بار کوئی پوزیشن ہی آجائے۔ اس نے دل میں سوچا۔

"سر! پہلے آپ۔" شیف صابر نے شیف سکندر رضا سے کہا۔

انہوں نے سرہلاتے ہوئے ایک چمچہ بھر کر منہ میں ڈالا۔

"ہموں آپ بھی لیجئے صابر صاحب۔" شیف صابر آگے آئے۔ اس سے پہلے کہ شیف صابر کچھ کہتے' شیف گلزار کی پریشان سی آواز پر مڑے جو شیف سکندر کے قریب کھڑے تھے۔ اقدس نے بھی ان کی طرف دیکھا۔ ان کا سانس بری طرح پھول رہا تھا۔ پورا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔ وہ لڑکھڑاتے ہوئے نیچے گر رہے تھے۔ شیف گلزار نے انہیں پکڑنے کی کوشش کی' مگر وہ گرتے چلے گئے۔ شیف صابر نے جلدی سے انہیں دوسری طرف سے پکڑ کر زمین پر لٹایا۔

"ایمبولینس کال کریں جلدی۔" شیف صابر نے زور سے آس پاس موجود لوگوں سے کہا تھا۔

سکندر رضا بری طرح تڑپ رہے تھے اور ایک ہاتھ سے اپنی جیب کی طرف اشارہ بھی کررہے تھے۔ اس سے پہلے کہ دونوں شیف حضرات کچھ سمجھتے' کوئی بھاگتا ہوا قریب آیا تھا۔ اس نے سکندر رضا کے قریب بیٹھتے ہی ان کی جیب سے کچھ نکالا اور ان کے بازو میں گھسیڑ دیا۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا تھا کہ کسی کو کچھ سمجھنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ اسٹوڈنٹس اور ٹیچرز کا مجمع بالکل خاموش بیٹھا تھا۔

اقدس اپنی جگہ ہونق سی کھڑی تھی۔ تھوڑی دیر بعد سکندر رضا کی طبیعت بہتر ہونا شروع ہوئی تھی۔ اس شخص نے ان کو اٹھایا' اقدس کی طرف اس کی پشت تھی وہ ٹھیک سے دیکھ نہ پائی۔ ان کا سارا بوجھ اپنے کندھے پر لیتے ہوئے اندر کی طرف بڑھ گیا۔ سر سرمد نے دوسری طرف سے انہیں تھام لیا تھا۔

سر جاوید کی تیز آواز پر وہ بری طرح چونکی تھی اور جھٹکا کھا کر ان کی طرف مڑی۔

"سر! میں نے کچھ نہیں کیا نہ میں نے کوئی زہر وغیرہ ملایا ہے' مجھے تو پتا بھی نہیں کہ ایسی چیزیں ملتی کہاں سے ہیں۔" جو اس کے منہ میں آیا وہ بولتی چلی گئی۔

"میں آپ سے پوچھ رہا ہوں آپ نے سوئیٹ ڈش میں پی نٹ بٹر یا پی نٹس یوز کیا تھا یا نہیں۔" سر جاوید نے سخت لہجے میں اپنا سوال دہرایا۔

"پی نٹ بٹر۔" اقدس نے معصومیت سے ان کو دیکھا' مگر ان کے غصیلے تاثرات دیکھ کر فوراً" بولی۔

"جی سر یوز کیا تھا۔"

"کیوں؟ جب میں نے منع کیا تھا پھر آپ نے کیوں استعمال کیا؟"

"سر میں نے تو دو چمچ ہی ڈالے تھے۔" اقدس نے منمناتے ہوئے اپنی صفائی دینا چاہی۔

"سر سکندر کو پی نٹ الرجی ہے اسی لیے آپ سب کو منع کیا تھا۔ دیکھا آپ نے' ان کی طبیعت کیسے خراب ہورہی تھی۔ اگر ان کی حالت زیادہ بگڑ جاتی پھر۔"

اقدس نے سر جھکالیا اب وہ کیا کہتی۔

✲ ✲ ✲

"سر! میں نے بیڈ نمبر چھ کے پیشنٹ کی ہسٹری نوٹ کرلی ہے۔ آپ چیک کرلیں۔" اس نے فائل آگے بڑھائی' جس کو ڈاکٹر حماد نے تھام لیا۔ اپنی کرسی پر بیٹھا قمر اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کے خوب صورت نقوش' حسین بال' سحر انگیز آنکھیں' شہزادیوں جیسی اٹھان' بلاشبہ وہ بے حد حسین تھی۔

"ٹھیک ہے آپ جائیں' میں دیکھ لوں گا۔"

"اوکے سر۔" وہ سرہلا کر دفتر سے نکل گئی۔

ڈاکٹر حماد نے فائل کو ایک نظر دیکھ کر سائیڈ پر رکھا اور خود کو گھورتے قمر کو دیکھا۔ "کیا بات ہے ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟"

"یہ کون تھیں؟"

"کون......؟"

"جو ابھی یہاں سے گئی ہیں۔"

"اچھا ڈاکٹر فریال کا پوچھ رہے ہو۔ ہاؤس جاب پر ہیں۔"

قمر ٹیبل پر بازو پھیلا کر آگے ہوا۔ "پھر بات کروں شادی کی۔"

"تم ڈاکٹر فریال سے شادی کرنا چاہتے ہو؟ اتنی جلدی کیا ہے۔ ابھی تو کچھ جانتے بھی نہیں ہو اس کے بارے میں۔ اس کی فیملی کے بارے میں۔ ذرا صبر سے کام لو۔" ڈاکٹر حماد نے سنجیدگی سے اسے سمجھانا چاہا۔

"میں کہاں سے آگیا بیچ میں۔ میں تمہاری اور ڈاکٹر فریال کی شادی کی بات کر رہا ہوں۔" قمر نے اپنا سر پیٹا۔

ڈاکٹر حماد نے گہرا سانس لیا۔ "میری شادی!"

"جی ہاں آپ کی شادی جناب! آج کل تو میرا یہ حال ہے کہ ہر حسین بچی آپ کی دلہن کے روپ میں ہی نظر آتی ہے۔" اس کے انداز پر ڈاکٹر حماد کو ہنسی آئی۔ جس پر قمر کو مزید تاؤ آگیا۔

"منحوس مت، غور کرو میری بات پر۔ اچھی بھلی خوب صورت بچی ہے۔ شادی کرلو۔"

"اور تم سے کس نے کہا کہ میری بیوی کا خوب صورت ہونا ضروری ہے۔ ویسے بھی ظاہری خوبصورتی سے زیادہ اندرونی خوب صورتی مجھے اٹریکٹ کرتی ہے۔"

قمر بد مزا ہوا۔ "او بھائی تیری یہ جو فلاسفی ہے نا، لے ڈوبے گی ایک دن۔ بھئی اب ایسی ٹیسٹنگ کیسے کریں جو اندرونی خوب صورتی بتا سکے۔"

"تم رہنے دو۔ میں خود ڈھونڈ لوں گا۔"

"تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا۔ چلو اب اٹھو۔ کبھی اس اسپتال کی جان چھوڑ بھی دیا کرو۔ کسی اچھی جگہ بیٹھ کر ڈنر کرتے ہیں۔ کوئی لڑکی تو تمہاری زندگی میں ہے نہیں جو تمہارے ساتھ ڈنر کر سکے۔ لہٰذا یہ شرف آپ مجھے ہی بخش دیں۔" قمر کے جلے کٹے انداز پر ڈاکٹر حماد نے مسکراتے ہوئے دفتر کی چابیاں اٹھائیں۔

"جو مزا تمہارے ساتھ ڈنر کرنے میں ہے وہ کسی اور کے ساتھ کہاں۔" قمر نے اس کے مکھن لگانے پر سر دھنا۔

✵ ✵ ✵

"سر سرمد تمہارا پوچھ رہے تھے۔" مہر کے کہنے پر اقدس مزید پریشان ہوئی۔

"ایک تو یہ سر سرمد بھی نا 'یقیناً' میرے خلاف پلاننگ کر کے بیٹھے ہوں گے۔"

"ہاں تو منع کیا تھا نا کہ نہ لو حصہ، تمہیں ہی شوق تھا کچھ کرنے کا۔ تمہیں پتا ہے سکندر رضا ٹیچر ہیں سر روحان کے۔" اس نئی اطلاع پر اقدس کا حلق تک کڑوا ہوا۔

"ٹیچر کو بھلا کون بلاتا ہے۔ خواہ مخواہ انہیں تکلیف دی دعوت دے کر۔"

"شکر کرو اسی وقت ان کو اینٹی الرجی انجکشن لگا دیا گیا ورنہ ان کو کچھ ہو جاتا تو۔۔۔"

اقدس نے مہر کی بات کاٹی۔ "اب رہنے دو نا۔ پہلے ہی میں پریشان ہوں۔ گھر میں بہانہ کیا ہوا ہے کہ طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اوپر سے ثانیہ آپی جو چیک کرنے بیٹھ جاتی ہیں۔ میں تو بری پھنسی ہوں۔"

"کل چلو، بہت ہو گئی چھٹی۔ کچھ نہیں ہوتا، زیادہ سے زیادہ کیا ہو جائے گا۔ ڈانٹ ہی پڑے گی نا۔" مہر کے کہنے پر اس نے پر سوچ انداز میں سر ہلایا۔

"ہوں۔ اب جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ جب او کھلی میں سر دیا تو موسلوں کا کیا ڈر۔۔۔ میں بھی اقدس شہاب ہوں، ڈرنے والی تو میں بھی نہیں۔" اس کی ازلی خود اعتمادی لوٹ آئی تھی۔

✵ ✵ ✵

وہ تینوں ہاؤس آفیسرز روم میں موجود تھیں۔ آج او پی ڈی تھا اس لیے۔ سارے دن مریضوں کو دیکھ دیکھ کر تھکی بیٹھی تھیں۔ حنا تو ٹانگیں سکیڑ کر کے صوفے پر لیٹ ہی گئی تھی۔

"ثانیہ! تم فریال کا کچھ کرتی کیوں نہیں ہو۔ آئے دن کوئی نہ کوئی مسئلہ تمہارے لیے کھڑا کر دیتی ہے۔"

صبح والا واقعہ یاد کر کے فرح نئے سرے سے تپ اٹھی۔

"کیا کروں؟" ثانیہ نے سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کچھ تو کرو۔ آج بھی اس کی وجہ سے ڈاکٹر حسام سے تم نے ڈانٹ کھائی ہے۔"

ثانیہ نے گہرا سانس لیا۔

کل وہ پیشنٹ کی ہسٹری بنا کر فائل ڈاکٹر حسام کے ٹیبل پر رکھ کر آئی تھی۔ وہ اس وقت ایک کیس ڈسکس کرنے ڈاکٹر اسماعیل کے پاس جا رہے تھے۔ ان کی ہدایت کے مطابق وہ فائل رکھ کر آ گئی۔ صبح انہوں نے بلا کر اچھی خاصی بے عزتی کی اس بات پر کہ ابھی تک آپ کو پیشنٹ کی ہسٹری لینا نہیں آئی۔ وہ حیران سی سنتی رہی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر کیا غلطی ہوئی تھی جو ڈاکٹر حسام اس قدر آگ بگولہ ہو رہے تھے۔ دوبارہ ہسٹری بنانے کے لیے انہوں نے فائل واپس کر دی۔

دفتر سے باہر آ کر جیسے ہی اس نے فائل کھولی سارا معاملہ سمجھ میں آ گیا۔ فائل میں لگا پیج جس پر اس نے ہسٹری نوٹ کی تھی' تبدیل کر دیا گیا تھا اور یہ کس نے کیا تھا' وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ فریال کی رائٹنگ کو وہ لاکھوں میں بھی پہچان سکتی تھی۔

"ایسا کرو' اس کے والدین کو بتا دو ورنہ اس طرح سے تو کسی دن وہ کوئی بڑا نقصان بھی پہنچا سکتی ہے۔"

"فرح ٹھیک کہہ رہی ہے۔" حنا نے بھی ثانیہ کی طرف دیکھا۔

"نہیں' میں انکل سے کچھ نہیں کہہ سکتی وہ بہت اچھے دوست ہیں ابو کے۔ میں انہیں دکھی نہیں کرنا چاہتی۔ اللہ مالک ہے۔ آئندہ میں محتاط رہوں گی۔"

"اف ایک تو تمہاری فریال سے ہمدردی میری سمجھ سے باہر ہے۔" فرح نے اسے گھورا۔

"چھوڑو اس بحث کو کچھ منگواتے ہیں باہر سے' مجھے کچھ اچھا سا کھانا ہے۔" ثانیہ نے موضوع تبدیل کرتے ہوئے موبائل نکالا۔

☼ ☼ ☼

آئی تو اسی عزم سے تھی کہ سارا معاملہ سنبھال لے گی' شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر سر سرمد کو دینے کے لیے بہت سے دلائل بھی اس نے جمع کیے تھے' مگر سر سرمد کے سامنے آتے ہی وہ سارے جواز جو اس نے پوری رات لگا کر ڈھونڈے تھے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ انہوں نے صاف کہہ دیا کہ روحان تیمور نے اسے بلایا ہے اور اب وہ ہی فیصلہ کریں گے۔

"سر! وہ میری ایک چھوٹی سی غلطی تھی۔" اس نے احتجاج کرنا چاہا۔

"اور آپ کی یہ چھوٹی چھوٹی غلطیاں مل کر ادارے کو نقصان پہنچا رہی ہیں۔ یہ معاملہ میں نے روحان صاحب کے حوالے کر دیا ہے' وہی اب آپ سے بات کریں گے۔" سر سرمد اسے دوٹوک الفاظ میں کہہ کر کلاس لینے چلے گئے تھے۔

اب وہ ایک گھنٹے سے روحان تیمور کے آفس میں بیٹھی ان کا انتظار کر رہی تھی۔ آفس بے حد شان دار تھا۔ شیف سے زیادہ یہ کسی بزنس مین کا آفس لگ رہا تھا۔ بڑی اور شاہانہ سی ریوالونگ چیئر' سامنے رکھی گئی ٹیبل جس کی ٹاپ گلاس کی تھی۔ اس کے ایک سائیڈ پر سلیقے سے رکھی گئی چند فائلز' پیپر ویٹس اور لیپ ٹاپ۔ ٹیبل کے دوسری طرف خوب صورت ڈیزائن کی کرسیاں۔

بائیں طرف سٹنگ ایریا سا بنایا گیا تھا۔ جہاں سینٹر ٹیبل کے ساتھ آرام دہ صوفے رکھے گئے تھے۔ سامنے ایل سی ڈی ٹی وی دیوار پر لگایا گیا تھا۔ اس ایریے کے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا فریج پڑا تھا اور اس ایک گھنٹے میں وہ فریج کو بھی اندر باہر سے اچھی طرح دیکھ چکی تھی جس میں مختلف جوسز' فروٹس' پانی کی بوتل اور دودھ کے ڈبے پڑے تھے۔ کھڑکیوں کے آگے آئے دبیز پردے۔ غرض ہر چیز خوب صورت اور شاندار تھی۔

"اب آ بھی جائیں' لگتا ہے اپنے بیوی بچوں کو بھی ناشتا دے کر ہی آئیں گے۔" اس نے اکتا کر سوچا۔

"بچے تو یقیناً" بڑے ہی ہوں گے۔ ہو سکتا ہے

شادی شدہ بھی ہوں۔" وہ ان سوچوں میں غرق تھی جب دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ چونک کر کھڑی ہوئی۔
آنے والے نے ایک نظر اسے دیکھا۔
"السلام علیکم۔ آپ کس سلسلے میں آئی ہیں۔"
"وہ میں ... سر روحان سے ملنا تھا۔" اقدس گڑبڑائی۔
"میں ہی روحان تیمور ہوں بیٹھیے۔"
اسے بیٹھنے کا اشارہ کرکے وہ موبائل پر تیزی سے کچھ ٹائپ کررہا تھا۔ اقدس نے حیرت سے سر سے پاؤں تک اس شخص کو دیکھا۔ بلیک ڈریس پینٹ کے ساتھ وائٹ شرٹ پہنے ایک بازو پر بلیک کوٹ لٹکائے ہاتھ میں پکڑے موبائل پر مصروف وہ کہیں سے ویسا نہیں لگ رہا تھا جیسا اس نے سوچ رکھا تھا۔ وہ تو ایک ادھیڑ عمر شیف سے ملنے آئی تھی' مگر سامنے موجود ینگ سے بندے کی پرسنالٹی سے وہ متاثر ہوئی تھی۔ سرخ و سفید رنگت' وجیہہ نقوش' چہرے پر پھیلی سنجیدگی' اس کی شخصیت سے چھلکتا سحر جو سامنے والے کو مرعوب کردیتا تھا۔
"پلیز بیٹھیں۔" اپنا کوٹ ریوالونگ چیئر پر پھیلا کر وہ بیٹھ چکا تھا۔ اس کا جائزہ لیتی اقدس اس کے دیکھنے پر سٹپٹائی اور جلدی سے اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھی۔
"بتایئے کیا کام ہے آپ کو۔"
اس کے پوچھنے پر اقدس نے اپنے ٹھنڈے ہوتے ہاتھوں کو ملا۔ اب تو اسے لگ رہا تھا جیسے اس کا نام سنتے ہی سامنے بیٹھا شخص اسے اپنے انسٹی ٹیوٹ سے فارغ کرنے میں ایک سیکنڈ نہیں لگائے گا۔
"میں اقدس ہوں۔ سر سرمد نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔" اقدس نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔
"اقدس شباب! رائٹ۔" اسے یاد آگیا تھا۔
"جی!" اقدس نے سر ہلایا۔
"آپ کی پرفارمنس رپورٹ مجھے فارورڈ کی گئی ہے۔ لیٹ می چیک۔" اس نے اپنا لیپ ٹاپ آن کیا۔
اقدس کو سر سرمد پر نئے سرے سے تاؤ آرہا تھا۔

چند منٹ خاموشی میں گزر گئے۔ پھر وہ اس کی طرف مڑا۔
"آپ کی رپورٹ میں نے دیکھ لی ہے۔ ابھی تک اس انسٹی ٹیوٹ میں اتنی لو پرفارمنس کسی نے نہیں دی۔" اس نے سامنے بیٹھی الجھی سی لڑکی کو دیکھا۔
"سر پرفارمنس تو آہستہ آہستہ ہی بہتر ہوگی نا۔"
"پرفارمنس میں تو بہتری آسکتی ہے' مگر جو نقصانات آپ کی وجہ سے ہمارے انسٹی ٹیوٹ نے اٹھائے ہیں' ان کی وجہ سے سر سرمد اور سر جاوید کا کہنا ہے کہ آپ کو مزید موقع نہ دیا جائے۔" یہ سنتے ہی اچانک سے اس کے اندر کی خود اعتماد لڑکی بیدار ہوئی تھی۔
"سر پلیز' مجھے اس انسٹی ٹیوٹ سے نہ نکالیں اور دیکھیں میرا تو نقصان ہوگا ہی۔ آپ کی بھی بدنامی ہوگی' نام خراب ہوگا آپ کے انسٹی ٹیوٹ کا۔ مجھے تو کہنا پڑے گا کہ صحیح سکھایا نہیں گیا۔"
روحان نے دلچسپی سے سامنے بیٹھی لڑکی کو دیکھا۔ لیمن کلر کا ڈریس اس نے پہن رکھا تھا جس پر وائٹ پرنٹ تھا۔ شانوں پر لیمن دوپٹا پھیلائے وہ اب خود اعتمادی سے اپنا دفاع کررہی تھی۔
"اور وہ جو شیشے توڑے' آگ لگی اور اتنا بڑا ایونٹ برباد ہوا۔ اس سب کا کیا؟" روحان نے اپنی ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھتے ہوئے بغور اسے دیکھا۔
"سر! آپ خود سوچیں' ذرا شیشے کا ٹوٹنا زیادہ بہتر تھا یا پورے کلاس روم میں آگ لگنا۔ ابھی تو نورین کے بال ہی جلے تھے اگر اسے مزید نقصان پہنچ جاتا پھر؟ اور رہی بات ایونٹ کی تو میری ان بزرگ شخصیت سے کوئی ذاتی دشمنی تو تھی نہیں۔ مجھے کیا معلوم تھا انہیں پی نٹ الرجی ہوگی۔ سر جاوید کو بھی تو بتانا چاہیے تھا صحیح سے' میں پہلے ہی پی نٹ بٹر ڈال چکی تھی اس وقت۔" اقدس نے اپنی ساری غلطیوں کا جواز پیش کیا۔ اس کی پونی ٹیل اس کے سر ہلانے کے ساتھ ساتھ ہولے ہولے ہل رہی تھی۔
"ہوں' مگر سر سرمد کے خیال میں تو آپ کچھ سیکھنے

میں انٹرسٹڈ ہی نہیں ہیں۔" سر سرمد کے نام پر اس کا حلق تک کڑوا ہوا۔

"سر سرمد تو ویسے ہی میرے سخت خلاف ہیں۔ آپ تو آنر ہیں' خود فیصلہ کریں۔ اب چند غلطیوں کی بنا پر ایک اسٹوڈنٹ کو تو آپ ضائع نہیں کریں گے نا۔" وہ اپنا پورا زور لگا دینا چاہتی تھی۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اگر یہاں سے بھی نکال دی گئی تو بے عزتی تو ہوتی ہی۔ ابو اسے پھر سے پڑھائی پر لگا دیتے اور یہ جو اطمینان اور سکون کے دن وہ گزار رہی تھی سب ختم ہو جاتے تھے۔

"چلیں ٹھیک ہے۔ پھر آج سے آپ میری اسٹوڈنٹ ہیں۔ میں خود آپ کی کلاسز لوں گا۔" اس کے نرمی سے کہنے پر اقدس کو شاک لگا۔ اسے لگا شاید سننے میں غلطی ہوئی ہو۔

"سر آپ؟"

"جی میں لوں گا۔ شام کو چار سے سات' میں کلاسز لیتا ہوں۔ آپ تین پچاس پر میرے آفس آجائیے گا اینڈ بی پنکچوئل۔"

"او کے سر اینڈ تھینک یو سر۔" اس کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ کہاں تو سر سرمد اور سر جاوید اسے نکلوانے پر تلے تھے اور کہاں روحان تیمور اسے کلاسز دینے پر آمادہ تھے۔ اس سے اچھا آپشن بھلا کیا ہو سکتا تھا۔ اسے جانے کا اشارہ کر کے وہ لیپ ٹاپ پر مصروف ہو گیا تھا اور وہ خوش ہوتی ہوئی آفس سے نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

"سوئیٹ ڈش کمپیٹیشن میں میری اتنی تعریف ہوئی کہ آنر نے بلا لیا آج آفس میں۔ بہت حوصلہ افزائی کی انہوں نے۔" اقدس صبح والے واقعے کو اپنی مرضی سے تبدیل کر کے سنا رہی تھی۔ سامنے بیٹھی امی' مہرین اور ثانیہ آپی دلچسپی سے جب کہ مہر برے برے منہ بناتے ہوئے سن رہی تھی۔

"انہوں نے کہہ دیا کہ آپ اب ہائی اسکور اسٹوڈنٹس میں شامل ہیں اس لیے کل سے میں آپ کی کلاسز لوں گا۔" اقدس نے اپنی بات مکمل کر کے فخریہ انداز میں ان سب کو دیکھا سوائے مہر کے جو اس سفید جھوٹ پر اسے بری طرح گھور رہی تھی۔

"واہ بھئی۔ مطلب چھا گئی ہماری بہن۔ میں تو پہلے ہی کہتی تھی وہ کرو جس میں تمہارا انٹرسٹ ہو۔" مہرین آپی نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"کیا خیال ہے آپی! اس کورس کے بعد اسے ہوم اکنامکس پڑھنا چاہیے نا۔" مہر نے اس کی خوشی پر پانی پھیرا۔ اقدس نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں تو شیف بنوں گی۔ ویسے بھی روحان تیمور مجھے ماسٹر شیف تو یقیناً" بنا کر ہی چھوڑیں گے۔"

"بس رہنے دو۔ اپنے ابو کا پتا ہے نا' پہلے ہی کون سا خوش ہیں۔" امی کو ناگوار گزرا۔

"ابو جن پروفیشنز کو قابل عزت سمجھتے ہیں امی' میں ان میں سے کچھ بھی نہیں کروں گی۔" اقدس نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہمیں بھی اب کچھ بنا کر کھلا دو۔" اتنی دیر سے خاموش بیٹھی ثانیہ نے موضوع تبدیل کرنا چاہا۔

"بالکل آپ سب کی دعوت کروں گی۔" اقدس کے جھٹ سے کہنے پر مہر نے اپنی ہنسی دبائی۔

"جی دعوت تو یہ ضرور کرے گی' مگر خواب میں۔"

آخری الفاظ مہر نے آہستہ سے ادا کیے تھے جس پر اقدس تپ گئی۔ امی کچن میں چلی گئیں۔ مہرین نے ٹیسٹ کی تیاری کرنا تھی وہ بھی اٹھ گئی۔ ثانیہ بھی انہیں باتیں کرتا چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ ابھی اس نے کتاب کھولی ہی تھی کہ میسج ٹون بج اٹھی۔ اس نے میسج کھولا۔

میری آنکھوں کو سوجھتا ہی نہیں
یا مقدر میں راستہ ہی نہیں

پھر وہی شام ہے وہی ہم ہیں
ہاں مگر دل میں حوصلہ ہی نہیں

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

وہ بھرے شہر میں کسی سے بھی
میرے بارے میں پوچھتا ہی نہیں

میں تو اس کی تلاش میں گم ہوں
وہ کبھی مجھ کو ڈھونڈتا ہی نہیں

اس نے سر جھٹک کر اپنی توجہ کتاب پر مبذول کرنے کی کوشش کی، مگر ذہن بھٹک کر بار بار اس مسیج والے کی طرف چلا جاتا تھا۔ بے شک اس نے کبھی جوابی میسج نہیں کیا تھا، مگر وہ نمبر بلاک بھی نہیں کر سکی تھی۔

☆ ☆ ☆

اپنے اسٹوڈنٹس کو وہ ایک اٹالین ڈش بنانا سکھا رہا تھا جب کہ اقدس اس کے کاؤنٹر کے پاس اسٹول رکھے بیٹھی تھی۔ نظریں ارد گرد کا جائزہ لے رہی تھیں۔ یہ کلاس روم باقی سارے کلاس رومز سے بڑا اور شاندار تھا۔ کولنگ اتنی زیادہ تھی کہ پکاتے ہوئے بھی گرمی کا احساس نہ ہو۔ اپنا کام مکمل کر کے وہ اس کی طرف آیا تھا۔

"جی تو اقدس۔ آپ کیا کیا بنا لیتی ہیں۔" اسٹول پر بیٹھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"میں...." اقدس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کس چیز کا نام لے۔

"چلیں، یہ بتا دیں۔ اچھا کیا بنا لیتی ہیں۔"

"سر! اچھا تو پتا نہیں بس چند چیزیں ہیں جو میں بنا سکتی ہوں۔"

"یہاں آنے سے پہلے آپ کیا کچھ بناتی تھیں۔ شوق میں کچھ نہ کچھ تو بندہ بناتا ہی رہتا ہے۔" اس کے اگلے سوال پر اقدس سٹپٹائی۔ جھوٹ بھی نہیں بول سکتی تھی۔ کیا خبر وہ بنوا ہی لیتا۔

"ناشتا۔ میرا مطلب ہے انڈا۔" اقدس کے بے چارگی سے کہنے پر وہ ہنسی دبا کر بولا۔

"انڈا! واؤ، مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ آپ کو کوکنگ میں انٹرسٹ نہیں ہے۔"

"نو سر! اصل میں ہمارے گھر میں کک کھانا بناتا ہے ورنہ شوق تو مجھے بہت ہے۔ کوکنگ شوز میں نے بہت دیکھے ہیں اپنی امی کے ساتھ۔" اس کی دلیل پر وہ ہنس پڑا۔

"آج آپ ان ڈشز میں سے کچھ بھی بنا لیں جو یہاں پر آپ نے سیکھی ہیں۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں آپ کیسا پکاتی ہیں اور آپ کے ویک پوائنٹس کیا ہیں۔"

"اوکے سر!" اقدس نے سر ہلایا۔ یہ اور بات تھی کہ وہ ٹینشن میں آ گئی تھی۔

"آرام سے سوچ کر اسٹارٹ کریں۔ میں راؤنڈ لے کر آتا ہوں۔"

وہ مسکرا کر کہتا ہوا اپنے اسٹول سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے جاتے ہی اقدس نے سکون کا سانس لیا اور اپنا نوٹ پیڈ کھول لیا جس پر وہ اب تک ریسپیز لکھتی آئی تھی۔

☆ ☆ ☆

اس نے آنکھیں گھما کر سامنے بیٹھے اپنے دوست کو دیکھا۔

"کیا ہوا؟" اس کے نا سمجھی سے کہنے پر قمر نے مسکراتے ہوئے دوبارہ اس کے موبائل کی اسکرین پر دیکھا۔

"دیکھ رہا ہوں، کس لڑکی سے بات چیت چل رہی ہے تمہاری۔"

"میں نے وڈیو دیکھنے کے لیے تمہیں موبائل دیا تھا نہ کہ پوری فیس بک آئی ڈی کا جائزہ لینے کے لیے۔" ڈاکٹر حماد نے اس کے ہاتھ سے موبائل چھینا۔

"اوہو، اس قدر غصہ ڈاکٹر صاحب! لگتا ہے دال میں کچھ کالا ہے۔" قمر نے مزا لیتے ہوئے کہا۔

"تمہارے دماغ کا فتور ہے بس۔ اگر میسج پڑھے ہوں جو کہ یقیناً تم نے پڑھ ہی لیے ہوں گے تو یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ صرف کام کی بات کی گئی ہے۔ ڈاکٹر ثانیہ پارٹ ون کی تیاری کر رہی ہیں۔ اسی کے بارے میں پوچھتی رہتی ہیں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی انہوں

نے وضاحت کی۔

"السلام علیکم۔ قمر بھائی کیسے ہیں۔" گوہر لاؤنج میں داخل ہوا۔ سامنے ہی وہ دونوں بیٹھے تھے۔

"وعلیکم السلام۔ میں تو ٹھیک ہوں۔ اپنی سناؤ' کہاں غائب رہتے ہو۔" قمر سے مل کر وہ قریبی صوفے پر بیٹھ گیا۔

"بس کچھ نہ پوچھیں' میڈیکل کی پڑھائی کا تو آپ کو پتا ہے کس قدر ٹف ہے اور ساتھ میں میرا کرکٹ کا شوق۔ روز شام کو میچ کھیلنے چلا جاتا ہوں۔ آج سنڈے تھا تو صبح میچ رکھ لیا۔"

"یہ تمہارا بھائی کس دن کام آئے گا۔ اسے پکڑ لیا کرو پڑھنے کے لیے۔ ویسے بھی مدد کرنے کا اسے بڑا شوق ہے۔" قمر کی بات سمجھتے ہوئے ڈاکٹر حماد مسکرائے۔

"بھائی سے پڑھنے کے لیے ان کے دفتر کے چکر لگانے پڑتے ہیں اور اکثر تو یہ ملتے ہی نہیں ہیں۔ اس لیے میں نے اپنے لیے نیا ٹیچر ڈھونڈ لیا ہے اسپتال میں۔"

"سلمان سے تو نہیں پڑھنا شروع کر دیا۔ اس کے تو اپنے کوئی حالات نہیں تھے پڑھائی میں۔"

قمر کے کہنے پر گوہر ہنسا۔ "نہیں ہمارے کالج کی ٹاپر ہیں۔ ہاؤس جاب کر رہی ہیں۔ ڈاکٹر ثانیہ' ان سے پڑھتا ہوں۔"

"اچھا تو ڈاکٹر ثانیہ سے پڑھ رہے ہو۔ واؤ! پڑھو بھائی' ضرور پڑھو۔" قمر کے مسکرانے پر گوہر چونکا۔

"آپ جانتے ہیں انہیں۔"

"ہوں تھوڑا بہت۔ اچھی ڈاکٹر ہیں ماشاء اللہ۔ شاید مستقبل میں مزید جاننے کا موقع ملے۔" اس نے شرارتی انداز میں کہتے ہوئے خود کو گھورتے ڈاکٹر حماد کو دیکھا۔

"جاؤ بھئی کپڑے تبدیل کر کے۔ آؤ لنچ پر چلتے ہیں۔" ڈاکٹر حماد نے متذبذب سے بیٹھے گوہر سے کہا۔ قمر سے کچھ بعید نہ تھا کہ مزید کچھ الٹا سیدھا کہہ دیتا۔

☆ ☆ ☆

باقی اسٹوڈنٹس کو ٹاسک دے کر وہ اس کی طرف مڑا جو اطمینان سے اسٹول پر بیٹھی تھی۔

"میں نے آپ کو اچھی طرح آبزرو کیا تھا۔ ریسپی آپ بالکل فالو نہیں کرتیں بلکہ مسالے آگے پیچھے ڈال دیتی ہیں۔ کھانا پکانا بھی ایک آرٹ ہے کہ کب کون سی چیز ڈالنی ہے' کون سا مسالا کس مقدار میں ڈالنا چاہیے اور کون سے مسالے مل کر ٹیسٹ دیں گے۔ اسی وجہ سے آپ کی مکس سبزی ٹیسٹ لیس سی تھی۔ ایک اور چیز کی بھی کمی تھی' انٹرسٹ کی۔"

اقدس محویت سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ اپنے مخصوص نرم لہجے میں وہ کسی اچھے استاد کی طرح اس کی خامیاں بتا رہا تھا۔ اس کا انداز اتنا اچھا تھا کہ اسے کچھ بھی برا نہیں لگ رہا تھا۔

"کھانا شوق سے اور دل سے پکانا چاہیے۔ یہ دو فیکٹر ہیں جو کھانے کو مزید ذائقے دار بناتے ہیں۔ میرا خیال ہے' اب باقاعدہ آغاز کرتے ہیں۔ پہلے تین دن صرف میں پکاؤں گا اور آپ مجھے دیکھیں گی۔ چوتھے دن سے آپ بھی اسٹارٹ کریں گی۔"

اقدس سر ہلاتی کاؤنٹر کے دوسری طرف آگئی جہاں وہ ایپرن باندھے کھڑا تھا۔ شرٹ کے کف ہمیشہ کی طرح فولڈ کر رکھے تھے۔

"پہلے ہم چکن سے شروع کریں گے۔ چکن بنانا آسان بھی ہے اور جلدی بھی بن جاتا ہے اس لیے پہلے چکن کی زیادہ تر ڈشز سکھاؤں گا۔ چکن پسند ہے؟" اس نے چکن کا پیکٹ کھولتے ہوئے پوچھا۔

"یس سر۔"

"کون سا بنائیں پھر؟" وہ اب نل کھول کر اچھی طرح سے چکن دھو رہا تھا۔

"چکن کڑاہی۔"

"اوکے۔ آپ یہ اسٹیک چکھیں' ساتھ میں ہنی باربی کیو ساس ہے اور فرائڈ ویجی ٹیبلز۔" اس نے اسٹیک کی طرف اشارہ کیا جو وہ تھوڑی دیر پہلے اپنے اسٹوڈنٹس کو سکھا کر ڈش آؤٹ کر چکا تھا۔ خوب صورت ڈریسنگ کے ساتھ وہ دیکھنے میں تو اچھا لگ رہا

تھا' خوشبو بھی اچھی آرہی تھی۔ اقدس نے کانٹے سے اسٹیک کا ایک ٹکڑا ساس میں ڈبو کر منہ میں ڈالا۔

"سرائس یمی۔ بہت ہی مزے کا ہے۔"
بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔ وہ واقعی اچھا شیف تھا۔ اس کا یقین پختہ ہوا۔

"عنقریب آپ بھی ہمیں مزے دار سا بنا کر کھلائیں گی۔" روحان نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"مشکل ہے۔" اقدس نے محض سوچا۔ پھر سارا وقت وہ اس کو نفاست سے کام کرتے ہوئے دیکھتی رہی۔ ساتھ وہ اسے بھی سمجھاتا جارہا تھا۔ اقدس کو بے چین روح کہنے والی مہر اگر اس وقت اس کی محویت دیکھ لیتی تو شاید یقین ہی نہ کرتی۔

☆ ☆ ☆

"پتا نہیں آپ میرے بارے میں کیا سوچتی ہیں۔ سوچتی بھی ہیں یا نہیں مگر میں آپ کو اپنی سوچوں سے نکال نہیں پاتا۔ ایسا لگتا ہے جیسے آپ کا اور میرا گہرا تعلق ہے۔ معلوم نہیں آپ میرے بارے میں جانیں گی تو آپ کے احساسات کیا ہوں گے۔ مجھے قبول کرپائیں گی یا نہیں۔"

میسج پڑھ کر اس نے موبائل میز پر رکھ دیا۔ پتا نہیں کیوں وہ یہ میسجز پڑھتی تھی۔ اس نے قریب رکھی کتاب کھول لی۔ اس کا دل اچاٹ ہوگیا تھا مگر اس نے خود کو سرزنش کرتے ہوئے پڑھنے کی کوشش کی۔

☆ ☆ ☆

وہ بغور اس کے تاثرات دیکھ رہی تھی جو اس کا بنایا ہوا آلمنڈ چکن (Almand Chicken) ٹیسٹ کررہا تھا۔ اسے اپنی طرف دیکھتے پاکر مسکرایا۔

"ٹیسٹ تو اچھا ہے۔ امپروومنٹ آرہی ہے۔"

"سر! آپ جیسا تو میں کبھی نہیں بنا سکتی۔" اقدس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

روحان نے اپنے دونوں ہاتھ کاؤنٹر پر رکھ کر تھوڑا سا جھکتے ہوئے اس کیوٹ سی لڑکی کو دیکھا جو اب جھوٹے برتن دھونے کے لیے سنک میں رکھ رہی تھی۔

"بالکل صحیح کہا۔ فی الحال تو میرے جیسا نہیں بنا سکتیں۔ مگر کل آپ مجھ سے بھی اچھا بنائیں گی۔ اچھا بننے لگے گا۔ آج میں نے آپ کو شوق سے پکاتے دیکھا ہے اور یہ اچھی بات ہے۔" اس کی باتیں اس کی شخصیت کی طرح سحر انگیز تھیں۔

"جب آپ ایکسپرٹ ہوجاتے ہیں تو ایک لیول کریٹیویٹی کا آتا ہے۔ جب شیف خود سے ریسیپیز بنانے لگتا ہے۔"

"اقدس سے تو ہم آخر میں دعوت کھائیں گے سر۔ یہ ہم سب میں چھوٹی ہے۔"
ان کے قریب آتی نتاشا نے کہا۔ اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی جس میں سوئیٹ ڈش کے پیالے رکھے تھے۔

"ٹریٹ تو بنتی ہے ویسے بھی۔ اقدس میری پہلی سب سے چھوٹی اسٹوڈنٹ ہے۔"
روحان کے اپنی طرف دیکھنے پر اقدس نے فوراً ہامی بھری۔ "ضرور سر۔"

یہاں پر سارے ہی اسٹوڈنٹس میچور اور ڈیسنٹ تھے' اسی لیے اسے کسی سے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ سب ہی خوشی سے ملتے تھے۔

"منہ کس خوشی میں میٹھا کرارہی ہیں۔" روحان کا اشارہ پیالوں کی طرف تھا۔

"سر! آج آپ سب کے لیے مینگو سوفلے بنایا ہے' اپنے بیٹے کی صحت یابی کی خوشی میں۔" نتاشا خوش تھی اور یہ اس کی آنکھوں کی چمک سے پتا چل رہا تھا۔

"بہت مبارک ہو آپ کو۔" روحان نے ایک پیالہ اقدس کے سامنے رکھا اور دوسرا خود اٹھالیا۔ نتاشا ٹرے لے کر دوسرے کاؤنٹرز کی طرف چلی گئی۔

مینگو سوفلے کا پہلا چمچہ لیتے ہی اسے اچھا لگا تھا۔ یہاں اسے ایسی ایسی چیزیں کھانے کو مل رہی تھیں جن کا کبھی نام بھی نہ سنا تھا۔

☆ ☆ ☆

اندر کی طرف بڑھتا گوہر ٹھٹھک کر رکا تھا۔

اسپتال کی داخلی سیڑھیوں کے بائیں کونے پر ثانیہ بیٹھی تھی۔ وہ تیز تیز چلتا اس کی طرف آیا۔ اس کے سلام کرنے پر ثانیہ نے سر اٹھایا۔

"یہاں کیوں بیٹھی ہیں؟" وہ اس سے فاصلہ رکھ کر ایک اسٹیپ نیچے بیٹھ گیا۔

"بس ایسے ہی۔"

"اداس ہیں؟" گوہر نے اس کی اداسی محسوس کی تھی۔

"تھوڑی سی ہوں۔"

"کیوں؟"

"تں خراب ہو رہا تھا وارڈ میں۔ ایکسیڈنٹ کا کیس آیا ہے۔ اسکول بس الٹ گئی۔ صبح سے اتنی اموات دیکھ چکی ہوں کہ اب وارڈ میں کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا۔ اوپر سے اتنا خون دیکھ کر متلی سی محسوس ہو رہی تھی۔ ابھی ڈاکٹر حسام سے ڈانٹ کھا کر آ رہی ہوں۔"

"چلیں چھوڑیں۔ سینئر ڈاکٹرز کو تو ڈانٹنے کے علاوہ کوئی کام نہیں اور پھر ان کی ڈانٹ سے ہی تو جونیئر سیکھتا ہے۔" گوہر نے اس کا موڈ ٹھیک کرنا چاہا۔

"ہوں' یہ تو ہے۔ میرے ساتھ ایسے کبھی نہیں ہوا۔ بس آج صبح سے ٹھیک کام کر رہی تھی۔ اچانک سے ہی طبیعت ایسی ہو گئی۔" ثانیہ نے شرمندگی سے وضاحت کی تھی۔

گوہر نے گھڑی دیکھی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ "لنچ ٹائم ہونے والا ہے' چلیں کیفے سے اچھی سی چائے پلاتا ہوں آپ کو' ساتھ میں کچھ کھاتے ہیں۔"

"چائے تم پلا دو۔ لنچ میں کراتی ہوں کیونکہ آج میں لنچ بھی لائی ہوں۔ میری امی کے خیال میں ان کی بیٹی کمزور ہوتی جا رہی ہے۔" وہ بھی خود کو سنبھالتی اٹھ گئی تھی۔

"واؤ! کیا لائی ہیں لنچ میں۔"

"سینڈوچز ہیں شاید۔" دونوں باتیں کرتے کیفے کی طرف جا رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

"آج کلاسز نہیں ہو رہیں سر؟" کلاس روم کے دروازے بند دیکھ کر وہ اس کے آفس آئی تھی۔ روحان لیپ ٹاپ پر مصروف تھا۔

"آئی ایم سوری۔ میں آپ کو بتانا بھول گیا۔ آج کلاسز نہیں ہو رہیں۔" وہ شرمندہ سا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"آپ کی گاڑی تو واپس چلی گئی ہو گی؟"

"کوئی بات نہیں سر! میں ڈرائیور کو کال کر لیتی ہوں۔" اقدس نے موبائل نکال کر ڈرائیور کو کال کی۔

"سوری اگین۔ مجھے آپ کو انفارم کرنا چاہیے تھا۔ میری وجہ سے آپ کا ٹائم ضائع ہوا۔" روحان نے اپنا ماتھا سہلاتے ہوئے ایک بار پھر معذرت کی۔

"میرا ٹائم ضائع نہیں ہوا سر۔ میں تو فارغ ہی ہوتی ہوں۔" روحان تیمور کا شرمندہ ہونا اسے اچھا نہیں لگا تھا اور اس کا معذرت کرنا اسے خود شرمندہ کر رہا تھا۔

روحان چونکا۔ "کیوں آپ کچھ پڑھتی وڑتی نہیں ہیں۔"

"آں نہیں۔ میں بس گھر میں ہوتی ہوں۔" اقدس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اور کیا کہے' سچ تو یہی تھا۔

"کہاں تک پڑھا ہے؟"

"ایف ایس سی کیا ہے۔" اقدس نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

"آگے کیوں نہیں پڑھا۔ پڑھنے کا رواج نہیں ہے خاندان میں یا کوئی اور مسئلہ ہے۔" وہ حیران سا اسے دیکھ رہا تھا۔

"ایسی بات نہیں ہے۔ میری ایک بہن ڈاکٹر ہے۔ دوسری انجینئرنگ پڑھ رہی ہے۔ بس مجھے کوئی خاص شوق نہیں پڑھنے کا۔" اقدس نے اسے مزید حیران کیا۔

"گھر میں کسی نے فورس نہیں کیا؟"

"یونیورسٹی جوائن کی تھی۔ تین سمسٹر پڑھے بھی' مگر پھر چھوڑ دیا۔ میرا انٹرسٹ نہیں تھا۔" اقدس نے اصل بات چھپاتے ہوئے بات بنائی۔ آخر کس منہ سے کہتی کہ یونیورسٹی سے نکال دی گئی تھی۔ کل

تک جس بات کو وہ خاطر میں نہیں لائی تھی آج اسی کا بتانا اسے اپنی بے عزتی لگ رہا تھا۔

"اسٹرینج۔ سارا دن گھر میں کیا کرتی ہیں۔"

روحان کے اس سوال پر وہ سٹپٹائی۔ اب کیا بتاتی کہ سارا دن ناولز' رسالے پڑھ پڑھ کر اور ڈرامے دیکھ کر گزارتی تھی یا پھر اپنے کپڑے ڈیزائن کرلیتی۔

"حیرت ہے۔ میں تو فارغ رہنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔" روحان حیران ہوا۔

"میرے کرنے کے لیے کوئی کام ہوتا نہیں ہے اسی لیے اور میں اکثر کام خراب بھی کردیتی ہوں۔" اقدس نے شرمندگی سے لب کاٹے۔ روحان نے بغور اسے دیکھا۔ وہ اسے شرمندہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"مصروفیت انسان کو خود تلاش کرنی پڑتی ہے اور کوئی کام کرنے سے پہلے یہ فیصلہ کرلینا کہ یہ نہیں ہوگا' بہت غلط ہے اور پھر میری اسٹوڈنٹ ہو کر آپ ایسی باتیں نہیں کرسکتیں۔ چلیں ایسا کرتے ہیں کہ آپ کل سے میرے ساتھ کام کرنا شروع کردیں۔ میں اپنے دوست کے ساتھ مل کر مختلف ایونٹس ارینج کراتا ہوں۔ فوڈ ایونٹس اور یونیورسٹیز میں کمپیٹیشنز وغیرہ۔ مزا بھی آئے گا اور سیکھنے کو بھی ملے گا۔ اپنے گھر والوں سے پوچھ لیں' وہ اجازت دیں تو کل سے آجائیں۔" اس کی آفر نے اقدس کو حیران کیا تھا۔

"سر! میں کیسے۔ اگر کوئی گڑبڑ ہو گئی تو۔" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

روحان کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "تو میں کس لیے ہوں۔ میں سب سنبھال لوں گا۔ اس کی فکر مت کریں۔ اجازت ملے تو صبح آجائیں بلکہ ایسا کریں پہلے ریسٹورنٹ آجائیں' صبح میں وہیں ہوتا ہوں۔"

"اوکے سر!"

وہ ہامی بھر کے اسے خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گئی۔ اب وہ پرجوش سی' امی کو منانے کے لیے ذہن میں الفاظ اکٹھے کررہی تھی۔

☆ ☆ ☆

وارڈ میں معمول کی ہلچل تھی۔ سینئر ڈاکٹرز راؤنڈ لگا کر جاچکے تھے۔ وہ بیڈ نمبر چھ کے پیشنٹ کو چیک کرکے فارغ ہوئی تھی کہ میسج ٹون بج اٹھی۔ وہ گہرا سانس لیتے ہوئے میسج پڑھنے لگی۔

"آج آپ پر نظر پڑی تو دل کیا کہ بس دیکھتا ہی رہوں' مگر یہ مصروفیت.... سوچا' آپ کو بتاؤں اورنج کلر آپ پر بہت سوٹ کرتا ہے۔ ویسے تو ہر رنگ آپ پر اچھا لگتا ہے' مگر آج آپ مجھے ایک معصوم سی پری لگیں جو سب سے بے خبر اپنے آپ میں مگن ہو۔ وقت کی کمی ہے ورنہ میں بہت کچھ کہتا۔ ٹیک کیئر ثانیہ۔"

اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی ایسا کون تھا جو اتنے قریب تھا اور وہ تو صبح سے وارڈ میں ہی تھی۔ کیا یہ کوئی کولیگ تھا یا.... اس نے تمام سوچوں کو اپنے ذہن سے جھٹکنا چاہا۔

"مجھے ایسا کچھ نہیں سوچنا یہ جو کوئی بھی ہے مجھے اس سے فرق نہیں پڑنا چاہیے۔ میں ثانیہ شہاب ہوں میری اپنی پسند ناپسند ہے۔ کوئی بھی مجھے یوں جنز نہیں سکتا چند جملے بول کر۔"

ثانیہ نے اپنے اندر کی آواز پر خود کو کمپوز کیا اور قدم آگے بڑھائے۔

☆ ☆ ☆

گھر میں اس نے بڑے فخر سے بتایا تھا کہ روحان تیمور نے اسے خود ایونٹ مینجمنٹ میں آنے کی آفر کی ہے۔ کرنل شہاب کے خیال میں ان بے کار کاموں کا کوئی فائدہ نہیں تھا' مگر انہوں نے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔

اگلے دو ہفتوں میں وہ روحان تیمور کے معمولات دیکھ کر حیران بھی ہوئی تھی اور مرعوب بھی۔ وہ صحیح معنوں میں ایک محنتی شخص تھا۔ قائداعظم کی "کام کام اور کام" والی تھیوری پر فٹ بیٹھتا تھا۔ صبح ریسٹورنٹ جاتا' نہ صرف سپروائز کرتا بلکہ اپنے ہاتھ سے کام کرتا۔ اس کا کہنا تھا کہ بزنس تب ہی چلتا ہے جب انسان اس میں انٹرسٹ لے اور اس کے لیے محنت کرے۔

ریسٹورنٹ میں ہی ایونٹ پلاننگ پر کام شروع کر دیتا۔ اقدس کو بتاتا کہ کیسے ایونٹ پلان کرنا ہے کون سے پوائنٹس پہلے نوٹ کرنے ہیں۔ پھر اسے سائٹ پر لے جا کر جاتا۔ وہاں ارینجمنٹس کرواتا' وہ پوائنٹس نوٹ کرواتا جو پلانر میں شامل کرنے ہوتے۔ باقی کے کام انسٹی ٹیوٹ جا کر نبٹاتے۔ انسٹی ٹیوٹ کی دن بھر کی رپورٹ بھی اسے چیک کرائی جاتی۔ ایک آدھ راؤنڈ پورے انسٹی ٹیوٹ کا لگاتا۔

وہ مختلف ایونٹس پر بھی مدعو ہوتا جن پر اب اقدس کو بھی ساتھ لے کر جاتا تاکہ وہ سیکھ سکے کہ کس طرح ایونٹس ارینج کیے جاتے ہیں۔ دن بھر کی اس تھکا دینے والی روٹین میں تین کپ کافی کے تھے جو اسے فریش کر دیا کرتے تھے۔ کافی ختم کرتے ہی ایسے فریش نظر آتا جیسے ابھی اس نے دن کا آغاز کیا ہو۔

صرف محنت ہی اس کی خوبی نہیں تھی جو اقدس کو متاثر کر رہی تھی۔ اس کا سب کو عزت دینا چاہے وہ عام ورکر ہی کیوں نہ ہو۔ شروع میں اقدس کو لگتا وہ اس کا مذاق اڑائے گا' مگر وہ ہمیشہ اس کی حوصلہ افزائی کرتا' کبھی ڈی گریڈ نہیں کرتا ایک بات جو اقدس کو سب سے زیادہ اچھی لگتی تھی وہ اس کا فاصلہ رکھ کر بیٹھنا تھا۔ جب بھی وہ بیٹھتے' روحان ہمیشہ اپنے اور اس کے درمیان فاصلہ رکھتا۔

وہ روحان تیمور کی سحر انگیز شخصیت کی گرویدہ ہوتی جا رہی تھی۔

اقدس اس کے آفس میں بیٹھی میگزین پڑھ رہی تھی۔

"کیسا لگا آرٹیکل۔" روحان نے اپنی کرسی سنبھالتے ہوئے پوچھا وہ ابھی انسٹی ٹیوٹ کا راؤنڈ لے کر آیا تھا۔

"زبردست سر۔ آپ کا آرٹیکل دلچسپ بھی ہے اور انفارمیٹو بھی۔" اقدس نے برملا تعریف کی۔ روحان مسکرایا۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں۔ اسی میگزین میں میرے ٹیچر کا آرٹیکل چھپتا ہے وہ پڑھیں گی تو میرا فوڈ کارنر بھول جائیں گی۔"

"یاد تو ہوں گے سکندر رضا آپ کو۔" اس کے مسکراہٹ دبا کے پوچھنے پر وہ جھینپی۔

"بالکل سر! وہ مجھے اور میں انہیں نہیں بھول سکتی۔"

"ہوں پھر تو ایک سرپرائز ملاقات ہونی چاہیے۔" روحان نے کہتے ہوئے کچھ اور میگزینز اس کے سامنے رکھے تھے۔

"یہ پچھلے کچھ مہینوں کے میگزینز ہیں اگر پڑھنا چاہو۔" اقدس نے سر ہلایا پھر جھجکتے ہوئے بولی۔

"ایک بات پوچھنا چاہ رہی تھی سر آپ سے۔"

"جی پوچھیں۔" روحان نے نرمی سے اسے دیکھا۔

"آپ کو شیف بننے کا خیال کیسے آیا۔ ہمارے ہاں اس طرح کے پروفیشنز کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاتی۔"

روحان کے چہرے پر خوب صورت مسکراہٹ پھیل گئی۔ "یہ سوال بہت سے لوگوں نے شروع شروع میں مجھ سے کیا تھا۔ اصل میں میری کوئی بہن نہیں ہے تو میں اکثر امی کی مدد کرنے کے لیے کچن میں ان کے ساتھ لگا رہتا تھا اور اچھا کھانا اور اچھا پکانا دونوں ہی مجھے فیسی نیٹ کرتے تھے۔ پھر امی ایک مہینہ بیمار رہیں۔ ڈاکٹر نے انہیں بیڈ ریسٹ بتایا تھا۔ بس پھر میں تھا اور کچن اس وقت مجھے احساس ہوا کہ کوکنگ میرا پیشن بنتا جا رہا تھا۔ ایف ایس سی کے بعد میں سیدھا بابا کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ مجھے ایک ریسٹورنٹ کھولنا ہے۔ میرے بابا بڑے فرینڈلی سے ہیں۔ بڑی نرمی سے انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ بیٹا آپ کے پاس پیسے کتنے ہیں۔ میں شرمندہ ہو گیا کیونکہ اس وقت تو بس پاکٹ منی پر ہی گزارا چلتا تھا۔"

اقدس دلچسپی سے اس کی روداد سن رہی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے پرانے وقت کو یاد کر رہا تھا۔

"میری شرمندگی پر وہ مسکرائے اور پاس بٹھا کر سمجھایا کہ بزنس کے لیے پیسہ اور تجربہ دونوں ضروری ہوتا ہے اور فی الحال مجھے اپنی پڑھائی پر توجہ دینی

چاہیے۔ اس وقت تو میں خاموشی سے اٹھ گیا مگر کچھ اور کرنے پر دل نہیں مانتا تھا۔ پھر میں نے سرچ کرنا شروع کیا کہ پروفیشنل شیف کیسے بنا جا سکتا ہے۔ بس پھر بابا کے سامنے پہنچ گیا کہ مجھے امریکا سے کولینری آرٹس اور ہوٹل مینجمنٹ پڑھنا ہے اور شیف بننا ہے۔

صرف ایک گہری نظر انہوں نے مجھ پر ڈالی تھی اور کہا تھا کہ آج یہ فیصلہ کر رہے ہو تو آئندہ کبھی اس پر پچھتانا نہیں۔ فیملی میں سب نے روکنے کی کوشش کی مگر بابا نے یہی کہا جو روحان کرنا چاہتا ہے کرے میں رکاوٹ نہیں بنوں گا۔ بس محنت کرے اور کچھ بن جائے۔ میں نے امریکہ میں پڑھا بھی اور پارٹ ٹائم جاب بھی کی اور اپنے شوق کو اپنا پروفیشن بنا لیا۔ اب میں محنت سے گھبراتا نہیں کیونکہ اس کام سے مجھے سکون ملتا ہے۔ بس یہی ہے میری کہانی۔" روحان نے اپنی طرف دلچسپی اور حیرت سے تکتی اقدس کو دیکھا۔

"آپ کے فادر بہت سپورٹیو ہیں۔ آپ کی باتوں میں اکثر ان ہی کا ذکر ہوتا ہے۔"

"سب کے پہلے ہیرو تو فادر ہی ہوتے ہیں اور یہ بات لڑکیوں سے بہتر کون جان سکتا ہے۔" روحان نے مسکراتے ہوئے لیپ ٹاپ آن کیا تھا۔

"میری تو ابو سے سرد جنگ ہی چلتی رہتی ہے۔" اقدس کے منہ سے بے ساختہ نکلا کیونکہ وہ اکثر اپنے خیالات کا اظہار مہر کے سامنے کرتی رہتی تھی۔

روحان نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "ایسا کیوں؟"

"ان کا مزاج بہت سخت ہے۔" اقدس نے بات بنائی۔

"سخت ہوتے تو آپ یوں پڑھائی وڑھائی سب چھوڑ کر فارغ نہ ہوتیں۔"

"وہ مجھ پر زیادہ توجہ نہیں دیتے اور اگر آپ پانچ منٹ ان کے پاس بیٹھ جائیں تو آپ کو لگے گا کہ ان کی صرف دو بیٹیاں ہیں وہ بھی قابل اور لائق۔

میری انہیں ذرا بھی پروا نہیں۔" اس نے ناک سکیڑی۔

"اقدس! وہ تمہارے فادر ہیں اور ماں، باپ کے لیے ساری اولاد ایک جیسی ہوتی ہے۔" روحان نے اس کے اندر کی تلخی کو محسوس کیا تھا۔

"آپ میرے ابو سے ملیں گے تو خود ہی دیکھ لیجیے گا۔ چلیں چھوڑیں اس قصے کو۔ یہ میگزینز لے جاؤں، سارے آرٹیکل پڑھنے ہیں مجھے۔" اقدس نے موضوع بدلا۔ وہ اپنا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔

روحان نے گہرا سانس لیتے ہوئے سر ہلایا۔

☆ ☆ ☆

آج اتوار تھا اور وہ صبح سے کچن میں مصروف تھی۔ دوپہر کے کھانے کا وقت قریب تھا۔ ایسے میں مہرین آپی کچن میں آئیں۔

"ہوں.... خوشبو تو بہت اچھی آ رہی ہے۔ شکر ہے ہم معصوموں کا بھی کچھ خیال آیا تمہیں۔ بہن کوکنگ سیکھ رہی ہو اور گھر والے مستفید نہ ہوں یہ تو بڑی زیادتی ہے۔" مہرین نے سارے کچن کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"فکر نہ کریں، اب یہ سخاوت میں ہر سنڈے کو دکھایا کروں گی۔ آخر آپ کی بہن ماسٹر شیف جو بنتی جا رہی ہے۔" اقدس نے مسکراتے ہوئے کہا، ساتھ ساتھ وہ سلاد کی پلیٹ تیار کر رہی تھی۔

"بیٹا! میں نے تو کہا تھا مدد کروا دیتا ہوں، مگر اقدس بیٹی نے کچن میں کھڑے ہونے کی بھی اجازت نہیں دی۔" مجید چاچا کی آواز پر دونوں مڑیں۔

"سنڈے کو چاچا آپ کی چھٹی۔ کھانا میں بنایا کروں گی، آپ آرام کرنا۔"

برتن لگاتے مجید چاچا شفقت سے مسکرائے۔ وہ اس گھر میں برسوں سے کام کرتے آ رہے تھے۔ اس گھر سے اتنی اپنائیت ملی تھی کہ بڑھتی عمر کے باوجود وہ کام چھوڑ کر نہیں گئے۔ حالانکہ اب ان کے اپنے بچے کمانے لگے تھے۔

"کچھ بنا بھی ابھی تک۔" ثانیہ نے کچن میں جھانکا۔اس کے لہجے میں شرارت پنہاں تھی۔

"شیف اقدس نے سب ریڈی کردیا ہے۔ آپ دونوں خوب صورت لڑکیاں جاکر ٹیبل پر بیٹھیں اور اپنی حسین والدہ کو بھی پکڑ کر بٹھائیں تاکہ وہ اس تاریخی دعوت کا حصہ بن سکیں۔" اقدس نے شوخی سے کہتے ہوئے کھانا ڈشوں میں نکالنا شروع کیا۔

وہ دونوں محظوظ ہوتی کچن سے چلی گئیں۔

اقدس نے جلدی جلدی مجید چاچا کے ساتھ مل کر ٹیبل لگایا۔ کرنل شہاب کسی دعوت میں مدعو تھے۔ اس لیے اس وقت گھر پر موجود نہیں تھے۔

"کیا' کیا بنایا ہے۔" سب سے پہلے مہرین آپی نے پوچھا۔

"آلمنڈ چکن' ایگ فرائیڈ رائس' میکسیکن سیلڈ اور یہ سوئیٹ ڈش میں لیمن ڈیلائٹ۔"

"چلیں شروع کریں۔" ثانیہ نے چالوں کی ڈش امی کے سامنے رکھی۔

"بہت مزے کا ہے چکن۔" مہرین نے تعریف کی۔

"اچھا ہوتا کہ تمہارے ابو بھی گھر پر ہوتے۔"

"تعریف پھر بھی نہ کرتے۔" اقدس کی زبان ہمیشہ کی طرح پھسلی تھی۔

"کیوں نہ کرتے' اتنا مزے کا ہے سب کچھ۔" امی کے لہجے میں خفگی تھی۔

"کیونکہ ان کے منہ میں کڑواہٹ ہی بہت ہے' وہ بھی میرے لیے۔" یہ صرف اس نے سوچا تھا۔ ثانیہ آپی کی تنبیہی نظریں وہ پہلے ہی محسوس کررہی تھی۔

"ابو کے لیے میں نے رکھ دیا ہے۔" اقدس کو امی کو تسلی دینی پڑی۔ "مستقبل کی ماسٹر شیف تو بنتی نظر آرہی ہو۔" مہرین نے موضوع تبدیل کرنا چاہا۔

اس کے خوش گوار لہجے پر اقدس بھی پرجوش ہوکر بتانے لگی۔ "یہ تو کچھ بھی نہیں' سر روحان اتنے مزے کا کھانا بناتے ہیں کہ آپ بس انگلیاں چاٹتے رہ جائیں۔ میں روز ان کی بنائی ہوئی مزے مزے کی چیزیں کھاتی ہوں۔" روحان جو اپنے اسٹوڈنٹس کو سکھاتے ہوئے بناتا' وہ روز آدھا کھا جاتی تھی۔ سوچ کر ہی اس کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔

میسج ٹون پر ثانیہ کا دھیان بٹا تھا۔ حنا کو میسجز کرتی وہ موبائل کھانے کے ٹیبل پر ہی لے آئی تھی۔ نمبر دیکھ کر اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی میسج پڑھنا شروع کردیا۔

کوشش کے باوجود بھی تو بھولتا نہیں
تیرے بغیر کیا کروں کچھ سوجھتا نہیں

ہوتی ہے صبح و شام مگر اس کے باوجود
ہے چاند تیری یاد کا جو ڈوبتا نہیں

☆ ☆ ☆

روحان نے فوڈ فیسٹیول کرانے کی ذمہ داری اقدس کو دے دی۔ سر سرمد نے دبے لفظوں میں روحان کے اس فیصلے کی مخالفت کی تھی' مگر روحان نے اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ انہیں کہا کہ اقدس ہی یہ ایونٹ ارینج کروائے گی اور یقیناً "یہ ایک اچھا ایونٹ ثابت ہوگا۔

اقدس کو جب سے یہ ٹاسک ملا تھا' وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی۔ سال کا اتنا بڑا فوڈ فیسٹیول وہ ارینج کرنے جارہی تھی' یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ وہ خوش تھی اور خوشی اس کے چہرے سے چھلک رہی تھی۔ ایونٹ کا کاغذی منصوبہ وہ پہلے ہی بنا چکی تھی۔ آج وہ سائٹ پر موجود تھے جہاں یہ فیسٹیول منعقد ہونا تھا۔

روحان اپنے دوست اسامہ سے کچھ باتیں ڈسکس کرکے اس طرف آیا تھا۔ جہاں اقدس کھڑی مینجمنٹ کے بندے سے بحث کررہی تھی۔

"دیکھیں مس! پیکج میں....."

اقدس نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔ "آپ پیکج کو چھوڑیں' میں جب آپ سے کہہ رہی ہوں کہ آپ صرف سٹنگ ارینجمنٹ کروائیں' باقی ڈیکوریشن وغیرہ میں دیکھ لوں گی۔" اس بندے نے

روحان کو دیکھ کر اسے مخاطب کیا۔
"سر! مس بات سمجھ نہیں رہیں۔"
"ٹھیک ہے۔ آپ جائیں' جیسا میڈم کہہ رہی ہیں ویسا ہی کریں۔" روحان نے نرمی سے بات ختم کی۔ وہ سرہلاتا ہوا چلا گیا۔ اقدس اس کی طرف مڑی۔
"حد ہے سر! اتنی دیر سے سمجھا رہی ہوں مگر سن ہی نہیں رہا۔ ڈیکوریشن کے لیے میں نے سرچ کیا ہے' الگ سے اچھا سا ڈیکور کروائیں گے۔ باقی رہا شیفس وغیرہ کو انوائیٹ کرنا تو میں لسٹ آپ کو دوں گی۔ انہیں آپ خود کال کرلیں۔"
روحان کو مسکراتے ہوئے دیکھ کر وہ بولتے بولتے رک گئی۔
"کیا ہوا سر! کچھ غلط ہو گیا ہے۔" وہ ٹھٹکی۔
"ایسا تو کچھ نہیں کہا میں نے۔" روحان نے مسکراہٹ روکی۔ "بس آپ کا جوش و خروش دیکھ رہا ہوں۔"
اقدس مسکرائی' مسکراتے ہوئے اس کے دائیں گال پر ڈمپل پڑتا تھا۔ اسی وقت اسامہ ان کے قریب آیا۔
"روحان یار! الگ سے ڈیکوریشن کروانے کی کیا ضرورت ہے۔ جب پیکج میں ہے۔ اس طرح تو ہمارا بجٹ آؤٹ ہو جائے گا۔"
"خیر ہے' اس بار الگ سے کروالیتے ہیں۔" روحان نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ اقدس حیران سی دونوں کو دیکھ رہی تھی۔
"سر ڈیکور تو اچھا ہونا چاہیے۔ آخر اتنا بڑا فیسٹیول ہے اس سال کا۔" اقدس نے اپنی رائے دی۔
"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں' مگر ہم ہمیشہ ان ہی سے سب کرواتے ہیں' جیسا بھی کروانا ہو اور پھر ابھی اور بھی بہت سی چیزیں ہیں جن کا انتظام بجٹ میں رہتے ہوئے کرنا ہے۔" اسامہ نے اسے سمجھایا۔
اقدس جی بھر کر شرمندہ ہوئی۔ اب اس کی سمجھ میں آیا کہ وہ ایونٹ مینجمنٹ والا کیوں بار بار کچھ کہنا چاہ رہا تھا اور وہ اپنی دھن میں اسے خاموش کراتی رہی۔

"اچھا تم جاؤ۔ ڈیکور میں اپنے کھاتے میں ڈال لوں گا۔" روحان نے مداخلت کی۔
"مگر..." اسامہ نے کچھ کہنا چاہا۔
"اس پر بعد میں بات کرتے ہیں' تمہیں میٹنگ میں پہنچنا ہے۔" روحان نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے اسے یاد دلایا۔ اسامہ سرہلاتا باہر کی طرف چلا گیا۔
"سر آپ اسی لیے مسکرا رہے تھے۔ میں نے تو پہلے ہی کہا تھا' مجھ سے کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہوتی ہے۔"
روحان اس کی طرف مڑا جو شرمندہ ہو کر اور بھی پیاری لگ رہی تھی۔ اس کی جھکی آنکھیں' چہرے کی سرخی اور دھیرے دھیرے ہلتی ہوئی پونی ٹیل۔
"اور وہ بے چارہ تو بتانا چاہ رہا تھا' میں نے اس کی ایک نہیں سنی۔" اقدس نے لب کاٹے۔
"چلیں اس سے آپ نے یہ تو سیکھا کہ پہلے توجہ سے دوسرے کی بات سن لینی چاہیے۔" روحان محظوظ ہوا۔
"میں ان سے بات کرلوں گی' پیکج ہی ٹھیک ہے' میری وجہ سے بجٹ آؤٹ ہونا نہیں چاہیے۔"
"آج ایک بات سمجھ لیں اقدس! گڑبڑ یا غلطی کا ہو جانا بری بات نہیں ہے۔ اسے دہرانا برا ہے۔ اب کم از کم آپ باقی چیزوں کو دیکھتے ہوئے بجٹ کو دھیان میں رکھیں گی۔ اتنا بڑا فیسٹول ایسے ہی آپ کو نہیں دیا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ یہ کرلیں گی اور رہی بات ڈیکوریشن کی' تو خیر ہے۔ اس بار ہم الگ سے کروالیتے ہیں اور پھر یہ سال کا اتنا بڑا فیسٹول ہے اگر تھوڑا بہت بجٹ اوپر چلا گیا تو کوئی بات نہیں۔"
روحان کے نرمی سے کہنے پر اقدس نے اس کی بھوری آنکھوں کو دیکھا جن میں ملائمت تھی' اعتماد تھا۔
"تھینک یو سر۔ اور اس بار نو گڑبڑ' یہ فیسٹیول ضرور اچھا ہوگا۔" اقدس نے بمشکل اس کی آنکھوں پر سے نظر ہٹا کر اعتماد سے کہا۔
"گڈ' یہ ہوئی نا میرے اسٹوڈنٹس والی بات۔"

روحان نے مسکراتے ہوئے لسٹ اس کے ہاتھ سے لی جس پر شیفس کے نام اور فون نمبر درج تھے۔

☼ ☼ ☼

کوریڈور سے گزرتی وہ کیفے کی طرف جا رہی تھی۔ لنچ ٹائم تھا اور کیفے میں مثال اور صبا اس کی منتظر تھیں۔ وہ اپنے دھیان میں جا رہی تھی کہ سامنے سے کسی شخص نے اسے سلام کیا تو وہ چونک کر رک گئی۔

"کیسی ہو فریال؟" باوقار سے ڈاکٹر جنید اس کے سامنے تھے۔

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ آج یہاں کیسے؟" فریال نے عام سے انداز میں پوچھا۔

"دل چاہا پرانے دوستوں سے ملنے کا تو آ گیا۔ تم بتاؤ شادی کب کر رہی ہو۔"

"ہوں، مجھے چھوڑیں۔ آپ شادی کب کر رہے ہیں۔ اب تو اسپیشلائزیشن بھی ہو چکی۔"

انہوں نے فریال پر گہری نظر ڈالی جو انجان نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔ "جب تم مان جاؤں گی تو شادی بھی کر لوں گا۔" ان کے یوں کھل کر کہنے پر وہ اندر سے جز بز ہوئی تھی، مگر ظاہر نہ ہونے دیا اور بے نیازی سے اپنے بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے بولی۔

"میرا یہاں کیا ذکر۔"

"کسی اور کا تو ذکر ہو نہیں سکتا۔" وہ بھی آج موڈ میں تھے۔

"یعنی آپ کنوارے ہی رہنا چاہتے ہیں۔" فریال نے اعتماد سے ان کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ ایسے مسکرائے تھے جیسے کوئی بڑا کسی بچے کی بات پر مسکراتا ہے۔

"لیٹ سی۔"

"آپ مجھے چیلنج کر رہے ہیں۔" فریال تپی۔

"اپنا موڈ مت خراب کرو فریال، ویسے بھی آج میں تمہیں پروپوز کرنے نہیں آیا۔ جاؤ اپنا لنچ انجوائے کرو۔"

نرمی سے کہتے ہوئے وہ آگے بڑھ گئے۔ فریال ان کے لہجے میں چھپے یقین پر مزید تپی تھی۔ کچھ دیر ان کی پشت کو گھورتے رہنے کے بعد سر جھٹکتی ہوئی باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

"سچ بتاؤں تو تمہاری یہ خاموشی بھی مجھے اچھی لگتی ہے۔ یہ تمہارا مضبوط کردار ہی ہے جس نے کسی ان جان شخص سے بات کرنا گوارا نہیں کیا۔ مگر اب ثانیہ، میرا دل چاہتا ہے کہ تم مجھے جانو۔ پھر تم مجھے قبول کرتی ہو یا نہیں یہ تمہارا حق ہے۔ کوئی بھی فیصلہ کر سکتی ہو۔ میں اسپتال میں ہوں، اتنا اندازہ تو تمہیں ہو گا۔ آج میں نے گہرے نیلے رنگ کی شرٹ پہن رکھی ہے۔ تھوڑا بچکانہ طریقہ ہے، مگر کبھی کبھی بچہ بننے میں کوئی حرج نہیں۔"

یہ میسج اسے تب موصول ہوا تھا جب صبح وہ اپنی اٹینڈنس (حاضری) لگا رہی تھی۔ اس وقت تو اس نے سوچا تھا کہ وہ اسے تلاش نہیں کرے گی، مگر وارڈ میں غیر ارادی پر اپنے ساتھی ڈاکٹرز کی طرف اس کی نظریں اٹھتی رہیں۔

ڈاکٹر سلمان کو گہرے نیلے رنگ کی شرٹ میں دیکھ کر اس کی سانس اٹکی تھی۔ مگر پھر ڈاکٹر خرم اور ڈاکٹر قدیر کو نیلی شرٹس پہنے دیکھ کر اس نے خود کو سرزنش کی کہ وہ کیوں ایک انجان شخص کی باتوں میں آ رہی ہے۔

سارے دن کی تھکا دینے والی مصروفیات اور ایک بے نام سی بے سکونی نے لنچ بریک تک اسے نڈھال کر دیا تھا۔ وہ خود کو کتنا ہی روکتی، مگر سارے دن وہ سب میں اس اس انجان شخص کو تلاش کرتی رہی۔ تجسس سا پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے بارے میں......

لنچ بریک میں گوہر کو اسی رنگ کی شرٹ میں دیکھ کر وہ مزید پریشان ہوئی تھی۔ صد شکر کہ وہ پڑھنے نہیں آیا تھا۔ ثانیہ کا اپنا ذہن الجھا ہوا تھا، پڑھاتی کیا خاک۔ وہ کتاب واپس کرنے آیا تھا۔ نارمل انداز میں چند باتیں کر کے چلا گیا۔ حنا اور فرح نے بھی اس کی غائب دماغی محسوس کی تھی۔ مگر وہ کیا بتاتی۔ سر درد کا کہہ دیا، جواب

واقعی ـــ ہو رہا تھا۔ وہ چائے پی کر اٹھ رہی تھی جب میسج پھر آیا۔

"سوری ثانیہ! مجھے پتا نہیں تھا کہ آج اتنے لوگ نیلا رنگ پہن آئیں گے۔ وقت ملا تو سوچا معذرت کرلوں۔ کہیں یہ نہ سمجھو کہ میں تمہیں تنگ کر رہا تھا' یا الجھا رہا تھا۔ میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔ تم میرے لیے بہت اہم ہو اور ایک دن اچانک سے میں تمہارے سامنے آجاؤں گا' جیسے تم میرے دل میں آگئیں۔"

ثانیہ ایک گہرا سانس لیتی اٹھ گئی۔

✡ ✡ ✡

بینچ سے اٹھ کر وہ جاگنگ ٹریک کی طرف آئے تھے۔ یہ ان کا روز کا معمول تھا کہ وہ صبح سویرے پارک میں آکر جاگنگ کیا کرتے تھے۔ ابھی وہ کچھ فاصلہ ہی طے کرسکے تھے کہ کسی نے سلام کرتے ہوئے انہیں روکا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے اس خوش شکل نوجوان کو دیکھا۔

"انکل! آپ اپنی عینک اور اخبار بینچ پر بھول آئے تھے۔" اس کے شائستگی سے کہنے پر وہ مسکرائے اور اس کے ہاتھ سے دونوں چیزیں لے لیں۔

"شکریہ بیٹا! نئے آئے ہو؟ پہلے کبھی دیکھا نہیں یہاں۔"

"جی' یہاں اپنا گھر تعمیر کروایا ہے۔ ابھی فیملی نہیں آئی اور میں بھی نکل نہیں سکا کہ آس پاس کسی سے ملاقات ہو پاتی۔"

"والد کیا کرتے ہیں؟"

"آرمی میں ہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"کس رینک پر؟"

"کرنل ہیں۔"

"یہ تو بڑا اچھا اتفاق ہے' میں بھی آرمی میں ہوں' کرنل شہاب۔" انہوں نے اپنا تعارف کرایا پھر خیال آیا۔

"برخوردار! تمہارا نام تو میں نے پوچھا ہی نہیں۔"

"روحان تیمور۔" وہ بھی مسکرایا۔

"ارے' تیمور علوی کے بیٹے تو نہیں ہو۔" وہ چونکے۔

"جی... آپ جانتے ہیں ابو کو۔" روحان حیران ہوا۔

"بہت اچھی طرح... مری میں ہم ساتھ تھے۔ بہترین دوستی رہی' پھر شفٹ ہوئے تب بھی کچھ عرصہ رابطہ رہا۔ بس اچانک ہی غائب ہو گیا تیمور۔ اب کہاں پوسٹڈ ہے۔"

"سیالکوٹ میں تھے۔ اب اسلام آباد پوسٹنگ ہوگئی ہے۔ دو تین ہفتوں تک آجائیں گے۔"

"بہت خوشی ہوئی تم سے مل کر' وہ آجائے تو اس سے بھی دو' دو ہاتھ کروں گا۔" وہ ہلکے پھلکے انداز میں مسکرائے۔

روحان کے چہرے پر بھی دھیمی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"گھر چلو۔ تمہاری آنٹی سے ملواتا ہوں اور ناشتا بھی ساتھ کرتے ہیں۔" جاگنگ کے بعد انہوں نے کہا۔

"میں کسی اور دن چکر لگالوں گا۔ ناشتے کا تکلف نہ کریں۔"

"تکلف کیسا' تم تو اپنے بیٹے ہو۔" اسے پھر سے منہ کھولتے دیکھ کر انہوں نے ڈپٹا۔ "میں کچھ نہیں سنوں گا' تم میرے ساتھ چل رہے ہو۔ اتوار کے دن تمہاری آنٹی بڑے مزے دار پراٹھے بناتی ہیں' وہ بھی اپنے ہاتھ سے..."

ان کے پرخلوص انداز پر وہ مزید انکار نہیں کرسکا اور ان کے ساتھ چل پڑا۔

✡ ✡ ✡

اتوار کے دن ان کے گھر میں صبح نو بجے ناشتا لگا دیا جاتا تھا اور سب کا ناشتے کی ٹیبل پر موجود ہونا بھی ضروری ہوتا۔ بیس منٹ پہلے وہ غسل سے اٹھی تھی۔ منہ ہاتھ دھو کر بالوں کو مخصوص انداز میں پونی میں مقید کر کے وہ کچن میں آئی تھی۔ جہاں امی پراٹھے بنا رہی تھیں۔ مجید چاچا چائے اور انڈے بنانے میں

مصروف تھے۔

"امی! آپ سے یہ پراٹھے میں بھی سیکھوں گی۔"

اقدس نے بل دار خستہ پراٹھوں کو دیکھا۔

"ضرور سیکھو۔" میں تو ثانیہ اور مہرین کو بھی کہتی ہوں، مگر وہ دونوں پڑھائی سے سر نکالیں تب نا۔"

امی اس کی بات پر خوش ہوئیں۔ وہ آج کل اس کے اچھا پکانے پر بڑی خوش تھیں۔ اب وہ ہر اتوار کو کچھ نہ کچھ بنا کر کھلاتی تھی۔ وہ لاونج میں آکر بیٹھ گئی۔ ٹی وی لگانے کی غرض سے ریموٹ اٹھایا، مگر ابو کو ڈرائنگ روم سے نکلتے دیکھ کر حیران ہوئی۔

"اس وقت کون آگیا۔" اس نے دل میں سوچا۔

اور ڈرائنگ روم کے دروازے سے اندر جھانکا۔ ڈرائنگ روم میں روحان تیمور کو دیکھ کر وہ حیرت زدہ رہ گئی۔ وہ تیز قدموں سے آگے بڑھی۔

"سر! آپ یہاں کیسے؟" اقدس کو سامنے دیکھ کر اس کے چہرے پر بھی حیرت نمودار ہوئی، مگر اس کے کھلے منہ اور حیرت زدہ تاثرات دیکھ کر روحان اپنی بے ساختہ مسکراہٹ روک نہ پایا۔

"یہ سوال تو میں بھی کر سکتا ہوں۔"

"یہ میرا گھر ہے۔" اقدس جلدی سے بولی۔ اچانک ایک خیال اس کے ذہن میں ابھرا تھا۔ "کہیں آپ ابو سے میری شکایت کرنے تو نہیں آئے۔ لیکن اب تو میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ کوئی گڑبڑ، کوئی نقصان، کچھ بھی نہیں۔" پریشانی اس کے چہرے پر صاف نظر آرہی تھی۔

اس کے بولنے کی رفتار پر روحان دھیمے انداز میں ہنسا۔ "ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں تو آپ کے گھر اچھا سا ناشتا کرنے آیا ہوں۔"

"ناشتا..." اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی۔ ابو، امی کو لیے اندر آئے تھے۔

"اپنی آنٹی سے ملو۔" روحان اب کھڑے ہو کر ان سے حال احوال پوچھ رہا تھا۔

"تیمور سے شکل بھی بہت ملتی ہے اس کی۔ تب ہی تو مجھے لگا کہ کہیں دیکھا ہے اسے۔" کرنل شہاب خوشی سے امی کو بتا رہے تھے۔ اقدس ان تینوں کو باتیں کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

اس پر نظر پڑتے ہی کرنل شہاب نے اسے گھورا جیسے کہہ رہے ہوں کہ تم یہاں کیا کر رہی ہو۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنی جگہ سے ہلتی، روحان کی بات سن کر وہ وہیں جم گئی۔

"آنٹی! آپ لوگوں سے تو اب ملاقات ہو رہی ہے۔ اقدس کو تو میں جانتا ہوں۔ بڑی اچھی اسٹوڈنٹ ہے میری۔"

کرنل شہاب اور امی کے چہروں پر حیرت در آئی۔

"ٹیچنگ کرتے ہو۔"

جواب میں روحان نے بتایا کہ وہ شیف ہے اور اقدس اسی کے انسٹی ٹیوٹ سے کوکنگ کورس کر رہی ہے۔

امی تو یہ سن کر نارمل ہی رہی تھیں، مگر کرنل شہاب کے چہرے پر اس کا پروفیشن سن کر جو ناگواری پھیلی تھی وہ اقدس کو صاف محسوس ہوئی تھی۔ انہیں باتیں کرتا چھوڑ کر وہ امی کے پیچھے کچن میں آگئی۔ جہاں مجید چاچا چائے ڈال رہے تھے۔ ثانیہ اور مہرین ٹیبل سیٹ کر رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"سر... کل آپ کو ابو کے سامنے میرا ذکر نہیں کرنا چاہیے تھا۔" اس نے جھجکتے ہوئے ٹاپک چھیڑا۔

"کیوں؟" روحان نے حیران نظروں سے اسے دیکھا۔

"میرا ذکر انہیں کچھ خاص پسند نہیں ہے۔" اس کی زبان پھسلی۔

"میرا مطلب ہے میرے بارے میں انہیں سب نیگیٹو ہی لگتا ہے۔ میرا کوئی کام پسند نہیں کرتے۔ جیسے کل وہ اپ سیٹ ہو گئے تھے۔" اس نے بات سنبھالنے کی کوشش کی۔

"یہ تو مجھے نہیں پتا کہ آپ کا انکل کے ساتھ تعلق اس قدر سرد کیوں ہے اور جہاں تک ان کے اپ سیٹ

ہونے کی بات ہے تو آپ کی وجہ سے نہیں' بلکہ میرے پروفیشن کا سن کر ان کے چہرے پر ناپسندیدگی آگئی تھی۔"

اقدس کے ایپرن پہنتے ہاتھ رکے۔

"اور یہ بات مجھے بالکل بری نہیں لگی۔ بہت سے لوگ جب شروع میں مجھ سے ملتے ہیں' میرے کام کے بارے میں جانتے ہیں تو ایسے ہی ری ایکٹ کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں ابھی بھی یہ اتنا قابل عزت کام نہیں سمجھا جاتا۔ مگر میں اس بات پر کبھی شرمندہ نہیں ہوتا کہ میں ایک شیف ہوں۔ میں محنت کرتا ہوں' حلال طریقے سے روزی کماتا ہوں' میرے لیے یہ ہی اہم ہے۔ کوئی کام چھوٹا یا بڑا نہیں ہوتا۔"

اس کے سنجیدگی سے کہنے پر اقدس جلدی سے بولی' مبادا وہ اسے بھی غلط ہی نہ سمجھ لے۔

"مجھے تو کوئی ایشو نہیں ہے سر۔ میں تو خود شیف بننا چاہتی ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔ لیکن کل آپ یہ بتانا نہیں چاہ رہی تھیں۔ میری ایک بات یاد رکھیے گا' جس کام پر آپ خود شرمندگی محسوس کریں گی' عزت نہ دیں تو دوسروں سے بھی یہ شکایت نہ کریں کہ وہ اسے قابل عزت کیوں نہیں سمجھتے۔"

روحان نے اپنے مخصوص انداز میں اسے سمجھایا۔ اقدس کا چہرا شرمندگی سے سرخ پڑ گیا تھا۔ روحان نرمی سے مسکرایا۔

"بھئی..... ویجی ٹیبل اور مشروم سوپ آج کی تاریخ میں بنے گا یا باتوں سے ہی گزارا کرنا پڑے گا۔"

اقدس جلدی سے آگے بڑھی' پہلے اس نے سبزیاں دھوئیں' پھر کٹنگ بورڈ پر انہیں کاٹنا شروع کیا۔ روحان کچھ دیر انہماک سے اسے کام کرتا دیکھتا رہا۔ اس کے ہاتھوں کی حرکت کے ساتھ ساتھ اس کی پونی ٹیل بھی مسلسل جھول رہی تھی۔ اسے کام کرتا چھوڑ کر وہ کلاس کا راؤنڈ لگانے کی غرض سے آگے بڑھ گیا۔

اقدس کی چیخ سن کر وہ تیزی سے واپس مڑا۔ اقدس کے بائیں ہاتھ کی انگلی پر گہرا کٹ لگا تھا' جس سے خون نکل رہا تھا۔ نتاشا اس کا زخم دیکھنا چاہ رہی تھی' مگر اقدس اسے اپنے قریب نہیں آنے دے رہی تھی اور اسے منع کرتے ہوئے مسلسل روئے جا رہی تھی۔

"نتاشا کو زخم دکھائیں' وہ آرام سے پٹی کر دیں گی۔"

روحان نرمی سے کہتا آگے آیا۔ مگر اقدس نفی میں سر ہلاتی روئے جا رہی تھی۔ روحان نے آگے بڑھ کر اس کی کلائی مضبوطی سے پکڑ کر اسے اسٹول پر بٹھایا۔

"اقدس! خاموشی سے یہاں بیٹھیں اور نتاشا کو اپنا کام کرنے دیں۔" اس نے سخت لہجے میں کہا تھا۔ نتاشا اب پٹی باندھ رہی تھی۔ روحان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اقدس! درد کچھ کم ہوا۔" اس نے کھنکارتے ہوئے اسے متوجہ کیا۔ وہ بری طرح چونکی' پھر محض سر ہلا کر آنکھیں جھکا گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

اس کی دوستوں کی آج نائٹ ڈیوٹی تھی۔ اس لیے چھٹی کے بعد وہ اکیلی ہی شاپنگ مال آگئی تھی۔ ابھی وہ ایک دکان میں داخل ہوئی ہی تھی کہ کاؤنٹر کے پاس کھڑا شخص اسے جانا پہچانا لگا۔ وہ سر جھٹک کر آگے بڑھ جانا چاہتی تھی' مگر ایک خیال نے اس کے اندر سر اٹھایا تھا۔ وہ اب بل ادا کر کے باہر نکل رہا تھا۔ فریال تیزی سے اس کے پیچھے آئی۔

"روحان تیمور۔" وہ اس آواز پر چونک کر مڑا۔

"تم روحان تیمور ہو نا؟"

سامنے کھڑی اسٹائلش اور حسین لڑکی کو اس نے حیرت سے دیکھا۔ پرپل کلر کے پرنٹڈ ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس وہ بڑی بڑی سیاہ آنکھوں والی لڑکی اسی سے مخاطب تھی۔ اس کے لمبے حسین بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔

"جی..... میں روحان تیمور ہوں' مگر میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔"

"میں فریال سراج..... امریکہ میں ملے تھے ہم' کچھ

یاد آیا۔" فریال کے چہرے پر محظوظ مسکراہٹ تھی۔ اتنے سالوں بعد اسے سامنے دیکھ کر بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"خرم کی کزن فریال۔" اسے بروقت یاد آیا۔ اسٹائلش سی لڑکی لمبے بال' خوب صورت چمک دار آنکھیں۔ وہ ویسی ہی تھی بس حسن میں مزید نکھار آگیا تھا۔

"یس..... میں نے تمہیں دیکھتے ہی پہچان لیا۔ حالانکہ صرف دو مہینے ہی ہم ملتے رہے تھے۔ میں چھٹیوں میں اپنے چچا کے گھر گئی تھی اور تم اپنی خالہ کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ تمہارا اور خرم کا روز کوئی نہ کوئی پلان ہوا کرتا تھا۔" فریال نے خوش ہوتے ہوئے اس وقت کو یاد کیا تھا۔ روحان بھی یاد کرکے مسکرایا۔

"خرم سے تو ابھی بھی میری کافی اچھی دوستی ہے۔ اب بس مصروفیت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ بات کم ہی ہوتی ہے' مگر ہم رابطے میں ضرور ہیں۔"

"پاکستان کب آئے۔ تم تو وہیں پڑھنا چاہتے تھے۔" فریال کی زبان پر سوال مچلا۔

"پڑھائی وہیں سے مکمل کی ہے۔ اب یہاں پر ایک ریسٹورنٹ ہے اور کوکنگ انسٹی ٹیوٹ۔"

فریال نے شاک کی سی کیفیت میں اسے دیکھا تھا۔ روحان اس کو حیرت زدہ دیکھ کر محظوظ ہوا۔ اس وقت جب سب کو بتایا کرتا تھا کہ وہ شیف بننا چاہتا ہے تو اس کی بات کو مذاق سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔

"آئے ایم آشیف (میں ایک شیف ہوں)"

"سیریسلی۔" فریال نے اس کی شان دار پرسنالٹی کو دیکھا۔

اس نے براؤن پینٹ کے ساتھ وائٹ ڈریس شرٹ پہن رکھی تھی۔ سیاہ بال تھوڑے سے ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے۔ بھوری آنکھوں میں ذہانت کی چمک تھی۔ خوب صورت نقوش میں گھلی نرمی اور لہجے کا دھیما پن کسی کو بھی اس کی طرف متوجہ کرسکتا تھا۔ بلا کا خوبرو تھا وہ۔ فریال نے دل سے تسلیم کیا۔ وہ ہو بہو اس کے آئیڈیل کا پرتو تھا۔

"شیف تو کہیں سے نہیں لگتے۔" فریال اپنے دل کی بات زبان پر لائی۔ روحان ہنسا۔ "یقیناً" آپ سوچ رہی ہوں گی میرے سر پر شیف والی ٹوپی ہونی چاہیے اور شرٹ کے اوپر ایپرن۔"

"اب ایسا بھی نہیں ہے۔" فریال مسکرائی۔

"میں چلتا ہوں' کچھ جلدی میں ہوں' انسٹی ٹیوٹ پہنچنا ہے۔" روحان نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر اپنی جیب سے وزیٹنگ کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

"یہ میرا کارڈ ہے۔ جب فری ہوں تو ضرور آیئے گا۔"

فریال نے کارڈ تھام لیا۔

کارڈ کو سنبھال کر اپنے ہینڈ بیگ کی اندرونی پاکٹ میں رکھتے ہوئے اس کے چہرے پر بڑی خوب صورت مسکان پھیلی تھی۔

✡ ✡ ✡

"میرا دل چاہ رہا ہے ثانیہ! ایک بار پھر تم مجھے تلاش کرو۔ اس محبت کی خوشبو کو تلاش کرو جو میرے اردگرد حصار کیے ہوئے ہے اور جس کا تعلق تم سے ہے۔ مجھے یقین ہے آج تم میرے بارے میں اندازہ تو لگا ہی لوگی' ہوسکتا ہے پہچان جاؤ۔ آج میں نے گرے پینٹ' وائٹ شرٹ اور گرے کوٹ پہن رکھا ہے اور..... میری آنکھوں کا رنگ بھی گرے ہے۔ کیا اتنا کافی ہے۔"

میسج کے آخر میں اسمائیلی بنا ہوا تھا۔ خود کو روکنے کے باوجود وہ اس کا میسج پڑھ چکی تھی۔

مگر ابھی اسے جاکر وارڈ نمبر گیارہ کے بیڈ نمبر سات کے مریض کی ہسٹری دوبارہ سے لینی تھی' جس کی وجہ سے کل ڈاکٹر حسام سے اچھی خاصی ڈانٹ سننے کو ملی تھی۔ پتا نہیں کیسے فریال اس کی ہسٹری تبدیل کردیا کرتی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ ہاؤس جاب کے بعد وہ کم از کم اس اسپتال میں جاب نہیں کرے گی' جہاں فریال ہو۔ بس یہ ہاؤس جاب خیر خیریت سے گزر جائے۔

فائل بند کرکے وہ مڑی ہی تھی کہ اس کے پاؤں

جیسے زمین نے جکڑ لیے تھے۔ وہ پلکیں جھپکنا' بھول گئی تھی۔ سامنے سے آتا شخص گرے پینٹ' وائٹ شرٹ اور گرے کوٹ میں ملبوس تھا۔

"نہیں.... ڈریسنگ کا ایک جیسا ہونا اتفاق بھی تو ہو سکتا ہے۔ آنکھیں گرے نہیں ہو سکتیں۔" اس نے دل میں سوچا۔

قریب آتے ہی ثانیہ نے اس کی آنکھوں کا رنگ دیکھا۔ گہری گرے آنکھیں دیکھ کر وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکی تھی۔

"ثانیہ! آر یو آل رائٹ (کیا آپ ٹھیک ہیں۔"

اس نے پوچھا۔

"لیں...." اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی وہ بمشکل بول پائی۔ اس کی گہری آنکھیں اپنے اوپر محسوس کرکے ثانیہ کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی تھی۔ پلکیں جھکی ہوئی تھیں اور نظریں زمین پر تھیں۔

"اوکے...." ڈاکٹر حماد سرہلاتے کاؤنٹر پر موجود نرس سے کچھ دیر بات کرکے اس پر ایک نظر ڈالتے ہوئے آگے بڑھ گئے اور وہ ابھی تک ساکت سی اپنی جگہ کھڑی تھی۔

اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ ڈاکٹر حماد منیر وہ شخص ہو سکتے ہیں جو اس کی محبت میں مبتلا تھا۔ آج کا سارا دن اسی جانچ پڑتال میں گزرنے والا تھا۔ آج وہ سر جھٹک کر اپنا ذہن ان ساری سوچوں سے خالی نہیں کر سکتی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ خوش تھی' اتنی خوش کہ خوشی اس کی آنکھوں سے پھوٹتی تھی۔ پھر مہر کو اس نے اسی رات کو فون کرکے کھنکتی آواز میں بتایا تھا کہ کیسے روحان اس کی تکلیف پر پریشان ہو گیا تھا۔

"امی! آپ کا پوچھ رہی تھیں۔ گھر نہیں آئے آپ۔" اقدس نے پوچھا۔

وہ اس وقت فوڈ فیسٹیول کے لیے ان کاموں کی لسٹ بنا رہی تھی جو ابھی رہتے تھے۔ جبکہ سامنے بیٹھا روحان لیپ ٹاپ پر مصروف تھا۔

"ٹائم نہیں ملتا۔ یہاں سے جاتا ہوں تو آرٹیکل لکھنے بیٹھ جاتا ہوں۔ فیسٹیول بھی قریب ہے' بہت کام پڑا ہے۔ آنٹی سے معذرت کیجئے گا۔ ہاں انکل سے البتہ میری دوبار ملاقات ہوئی ہے۔" روحان نے اسکرین پر نظریں جمائے ہوئے وضاحت کی۔ قریب ہی کافی کا مگ پڑا تھا۔ جس کے گھونٹ وہ ساتھ ساتھ بھر رہا تھا۔

"انکل' آنٹی کب تک آئیں گے؟"

"کنفرم تو نہیں ہے۔ دو ہفتے بعد کا کہہ رہے ہیں۔ ایک ہفتہ پہلے بھی یہ ہی کہہ رہے تھے' لیٹ ہی۔"

"بس پھر ان لوگوں کے آتے ہی ہم اچھی سی دعوت کریں گے۔ امی تو اٹھتے بیٹھتے مجھ سے پوچھتی ہیں۔ میں ہی بھول جاتی تھی آپ سے پوچھنے کا۔" اقدس نے کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

"دعوت تو ہم ضرور کھائیں گے۔ آپ کو اپنے جوہر دکھانے کا موقع بھی تو ملنا چاہیے۔" روحان مسکرایا۔

"میں تو اب سب بنا سکتی ہوں۔ بس امی کو یہ ہی ٹینشن رہے گی۔ کچھ خراب نہ کردوں' حالانکہ اب میں چھوٹی موٹی شیف تو بن ہی چکی ہوں۔ مگر یہ امیاں نہیں سمجھتیں نا۔"

اقدس کے انداز پر وہ محظوظ ہوا۔ "اور اس چھوٹی موٹی شیف کو میں ماسٹر شیف دیکھنا پسند کروں گا۔"

"سر! صرف آپ کو ہی میری صلاحیتوں پر اعتبار ہے۔" اقدس نے لسٹ اسے تھمائی۔ وہ لسٹ پڑھ رہا تھا۔ جب فون کی گھنٹی بجی۔

"لیں...." فون کان سے لگا کر وہ بولا۔ "اوکے' میرے آفس میں بھیج دیں۔" کچھ دیر بعد اس نے سر اٹھایا۔

"یہ سارے کام ابھی مکمل کرنے ہیں' کیونکہ ٹائم کم ہے اور کل جا کر ارینجمنٹس بھی دیکھنی ہیں۔" اقدس نے سرہلایا۔ دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

"لیں...." روحان بولا۔ لسٹ اس نے اقدس کو واپس کردی۔ دروازہ کھلتے ہی روحان نے اٹھ کر آنے والے کا استقبال کیا۔

"ولو... تمہارا انسٹی ٹیوٹ تو بہت شان دار ہے۔ ویسے روحان تیمور سے یہ توقع کی جاسکتی ہے' تم جو بھی کام کرتے ہو بہت اچھا کرتے ہو' آلس پرفیکٹ۔"

فائل میں پیپر رکھتی اقدس اس آواز پر ٹھٹک کر مڑی تھی۔ روحان کے سامنے کھڑی وہ فریال سراج ہی تھی۔ ہمیشہ کی طرح اسٹائلش لباس' خوب صورت سے سیٹ کیے بال' چمکتی حسین آنکھیں' لبوں پر پھیلی خوب صورت مسکراہٹ۔

"تھینک یو' بیٹھیں پلیز۔" روحان نے صوفوں کی طرف اشارہ کیا۔

"مجھے کال کرلیتیں' تو اچھا ہوتا یوں بھی اس وقت میں ریسٹورنٹ میں ہوتا ہوں۔ آج زیادہ کام کی وجہ سے انسٹی ٹیوٹ آگیا۔" روحان اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولا۔

"یوں ہی میرا موڈ بن گیا۔" فریال مسکراتے ہوئے بولی۔ اس کی نظریں روحان پر ہی تھیں۔ اقدس اپنی جگہ جمی اسے ہی دیکھے جارہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ جیسے وہ کمرے میں موجود ہی نہیں' بس وہ دونوں تھے۔

"لنچ ٹائم ہے' میں کچھ منگواتا ہوں۔" روحان اپنی جگہ سے اٹھا۔ پیچھے کھڑی اقدس کو دیکھ کر وہ بولا۔

"اقدس! ان سے ملیں' یہ فریال ہیں اور فریال' یہ میری بہت اچھی اسٹوڈنٹ ہیں۔" روحان نے دونوں کا تعارف کرایا۔

اسے دیکھ کر چند لمحوں کے لیے فریال کے چہرے پر حیرت در آئی۔ مگر اس نے اقدس کو کچھ خاص اہمیت نہ دی اور روحان کی طرف مڑی۔

"مجھے یہاں لنچ نہیں کرنا — چلو تمہارے ریسٹورنٹ ہی چلتے ہیں' اسی بہانے وہ بھی دیکھ لوں گی۔" فون اٹھاتے روحان نے سرہلا کر فون رکھ دیا۔

"آپ بھی چلیں اقدس' لنچ کرلیتے ہیں۔" روحان نے اسے مخاطب کیا۔

"نو سر! میں یہ سب سنبھال لیتی ہوں۔ کلاس سے پہلے کچھ کام بھی کرنا ہے۔"

فائل کے صفحے الٹ پلٹ کرتے ہوئے اس نے کہا۔ نظریں فائل پر جھکی ہوئی تھیں۔

"روحان! چلیں۔ پھر مجھے اسپتال بھی جانا ہوگا۔" فریال نے بے تکلفانہ انداز میں کہا۔

"او کے... اقدس! آپ انور صاحب کی میل چیک کرلیجیے گا۔" روحان نے جاتے ہوئے اسے ہدایت کی۔ اقدس نے بمشکل سرہلایا۔ وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے آفس سے نکل گئے اور اقدس سفید پڑتے چہرے کے ساتھ دروازے کو دیکھتی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

پچھلے ایک گھنٹے سے وہ کمرے میں ادھر سے ادھر بے سبب چکر لگائے جارہی تھی۔ اسے یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ وہ شخص ڈاکٹر حماد ہوسکتے ہیں۔ لیکن ان کے جیسا لباس' نہ کوئی پہنتا ہے' نہ ہی کسی کی آنکھیں اسے گہرے نظر آئی تھیں۔ اس سب کے باوجود اسے اس بات پر یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ ڈاکٹر حماد جو کام کی بات کے علاوہ کسی سے فالتو بات کرنا تو در کنار کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے' وہ اور محبت۔

یہ تو طے تھا وہ اس ٹینشن میں پڑھ نہیں سکتی تھی۔ اس لیے خود کو ریلیکس کرنے کے لیے چائے بنانے کی غرض سے اس نے کچن کا رخ کیا۔

☼ ☼ ☼

"آخر بتاتیں کیوں نہیں کہ ہوا کیا ہے۔" مہر نے پریشانی سے اپنی بات دہرائی۔ اس کے سامنے بیٹھی اقدس جب سے آئی تھی' روئے جارہی تھی۔

"ان کی زندگی میں فریال ہے اور جہاں فریال ہو' وہاں کسی اور کی گنجائش نہیں نکل سکتی۔"

مہر نے گہرا سانس لیا۔ اقدس بولے جارہی تھی۔

"کتنی خوش تھی نا میں کہ میری زندگی میں کچھ اچھا بھی ہوسکتا ہے۔ مگر میں کیوں بھول گئی تھی کہ میں ایک لوزر ہوں۔ ہمیشہ سب سے پیچھے رہ جانے والی لڑکی اور پیچھے رہ جانے والوں کو تو کوئی نہیں دیکھتا نا مہر۔" وہ جیسے خود پر ہنسی تھی۔

اقدس کا اتنا شدید ردعمل مہر کے لیے دھچکے سے کم

نہیں تھا۔

"ثانیہ آپی کہتی تھیں کہ فریال نے کبھی کسی کو اہمیت نہیں دی۔ کبھی کوئی افیئر وغیرہ کچھ بھی نہیں رہا اس کا۔ وہ ہمیشہ سے کہتی تھی کہ وہ اپنے مسٹر رائٹ کو ہی اہمیت دے گی اور اسی سے شادی کرے گی۔ مگر آج جو چمک اس کی آنکھوں میں تھی' اس نے ہلا دیا ہے مجھے۔ کیوں آگئی وہ مہر! اسے تو کوئی بھی اچھا انسان مل جاتا' پھر روحان تیمور ہی کیوں؟" آنسو ایک بار پھر اس کی پلکوں کی باڑ پھلانگ آئے تھے۔

"بس کرو اقدس' کسی کے لیے اپنے جذبات کو بے مول نہیں کرتے۔ ضروری نہیں جو فریال کے دل میں ہے وہ سر روحان کے دل میں بھی ہو۔ محبت بھیک نہیں ہوتی جس کو ہاتھ پھیلا کر مانگا جائے یا دوسرے سے چھین لی جائے۔" مہر نے نرمی سے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے سمجھایا۔ اقدس نے محض سر ہلایا۔

* * *

"بیس اسٹالز بک ہوگئے ہیں فیسٹیول کے لیے اور پانچ کی گنجائش ہے ابھی۔ شیف کے نام اور کن چیزوں کی وہ ورک شاپ کروا رہے ہیں' یہ بتا دیں تو میں پمفلٹس (اشتہارات) پرنٹ ہونے کے لیے بھیج دوں۔" اپنے سامنے فائل کھولے وہ سنجیدگی سے بول رہی تھی۔

"آپ ٹھیک ہیں اقدس۔ کل کلاس بھی نہیں لی۔"

اس کی غیر متوقع بات پر اقدس نے سر اٹھایا۔ اندر تک جھانکتی اس کی بھوری آنکھیں اقدس پر تھیں۔ اس نے جلدی سے نظریں جھکائیں۔ جیسے وہ اس کی آنکھیں ہی تو پڑھ لیتا۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ میسج کر دیا تھا آپ کو۔"

"آپ روئی ہیں۔" روحان نے اس کی سوجی آنکھیں دیکھ لی تھیں۔

"سر میں درد تھا ساری رات۔" اس کی جانچتی نظریں اقدس کو پریشان کر رہی تھیں۔

"ناشتا کیا آپ نے؟"

"بھوک نہیں تھی' رات کو کھانا بھی لیٹ کھایا تھا۔ آپ وہ نام وغیرہ کنفرم کریں۔" اقدس نے جز بز ہوتے ہوئے موضوع تبدیل کرنا چاہا۔

"بند کریں یہ سب اور فوراً اٹھیں۔" روحان نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ اقدس حیران سی اسے دیکھ رہی تھی۔ "آپ نے مجھے اتنا ظالم سمجھ لیا ہے کہ بغیر ناشتے کے آپ سے کام کرواؤں گا۔"

"مگر سر! اس کی ضرورت نہیں۔" اقدس نے اسے روکنا چاہا' مگر اس نے مسکراتے ہوئے اس کی بات کاٹی۔

"اٹھیں شاباش۔۔۔ زبردست سا ناشتا کراتا ہوں آپ کو۔ چاکلیٹ چپ پین کیک بناتے ہیں۔"

اقدس کے منع کرنے کے باوجود وہ اسے زبردستی اپنے ساتھ اسی مخصوص ہال میں لے گیا جہاں وہ کلاسز لیتا تھا۔

پھر روحان کے ساتھ پین کیک بناتے' اس کی باتیں سنتے ہوئے اقدس کا موڈ خوش گوار ہو گیا تھا۔ یہ ناشتا اس نے بہت انجوائے کیا تھا۔ مزے دار سے پین کیکس' روحان تیمور کے اسٹوڈنٹ دور کے قصے۔ ان یادگار لمحوں میں وہ باقی سب باتیں بھول گئی تھی۔

* * *

دو دن بعد اس کا میسج آیا جب وہ اسپتال جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔

"اب اس آنکھ مچولی سے میں تنگ آگیا ہوں۔ مجھے لگتا ہے تم بھی مجھے پہچان چکی ہو۔ یقیناً" تمہیں شاک لگا ہوگا۔ بھلا میرے جیسا خشک بندہ اور محبت' حیران تو میں خود بھی ہوں' مگر شاید محبت کی واردات ایسے ہی ہوا کرتی ہے۔"

تمہارے دل کا حال تو معلوم نہیں۔ میں تمہیں اچھا بھی لگتا ہوں یا نہیں۔ مگر میں اپنی محبت میں کھرا ہوں۔ شادی کرنا چاہتا ہوں تم سے۔ اپنے بابا کو

تمہارے گھر بھیجنا چاہتا ہوں۔ تمہارے پاس وقت ہے ثانیہ! تم اچھی طرح سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو۔ میں لاہور جا رہا ہوں۔ واپس آکر خود تم سے جواب مانگوں گا کہ تمہاری مرضی میرے لیے سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ ڈاکٹر حماد منیر۔"

چپ چاپ ہاتھ میں موبائل پکڑے وہ بے حس و حرکت بیٹھی تھی۔ وہ سنجیدہ سے ڈاکٹر حماد جو اپنے اصولوں کے پکے تھے۔ آدھے سے زیادہ ہاسپٹل ان سے ڈرتا تھا۔ ثانیہ کو وہ کبھی برے نہیں لگے تھے۔ بس وہ کام کے معاملے میں کوئی کوتاہی برداشت نہیں کرتے تھے۔ اسی لیے ثانیہ اکثر ان کی حمایت کر جاتی تھی۔ مگر اس طرح کی صورت حال کا تو اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔

☼ ☼ ☼
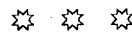
فیسٹیول سے ایک ہفتے پہلے ہی اسے سخت ٹینشن شروع ہو گئی تھی۔ بڑے پیمانے پر منعقد کیا جانے والا یہ فیسٹیول پانچ دنوں پر مشتمل تھا۔ جس میں فوڈ اسٹالز مختلف ریسٹورنٹس اور کمپنیز کو دیے گئے تھے۔ کچھ اسٹالز انسٹیٹیوٹ کے اسٹوڈنٹس کے تھے اور یہ وہ اسٹوڈنٹس تھے جو اس سال کے کمپیٹیشنز میں جیتے تھے اور روحان نے ان سے کوئی پیسے نہیں لیے تھے کیوں کہ یہ ان کے لیے ایک طرح سے حوصلہ افزائی اور انعام تھا۔

فیسٹیول والے دن تو اس کی ٹینشن کا عالم ہی اور تھا۔ سردیوں کی آمد تھی اسی حساب سے میرون رنگ کے خوب صورت کام والے سوٹ میں وہ ہمیشہ کی طرح اچھی لگ رہی تھی۔ بالوں کی پونی ٹیل بنائی ہوئی تھی۔ یہ اس کا مخصوص ہیر اسٹائل تھا۔ چہرے پر غیر معمولی سنجیدگی اور پریشانی رقم تھی۔ روحان اسے بار بار ریلیکس رہنے کا کہہ چکا تھا۔ خود وہ اطمینان سے سب دیکھ رہا تھا۔ ابھی فیسٹیول شروع نہیں ہوا تھا۔

اقدس پہلے ہی پریشان تھی اوپر سے سر جاوید نے مزید ٹینشن دے رکھی تھی۔ سب اسٹالز پہلے سے بک تھے اور وہ چاہتے تھے کہ ایک سامنے والا اسٹال جو "کیفے لائٹ" والوں نے خریدا ہوا تھا وہ ریسٹورنٹ "مون لائٹ" والوں کو دے دیا جائے جن کا اسٹال آخری رو میں تھا۔

اقدس اس بات پر کسی طرح راضی نہیں ہو رہی تھی کیونکہ کیفے والوں نے پہلے یہ اسٹال خریدا تھا۔ اس طرح سے عین وقت پر ان کا اسٹال تبدیل کرنا زیادتی تھی۔ اقدس بحث پر اتر آئی تھی۔ روحان نے بیچ میں آکر دونوں کو روکا ورنہ اچھی خاصی جھڑپ ہو جاتی۔

"ریلیکس اقدس! اتنی ٹینس کیوں ہو رہی ہیں آپ۔" سر جاوید کو بھیج کر وہ اس کی طرف مڑا جس کا چہرہ غصے سے تمتما رہا تھا۔

"سر! آپ انہیں بھی تو دیکھیں، غلط بات کر رہے تھے اوپر سے مینیجر ہونے کا رعب بھی جمانے کی کوشش کر رہے تھے۔" اقدس تلملائی۔

روحان اپنے سینے کے گرد ہاتھ باندھتے ہوئے مسکرایا۔ "جب آپ اپنی جگہ ٹھیک ہیں تو اتنا غصہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میرا حوالہ دے کر خاموش کروا دیتیں، آگے میں خود ہی نمٹ لیتا۔"

"سر! آپ ویسے ہی ہر ایک کی بات سن لیتے ہیں، وہ آپ کو بھی شیشے میں اتار لیتے۔" اقدس جھجک کر بولی۔ اس کی بات پر وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔

"ہوں، بات تو میں سب کی سنتا ہوں لیکن کرتا اپنی مرضی ہوں۔ اس لیے اب ریلیکس۔"

اقدس کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔ مسکراتے ہوئے اس کے بائیں گال پر پیارا سا ڈمپل بنتا تھا جو ہنستے ہوئے اور نمایاں ہو جاتا تھا۔ روحان نے دلچسپی سے اس پیاری سی لڑکی کو دیکھا تھا۔

"گڈ! اب ایسے ہی مسکرا کر سارے مہمانوں کو ویلکم کرنا ہے۔"

پھر سارے وقت وہ خود کو پرسکون رکھنے کی کوشش کرتی رہی تھی۔ بیرون ملک سے بھی کچھ فوڈ آرگنائزر

اور شیفس شرکت کے لیے آئے تھے۔ ہوٹل میں ان کا چھ دنوں کا قیام تھا۔

کراچی سے پاکستانی شیفس بھی شامل ہوئے تھے۔

چونکہ ورک شاپس دوسرے دن سے شروع ہو رہی تھیں اس لیے آج سب اسٹالز کی طرف ہی متوجہ تھے۔

روحان کے ٹیچر سکندر رضا بھی شرکت کے لیے آئے تھے۔ اقدس تو ان کو دیکھتے ہی ادھر ادھر ہونا چاہتی تھی۔ مگر روحان اس کے نہ نہ کہنے کے باوجود زبردستی اسے ملوانے لے گیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ آج سب آپ کے مہمان ہیں اس لیے خود جا کر سب سے ملیں اور شکریہ ادا کریں ان کے آنے کا۔ وہ شرمندہ سی ان سے ملنے چلی گئی تھی۔ بمشکل مسکرائی بھی مگر وہ اتنے پُرتپاک سے انداز میں ملے۔ ساتھ ہی تعریف بھی کر رہے تھے کہ اتنی چھوٹی سی لڑکی نے اتنا سب انتظام کر لیا۔

ان سے مل کر اسے واقعی دلی خوشی ہوئی۔ روحان کے منہ سے یہ سن کر کہ وہ نہ صرف شیف ہیں بلکہ پی ایچ ڈی ڈاکٹر بھی ہیں اسے کوئی حیرت نہیں ہوئی تھی۔ کیوں کہ وہ جس ٹاپک پر بولتے لگتا جیسے سب سے زیادہ معلومات ان ہی کے پاس ہیں۔ سب سے زیادہ حیرت اسے کرنل شہاب اور انکل فرقان کو دیکھ کر ہوئی تھی۔ یہ تو اسے معلوم تھا کہ روحان نے بے حد اصرار کر کے انہیں بلایا تھا مگر وہ آ بھی جائیں گے' اس بات کا یقین نہیں تھا۔

سب کچھ بخیر و خوبی شروع ہو گیا تھا۔ سب کے چہروں سے یہی لگ رہا تھا کہ وہ فیسٹیول کو خوب انجوائے کر رہے ہیں۔ بڑی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی تھی۔

اقدس مطمئن اور خوش تھی۔ ادھر سے ادھر چکر لگاتے ہوئے سب سے ملتے ہوئے اسے فخر سا محسوس ہو رہا تھا کیونکہ سب اس کے انتظامات کی تعریف کر رہے تھے۔ اسے سراہ رہے تھے۔ پھر اسے وہ نظر آ گئی۔ اپنی تمام تر خوب صورتی کے ساتھ روحان تیمور کے قریب کھڑی اس سے ہنس ہنس کر باتیں کرتی ہوئی۔ دونوں ساتھ کھڑے تھے تو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ایک دوسرے کے لیے ہی بنے ہوں۔ فریال کی دوستیں بھی ساتھ تھیں۔ کچھ دیر بعد وہ ان کے ساتھ جا کر بیٹھ گئی تھی۔

انکل سراج بھی اسے ابو کے ساتھ بیٹھے نظر آ گئے تھے۔ شکر کیا تھا اس نے ورنہ تو فریال نے روحان تیمور کا پیچھا ہی نہیں چھوڑنا تھا۔

✡ ✡ ✡

سینئر ڈاکٹرز کا ایک پینل کانفرنس اٹینڈ کرنے لاہور گیا ہوا تھا۔ اور ان میں ڈاکٹر حماد بھی شامل تھے۔ یہ بات اسے ہاسپٹل آ کر معلوم ہوئی تھی۔ یہ جان کر اس نے شکر ادا کیا تھا۔ موجودہ صورت حال اس کے لیے حیران کن بھی تھی اور وہ پریشان بھی تھی کہ اگر ڈاکٹر حماد نے ڈائریکٹ اس سے کچھ کہا تو وہ کیا کہے گی۔

یہ سچ تھا کہ وہ اس نمبر کو بلاک نہیں کر سکی تھی۔ اس کے نام سے مخاطب کرنے پر تجسس سا دل ابھرا تھا۔ پھر وہ اس کے میسجز پڑھتی چلی گئی تھی۔ اور اب یہ جان لینے کے بعد کہ وہ ڈاکٹر حماد تھے۔ وہ حیران تھی۔

اس کا کوئی آئیڈیل نہیں تھا بلکہ کبھی اس بارے میں سوچا تک نہیں تھا۔

"ایسے کیوں گھور رہی ہو تم دونوں مجھے۔" ثانیہ نے حنا اور فرح کو دیکھا۔ جیسے ہی وہ اٹینڈنس لگا کر وارڈ کی طرف جانے لگی تھی' دونوں اسے گھیر کر ہاؤس آفیسرز وارڈ میں لے آئی تھیں۔ اب ان کا خاموشی سے خود کو گھورنا اسے مزید پریشان کر رہا تھا۔ سب سے پہلے حنا نے زبان کھولی۔

"ڈاکٹر حماد نے تمہیں پروپوز کیا ہے اور تم نے ہمیں بتایا بھی نہیں۔" ثانیہ کو دھچکا لگا تھا۔ یہ بات تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ حنا اس سے یہ پوچھے گی۔

"تمہیں کیسے پتا چلا۔" ثانیہ کے منہ سے بمشکل نکلا۔

"افسوس یہی ہے کہ تم نے پہلے ہمیں کیوں نہیں بتایا۔" فرح نے شکایت کرتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"مگر میں نے تو کسی کو بھی نہیں بتایا۔" ثانیہ الجھی۔

"اتنے بے خبر نہیں ہیں ہم۔ پھر یہ بات تو پورے ہاسپٹل کو پتا ہے۔" حنا بولی تو لہجے میں خفگی تھی۔

ثانیہ کا سانس سینے میں اٹکا تھا۔ "کیا مطلب۔"

"مطلب یہ کہ کل فیس بک پر آپ نے خود سب کو یہ بتایا ہے کہ ڈاکٹر حماد نے آپ کو پرپوز کیا ہے۔" فرح نے گویا دھماکا کیا تھا۔ ثانیہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کہے۔

"ہمیں بھی صبح پتا چلا ہے۔ فاریہ نے میسج کیا تھا فرح کو۔ میں تو پارٹ ون کی تیاری کی وجہ سے فیس بک سے بالکل ہی غائب ہوں۔"

"سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا بولوں میں۔ یہ سب کچھ جو تم دونوں بتا رہی ہو میرے لیے بھی اتنا ہی شاکنگ ہے جتنا تم لوگوں کے لیے اور کون سی فیس بک میں نے تو دو مہینوں سے اپنی فیس بک آئی ڈی ' ڈی ایکٹیویٹ کی ہوئی ہے۔ پھر یہ سب کیا ہے ' مجھے نہیں پتا۔"

حنا اور فرح کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ ثانیہ کی سنجیدگی بتا رہی تھی کہ وہ مذاق نہیں کر رہی۔

"ثانیہ اور میں نے اکٹھے ہی تو آئی ڈی ' ڈی ایکٹیویٹ کی تھی پارٹ ون کی تیاری کے لیے۔" حنا کو یاد آیا۔

"لیکن میں نے خود کچھ ہفتے پہلے ثانیہ کا کمنٹ دیکھا تھا فیس بک پر' میں تو یہی سمجھی کہ ثانیہ نے فیس بک یوز کرنا شروع کر دی ہے۔" فرح نے اچنبھے سے کہا۔

"یعنی کسی نے ثانیہ کی آئی ڈی ہیک کر کے یہ سب کیا ہے۔" حنا کی بات پر سر ہلاتے فرح نے ثانیہ کو دیکھا جو پریشان سی بیٹھی تھی۔

"ڈاکٹر حماد کے پرپوزل والی بات سینئر ڈاکٹرز کے علاوہ اب تک سارے ہسپتال کو پتا چل چکی ہوگی کیونکہ یہ بات ہمارے ہاسپٹل کے پیج پر بتائی گئی ہے۔ سینئر ڈاکٹرز کے علاوہ سب اس میں ایڈ ہیں۔ مگر مسئلہ صرف یہی نہیں ہے۔ وارڈ گوسپ والے پیج پر نہ صرف اس پرپوزل کو ڈسکس کیا جا رہا ہے بلکہ تمہاری پوری پوسٹ کا اسنیپ شارٹ بھی لگایا ہے اور ساتھ تمہارے دوسری پوسٹس پر کیے گئے کمنٹس کے اسنیپ شارٹ بھی ہیں جن میں تم نے ڈاکٹر حماد کی بڑے کھلے الفاظ میں تعریف کی ہے۔ ان کو پڑھ کر بھی یہی لگتا ہے جیسے تم ان میں انٹرسٹڈ ہو۔"

فرح نے ساتھ ہی موبائل پر وارڈ گوسپس کا پیج کھول کر ثانیہ کو پکڑایا تھا۔ ٹھنڈے ہوتے ہاتھوں کے ساتھ اس نے موبائل تھام لیا۔ جیسے جیسے وہ پڑھتی جا رہی تھی اس کی پریشانی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

"میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ جس نے یہ سب پلان کیا ہے وہ ڈاکٹر حماد تک بھی یہ سب ضرور پہنچائے گا یا پھر کوئی اور ان کو بتا دے گا۔ کسی بھی طرح ان کو پتا تو چلے گا پھر ان کا ری ایکشن کیا ہوگا۔"

فرح کی بات سن کر وہ مزید پریشان ہو گئی تھی۔ آج جمعہ تھا اور پیر سے ڈاکٹر حماد ہاسپٹل جوائن کر لیتے۔ اور دو دن کافی تھے یہ سب جاننے کے لیے اور آج اسے جن سوالات کا سامنا کرنا پڑا تھا وہ اور بھی پریشان کن تھا۔

✡ ✡ ✡

"سب ہی فیسٹیول کی تعریف کر رہے تھے ' بہت اچھا ہو گیا سب کچھ۔" اقدس کے لہجے میں خوشی تھی۔

"میں تو پہلے ہی آپ سے کہہ رہا تھا۔ آپ بہت اچھا ایونٹ آرگنائز کر سکتی ہیں اور پھر محنت بھی آپ نے خاصی کی تھی۔" روحان نے توصیفی لہجے میں کہا۔

وہ دونوں اس وقت دفتر میں بیٹھے تھے۔ ٹیبل پر کافی کے مگ رکھے تھے جن سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔

"سرسرمد کو تو یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ فیسٹیول میں نے ارینج کروایا ہے۔" اقدس کو ان کی شکل یاد کر کے ہنسی آئی۔

"ہوں' حیران تو وہ بہت ہوئے مگر انہیں خوشی بھی ہوئی تھی۔ ہی از اے ویری نائس پرسن (وہ ایک اچھے انسان ہیں)۔" روحان مسکرایا۔

"اچھے تو وہ ہیں۔ ان ہی کی وجہ سے تو میں یہاں بیٹھی ہوں۔"

"ہوں.... شکریہ تو آپ کو ان کا ادا کرنا چاہیے۔ اچھا وہ کچھ یونیورسٹیز کی طرف سے فون آیا تھا۔ وہ فوڈ ایونٹس اور کمپیٹیشنز کروانا چاہ رہے ہیں۔" روحان نے لیپ ٹاپ اسکرین پر دیکھتے ہوئے بتایا۔

"سر! پہلے انسٹی ٹیوٹ میں کمپیٹیشن کروا لیتے ہیں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔ میرے اسٹوڈنٹس بھی کہہ رہے تھے کہ کوئی مزے کا کمپیٹیشن کروائیں۔ چیلنجنگ سا۔"

"کوئی آئیڈیا ہے آپ کے پاس۔" اقدس نے پوچھا۔

"آئیڈیا تو ہے۔" کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے وہ کچھ سوچ کر مسکرایا تھا۔ اقدس اس کے بولنے کی منتظر تھی۔

"امریکہ میں ہمارے کمپیٹیشنز ہوتے تھے۔ کچھ چیزیں ہمیں دے دی جاتی تھیں اور ان سب کو استعمال کر کے ہمیں کوئی ڈش بنانی ہوتی تھی۔"

"واؤ' یہ تو بڑے مزے کا کمپیٹیشن ہو گا۔"

"آپ کا بھی نام ڈال دیتے ہیں کنٹسٹنٹس میں۔" روحان شرارت سے مسکرایا۔

"اتنی ایکسپرٹ نہیں ہوئی ابھی میں۔ ریسپی دیکھ کر اچھا پکا لیتی ہوں' اسی کو غنیمت سمجھیں۔" اقدس نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

روحان نے مسکراتے ہوئے کافی کا مگ ٹیبل پر رکھ کر نظریں دوبارہ سے اسکرین کی جانب مبذول کر لیں۔ اقدس موبائل پر فیسٹیول والی پکچرز دیکھنے میں مگن تھی۔ کچھ دیر بعد دروازے پر ہلکی سی دستک سنائی دی۔ اس سے پہلے کہ روحان یا اقدس میں سے کوئی کچھ کہتا دروازہ کھلتے ہی ایک بچے کی شکل نظر آئی۔ بغیر جھجکے وہ روحان کی طرف بڑھا تھا۔

"مائے سن (میرا بیٹا) کیسے ہو۔" روحان نے اسے پیار کرتے ہوئے اپنے ساتھ لگایا۔ ان لفظوں نے اقدس کے قدموں کے نیچے سے گویا زمین کھینچ لی تھی۔

"کیسا لگا سرپرائز۔" دروازے سے داخل ہوتی وہ لڑکی روحان کے قریب آئی۔ شولڈر کٹ بال' آگے کو آتی فلیکس' چہرے پر خوب صورت مسکان۔ وہ خاصی خوش شکل تھی۔ اسٹائلش سا کرتا اس نے پہن رکھا تھا۔

"آف کورس بہت اچھا لگا' یقیناً تمہارا ہی آئیڈیا ہو گا۔ سرپرائز دینے کا شوق تمہیں ہی ہے۔" روحان بھرپور انداز میں مسکرایا تھا۔ خوشی اس کے چہرے پر صاف نظر آرہی تھی۔ پہلی دفعہ اقدس نے روحان کو کسی لڑکی سے اتنی بے تکلفی سے بات کرتے دیکھا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اٹھ کر بھاگ جائے۔ اس سے پہلے کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلتے وہ یہاں سے غائب ہو جانا چاہتی تھی۔

"سر! میرے گھر سے کال آرہی ہے' مجھے جانا ہو گا۔"

سرخ چہرے اور جھکی آنکھوں کے ساتھ وہ اتنا کہہ کر اپنا ہینڈ بیگ لے کر باہر نکل گئی تھی۔ تیز تیز قدموں سے کوریڈور پار کرتے ہوئے اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگتا جارہا تھا۔

"مائے سن۔" یہ دو الفاظ اس کے تعاقب میں تھے۔ اقدس شہاب اتنی دور بھاگ جانا چاہتی تھی کہ یہ آواز اس تک نہ پہنچ پائے۔

☼ ☼ ☼

ثانیہ شہاب اور حماد منیر کا افیئر زبان زد عام تھا۔ سب ہی حیرت اور تجسس کا شکار تھے کہ آخر یہ افیئر

کب، کیسے اور کیونکر شروع ہوا۔ ثانیہ جو ہمیشہ ہی ڈاکٹر حماد کو اچھا ڈاکٹر مانتی تھی اور برملا اس بات کا ذکر بھی کر دیا کرتی تھی اب وہ ساری باتیں اس کے خلاف جارہی تھیں۔ بہت سے سوالوں کا اسے سامنا کرنا پڑا تھا۔ مگر اس کے پاس جواب میں صرف خاموشی تھی۔ ڈاکٹر حماد بھی واپس آچکے تھے۔ صبح سے اسے یہی ڈر لگا ہوا تھا کہ کہیں انہیں یہ سب معلوم نہ ہو گیا ہو۔

مریض کا چیک اپ کر کے وہ فارغ ہوئی ہی تھی کہ نرس اس کے پاس آئی۔

"ڈاکٹر ثانیہ! آپ کو ڈاکٹر حماد اپنے آفس میں بلا رہے ہیں۔" اس کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ دیکھ کر ثانیہ کا چہرہ شرمندگی کے مارے سرخ پڑ گیا۔ اپنی تمام تر ہمت مجتمع کرتی وہ ان کے دفتر تک پہنچی۔

اندر سامنے ہی ڈاکٹر حماد اپنی مخصوص کرسی پر پتھریلے تاثرات کی ساتھ براجمان تھے۔

"آیئے مس ثانیہ۔ انویٹیشنز ساتھ لائی ہیں یا یہ کام مجھے کرنا پڑے گا۔"

"انویٹیشنز۔" ثانیہ متذبذب ہوئی۔

"شادی کے انویٹیشنز کی بات کر رہا ہوں۔ سنا ہے میری اور آپ کی شادی ہونے جارہی ہے۔" ڈاکٹر حماد کا انداز چبھتا ہوا تھا۔

ثانیہ نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ "سر آپ یقین کریں یا نہ کریں لیکن یہ سب میں نے نہیں کیا۔"

"اچھا؟ آپ نے نہیں کیا۔" ڈاکٹر کا لہجہ سخت ہوا۔

"سر! میری آئی ڈی کو کسی نے ہیک کر کے یہ سب کیا ہے۔ مجھے نہیں معلوم اس کا مقصد کیا ہے مگر سچ یہی ہے۔" ثانیہ نے اپنی صفائی دینے کی کوشش کی تھی۔

"سچ تو یہ ہے کہ آپ نے مجھے یعنی حماد منیر کو اپنے ساتھ اسکینڈلائز کیا ہے۔ میں کیا شکل سے اتنا بے وقوف لگتا ہوں کہ آپ کی اس جھوٹی کہانی پر اعتبار کر لوں گا۔"

"مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں آپ کو اسکینڈلائز کروں۔ اس میں میری بھی تو بے عزتی ہے۔"

"بے عزتی۔" وہ سفاکی سے مسکرائے۔ "اب میں آپ کو بتاؤں گا مس ثانیہ کہ بے عزتی کیسے ہوتی ہے۔ میری عزت کے ساتھ کھیل کر آپ نے اچھا نہیں کیا۔"

ثانیہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہوئی۔ "سر! آپ تحمل سے میری بات....."

انہوں نے سخت لہجے میں اس کی بات کاٹی۔ "گیٹ لاسٹ۔"

"سر!" ثانیہ نے بولنے کی کوشش کی۔

"آئی سیڈ گیٹ لاسٹ!" ڈاکٹر حماد نے اس بار غصے سے دروازے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

تذلیل کے احساس سے ثانیہ کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ وہ چپ چاپ باہر نکل گئی۔ آنسوؤں کا گولہ حلق میں پھنس گیا تھا۔ مگر وہ یوں سرعام رونے والوں میں سے نہیں تھی۔ اس لیے اپنے آنسوؤں پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔

(دوسری اور آخری قسط آئندہ ماہ)

قرۃ العین سکندر

سود و زیاں کا حساب

"آپ ہی ہیں دانیال آفندی؟" اس کے لہجے میں تحیر امڈ آیا تھا۔

"جی۔۔۔"

"آپ تو بہت ینگ ہیں اور ڈیشنگ بھی۔"

میرے مختصر جواب پر وہ برجستگی سے بولی تھی اس کا اتنا بے باک انداز مجھے بالکل نہ بھایا تھا۔

"اس وقت میں جلدی میں ہوں، پھر بات ہوتی ہے۔"

میرا غرور جاگ اٹھا تھا۔ اس کی گہری مسکراہٹ اور دائیں رخسار پر پڑتا ہوا ڈمپل معدوم ہو گیا تھا۔ جیسے اسے مجھ سے اس قدر رکھائی کی توقع نہ ہو۔ وہ سرخ فراک میں اپنی تمام تر تمکنت کے ساتھ جلوہ افروز تھی۔ اگر میں دانیال آفندی شہرت کی بلندیوں کو چھو رہا

میں ادبی کانفرنس میں شرکت کی غرض سے اسلام آباد آیا تھا۔ تب ہی میری ملاقات فرخندہ چوہدری سے ہوئی تھی۔ وہ ہوٹل کی لابی میں میری منتظر تھی۔ وہ شوخ و شنگ طبیعت کی مالک تھی۔ مزاج میں جولانی تھی۔ لیکن اس کی شاعری گہری معنویت اور پرسوزی لیے ہوئے تھی، جو اس کی شخصیت کی عکاس قطعاً" نہ تھی۔ متناسب نقوش گہری براؤن آنکھیں، دلکش مسکان، ناک میں سونے کی لونگ، جاذب نظر اور دلکشی کا پیکر تھی، ادبی حلقوں میں اس نے تیزی سے اپنی جگہ بنائی تھی۔ پھر بھی مجھے دیکھ کر وہ کسی ننھی بچی کی مانند استعجاب سے یک ٹک نظریں جمائے ہوئے تھی۔ جیسے میں کوئی انوکھی شے ہوں یا اگلے ہی پل نظر سے اوجھل ہو جاؤں گا۔

تھا تو وہ بھی کوئی بے مایہ بے مول ہستی نہ تھی۔ اس نے تیزی سے ترقی کی منازل طے کی تھیں۔ ایک دن پہلے اس نے مجھے بطور خاص فون کر کے فرمائش کی تھی۔

"میں فرخندہ چوہدری بات کر رہی ہوں۔" میں ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا اپنی ٹائی کی ناٹ باندھنے میں مصروف تھا۔ جب میرا فون بج اٹھا تھا۔ میں نے الجھن بھرے انداز میں قدرے تیزی سے فون پر آتے نمبر کو روشن اسکرین پر دیکھ کر بھی نہ پہچانا تھا۔ پھر کوفت محسوس کرتے ہوئے فون اٹھایا اور فون کے دوسری جانب سُریلی سی آواز سن کر میری تمام حسیات جاگ اٹھی تھیں۔ میں فطرتاً" حسن پرست ہوں، یہ ہی وجہ ہے کہ بیک وقت مصور بھی ہوں اور شاعر بھی۔

حسن ذوق رکھنے والے داد و تحسین کے ڈونگرے بجاتے میرے حوصلوں کو مزید جلا بخشتے ہیں۔ درحقیقت میں اک عشق کی منزل پر پہنچ کر نئے عشق کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتا ہوں۔ عمر کے اس حصے میں ہوں جہاں حسن سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ ہر چمکتی شے سونا دکھائی دینے لگتی ہے۔ چکا چوند کی دنیا میں سحر طرازی میں ڈوب جانے کی خواہش جی میں مچلتی ہے۔ میرے حلقہ احباب کے بقول میں باغ و بہار شخصیت کا مالک ہوں۔ جہاں دیدہ ہوں۔ چاق و چوبند ہوں۔ حسن پر فریفتہ ہو جانے والا ہوں۔ مگر ان سب کے برعکس میں خود سر، انا پرست اور تخیل پرست واقع ہوا ہوں۔ دل توڑنے کا ہنر رکھنے والا۔

"جی فرمائیے۔" میں نے مہذب انداز میں پوچھا، مگر لہجہ میں اجنبیت کا تاثر برقرار رکھا تھا۔

"میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔ کل آپ جس ادبی کانفرنس میں شرکت کے لیے جا رہے ہیں۔ اس میں میں ناچیز بھی مدعو ہوں۔ میری دیرینہ آرزو ہے کہ آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہو سکے۔ آپ کی شاعری ہی میرا اصل اثاثہ ہے، جس کو پڑھ کر میں نے اپنے قلمی سفر کا آغاز کیا۔" فون پر اتنی لمبی گفتگو مجھے ہمیشہ کوفت میں مبتلا کر دیتی ہے۔ میں نے بنا جواب دیے گہری سانس لے کر اپنا موڈ بحال کیا۔

"او کے جی، ملتے ہیں پھر۔" میں نے جان چھڑانے والے انداز میں کہا تو لحظہ بھر کے لیے دوسری جانب فون پر خاموشی چھا گئی۔

"جی۔" یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ میں نے پرفیوم اٹھایا اور خود پر چھڑکنے لگا۔

نامعلوم کیوں مجھے اچانک اس کی گم ہو جانے والی مسکراہٹ سے لگا کہ چند چمکتے جگنو معدوم ہو گئے ہوں۔ اک عجیب سی بے قراری نے دل پر دستک دی تھی۔ میں چاہتا تھا' وہ اک بار پھر سے مسکرائے اور میں اس کے گال میں پڑتا ڈمپل دیکھوں۔ شاید اس کی پوری شخصیت میں یہ ہی وہ شے تھی' یہ ہی وہ خاصیت تھی جو مجھے اپنی جانب مائل کر رہی تھی۔

"آپ سے مل کر اچھا لگا فرخندہ۔ اس وقت میں بے حد تھکان محسوس کر رہا ہوں۔ آج میں اسی ہوٹل میں ہوں۔ کل ملاقات ہوتی ہے۔" میں نے اخلاقاً کہا تو وہ دھیما سا سر خم کر کے مسکرا دی تھی۔ وہی گہرا ڈمپل جو مجھے الجھانے لگا تھا۔ میں اس کو دیکھ کر رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

میں نے گلاس ڈور کھولا۔ سامنے ہوٹل کے وسیع وعریض لان میں وہ اک جانب کھڑی کسی گہری سوچ میں گم تھی۔

"کیسی ہیں آپ؟" میں نے بشاشت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"جی بالکل ٹھیک' مگر آپ سے خفا ہوں۔" اس کے اتنے استحقاق بھرے انداز پر میں لحظہ بھر کے لیے چونک سا گیا تھا۔

"مگر وہ کیوں؟" بے ساختہ میرے لبوں سے نکلا تھا۔

"میں آدھے گھنٹے سے یہاں آئی ہوں' آپ نے کہا تھا' شام کو ملاقات ہو گی اور آپ اب آ رہے ہیں میں تو اس ہوٹل کی مہمان نہیں ہوں' نانا' نانی کے یہاں ٹھہری ہوں اور کب سے آپ کی منتظر ہوں۔" وہ شکوہ کناں لہجے میں بولی۔ مجھے اچانک شرمندگی سی محسوس ہوئی۔ کل بھی میں نے اس سے کوئی اچھا سلوک نہ کیا تھا اور آج بھی کوئی اچھا تاثر نہ چھوڑا تھا۔

"آئیں' کافی پیتے ہیں۔" میں نے اسے فراخ دلی سے آفر کی تو وہ خشمگیں نگاہوں سے مجھے دیکھ کر بولی۔

"آپ بہت خود پرست ہیں۔ مجھ سے تو پوچھ لیں کہ میں کافی پینا چاہتی ہوں یا چائے۔" اس کے انداز پر

میری بے ساختہ ہنسی نکل گئی۔

"جی محترمہ! بتائیں' کیا پینا پسند کریں گی آپ؟"

میں نے شرارتی انداز میں کہا۔ میرا موڈ ایک دم ہی نہ جانے کیوں اچھا ہو گیا تھا۔ وہ چھوٹی سی لڑکی مجھے خاصی دلچسپ لگنے لگی تھی۔

اس کے لب و لہجے میں شفافیت تھی۔ تصنع بناوٹ سے پاک انداز بیان تھا۔ جو مجھے اپنا گرویدہ کر رہا تھا۔ ورنہ یہاں تو بناوٹی لوگوں کا ہجوم تھا اور میں تھا۔ شبنم کی بوندوں کی مانند نرم و گداز لہجہ مجھے اسیر کرتا گیا۔ یوں جیسے نرم روسی خنک شام کا سماں ہو۔ وہ اتنے ہلکے پھلکے انداز میں بات کرتی کہ میں تحیر سے اس کی سادگی کو دیکھتا چلا جاتا تھا۔ بہت جلد ہم دونوں دوست بن گئے۔

☼ ☼ ☼

میں آرٹ اینڈ آرٹ ریسرچ سینٹر کے آفس سے واپس لوٹا۔ پارکنگ لاٹ سے اپنی آلٹو نکال رہا تھا' جب دور وہ مسکراتی' ہاتھ ہلاتی نظر آئی' نامعلوم کون مخبر تھا جو اسے میرے پل پل کی خبر دینے لگا تھا۔ مجھے لگتا تھا کہ اس کا سوائے میرے ساتھ وقت بتانے کے کوئی کام ہی نہ رہا ہو۔

اس کے والدین حیات تھے۔ مگر ان دونوں کی علیحدگی ہو چکی تھی۔ وہ اپنی ماما کے ساتھ کراچی کے پوش علاقے میں رہتی تھی۔ اسلام آباد میں اس کا ننھیال مقیم تھا۔ علیحدگی کے بعد اس کی ماما نے دوسری شادی کرلی تھی اور یوں وہ اپنی نئی دنیا میں گم ہو گئی تھیں۔ فرخندہ کو دیکھ کر گمان بھی نہ ہوتا تھا کہ وہ اتنے کرائسس سے گزری ہے۔ یہ سب معلومات میں نے اپنے ایک دوست کے توسط سے حاصل کی تھیں۔ ورنہ فرخندہ کی لاابالی سی ہنسی نے کبھی مجھے یہ باور نہ کروایا تھا کہ وہ اندر سے دکھی ہے یا والدین کی شفقت سے محروم ہے۔ اگرچہ دولت کی اسے کوئی کمی نہ تھی۔ مگر شاید اصل رشتوں کی کمی تھی۔ تب ہی وہ اتنی پرسوز اور دکھی شاعری کیا کرتی تھی۔ بسا اوقات اس کا ہر وقت میرا تعاقب کرنا میرا موڈ بھی خراب کر دیتا تھا اور میرا لب و لہجہ کھردرا ہو جاتا' مگر وہ نم آنکھوں سے فقط میرا منہ تکتی رہتی۔ جب تک کہ مجھے اپنے تلخ و ترش رویے کا احساس نہ ہو جاتا تھا۔

"کہاں کے ارادے ہیں؟" وہ خوش دلی سے بولی اور میں اپنے بالوں میں انگلیاں پھیر کر رہ گیا تھا۔ اس وقت میرا آرام کرنے کا ارادہ تھا' مگر وہ جس تیاری سے میرے سامنے پرجوش مسکان لیے کھڑی تھی' مجھے اپنا ارادہ ٹوٹتا لگ رہا تھا۔

"تمہاری طرف ہی آ رہا تھا۔ زوروں کی بھوک لگی ہے۔ ڈنر کرتے ہیں۔" میں نے گہری ستائشی نگاہ اس کے سراپے پر ڈالی تھی۔ وہ میری نظروں کا زاویہ بھانپ گئی تھی۔

"کیسی لگ رہی ہوں میں؟" تب ہی فوراً سوال داغا تھا۔

"ہمیشہ کی طرح خوب صورت۔" میں نے بھی آج کھلے دل سے اسے سراہا تھا۔ وہ سیدھی دل پر نقب زنی کرتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔

"تو چلیں۔" وہ بڑھ کر فرنٹ سیٹ پر براجمان ہو گئی تھی۔ اس کی چال میں وقار و تمکنت تھی۔ میں نے گہری سانس لی اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

شام کے سائے ڈھل چکے تھے اور ہم دونوں ریستوران میں مخصوص ایریے میں بیٹھے باتوں میں گم تھے۔ تب ہی ویٹر کھانا لے آیا' جس کا آرڈر ہم دونوں نے باہمی مشاورت سے دیا تھا۔

وہ شام بے حد حسین تھی۔ اتنی حسین لڑکی میرے سامنے بیٹھی میری تعریف کر رہی تھی۔ تھکان اور کوفت خوش گوار یت میں بدل چکی تھی۔

"آپ جانتے ہیں' آپ میرے آئیڈیل ہیں۔ آپ کو بنا دیکھے ہی میں آپ کی شاعری کی دیوانی ہو چکی تھی۔ پھر میں نے بھی قلم تھاما تو آپ کے نقش قدم پر چل نکلی' مگر آپ جتنا اعلانہ لکھ سکی' نہ کوئی لکھ سکتا ہے۔ یہ تو خداداد صلاحیت ہے' جس کے نصیب میں رقم ہو' اس کو ملتی ہے۔" اس کے الفاظ میری تنی ہوئی

گردن کے اکڑاؤ میں مزید اضافے کا باعث بن رہے تھے۔

"تم بھی اچھی شاعری کرتی ہو۔" میں نے مسکرا کر کہا تو وہ شرما سی گئی۔

"آپ یوں ہی دل رکھ رہے ہیں میرا۔" اس کا انداز خفت بھرا تھا۔ میں ہنس دیا۔

"اور یہ دل رکھنا کیا ہوتا ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔ تو میری ہنسی میں اس کی جلترنگ ہنسی کی آمیزش بھی ہو گئی تھی۔ پھر بہت جلد ہم دونوں اخبارات کی زینت بن گئے۔ میں تو ان باتوں کا عادی تھا۔ مگر فرخندہ نے اخبارات میں اپنی اور میری تصاویر دیکھ کر گہرا صدمہ لیا۔ وہ بالکل چپ ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

میں اس کے گھر پہلی مرتبہ گیا تھا۔ شاید ایک ہفتے مسلسل فرخندہ سے نہ ملنے کے باعث میں جذباتی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چلا تھا۔ فرخندہ میرے لیے فقط دل لگی کا سامان نہ رہی تھی۔ میرے جذبات اور احساسات اس کے لیے اس سے بڑھ کر تھے۔ اسی لیے جب اخبارات میں فرخندہ کے کردار پر حرف اٹھایا گیا' تو میں اپنی جگہ مجرم سا بن گیا تھا۔

اگرچہ ہم دونوں اکثر ملتے تھے اور کئی بار لانگ ڈرائیو اور ڈنر بھی اکٹھے کر چکے تھے۔ مگر ہم دونوں میں ایک فاصلہ تھا۔ ہم دونوں اپنی حدود جانتے تھے۔ وہ ایک بولڈ لڑکی تھی۔ مگر اس کے باوجود اس کا انداز اتنا دوٹوک ہوا کرتا تھا کہ میں کبھی اس سے ایک حد سے بڑھ کر بات نہ کر سکا تھا۔

شان دار بنگلے کے پُرتعیش لاؤنج میں سے گزر کر مجھے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا گیا تھا۔ میں نے اطراف کا طائرانہ جائزہ لیا۔ بے حد خوب صورت ڈیکوریشن پیسز اور اعلا پینٹنگز سے سجا وہ وسیع و عریض مہمان خانہ اہل خانہ کے ذوق کا عکاس تھا۔

"السلام علیکم' کیسے مزاج ہیں برخوردار۔" ایک معمر بزرگ نے گرم جوشی سے مجھ سے مصافحہ کیا۔ ان کی نظروں میں میرے لیے ستائش تھی۔

"ماشاء اللہ' فری اکثر آپ کا ذکر کرتی رہی ہے۔ آپ کی شخصیت واقعی جاذب نظر اور شان دار ہے۔"

ان کی تعریف پر میں کھل اٹھا۔

"جی آپ کی ذرہ نوازی ہے۔" میں نے انکساری سے کہا۔ تب ہی فری آگئی' ستا ہوا چہرہ' متورم پپوٹے اور سوجی آنکھیں لیے وہ آن بیٹھی تھی۔

"ارے بھئی' اس کو سمجھاؤ۔ یہ سب اخبارات کی باتیں ہیں۔ جب شہرت ملتی ہے تو اس کا کچھ تاوان تو ادا کرنا ہی پڑتا ہے۔ بہت بڑا دل درکار ہوا کرتا ہے' زمانے کے سرد و گرم کو جھیلنے کے لیے۔" فری کے نانا امتیاز حسن نے ناصحانہ انداز میں کہا۔ تو میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"دراصل میں اسی سلسلے میں بات کرنے یہاں آیا ہوں' میں فری کو اپنانے کا خواہش مند ہوں۔ جو داغ میری وجہ سے اس کے ماتھے پر لگا ہے۔ میں چاہتا ہوں وہ مٹ جائے' اس لیے میں فری سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ آپ تو جانتے ہیں' میرا دنیا میں کوئی نہیں' جو عزیز و اقارب ہیں۔ وہ از خود آس لگائے بیٹھے ہیں۔ والدین کی کار حادثے میں وفات کے بعد ان کی تمام جائیداد' کاروبار میرے نام ہے۔ فری کو کبھی تنگی ترشی کا سامنا نہ ہو گا۔"

میری بات پر فرخندہ نے استعجاب سے میری جانب یک ٹک دیکھا تھا۔ فرخندہ کا بکھرا ہوا حلیہ' ملگجا لباس' جس طرح ابھرنے کے بعد سورج ڈھل کر نارنجی کرنیں بکھرا دیتا ہے۔ ویسے ہی وہ مضمحل سی بیٹھی تھی۔ اسے دیکھ کر میرا اپنا دل ڈوب رہا تھا۔ وہ اک پل ہی تھا۔ جس میں' میں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا۔ میں اس کا آزردگی میں لپٹا وجود دیکھ نہ پا رہا تھا' گھر سے نکلتے وقت میرا ارادہ فقط اسے تسلی اور دلاسا دینا تھا۔ مگر اس پر نگاہ پڑتے ہی مجھے احساس ہوا کہ اتنے دن اس کو نہ دیکھ کر جو بے کلی میرے دل میں سر اٹھا رہی تھی۔ وہ محض اس سے محبت ہے۔

میری بات پر فرخندہ کے آنسو اک تواتر سے بہنے لگے تھے۔ اب میں خود کو درحقیقت قصوروار گردان رہا تھا۔ اخبارات میں جس حد تک خرافات چھاپی گئی تھیں کوئی بھی شریف النفس انسان اس کو پڑھ کر سر اٹھا کر نہ جی سکتا تھا۔

"کرو گی ناں مجھ سے شادی؟" اس کے نانا کے جاتے ہی میں نے محبت پاش لہجے میں پوچھا تھا۔

"اتنے دن کیوں نہیں آئے آپ؟" اس کا وہی اپنائیت بھرا انداز جو مجھے اپنا اسیر کر لیتا تھا۔

"بس دل کے کچھ معاملات تھے جو طے کرنے میں لگا تھا۔ یہ دل ڈانواں ڈول تھا۔ لیکن جوں ہی تمہارا اداس چہرہ دیکھا۔ وہ اک کشمکش جو اتنے دنوں سے میرے اندر تھی۔ اس کو قرار مل گیا۔"

✲ ✲ ✲

پھر شادی اگلے ہفتے ہی رکھ دی گئی۔ تمام اخبارات میں شادی کے حوالے سے سرخی لگادی گئی تھی۔ تاکہ لوگوں کی زبانیں بند کی جاسکیں۔

شادی کی شاپنگ کے حوالے سے وہ بے حد ضد کر رہی تھی کہ تمام شاپنگ ہم مل کر کریں گے۔

مجھے اس طرح کی سرگرمیوں سے قطعاً" کوئی دلچسپی نہ تھی۔ مگر اس کی دل جوئی کی خاطر میں نے یہ فریضہ بھی بخوشی اٹھالیا تھا۔ ہر دکان پر وہ بچوں کی طرح مچل رہی تھی۔ ہر لباس کو پکڑ کر وہ میری رائے لے رہی تھی۔

"فری! جانتی ہو۔ میں اک نامکمل انسان تھا۔ ایک عرصہ تک میں نے لڑکیوں سے دل لگی کی ہے۔ مگر دل کی لگی کیا ہوتی ہے، مجھے اب معلوم ہوا ہے۔" میں نے اعتراف کیا تو ایک دم اس کی مسکان سنجیدگی میں بدل گئی تھی۔

"ایسا کیوں کرتے تھے آپ؟ کیا لڑکیوں کے احساسات نہیں ہوتے؟ وہ بھی تو دل رکھتی ہیں۔ اس کے ٹوٹنے پر ان کو بھی تکلیف ہوتی ہوگی۔" آپ نے اپنی بدنامی کا بھی خیال نہیں کیا؟" اس نے سوال کیا تو میں اس کی بات سے محظوظ ہو کر ہنس دیا تھا۔

"ارے ان لڑکیوں کی کیا وقعت یا ان کی عزت اور پاس داری کا میں نے کوئی ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ اگر اتنی ہی نیک نامی کا خیال ہے تو ملنا ہی چھوڑ دیں۔ یہ سب میری فین ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ میرا حق ہے کہ حسن کو سراہوں۔ اگر شاعر ہو کر میں یہ فریضہ ادا نہ کروں گا تو کون کرے گا؟ پھر بدنامی کی کیا بات سب کو معلوم ہے کہ مرد حضرات کا ان سب میں کوئی قصور نہیں ہوا کرتا۔" وہ بدلتے تاثرات لیے مجھے سن رہی تھی۔ میں اس کے تاثرات کو کوئی نام دینے سے قاصر تھا۔ مگر وہ بالکل خاموش ہو گئی تھی۔ اچانک مجھے احساس ہوا کہ میں نے بالکل ہی غلط موضوع پر لاتکان بولنا شروع کر دیا ہے جو کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔

"ارے تم کیوں موڈ آف کر رہی ہو۔ آئس کریم کھاؤ ناں۔ پگھل جائے گی۔" میں نے کہا تو وہ سر جھکا کر آئس کریم کھانے لگی۔

✲ ✲ ✲

آج صبح سے ہی میرا دل نجانے کیوں گھبراہٹ کا شکار ہو رہا تھا۔ شاید شادی پر ہر دولہا کا انداز کچھ یوں ہی ہوا کرتا ہو۔ خیر میں بے حد نروس اٹھا۔ میں نے اپنی والدہ کے حوالے سے تھوڑی سی غلط بیانی سے کام لیا تھا۔ میری والدہ حیات تھیں۔ اور میں شادی کے اس مبارک موقع پر ان کا تاریک سایہ نہیں پڑنے دینا چاہتا تھا۔ میری ماں جو ماں کہلانے کی بھی مستحق نہیں۔ میرے باپ کو چھوڑ جانے والی، مجھے مامتا کی شفقت سے محروم کر دینے والی۔ یہی وجہ ہے کہ جب میری ماں نے ایک اجنبی سے شناسائی کے بعد مجھے چھوڑ دیا تو وہ میرے اور بابا کے دل سے اتر گئی۔ بابا کی وفات کے بعد میری امی نے مجھے بیٹا کہہ کر گلے لگانے کی حسرت کا بارہا ذکر کیا۔ مگر میں نے ہر مرتبہ انہیں دھتکار دیا۔ جب میں بچہ تھا، مجھے شفقت اور محبت کی ضرورت تھی تو

میری ماں نے مجھے اپنی محبت سے محروم کردیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب مجھے فری کے حوالے سے معلوم ہوا کہ وہ بھی اس کرب و اذیت سے دوچار رہی ہے۔ جس سے میں ایک عرصہ تک نبرد آزما رہا ہوں۔ تو میں نے بھی اس اچھی لڑکی سے گہری اپنائیت محسوس کی۔

پھر جب ایک مرتبہ از خود فری نے رو رو کر اپنے والدین کی لاتعلقی کا احوال سنایا' خاص کر اپنی امی کے حوالے سے تو میرا خون میری کنپٹیوں میں ٹکریں مارنے لگا تھا۔ کسی بپھرے ہوئے طوفان کی مانند۔

فری سے یہی مانوسیت رفتہ رفتہ محبت میں بدل گئی تھی۔ حتیٰ کہ اس سے دوری کا خیال بھی اب میرے لیے سوہانِ روح تھا۔ اب تک جتنی لڑکیوں کے دل توڑے تھے۔ یہی خیال تھا کہ میں کہیں نہ کہیں اپنی ماں کی بے وفائی کا بدلہ لے رہا ہوں۔

کسی حسین چہرے اور اس کی ذات میں بڑھتی دلچسپی دیکھ کر بدلہ لینے کے لیے میری تمام حسیات چوکس ہو جایا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ اک لڑکی عالیہ نے یوں ہی میری محبت کا دم بھرا تھا۔ اور میں نے اس کی محبت کو ٹھوکر مار دی تھی۔ انتہا تک پہنچا کر محبت کو ٹھکرانے کا لطف کیا ہوتا ہے یہ میں ہی جانتا تھا۔ پھر اڑتے اڑتے میرے کانوں تک یہ خبر پہنچی تھی کہ اس عالیہ نامی لڑکی نے خودکشی کرلی ہے۔ میں ایک بارسوخ مالدار شخص تھا اور اس خبر کو باآسانی دبا دیا گیا تھا۔ میں نے اپنے سیکرٹری کے ذریعے تمام معاملات سیٹ کروالیے تھے۔ دولت کے انبار تلے ہر معاملہ' ہر بات دب جاتی ہے۔ خواہ وہ کتنی ہی اہم یا خاص کیوں نہ ہو۔ یوں بھی میری اطلاع کے مطابق فریق پارٹی بھی ہرگز رسوائی کی روادار نہ تھی۔ وہ خود بھی اس تمام معاملے کو اچھالنے کے حق میں نہ تھی۔ یوں بھی دیکھا جائے تو میں نے کیا ہی کیا تھا۔

تھوڑے سے التفات کو اگر کوئی لڑکی جان کا روگ بنالے تو اس میں میری خطا ہی کیا ہے۔ میں تو بدلے کی آگ میں جلنے والا سائیکی سا انسان ہوں۔ اگرچہ اپنی اس بدنمائی کو جو میری ذات کا خاصا ٹھہرا ہے۔ میں نے دنیا کی تیز چبھتی ہوئی نظروں سے روپوش رکھا ہے۔ مگر ایک انسان اگر اپنے ضمیر کی عدالت میں جائے تو اسے اپنا اصل چہرہ باآسانی دکھائی دے جاتا ہے۔

اب اس بات کو بھی اک عرصہ بیت چکا ہے۔ میں تو ان تمام باتوں کو یکسر فراموش کرچکا ہوں۔ میرے چند دیرینہ دوست جو میری اس خصلت سے واقف ہیں وہ میرے شادی جیسے فیصلے پر انگشت بدنداں ہیں۔ شاید مجھے بعد میں پچھتاوا ہو۔ ایسا بھی سننے کو ملا ہے۔ تبصرہ کرنے والے فقط قیاس آرائیوں سے کام لیتے ہیں' دل کا حال تو خود انسان جانتا ہے۔ اور میں دانیال آفندی بقائمی ہوش و حواس یہ تسلیم کرتا ہوں کہ مجھے فرخندہ چوہدری سے عشق ہوگیا ہے۔ میں پور پور اس کی محبت میں ڈوب چکا ہوں۔ اس سے دوری مجھے کھلنے لگی ہے۔ اسی لیے میں نے اسے اپنانے کا فیصلہ کیا ہے۔

مگر کچھ احسان جتاتے ہوئے کہ ذلت آمیز خبریں اخبارات میں شائع ہو رہی تھیں۔ خود فرخندہ چوہدری اس بات سے قطعی بے خبر ہے کہ یہ اخبارات کبھی بھی میرے اور اس کے تعلق پر خبریں نہ چھاپ سکتے اگر میں خود ہی اس بات کا خواہاں یا متمنی نہ ہوتا۔ میں نے اک بڑی لمبی رقم ان سرخیوں کے لیے جیب سے نکال کردی ہے۔

میں نہیں چاہتا تھا کہ فرخندہ تاعمر اس احساس میں رہے کہ میں اس کی محبت میں ڈوب چکا ہوں اور اس کے آگے گھٹنے ٹیک دیے ہیں۔ یہی وہ بات ہے جس نے مجھے سوچنے اور اس عمل کے لیے مجبور کیا ہے میں نے کہا تھا ناں کہ محبت تو ہے مگر دولت انسان کا پلس پوائنٹ ہے۔ اور اسی دولت کے بل بوتے پر میں نے ایسی چال چلی کہ اب وہ مجھ سے شادی تو کر ہی رہی ہے۔ مگر میری احسان مند بھی ہے اور تاعمر رہے گی۔

اس کی آنکھوں میں ممنونیت میں نے اس دن دیکھ لی تھی جب شادی کی آفر کی تھی۔ حالانکہ یہ سب میرے بنائے ہوئے منصوبے کا حصہ تھا۔ میں ایک ہفتہ جان بوجھ کر اس سے نہ ملا۔ تاکہ وہ میری کمی کو محسوس کرے اور پھر جب میں اچانک اس کے سامنے

جاؤں تو وہ میری جھلک پا کر فٹافٹ شادی کا فیصلہ کرے اور پھر ایسا ہی ہوتا گیا جیسا میں نے پلاننگ کی تھی۔ سارا معاملہ خود بخود سیٹ ہو گیا تھا۔

اور آج میں نروس سا ہوں۔ نامعلوم گھبراہٹ سی ہے۔ آواری کے بینکوئیٹ ہال میں دولہا بنے میں قمقموں کی زد میں خاصا مطمئن سا بیٹھا تھا بقول فرخندہ وہ بیوٹی پارلر میں میرے لیے خاص اہتمام سے تیار ہو رہی ہے۔ میں سرشاری کی کیفیت لیے اس کا شدت سے منتظر ہوں۔ شہر کی نامی گرامی ——— اور اہم سیاسی شخصیات بھی اس تقریب سعید میں مدعو ہیں۔ مختلف اخبارات اور جریدے میرا انٹرویو لینے کے لیے بے تاب نظر آتے ہیں تاکہ شہ سرخیوں کے ساتھ میری شادی کا احوال تفصیل سے لکھ سکیں۔ میں چاہتا تھا کہ نکاح خواں نکاح پڑھا دے تو میں اس کے بعد ہی میڈیا کو فیس کروں۔

تب ہی اک گاڑی آکر رکی اور تمام کیمرے اس جانب فوکس ہو گئے تھے۔ اندازہ تھا کہ اس گاڑی میں فرخندہ ہو گی اور وہ فرخندہ چوہدری ہی تھی۔ مگر بالکل سادہ سے حلیے میں۔ اگرچہ وہ اس سادگی میں بھی غضب ڈھا رہی تھی۔ مگر میرا دل اسے سادہ حلیے میں دیکھ کر ہولنے لگا تھا۔ کچھ ایسا اس کے چہرے پر ضرور رقم تھا کہ میں چونک گیا تھا۔ یوں جیسے کچھ ہونے والا ہو۔ وہ پورے اعتماد کے ساتھ اسٹیج پر آئی ہے۔

"مس فرخندہ چوہدری آپ۔" مختلف آوازوں میں گھری وہ بہت مطمئن تھی۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے سب کو خاموش کروایا تھا۔ میں یک ٹک کرسی پر براجمان اس کے انداز کو دیکھ رہا تھا۔

"آپ سب کی آمد کا بہت شکریہ۔ اگر میں بلاتی تو شاید یوں اتنے سارے صحافی نہ آتے۔ لیکن جس مقصد کے تحت آپ سب یہاں مدعو ہوئے ہیں' وہ اب ممکن نہیں ہے۔ میں دانیال آفندی سے ہرگز شادی نہیں کر سکتی۔ اک ایسا انسان جو رشتوں کو نبھانے کے ہنر سے ناواقف ہے۔ ارے رشتے تو دور کی بات ہے۔ یہ تو انسان ہی کہلانے کے قابل نہیں ہے۔

میں اس جیسے شخص کے ساتھ شادی کا تصور بھی نہیں کر سکتی جو عورت کے دل کو کھلونا سمجھ کر کھیلتا ہے۔ اور ایک سے دل بھر جانے کے بعد دوسری کی جانب توجہ مبذول کر لیتا ہے۔ جو اپنے ہی زعم میں خود کو پوجتا ہو۔ جس کی گردان "میں" سے شروع ہو کر میں پر ہی ٹوٹتی ہو۔ اس کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہونا چاہیے۔ میں چاہتی تو کچھ عرصہ کے لیے یہ شخص جیل میں سڑتا مگر جو احساس ذلت میں اسے دے رہی ہوں' وہ اسے تاعمر کچوکے دیتا رہے گا۔ میں اس سے ہرگز شادی نہیں کروں گی اور مسٹر دانیال! یہ رہا ثبوت کہ جو اخبارات تم نے اپنی جانب سے خریدے تھے اور انہیں میری بدنامی کا کام سونپا تھا۔ ان میں سے دو اخبارات کے ایڈیٹرز میرے عزیز ہیں۔ اتنی بڑی چال چلنے سے قبل ذرا تسلی تو کروا لیتے۔"

فرخندہ نے ہوا میں تصاویر اچھال دی تھیں۔ مجھے یوں لگا جیسے میں سربازار عریاں ہو گیا ہوں۔ سب کھٹا کھٹ میری اور فرخندہ کی تصاویر لے رہے تھے۔ میرے وجود میں نجانے کیوں اتنی برف اتر آئی تھی کہ میں چاہ کر بھی بول نہ پا رہا تھا۔

"اگر ایسا ہی تھا تو مس فرخندہ! یہ شادی پر رضامند ہونا۔ یہ کیا ماجرا ہے۔" اک جرنلسٹ نے سوال کیا تو وہ ہنس دی تھی۔

"میں چاہتی تھی کہ اس شخص کو ذہنی طور پر اتنی ہی اذیت کا سامنا کرنا پڑے جتنا کہ میں نے کیا ہے۔ اور میں آج شام کی فلائٹ سے بیرون ملک جا رہی ہوں۔ میرے بابا ایک عرصہ سے مجھے بلا رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ جاتے جاتے ذرا ان صاحب کو ان کا اصل چہرہ دکھا دیا جائے۔"

یہ فرخندہ تو معصوم سی فرخندہ سے یکسر مختلف لگ رہی تھی۔ جسے ایک عرصہ سے میں چاہتا چلا آ رہا تھا۔ آج اس کے گال میں پڑتا بھنور' وہ ڈمپل نہیں طنز میں لپٹا ہوا کوئی تیر تھا جو مجھے چھلنی کر رہا تھا۔ مجھے اچانک لگا کہ میں حواس کھو رہا ہوں۔ ہجوم میرے گرد اکٹھا ہوا اور میں ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا۔

☆ ☆ ☆

میری آنکھ کھلی تو میں ہاسپٹل میں تھا۔ میرے سامنے وہی عورت تھی جسے میں زندگی میں کبھی دیکھنا نہ چاہتا تھا۔ وہ میری ماں تھی جو تفکر سے مجھے تک رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کی سرخی بتا رہی تھی کہ وہ کئی دنوں سے سوئی نہیں ہے۔

"شکر ہے مالک کا۔ آج پورے تین دن بعد تم ہوش میں آئے ہو۔" وہ محبت سے بولی تھیں۔

"مجھے کیا ہوا تھا؟" اچانک سارے منظر دوبارہ میری آنکھوں میں کسی فلم کی طرح چلنے لگے تھے۔ فرخندہ کا تمسخرانہ انداز اور دنیا کی طنزیہ نگاہیں۔

"تمہارا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔" ماں نے یہ کہہ کر مجھ سے نظریں چرائی تھیں۔

"یہ لفافہ نجانے کون دے گیا تھا۔" ایک خاکی رنگ کا لفافہ مجھے تھما کر ماں میرا چہرہ تکنے لگی۔

"اب کیسے ہو۔" مبہم سا لہجہ۔

"میں ٹھیک ہوں۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"بیٹا! ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔ دنیا کی کوئی بھی عورت اتنی سفاک نہیں ہوتی کہ اپنے بچے کو چھوڑ کر جائے۔ تمہارے باپ نے تم سے ملنے پر پابندی عائد کی تھی۔"

ماں کے لہجہ میں کانچ کی کرچیاں تھیں۔

"میں تمہارے لیے جوس لاتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ باہر چلی گئی تھی۔ میں نے لفافہ چاک کیا۔ اندر ایک خط تھا۔

دانیال آفندی!

"میں نے اپنی زن عالیہ کا بدلہ تم سے لے لیا ہے۔ امید ہے' اب کسی لڑکی کا دل توڑنے سے پہلے سو بار سوچو گے۔"

فرخندہ چوہدری!

میں ہچکولوں کی زد میں تھا۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ میں سب جیت کر بھی ہار چکا تھا۔ میں اب دنیا کا سامنا کرنے سے کترانے لگا تھا۔ میں تنہائی کو اوڑھ چکا تھا۔ محبت کے اس سفر میں ہار میری ہی ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

میں فرخندہ چوہدری ہوں۔ حساس دل رکھنے والی۔ محبت اور اخلاق کے جذبوں سے گندھی ہوئی ایک روایتی سی لڑکی ہوں۔ جس دن مجھے عالیہ کی خودکشی کی اطلاع ملی' اس دن میں ٹوٹ سی گئی تھی۔ عالیہ میرے چچا کی بیٹی ہی نہ تھی' میری بہن میری ہم راز' میری دوست بھی تھی عالیہ کے لبوں پر پچھلے چند ماہ سے کسی شاعر دانیال کا نام رہنے لگا تھا۔

"جانتی ہو فری! وہ اتنا ہینڈسم ہے کہ بندہ اس پر نگاہ ڈالے اور مر مٹے۔" میں اس کی وارفتگی پر ہنس دیتی تھی۔

"فری! میں اس سے ایک دن نہ ملوں تو لگتا ہے جیسے میں مر جاؤں گی۔ اس کی شاعری' ارے شاعری سے یاد آیا۔ میں نے اس سے سرسری سا تمہارا ذکر کیا تھا۔ اس نے کہا۔ تم اپنی شاعری کو ڈائری تک بند نہ رکھو۔ اسے منظر عام پر لاؤ۔" وہ جوش سے بولی تھی۔

"ارے چھوڑو' وہ تو کالج ٹائم کی ہے۔ میں کہاں اتنی عمدہ شاعری کرتی ہوں۔" میں ہنس دی تھی۔

عالیہ کی ہر بات دانیال سے شروع ہو کر دانیال پر ہی ختم ہونے لگی تھی۔ عالیہ گھر میں بڑی تھی۔ اس کی شادی کا تذکرہ چھڑا تو اس نے سب کے سامنے دانیال کا نام لے کر سب کو حیران کر دیا۔

"اس کو بلاؤ۔" چچا نے کہا۔

میں نے دیکھا کہ عالیہ پُر یقین تھی کہ وہ ضرور دانیال کو آمادہ کر لے گی۔ ان دنوں میں ماسٹرز کر رہی تھی۔ میرے فائنل ایر کے ایگزامز تھے۔ میں بے انتہا مصروف تھی۔ تب ہی مجھے اک دن عالیہ کا فون آیا۔ وہ رو رہی تھی۔

"فری! دانیال کو مجھ سے محبت نہ تھی۔ وہ کہتا ہے' میں اک فلرٹی لڑکی ہوں۔ اور فقط دل لگی کیے جانے کے لائق ہوں۔ فری تم کو تو معلوم ہے ناں کہ میں نے کبھی کسی کو اس طرح نہیں چاہا۔" اس کا اس طرح

رونا مجھے ہولا رہا تھا۔

"ارے تم فکر مت کرو۔ ملتے ہیں اس سے۔ میں بات کروں گی۔"

میں نے دلجوئی کی اور پھر میں نے دوسرے دن اپنا مقالہ جمع کروانا تھا۔ میں بری طرح مصروف تھی۔ چاہ کر بھی اس دن عالیہ کی جانب نہ جا سکی۔ اور اس کا برین ہیمبرج ہو گیا۔

اگرچہ بظاہر یہ عام سی موت تھی۔ مگر میں جانتی تھی کہ وہ کس شے کا اتنا اثر لے رہی تھی۔ اخبارات میں اس کی چھپنے والی تصاویر اس کی توڑ پھوڑ کی اصل وجہ بن گئی تھیں اور دانیال کا روکھا انداز۔ میں جانتی تھی کہ وہ ایک باہمت لڑکی ہے۔ مگر اسے اس راہ پر لانے والی ذات دانیال کی تھی۔ میری کزن کی موت کو دانیال نے خودکشی کا رنگ دیا تھا یا شاید اس کے سیکرٹری نے ایسا کیا تھا۔ مگر اب پانی سر سے اوپر ہو چکا تھا۔ میں نے طے کیا کہ ایک بار اس دانیال سے مل کر اس کو برا بھلا کہوں گی۔ ملاقات سے قبل ہی ٹی وی پر اس کے ایک انٹرویو میں اس کا تحقیر بھرا انداز مجھے بھڑکا گیا تھا۔

"اب ہر دوسری لڑکی جو میری محبت کا دم بھرتی ہے' مرجائے گی تو کیا مجھ پر قتل کا الزام دھر دیا جائے گا۔"

غرور میں ڈوبا لب و لہجہ لیے وہ ہلکے پھلکے انداز میں بول رہا تھا۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ تب میرے ذہن نے مجھے مجبور کیا کہ میں اس شخص سے عالیہ کا انتقام لوں۔ میں ایک عام سی لڑکی بن کر اس کے سامنے جا کر انتقام نہ لے سکتی تھی۔

میں اس کو محبت میں ایک خاص مقام تک لا کر چھوڑ دینا چاہتی تھی تاکہ اسے بھی اسے درد کا احساس ہو وہ بھی وہی کرب و اذیت سہے جو عالیہ نے سہی تھی میں نے اپنی شاعری کا مجموعہ شائع کروایا۔ جو راتوں رات مقبول ہو گیا۔ اگرچہ اس طرح شہرت کا حصول کبھی بھی میرا مطمع نظر نہ رہا تھا۔ پھر وہ وقت بھی آیا جب میری دانیال سے ملاقات ہوئی۔ وہ مجھے بے حد مغرور لگا اور اندازے سے بڑھ کر شاطر اور مشکل لگا۔ اسے زیر کرنا اتنا آسان بھی نہ تھا۔ میں اب ہر وقت سائے کی طرح اس کے ساتھ ساتھ رہنے لگی تھی تاکہ اسے میری عادت ہو۔ اور ایک دن یہ عادت محبت میں بدل جائے۔ بسا اوقات وہ بے حد رکھائی سے بھی بولتا تھا۔ مگر میری مستقل مزاجی کے سامنے ڈھے سا گیا۔ اور پھر وہ مجھے اپنے دل کی بات بتانے لگا۔

کوئی بھی مرد جب اپنا اصل چہرہ آشکار کرنے لگے تو سمجھ لینا چاہیے کہ عورت اب اس کے دل اور دماغ دونوں پر قابض ہو چکی ہے۔ جس دن اس نے عالیہ کا ذکر کیا' اس دن میرا جی چاہا کہ اس کا منہ نوچ لوں۔ مگر ضبط کیے اس کے سامنے بیٹھی رہی۔ اگر یہی کرنا ہوتا تو اتنا فاصلہ عبور کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ پھر جب اس نے مجھے شادی کی پیش کش کی تو میں مطمئن ہو گئی تھی۔

اور پھر وہ دن بھی آیا جب بھری محفل میں اس کو عریاں کر کے میں نے تمام لڑکیوں کی توہین اور ذلت کا بدلہ لے ڈالا تھا۔ مگر اس شہ اور مات کے چکر میں نجانے کیوں مجھے لگ رہا تھا کہ میں اپنا آپ گنوا بیٹھی ہوں۔ اس دن جب دانیال بے ہوش ہو گیا۔ اور اگلے دن اطلاع ملی کہ اس کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا ہے تو میں چاہ کر بھی اس دن کی فلائٹ سے باہر نہ جا سکی۔ میں اسپتال اسے دیکھنے گئی تھی۔ وہ بے ہوش تھا۔ اس کے چہرے پر کرب پھیلا تھا۔ محبت میں ہار جانے کا کرب اور اس کرب کو مجھ سے بہتر کون جا سکتا تھا کہ میں بھی تو دانیال سے لڑتے لڑتے خود سے ہار بیٹھی تھی۔ مگر عورت جب محبت اور انا میں سے ایک چیز چن لیتی ہے تو محبت کو دل کے نہاں خانوں میں دفن کر کے اپنی عزت کو ترجیح دیتی ہے۔

میں نے الوداعی نگاہ دانیال پر ڈالی اور لوٹ آئی۔ میری آنکھوں کی نمی میرے گال بھگونے لگی تھی۔ کون طے کر سکتا تھا کہ اس سود و زیاں میں میں نے کیا کھویا اور کیا پایا تھا۔

☼

شازیہ جمال طارق

"امی! میں زارا سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"
نبیلہ بیگم کے سر پر گویا چھت آگری تھی۔ وہ بے یقین نگاہوں سے اپنے سامنے بیٹھے جمشید کو دیکھنے لگیں۔ جس کے گندمی، سنجیدہ چہرے پر مذاق کا شائبہ تک نہیں تھا۔

"آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے نا؟" مؤدب لہجے میں وہ پوچھ رہا تھا۔
نبیلہ بیگم کیا جواب دیتیں، وہ تو حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ابھی تک آنکھوں میں بے یقینی لیے اپنے حد درجہ سعادت مند بیٹے کو دیکھ رہی تھیں۔ جو مزید کہہ رہا تھا۔

"امی! میں نے آپ کو صرف اپنی پسند بتائی ہے۔ باقی فیصلہ آپ جو بھی کریں گی مجھے بخوشی قبول ہوگا۔ میرے لیے آپ کی خوشی اور پسند ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔" وہ ان کے ہاتھوں پر دباؤ ڈالتا اٹھ گیا تھا۔
نبیلہ بیگم جیسے ہوش میں آگئیں۔ اسی وقت سلویٰ تیزی سے اندر آئی۔

"اے سلویٰ! کچھ سنا تم نے، جمشید کیا کہہ گیا ہے۔"

"جی امی! ابھی اپنے کانوں سے ہی تو سنا ہے۔" اس کا بھی شاید ماں کی طرح ابھی سکتہ ٹوٹا تھا۔

"شیر اور بکری ایک گھاٹ میں پانی پی لیتے یا نواز، عمران سارے اختلافات بھلا کر ایک دوسرے سے "سیاسی جپھیاں" ڈالتے، مجھے تب بھی اتنی حیرت نہ ہوتی، جتنا اس کے منہ سے یہ بات سن کر ہوئی ہے۔ ایسی خواہش کا اظہار ظفری کرتا تب بھی کوئی بات

مکمل ناول

تھی، لیکن میرا جمشید۔۔۔۔"

ان کا انداز ایسا تھا "ہائے میں لٹ گئی۔"

"وہی تو امی! میں خود حیران ہوں یہ بیٹھے بٹھائے جمشید بھائی کو کیا ہو گیا ہے۔ ایک تو اپنے منہ سے شادی کا اظہار اور وہ بھی زارا سے؟"

"میرا تو دل بیٹھا جا رہا ہے' حمرہ کو فون ملاؤ۔ وہی آکر کچھ حل نکالے گی' اس مسئلے کا۔" نبیلہ بیگم کو ہر قسم کی ہنگامی صورت حال میں اپنی بڑی بیٹی کا خیال ہی آتا تھا۔ جس کے نادر و نایاب مشوروں پر وہ آمنا و صدقنا عمل کرتی تھیں۔ سلویٰ نے وہیں بیٹھے بیٹھے ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھایا اور بڑی بہن کا نمبر ملانے لگی۔ دوسری طرف سے اس کی عجلت بھری آواز سنائی دی۔

"جی امی! خیریت؟"

"ارے حمرہ! میری بچی' خیر' خیریت کو چھوڑ' تو بس یہاں پہنچ' بڑی ضروری بات کرنی ہے تجھ سے۔"

"امی ایسی بھی کیا ضروری بات ہے۔ آج لبنیٰ کو دیکھنے کچھ لوگ آرہے ہیں۔ آپ جانتی ہیں ایسے موقع پر میرا وہاں ہونا کتنا ضروری ہے۔ آخر کو بڑی بہو ہوں۔" حمرہ کے ٹھنک کے کہنے پر نبیلہ بیگم کا پارہ ہائی ہوا۔

"صبح صبح میرا منہ مت کھلوا حمرہ! جیسے میں تو جانتی ہی نہیں ان لوگوں نے تمہیں بڑی بہو کے کس سنگھاسن پر بٹھا رکھا ہے۔"

"تو میں بھی کون سا ان کی شان و شوکت بڑھانے کے لیے وہاں بیٹھوں گی۔ آپ کو پتا تو ہے میری ساس' نندیں کتنی گھنی ہیں' جانے کیا کیا معاملات طے ہوں' مجھے ہوا تھوڑی لگنے دیں گی۔"

"اچھا' دفع کر ان کو۔ ابھی تو یہاں کی خیر' خبر لے۔ میرا تو دل بیٹھا جا رہا ہے۔"

معاملہ واقعی سنگین نوعیت کا تھا۔ حمرہ نے اپنے آنے کی یقین دہانی کروا کر فون بند کر دیا۔

☼ ☼ ☼

"اچھا' تو یہ چکر ہے۔ میں تو ظفری کی طرف سے ایسا کوئی شوشا چھوڑے جانے کی منتظر تھی۔ یہ اپنے جمشید بھائی کو کیا ہوا؟" ساری بات سن کر حمرہ نے بھی انگلیاں دواب لیں منہ میں۔

"جمشید بھائی تو نظر اٹھا کر کسی کو نہیں دیکھتے۔ یقیناً اس زارا نے ہی کوئی چکر چلایا ہو گا۔" فی الفور پہلا خیال اس کے ذہن میں یہی آیا۔

"وہ آدم بے زار زارا گھر آئے مہمانوں سے سلام دعا کرے' یہ بھی بہت ہے۔ نہ جانے کس دھیان گیان میں رہتی ہے۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے عجیب مافوق الفطرت قسم کی لڑکی ہے۔ نہ ہنستی بولتی ہے' نہ سجتی سنورتی ہے۔ لڑکیوں والی تو کوئی بات ہی نہیں اس میں۔ اس معاملے میں پیش رفت اس کی جانب سے ہوئی ہو گی' میں مان ہی نہیں سکتی۔" سلویٰ کی بات سے اتفاق تو حمرہ اور نبیلہ بیگم کو بھی تھا۔

"ویسے امی! یہ بھی اچھا ہے جمشید بھائی نے ماموں کی زارا کا نام لیا ہے۔ اگر کسی ایسی ویسی کو پسند کر بیٹھتے تو میں اور آپ بھلا کیا کر لیتے۔ ویسے بھی برسر روزگار اور خود مختار ہیں۔" حمرہ کی بات سیدھی ان کے دل کو جا لگی تھی۔ وہ ایسے ہی تو اس کی عقل مندی کی قائل نہیں تھیں۔

"تو اب کیا کہتی ہو رشتہ ڈالوں زارا کے لیے؟"

"ابا میاں سے تو بات کر لیں' ورنہ ہمیشہ کی طرح واویلا مچائیں گے کہ انہیں کسی قابل نہیں جانا۔"

"اے ہاں' ان سے بھی بات کر لیں گے۔" نبیلہ بیگم نے ناک پر سے مکھی اڑائی۔ ان کی سوچ کا پنچھی دور اڑان بھرتا جا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"باغیچے کی گھاس کتنی لمبی ہو گئی ہے۔ ساتھ والی نگہت خالہ کے مالی کو بلوا کر ترش والوں گی۔" اپنے ہرے بھرے باغیچے میں اگے ننھے پھول' پودوں کو پانی سے نہلاتے ہوئے اس نے فکر مند نگاہ گھاس پر ڈالی' جس پر پانی کی بوندیں موتیوں کی مانند چمک رہی تھیں۔ یہ باغیچہ اس کے لیے جنت کے کسی ٹکڑے سے کم

نہیں تھا۔ اس کے پھول ' پتے ' پودے ' کلیوں سے اسے عشق تھا۔ اس کی بے کلی کو قرار اسی باغیچے میں آکر ملتا۔ کلی کلی منڈلاتا بھنورا نہ جانے کس سمت اڑ گیا تھا کہ اس کی نگاہوں میں سنہری تتلی آگئی۔ سفید پھولوں کے کنج پر رقص کرتی سنہری تتلی کو وہ محویت سے دیکھے گئی۔ اگلے لمحے اس کی سانس گویا رک سی گئی۔ اس نے بدقت تمام آنکھیں جھپکا کر سامنے کا منظر دیکھا۔ اس کا حلق تک خشک ہوگیا۔ اگلا لمحہ موت تھا۔ نہ جانے کب سے گھات لگائے بیٹھی چھپکلی نے سرعت سے سنہری رقص کرتی تتلی کو پکڑ کر اپنے حلق میں اتار لیا۔ مسکراتی رنگین زندگی لمحوں میں مٹ گئی تھی۔ وہ ششدر سی منہ پر ہاتھ رکھے وہاں سے اٹھ کر بھاگتی چلی گئی۔

مومنہ بھابھی اسی وقت کچن سے نکلی تھیں۔ انہیں اچانک یاد آگیا تھا کہ مصطفیٰ نے انہیں وائٹ شرٹ استری کرنے کو کہا تھا۔ وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھیں کہ حیرت سے منہ پر ہاتھ رکھے سسکیاں دباتی اپنے کمرے کی طرف جاتی زارا کو دیکھا۔

"زارا! سنو تو کیا ہوا؟" انہوں نے پریشانی سے اسے پکارا۔ لیکن وہ نکلتی چلی گئی۔

"سارے طاقت ور کمزوروں کے لیے اتنے ظالم کیوں ثابت ہوتے ہیں؟" بیڈ پر گری وہ پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

☆ ☆ ☆

"مومنہ!" مصطفیٰ کی پکار دھاڑ سے مشابہ تھی۔ کپ میں چائے ڈالتی مومنہ کے ہاتھ کانپے۔ اس سے پہلے کہ وہ باہر لپکتی، مصطفیٰ خود ہی اس کے سر پر پہنچ گیا۔

"کہاں مر کھپ جاتی ہو۔ میں نے سفید شرٹ استری کرنے کے لیے کہا تھا کی تم نے؟"

مومنہ کے اوسان خطا ہونے لگے۔ وہ شرٹ استری کرنے ہی تو جا رہی تھی' جب روتی ہوئی زارا کو دیکھا تو اس کا دھیان بٹ گیا تھا۔ اس نے خشک حلق تر کیا۔

"نہیں وہ ابھی کردیتی ہوں' آپ کی چائے۔"

"بھاڑ میں گئی چائے۔" اس کے ہاتھ سے کپ لے کر مصطفیٰ نے اتنی زور سے سلیب پر پٹخا کہ چائے چھلک کر اس کے پیروں پر آگری۔ درد کی شدت سے اس نے فوراً پاؤں پیچھے ہٹایا۔

"عجیب مخبوط الحواس عورت پلے پڑی ہے میرے۔ بات سنو ' اگر یہاں ہوش و حواس کے ساتھ رہنا ہے تو ٹھیک' ورنہ چلتی پھرتی نظر آؤ۔" اس کے جھکے سر کو انگلی سے بجاتا وہ نخوت سے کہتا باہر نکل گیا۔

"کیا ہوا بیٹا؟ کیوں چلا رہا تھا مصطفیٰ؟" منیزہ بیگم نے یقیناً "من و عن سن لیا تھا' لیکن وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے نرمی سے پوچھ رہی تھیں۔ مومنہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"پاؤں دکھاؤ' زیادہ جلا تو نہیں؟" کہتے ہوئے انہوں نے اسے پکڑ کر اسٹول پر بٹھایا اور برنال لے کر اس کے پاؤں کے جلے حصے پر لگانے لگیں۔

مومنہ نے آنکھیں سختی سے میچ لیں۔ "آئی ایم سوری بیٹا۔" منیزہ بیگم کا لہجہ شرمندگی لیے ہوئے تھا۔ ایسے بیٹے کی ماں ہونے پر وہ واقعی شرمندہ تھیں۔

"غلطی میری ہے امی! جب انہوں نے شرٹ استری کرنے کے لیے کہا تھا تو مجھے اسی وقت کر کے رکھ دینا چاہیے تھی۔"

"تم بھلے سے شرٹ اسی وقت استری کر کے رکھ دیتیں' لیکن وہ پھر بھی کسی نہ کسی بات کو ایشو بنا کر یہ ہنگامہ ضرور کھڑا کرتا۔ اس لیے خود کو قصوروار سمجھنا چھوڑ دو۔"

مومنہ نے آنسو صاف کرتے ہوئے اس شفیق عورت کا چہرہ دیکھا۔ اگر اس کی اپنی ماں حیات ہوتیں تو وہ یقیناً "ایسی ہی ہوتیں۔

"اچھا چلو' جا کر اب آرام کرو' کھانا بنانے میں ابھی بہت وقت ہے' زارا بنا لے گی۔"

باہر مشہود صاحب کے قدموں کی مخصوص چاپ ابھری تھی۔ دونوں ساس' بہو ایک دم الرٹ ہوئیں۔

"یہاں رازونیاز کی کون سی کھچڑی پکائی جارہی ہے؟ اتنا احساس نہیں ہے کہ گھر آئے شوہر کو چائے پانی کا ہی پوچھ لیا جائے۔" کرخت لہجے میں بولتے وہ کچن کے کھلے دروازے میں آن کھڑے ہوئے تھے۔

"میں وہ بس ابھی لا ہی رہی تھی۔" منیزہ بیگم گھگھیائیں۔

"مجھے تو چائے پانی کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے؟" طنزیہ نگاہیں یہاں وہاں دوڑائیں، منیزہ بیگم کہہ نہ سکیں کہ ابھی تو آپ کچن کے سامنے سے گزر کر اپنے کمرے تک بھی نہیں گئے، پھر چائے پانی کیسے آپ کی خدمت میں پیش کرتیں۔

"صاحب زادی کہاں ہیں آپ کی؟ اس سے کہو اس جھاڑ جھنکاڑ اور گلہریوں، تتلیوں سے رازونیاز کرنے سے فرصت مل جائے تو تھوڑا وقت گھرداری کو بھی دے دیا کرے۔ ورنہ وہ بھی ماں کی طرح پھوہڑ پن کے مظاہرے کرکے کسی شریف النفس کا جینا اجیرن کرے گی۔" قہر بھری نظریں ان پر ڈالتے وہ باہر نکل گئے تو منیزہ بیگم کرسی پر ڈھے سی گئیں۔

"ہر بار سوچتی ہوں مشہود صاحب کو ایسا کوئی موقع نہیں دوں گی، لیکن پھر بھی چوک ہوجاتی ہے۔"

"چوک آپ سے نہیں ہوتی امی! ابا خود ہی کوئی نہ کوئی ایسا موقع ڈھونڈ نکالتے ہیں۔"

چائے کا پانی چڑھاتے ہوئے مومنہ بولی۔ ان دونوں کا دکھ ایک سا تھا۔ ان کی بدقسمتی تھی وہ ایسے مردوں کے زیردست آئی تھیں جو عورت کو پاؤں کی جوتی سے زیادہ اہمیت دینے کے قائل نہیں تھے۔

"آپ ان کے لیے چائے لے جائیں جب تک میں زارا کو دیکھ آؤں۔"

ٹرے ان کے ہاتھ میں تھما کر مومنہ باہر نکلی۔ اپنے کمرے میں لفظ لفظ سنتی زارا نے تلخی سے اپنا چہرہ تکیے میں چھپالیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"میں سوچ رہی ہوں کل مشہود بھائی کے گھر جاکر تمہارے اور زارا کے رشتے کی بات کر آؤں۔"

نبیلہ بیگم کی بات سن کر جمشید کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔ "امی آپ دل سے تو راضی ہیں نا اس رشتے پر؟" گوکہ اپنی خواہش سے دستبرداری بہت مشکل تھی، لیکن وہ ماں کی دل آزاری بھی نہیں چاہتا تھا۔

"ہاں بیٹا! میرے لیے تمہاری خوشی ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔" نبیلہ بیگم اپنے حد درجہ سعادت مند بیٹے کے دل میں کوئی گرہ نہیں ڈالنا چاہتی تھیں۔ اگر ان کے دل میں کوئی پھانس تھی بھی تو انہوں نے ظاہر نہیں کیا۔ جمشید کو مطمئن کرنا ضروری تھا، باقی سب وہ خود اچھے سے سنبھال لیتیں۔

"بائی داوے بھائی! آپ کو اس پتھر کی مورت میں ایسا کیا نظر آیا آخر؟" چائے کا کپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے سلویٰ نے شرارت سے پوچھا۔

"تمہیں کوئی اعتراض ہے تو بتادو چھٹکی؟"

"ارے نا بابانہ، ہمیں دو پیار کرنے والے دلوں کے بیچ ظالم سماج بن کر روڑے نہیں اٹکانے۔" وہ ہنستے ہوئے ہاتھ اٹھاکر شرارت سے کہہ رہی تھی۔ لیکن جمشید نے سنجیدگی سے ٹوک دیا۔

"سنو یہ پیار، محبت والا کوئی سین نہیں ہے، غلط بات مت کرو۔" اس کی سنجیدگی پر سلوی لحہ بھر کو چپ سی رہ گئی۔

"ارے یہ میں کیا سن رہا ہوں۔ اتنی بڑی خبر اور ایک میں بے چارہ ہی بے خبر۔" ظفری تیزی سے سیڑھیاں اترتا لاؤنج میں آیا تھا۔

"لو شروع ہوگئی اب اس کی نوٹنکی۔" نبیلہ بیگم نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

"نوٹنکی کہاں کی امی حضور۔ اندر ابا میاں کی حالت بھی مجھ سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔ بالا ہی بالا سارے معاملات طے کرلیے ہم باپ، بیٹا کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہونے دی۔ کیا یہ کھلا تضاد نہیں؟"

"اے میاں میرا منہ مت کھلواؤ۔ کہاں کے

معاملات ایسے معاملات' ہم ان کے گھر رشتہ ڈال آئے' ادھر سے ہاں ہو گئی' خاندان بھر میں لڈو بٹ گئے اور شادی کی تاریخ بھی طے ہو گئی ہے اور تیرے ابا میاں کی تو جا کر میں ابھی خبر لیتی ہوں۔ دھان پان سے ہیں اپنی صحت دیکھی نہیں اور لگتے ہیں بات بات پر غصے سے ہچکولے کھانے۔"

نبیلہ بیگم تو جلال میں آ گئیں۔ ظفری سر پر ہاتھ مار کر رہ گیا۔ سلویٰ نے "نواب بھکتو" کا اشارہ کیا اور وہاں سے اٹھ گئی۔ ارادہ چھت پر جا کر سوکھے کپڑے اتارنے کا تھا۔ ادھر ریلنگ سے ٹیک لگائے غیور شاید اسی کا منتظر تھا۔ دونوں گھروں کی چھتیں ملی ہوئی تھیں۔ سلویٰ پر نظر پڑتے ہی وہ سیدھا ہوا۔

"نکمی لڑکی کہاں گم تھیں اب تک۔ کپڑے بے چارے تمہارے انتظار میں سوکھ سوکھ کر کانٹا ہو گئے۔"

"کپڑے یا تم؟" سلویٰ نے مسکراہٹ دبائی۔

"ہیں یار۔" اس کے بے چارگی سے کہنے پر وہ ہنس دی۔

"اچھا سنو' مجھے تمہارے گھر سے کسی غیر معمولی بلکہ مطلب افراتفری کی خوشبو آ رہی ہے۔"

"تو تمہیں کس نے کہا ہے ہمارے گھر کی خوشبوئیں سونگھتے پھرو۔"

"حد ادب' لڑکی میں تمہارا ہونے والا نصف بہتر ہوں۔ کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تم بنا کسی بحث کے مجھے بتاؤ اصل معاملہ کیا ہے؟"

سلویٰ کو اس کی ماں کی طرح ٹوہ لینے والی عادت سخت بری لگتی تھی۔ "کل ہم جمشید بھائی کے لیے زارا کا ہاتھ مانگنے جائیں گے۔"

"کیا اس مصری شہزادی کا ہاتھ اور وہ بھی اپنے جمشید بھائی کے لیے؟" غیور ایک دم چونکا۔

"ہاں وہی' لیکن خدارا تم یہ بات ابھی پھپھو کو مت بتانا' کیونکہ امی کا فی الحال اس بات کو صیغۂ راز میں رکھنے کا ارادہ ہے۔" کپڑوں کا گٹھڑ سینے سے لگائے آخر میں وہ تنبیہا" بولی۔

غیور فورا" برا مان گیا۔ "تو تمہارا کیا مطلب ہے۔ میری اماں سارے میں اس بات کا ڈھنڈورا پیٹ دیں گی؟"

"ہاں' کچھ بعید نہیں۔" وہ صاف گوئی سے کہتی سیڑھیاں اترنے لگی۔ جبکہ غیور کے تصور کے پردے پر چھم سے زارا کا سراپا آ گیا۔ یہ اپنا جمشید لالہ اور وہ مصر کی حور' قسمت بھی کبھی کیسے کیسے جوڑ توڑ کر جاتی ہے۔ اس کے ماتھے پر شکنیں سی ابھرتی جا رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

عرصے بعد نند کی دونوں بیٹیوں سمیت آمد منیزہ بیگم کو حیران کر گئی اور ان کی آمد کا مقصد جان کر تو انہوں نے بے ساختہ مومنہ کی طرف دیکھا۔

"زارا کے لیے جمشید کا رشتہ؟"

"میرا جمشید لاکھوں میں ایک ہے۔ اس کے لیے لڑکیوں کی کمی نہیں، لیکن زارا اپنی بچی ہے۔ دکھ سکھ میں ساتھ تو دے گی۔ غیروں کا کیا بھروسا، کل کو میرے بیٹے کو قابو کر کے ہمیں ہی ہاتھ سے پکڑ کر باہر چلتا کر دے۔ زارا اپنا خون ہے۔ کچھ تو احساس کرہی لے گی ہمارا۔" اس وقت لاؤنج میں صرف نبیلہ بیگم کی آواز گونج رہی تھیں۔

منیزہ بیگم اور مومنہ کی کیا مجال کوئی جواب دیتیں۔ سامنے ہی صوفے پر مشہود صاحب اور مصطفیٰ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے بیٹھے تھے۔ جو بھی بولنا تھا انہوں نے ہی بولنا تھا۔

یہ مشہود صاحب کی شخصیت کا رعب ہی تھا کہ سلویٰ اور حمنہ بھی دم سادھے بیٹھی تھیں۔ انہیں ماموں کے گھر کا ماحول شروع سے ہی ناپسند تھا۔ عجیب گھٹا گھٹا سا۔

"بھائی صاحب ساتھ نہیں آئے؟" مشہود نے بہنوئی کی بابت دریافت کیا۔

"ان کو دمے کے مرض نے کہیں آنے جانے کے قابل چھوڑا ہی کہاں ہے۔ کسی طرح آ بھی جاتے تو واپسی پر انہیں اسٹریچر پر بٹھائے ہمیں اسپتال کی دوڑ ہی لگانی پڑتی۔"

مشہود صاحب نے ہنکارا بھرا۔ "ٹھیک ہے آپا بیگم! جمشید بھی اپنا ہی بچہ ہے۔ ہم چند روز میں سوچ کر آپ کو جواب دے دیں گے۔" وہی رعونت بھرا بے نیاز لہجہ۔

"کیسی غیروں جیسی باتیں کرتے ہیں مشہود بھائی! بھلا اپنوں میں کیسی سوچ بچار۔ ویسے آپ نے جو سوچنا ہے سوچ لیں جواب تو میں نے ہاں میں ہی لینا ہے۔"

وہ بہنوں والے مان سے بول رہی تھیں۔ گو کہ ایسا کوئی حق انہیں بھی دیا نہیں گیا تھا۔ بہن تھیں تو کیا ہوا، تھیں تو ایک عورت وہی پاؤں کی جوتی۔

☆ ☆ ☆

"کیا کہا آپ نے؟" زارا بدکی۔

"تمہاری اور جمشید کی شادی کی بات ہو رہی ہے۔ تمہیں خوشی نہیں ہوئی سن کر؟" مومنہ نے ایک دم خوف سے سفید پڑتا اس کا چہرہ دیکھا۔

"ویسی ہی شادی جیسے ابا اور امی کی ہوئی تھی؟ جیسے آپ کی اور مصطفیٰ بھائی کی ہوئی؟" اس نے وحشت زدہ سی آنکھیں اٹھا کر مومنہ کو دیکھا۔ جو مدھم لہجے میں بول رہی تھی۔

"سب ایک جیسے ہوں یہ لازمی تو نہیں زارا۔ جمشید بہت سلجھا ہوا ہے۔" اس کے ہاتھ کی پشت نرمی سے سہلاتی وہ سمجھاتے ہوئے بول رہی تھی۔ زارا نے درشتی سے اس کا ہاتھ جھٹکا۔

"مجھے شادی نہیں کرنی، کسی سے بھی نہیں، کبھی نہیں۔"

"ایسا مت کہو زارا۔ مجھے ویسے ہی خدشہ ہے، کہیں ابا کسی بات کو جواز بنا کر اس رشتے سے انکار نہ کر دیں۔ جمشید جیسے مرد قسمت والوں کو ہی ملا کرتے ہیں۔" مومنہ کو وہ چھوٹی بہن کی طرح عزیز تھی۔ محبت سے اس کا رخسار تھپتھپاتی وہ بہت نرمی سے اسے سمجھا رہی تھی۔

"خدا کے لیے بھابی! چپ ہو جائیں۔" وہ کانوں پر ہاتھ رکھے چیخ اٹھی۔ "امی سے جا کر کہہ دیں مجھے نہیں کرنی شادی، انکار کر دیں پھپھو کو۔"

"وہ بہت مجبور ہیں زارا انہیں مزید آزمائش میں مت ڈالو۔" مومنہ کے لہجے میں بے بسی سی در آئی۔

"آپ، امی، میں ہم سب مجبور ہیں تو خدا کرے، ابا خود ہی اس رشتے سے انکار کر دیں۔ یا پھر۔۔۔"

مومنہ نے اسے مزید بولنے سے روک دیا اور گلے سے لگا کر آہستہ آہستہ اس کی پشت تھپکنے لگی۔ اس کا جسم کسی کمزور شاخ کی مانند لرز رہا تھا۔

"شادی یعنی موت۔"

٭ ٭ ٭

اسے اپنی خوش قسمتی پر آج سے پہلے اتنا رشک کبھی نہیں آیا تھا۔ اس نے چاند کو چھونے کی تمنا کی تھی اور قسمت نے اسے اس کے پہلو میں لانے کی راہ ہموار کردی تھی۔ ابھی ابھی تو نبیلہ بیگم اسے مژدہ سنا گئی تھیں۔ مشہود ماموں نے رشتے کے لیے رضامندی دے رہی تھی۔ اپنے آفس میں ریوالونگ چیئر پر آنکھیں موندے جھولتا وہ پوری طرح اس خوشی کو محسوس کررہا تھا۔ بند آنکھوں کے پیچھے زارا کا سراپا آباد ہوگیا۔

وہ سنہری کانچ کی گڑیا جیسے کوئی پتھر کی مورت ہو۔ مسکراہٹ کبھی راستہ بھول کر بھی اس کے ہونٹوں پر نہیں بھٹکی تھی۔ اس کی سنہری آنکھوں میں اداسی کا ایک جہاں سا آباد تھا۔ ایسا جہاں جس میں بربادی ہی تھی۔ جمشید کو وہ کسی مقدس راز کی طرح پاکیزہ لگتی تھی۔

"تم میرے دل کی اولین خوشی ہو زارا۔ جس دن تمہاری ان سنہری آنکھوں کے کانچ میں میری محبت کا عکس چمکے گا اس دن میری ذات کی تکمیل ہوگی۔ میں اپنی محبت سے تمہیں مسکرانا سکھاؤں گا اداس لڑکی۔" بند آنکھوں کے پار محبت کا جہاں سا آباد ہورہا تھا۔

٭ ٭ ٭

ابا میاں کے کمرے میں اس وقت سب نے اودھم مچار کھا تھا۔ حمہ' اس کی بچیاں' سلوی' ظفری اور رباٹ دار آواز میں بولتی نبیلہ بیگم۔ موضوع گفتگو جمشید کی شادی ہی تھا۔ ابا میاں کا مزاج آج بھی سوا نیزے پر ہی تھا۔ درحقیقت انہیں اس بات کا غصہ تھا کہ اس سارے معاملے میں ان سے مشورہ تو درکنار رائے لینا بھی ضروری نہیں سمجھا گیا۔

نبیلہ بیگم نے اس بار بھی اپنی سی کی۔ حمہ کا رشتہ بھی انہوں نے اپنی ایما پر طے کیا تھا۔ بقول ان کے اقبال احمد کو بھلا ایسی نزاکتوں کا کیا احساس۔ غیور گوکہ اقبال احمد کا ہی بھانجا تھا۔ لیکن جب ثروت نے غیور کے لیے سلوی کا ہاتھ مانگا تو اقبال احمد جو رسمی سا سوچنے کے لیے وقت مانگنا چاہتے تھے' نبیلہ بیگم نے ٹھونک بجا کر اسی وقت رشتے کے لیے رضامندی دے دی۔ اقبال احمد اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

اور اب جمشید کی دفعہ بھی انہوں نے سارے معاملات بالا ہی بالا طے کرلیے۔ گوکہ اقبال احمد بیوی کی دھونس بھری طبیعت سے سمجھوتا کرچکے تھے' لیکن گھر میں تیسرے درجے کے شہری کا سلوک انہیں چراغ پا کرجاتا۔

"کیوں' سارے کے سارے میرے اوپر چڑھے آرہے ہو' مارو گے کیا مجھے؟ ہاں مار ہی ڈالو' خس کم جہاں پاک۔" وہ اتنی زور سے دھاڑے کہ کھانسی کا پھندہ سا لگ گیا۔

"کیوں حلق پھاڑ رہے ہیں' پتا تو ہے اتنا سا چلانے سے بھی آپ کی ہڈیاں پسلیاں ایک برابر ہوجاتی ہیں۔ چلو بھئی بچیو' باہر جاکر ہلا گلا کرو۔ یہاں تمہارے ابا میاں کا دم گھٹ رہا ہے۔" نبیلہ بیگم نے سب کو باہر ہانکا اور خود ابا میاں پر گہری سخت نظر ڈالتی زوردار ٹھاہ سے دروازہ بند کرکے باہر آگئیں۔ ابا میاں ایک بار پھر پیچ و تاب کھا کر رہ گئے۔

ظفری لاؤنج میں ہی فل والیوم میں گانے لگا کر بھانجیوں کو ساتھ لگائے ڈانس پریکٹس کرنے لگا۔

"اے لو' ذرا دیکھو تو ہمارے تو اپنے بچے ہی کافی ہیں رونق لگانے کے لیے۔ میں تو کہتی ہوں خاندان' برادری کو بلا کر نرا خون ہی جلانا ہے اپنا۔" نبیلہ بیگم نے ہنس کر حمہ کو دیکھا جوان کا بازو دبوچ کر کمرے میں لے گئی۔

"افوہ امی! ادھر آئیں آپ۔" اس کے تاثرات سے نبیلہ بیگم نے اندازہ لگالیا' کوئی سیریس بات ہے۔ سلوی بھی وہیں آکر ٹک گئی۔

"یہ ہلا گلا صرف تین دنوں کے لیے ہونا ہے امی۔ پھر سب اپنی زندگی میں مگن ہوجاتے ہیں۔ اس کے بعد کیا ہوگا' کچھ سوچا آپ نے؟"

"اے حمدہ! مجھ سے یوں گھما پھرا کر بات مت کیا کرو۔ پہلے ہی دماغ پکی ہوا پڑا ہے میرا۔"

حمدہ نے گہری سانس بھری۔ "صاف اور سیدھی بات ہے امی، آپ کے گھر کا سارا انحصار جمشید بھائی کے بزنس پر ہے۔ اس کی پسند کی بیوی تو لا رہی ہیں، لیکن آپ شاید یہ بھول گئیں من پسند بیوی اکثر بہت بری بہو ثابت ہوتی ہے۔ جمشید بھائی کے دل پر تو زارا پہلے سے ہی چڑھی ہوئی ہے، کل کلاں کو اس نے انہیں ہمارے خلاف کوئی الٹی سیدھی پٹی پڑھا دی تو آپ تو ہاتھ ہی ملتی رہ جائیں گی۔"

حمدہ کا انداز ایسا تھا کہ نبیلہ بیگم شدید عدم تحفظ کا شکار ہونے لگیں۔ یہ تو انہوں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ کماؤ پوت بیٹا ہاتھ سے نکل گیا تو راجدھانی تو گئی ہی گئی۔ انہوں نے سخت پریشان نظروں سے حمدہ کو دیکھا جو مزید کہہ رہی تھی۔

"آپ نے جمشید بھائی کی مرضی پوری کر دی۔ اب آگے اس کی مت چلنے دیجئے گا۔ شروع دن سے ہی اس پر کنٹرول رکھیں گی تو سب کچھ آپ کے قابو میں ہی رہے گا۔"

"اے پر میں کروں گی کیا؟"

"او میری بھولی ماں! آپ زارا کو جمشید بھائی کے زیادہ قریب مت ہونے دیجئے گا۔ جتنا ان کے درمیان فاصلہ رہے گا، اتنا ہی آپ کا فائدہ ہے۔ کچھ سمجھیں میری بات؟"

"خاک سمجھی، میاں بیوی میں بھلا کیسا فاصلہ۔ دیکھ حمدہ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔"

"اچھا سنیں، میں آپ کو بتاتی ہوں۔" نبیلہ بیگم ہمہ تن گوش ہو گئیں۔

✡ ✡ ✡

اس کا دل چاہ رہا تھا اپنے ہرے بھرے باغیچے کے سارے پھول توڑ کر مسل ڈالے، پتیاں نوچے اور کلیوں کو پیروں تلے روند ڈالے۔ ہوا ساکن تھی۔ وہ جامن کے پیڑ کے تنے سے ٹیک لگائے بے آواز رو رہی تھی۔

"تو اب میری یہ جنت بھی مجھ سے چھن جائے گی۔" ایک ادھ کھائی جامن اس کی گود میں آگری تھی۔ پتوں میں چھپی گلہری نے ایک چور نظر اس کے جھکے سر پر ڈالی۔ اسے اداس اور ملول دیکھ کر امرود کے پتوں میں چھپی بھوری چڑیوں نے دم سادھ لیا تھا۔ پتے ساکت، پھول سر نیہوڑائے کھڑے تھے۔ تتلیوں نے اپنے خوشنما پر سمیٹ لیے تھے۔ ان کی ہم دم، ان کی ہمراز، ان کی شہزادی اداس تھی، تو وہ کیونکر خوش ہو پاتے؟

"زارا! اٹھو یہاں سے، تمہیں امی بلا رہی ہیں۔" مومنہ نے آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ وہ بنا کسی حجت کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

منیزہ بیگم نے اس کا پریشان چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں تھام لیا۔ "زارا کیوں کر رہی ہو ایسا میرے بچے؟"

وہ سسکنے لگی تھی۔ "میرے ساتھ ایسا مت کریں امی پلیز۔"

"کیا تمہیں نہیں لگتا اللہ نے ہماری کسی نیکی کے عوض جمشید جیسا پروپوزل بھیج دیا ہے۔ ورنہ اس خیال نے میری راتوں کی نیند چھین لی تھی کہ کہیں کسی روز تمہارے ابا اپنے ہی جیسے کسی بے حس کے کھونٹے سے تمہیں باندھ آئیں گے۔ تمہیں یہاں کون سا سکھ، کون سا مقام ملا ہے؟ خدا تمہیں نواز نے جا رہا ہے تو تم کیوں کفران نعمت کی مرتکب ہونا چاہتی ہو؟

اسے دیکھا ہے، جس کی قسمت نے اسے یہاں لا پٹخا ہے۔ مصطفیٰ جب جب اس کے ساتھ ناروا سلوک کرتا ہے، تب تب میں اس سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہتی۔ تم نے مردوں کے روپ میں صرف باپ اور بھائی کی جارحیت دیکھی ہے، لیکن دنیا صرف ان ہی پر ختم نہیں ہو جاتی۔" وہ دھیرے دھیرے اسے پرسکون کر رہی تھیں۔ وہ پرسکون نہیں ہوئی، لیکن اندر کا ہیجان قدرے مدھم پڑ گیا۔

"ماں! میرے اندر آپ دونوں جتنا حوصلہ نہیں ہے۔ بالکل بھی نہیں۔" وہ گھٹ گھٹ کر رونے لگی تھی۔

"مت سوچو ایسا' میرے بچے کچھ مت سوچو' سب اس پر چھوڑ دو۔ وہ ہے نا ہمارا نگہبان' وہ سب سنبھال لے گا۔"

منیزہ بیگم نے دائیں بائیں بازو پھیلا کر دونوں کو اپنی بانہوں میں بھر لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس کا بچپن سے ایک ہی خواب تھا' خوب پڑھ لکھ کر کسی اچھی سی پوسٹ پر ملازمت کرنا۔ وہ بی ایس سی فائنل ایئر میں تھا' جب ابا میاں کو ہارٹ اٹیک ہوا۔

گو کہ معمولی سا اٹیک تھا' لیکن وھان پان سے ابا میاں بالکل ڈھے گئے۔ ان کی الیکٹرونک کی چھوٹی سی دکان تھی۔ ان کا واحد ذریعہ معاش گھر کے تمام خرچے اسی الیکٹرونک کی دکان سے ہونے والی آمدنی سے چلتے۔

ابا میاں کی طبیعت اور گری صحت انہیں دکان پر جانے کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔ سلویٰ اور ظفر کم عمر تھے' ان کے کندھوں پر صرف پڑھائی کا بوجھ تھا۔ حمرہ کی شادی کی عمر ہو چلی تھی۔ گھر کے اخراجات' ابا میاں کا علاج' ماں کا متفکر چہرہ۔ جمشید کے سامنے ڈھیر سارے سوالیہ نشان آکھڑے ہوئے تھے۔ اس نے سامنے کھلی ہوئی کتاب بند کر دی۔ اس کا پڑھائی سے دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ وہ پوری رات سو نہیں پایا۔

"تو اگر یہ قربانی میرے حصے میں آنی ہے تو یوں ہی سہی۔" اگلے روز اس نے ابا میاں کی دکان سنبھالنے کا فیصلہ سب کو سنا دیا۔

ماں بہنوں کے چہروں پر پھیلتا سکون اسے اندر تک پُرسکون کر گیا۔ قسمت نے یاوری کی یا پھر خدا کو اس کی مخلصی بھا گئی' اس کے دکان سنبھالتے ہی کاروبار ترقی کرنے لگا۔ وہ چھوٹی سی دکان اس کی محنت اور لگن کے بل بوتے بڑے شو روم میں بدل گئی۔ مشہور موبائل کمپنیوں' ایل ای ڈی' ایل سی ڈی کمپنیوں کے مالکان سے اس کے معاہدے طے پانے لگے۔ بزنس کی دنیا میں اس کی ایک پہچان سی بن گئی۔

گو کہ ابا میاں کی طبیعت سنبھل گئی تھی' لیکن نہ جانے کیسا خوف ان کے اندر کنڈلی مار کر بیٹھ گیا کہ اگر وہ دکان پر جانا شروع کر دیں گے تو وہ کہیں پھر سے شو روم سے چھوٹی دکان میں نہ بدل جائے۔ جمشید کی سعادت مندی نے انہیں بے فکر کر دیا تھا۔ حمرہ کی شادی خوب دھوم دھام سے طے پا گئی۔ گھر میں بھی خاطر خواہ تبدیلیاں کی گئیں۔ ماربل کا چمکتا فرش' قیمتی قالین' دبیز پردے' نفیس گل دان' بہترین کراکری۔ وہ نئے نئے امیر ہوئے تھے' سو سب کے ٹھاٹھ دیکھنے لائق تھے۔

ظفر من موجی ٹائپ تھا۔ پڑھائی کے علاوہ دوست' پارٹیاں' شغل میلے ہی اس کی زندگی کا حصہ تھے۔

نبیلہ بیگم کی خواہش تھی وہ بھی جمشید کے ساتھ بزنس میں ہاتھ بٹائے۔ دل کے اندر کہیں یہ خیال بھی تھا کہ ایک بیٹے کے کاروبار سنبھالنے سے یہ کایا پلٹ ہوئی' دوسرا بھی ساتھ لگ جائے تو گویا ہُن برسنے لگ جائے گا۔ لیکن ظفری ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیتا۔ جمشید کا ہاتھ ان کے سر پر تھا' انہیں بھلا زمانے کے سرد و گرم کی کیا فکر۔

☆ ☆ ☆

"بہت خوب بھابھی بیگم! یہ کیا بات طے کرنے کے بعد غیروں کی طرح مٹھائی بھجوا دی۔ میری کون سی بیٹیوں کی لائن لگی کھڑی تھی۔ اک واک بیٹا ہے' وہ بھی آپ کی فرزندی میں دے دیا' لیکن آپ نے تو سارے معاملات یوں طے کیے کہ ہمیں کانوں کان خبر بھی نہیں ہونے دی۔" ثروت پھپھو کو جیسے ہی اطلاع ملی گرتی پڑتی غیور کے ہمراہ پہنچ گئیں۔ گرتی پڑتی (محاورتاً) ورنہ وہ گرنے پڑنے والوں میں سے نہیں تھیں۔

"کیا کہوں ثروت' بس سب کچھ اچانک ہی ہوا۔

ورنہ تم تو اپنی ہو'تم سے بھلا کیسی پردہ داری۔" خلاف مزاج نبیلہ بیگم نے رسانیت سے جواب دیا۔

"اپنے پن کی بھی خوب کہی۔" انہوں نے لمبا سا طنزیہ ہنکارا ابھرا۔ پھر قدرے جھکتے ہوئے رازداری سے بولیں۔

"ویسے بھابھی آپ نے کبھی جمشید کے لیے اپنی بھتیجی زارا کا خیال تو ظاہر نہیں کیا اور اب یوں "آنا" فانا" سارے معاملات طے پا گئے۔ کہیں ان دونوں کی پسند وسند کا تو کوئی چکر نہیں؟"

یہ سن کر نبیلہ بیگم کا ضبط جواب دے گیا۔ "خدا جانے ثروت صاف اور سیدھی بات تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آتی۔ اپنی طرف سے پھندنے ٹانکنے لگ جاتی ہو۔ کوئی ایسا ویسا چکر نہیں ہے' تم اپنے قیاس کے گھوڑے دوڑا کر خواہ مخواہ خود کو ہلکان مت کیا کرو۔"

ایسے کرارے جواب پر ثروت پھپھو جی بھر کر بدمزا ہوئیں۔ پھر پاس سے گزرتی سلویٰ کو آواز دی۔

"اے سلویٰ میری بچی! کوئی چائے پانی ہی پلا دو۔ ایک تم ہی تو ہو جس کی خاطر یہاں کا رخ کرتی ہوں۔ ورنہ کون یہاں ہمیں پوچھتا ہے۔"

"جی پھپھو' بس ابھی لائی۔"

چائے کے ساتھ اس نے اور بھی ڈھیر سارے لوازمات پھپھو کے سامنے چن دیے تھے۔ جن سے بھرپور انصاف کرتی پھپھو کی نظر اچانک اپنے کمرے سے نکل کر کچن کی طرف جاتی حمدہ پر پڑی تھی۔

"یہ حمدہ کیا سارا وقت یہیں پر ہوتی ہے؟ اپنے سسرال نہیں ٹکتی۔ میں تو جب بھی آؤں یہ اور اس کی بچیاں یہاں ہی ڈیرہ جمائے ملتی ہیں۔" آخر میں بھرپور قہقہہ پھپھو کے بے تکلف ٹھٹھے کو کسی نے بھی پسند نہیں کیا۔

"کیوں نہیں جاتی اپنے سسرال' یہ تو بھائی کی شادی کے دن نزدیک ہیں تو تیاری میں ہمارا ہاتھ بٹانے آئی ہوئی ہے۔ ورنہ میں اور سلویٰ اکیلی بھلا کیا' کیا دیکھیں۔"

ماں اور پھپھو کی تکرار سے اکتا کر سلویٰ کچن میں چلی آئی اور اس کے پیچھے اپنا چائے کا کپ اٹھائے غیور بھی۔

"چلو بھئی سلویٰ! اب تم ہی کچھ منہ سے پھوٹ دو' اصل چکر کیا ہے؟ اماں صحیح کہتی ہیں' ممانی کبھی بھی اصل بات نہیں بتائیں گی۔" خدا جانے وہ ماں کے کہنے پر "پکی رپورٹ" لینے آیا تھا یا ذاتی طور پر اس رشتے کے حوالے سے اس کے اپنے دل میں کھدبد مچی ہوئی تھی۔ جو بھی تھا سلویٰ کو خوب تاؤ آیا۔

"غیور! تمہیں نہیں لگتا' تم اس معاملے میں کچھ زیادہ ہی دلچسپی لے رہے ہو؟ جمشید بھائی اور زارا کے رشتہ طے ہونے میں ایسا کیا تعجب کہ تم لوگوں کی تشفی ہی نہیں ہو پا رہی۔" سلویٰ نے ٹھیک ٹھاک دل کی بھڑاس نکالی۔ حقیقتاً" اسے غیور کی اس معاملے میں اس قدر دخل اندازی ناگوار گزری تھی۔

"تم' خواہ مخواہ ناراض ہو رہی ہو' مجھے بھلا کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔" غیور نے فورا" پینترا بدلا۔ "میں تو ویسے ہی پوچھ رہا تھا' اس سلسلے میں میری کسی مدد کی ضرورت ہو تو میں حاضر۔" سینے پر ہاتھ رکھے سر کو خم کیے وہ یوں بولا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی سلویٰ کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔

"اچھا چلو لاؤنج میں چلتے ہیں۔"

وہاں ثروت پھپھو اب جمشید کو گھیرے' بہت ٹھنک کر کہہ رہی تھیں۔ "بھئی دولہا کی اکلوتی پھپھو ہوں' میں تو شادی پر سونے کے کڑے لوں گی۔"

جمشید ——— دھیما سا مسکراتے ہوئے سر جھکا کر بیٹھا تھا اور پھپھو تھیں کہ پھیلتی ہی جا رہی تھیں۔ نبیلہ بیگم اور حمدہ نے بے ساختہ دانت کچکچائے۔ پانی کا گلاس منہ سے لگائے ظفری کو اچھو لگ گیا۔

"کیا کہہ رہی ہیں پھپھو' کڑے اور وہ بھی سونے کے؟"

"کیوں کیا' بھتیجا اپنی خوشی سے اکلوتی پھپھو کی "تنی" سی خواہش بھی پوری نہیں کر سکتا۔ ماشاءاللہ لاکھوں کما رہا ہے۔"

"دیکھ لیں پھپھو' پھر تو غیور کی شادی پر آپ کو بھی امی کو سونے کے کڑے پہنانے پڑیں گے' پھر ہو گا

حساب برابر۔ یوں بھی خیر سے آپ کا اکلوتا بیٹا ہے اور اپنی خوشی میں "اکلوتی ممانی" کی "ذراسی" سی خواہش تو وہ بھی پوری کردے گا۔"

اب اچھو لگنے کی باری پھپھو کی تھی۔ نبیلہ بیگم کا بی پی ایک دم کنٹرول میں آنے لگا۔

جمشید کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھا کر پھپھو اپنی بات منوا کر ہی اٹھتیں، لیکن اب ان کے لیے اکیلا ظفری ہی کافی تھا۔

☼ ☼ ☼

نبیلہ بیگم نے سوچا تو یہ ہی تھا کہ بچت کے سنہری اصولوں پر عمل کرتے ساری تیاری اوسط درجے کی ہی کریں گی، لیکن جس طرح جمشید نے بری وغیرہ کی تیاری کے لیے دل کھول کر پیسا ان کے ہاتھ میں رکھا تھا انہیں حمدہ کے خدشات بجا لگنے لگے تھے۔

"دیکھ لیں امی! ابھی سے آپ کے صاحب زادے کا یہ حال ہے۔ اب آگے سب کچھ آپ ہی نے سنبھالنا ہے۔ آنے والی یقیناً "آپ کی بھتیجی ہے" لیکن وہ جمشید بھائی کی بیوی ہے اور وہ بھی من پسند' یہ بات مت بھولیے گا۔"

حمدہ برابر ماں کی برین واشنگ کیے جاتی۔ جبکہ سلویٰ بے نیاز سی اپنی تیاریوں میں مگن رہی۔

شادی کی مخصوص رونق اتر آئی تھی۔ لہراتے رنگین آنچل، کھنکتی چوڑیاں، بے فکر قہقہے، شرمیلی مسکراہٹیں، دبی سرگوشیاں' غرض ہر کوئی مشغول' ہر کوئی مگن۔ ایسے میں ایک غیور تھا جس کے دل میں ایک دم رقابت کا بھانبھڑ جل اٹھا تھا۔

اس کی نگاہیں اسٹیج پر جمشید کے پہلو میں بیٹھی زارا پر جم سی گئیں۔ جیسے کسی نے سنہری مجسمہ تراش کر اس کے پہلو میں بٹھا دیا ہو۔ "اتنے عام سے جمشید کی ایسی قسمت ۔عام سے نقوش' گندمی رنگت' اونچے لمبے قد کا جمشید آج بہت خاص بن گیا تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلے مسرت کے رنگ اس کی اندرونی خوشی کے غماز تھے۔

"اچھے لگ رہے ہیں نا دونوں؟" نہ جانے کب سلویٰ اس کے قریب آکھڑی ہوئی۔

وہ چونک گیا۔ "ہاں' بہت۔" ٹھنڈی سانس سینے میں اتاری اور وہاں سے ہٹ گیا۔

سلویٰ کندھے اچکا کر اسٹیج کی طرف بڑھ گئی۔ جہاں دودھ پلائی کی رسم کے لیے کزنز مومنہ کو آگے کر رہی تھیں۔ کامدار سوٹ میں سجی سنوری مومنہ نے متوحش نظریں چہار اطراف دوڑائیں۔ مصطفیٰ کہیں پر مصروف تھا' لیکن مومنہ کو اس کی نگاہیں خود پر جمی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ اپنے آپ میں سمٹتی جھجک رہی تھی۔

"کم آن بھابھی! گھبرا کیوں رہی ہیں؟ ایسے موقع بار بار تھوڑی ملتے ہیں۔ ہمارے دولہا بھائی خاصی بھاری بھرکم اسامی ہیں' ہم ایسے ہی تو نہیں چھوڑیں گے ان کو۔"

کسی شرارتی سی کزن نے اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے کر دیا۔ ہمیشہ اپنے کام سے کام رکھنے والا سنجیدہ سا جمشید اس وقت چھیڑ چھاڑ کو انجوائے کر رہا تھا۔ مومنہ نے لرزتے ہاتھوں سے دودھ کے گلاس والی ٹرے آگے کی۔

"ہاں بھئی ندیدی قوم! کتنے لے کر ہٹو گی؟" ظفری بھی میدان میں کود آیا تھا۔

"ندیدی قوم؟" لڑکیوں نے خوب برا مانا۔ ظفری نے شانے اچکائے۔

"پچاس ہزار۔" ستارہ نے کہنے کے ساتھ ہی مومنہ کی ہتھیلی پکڑ کر آگے کر دی۔

"یہ منہ اور مسور کی دال۔"

"غیر متعلقہ افراد اپنی حدود میں رہیں' ہم اپنے دولہا بھائی سے مخاطب ہیں۔"

اس سے پہلے کہ ظفری کوئی کرارا سا جواب دیتا' جمشید نے مسکراتے ہوئے پچاس سے بھی کچھ اوپر ہزار' ہزار کے کئی نوٹ مومنہ کی ہتھیلی پر رکھ دیے۔ جہاں لڑکیوں نے ہرا کا نعرہ بلند کیا۔ وہیں حمدہ بے ہوش ہونے والی ہو گئی۔

مومنہ نے جلدی سے ہاتھ نیچے کیا۔ اس نے دور سے ہی سفید کاٹن کے شلوار قمیص میں ملبوس مصطفیٰ کو اندر داخل ہوتے دیکھ لیا تھا۔ مومنہ نے گھبراہٹ کے مارے پیسے ستارہ کے ہاتھ میں تھمائے۔

"یہ بعد میں سب آپس میں بانٹ لینا۔"

اس نے سارے رنگین منظر سے گویا کٹ کر ساکت بیٹھی زارا پر نظر ڈالی۔ اسی وقت زارا نے بھی نگاہ اٹھا کر اس انداز سے دیکھا کہ مومنہ بے ساختہ آگے بڑھی۔ اس کے ماتھے پر بوسہ لیتے زیرلب کہا۔

"خدا تمہاری ان آنکھوں کی لاج رکھے۔" اور نم پلکیں جھپکاتی' اسٹیج سے نیچے اتر آئی۔

✡ ✡ ✡

"غصہ کرنا مرد کی شان ہے' چاہے وہ یہ غصہ چیخ چلا کر اتارے' ہاتھ اٹھا کر' برتن توڑ کر یا پھر کسی کا دل' اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ میرا گھر ہے' یہاں پتا بھی ہلتا ہے تو صرف میری مرضی سے۔" رعونت بھری آواز دیواروں سے ٹکرا کر سارے گھر میں سالوں تک گونجتی رہی تھی۔ کچھ اس طرح کہ اس گھر کی عورتوں کی سماعتوں میں یہ آواز گویا بس سی گئی۔

"شوہر کو کیسے خوش رکھنا ہے' یہ تم جیسی جاہل عورت کبھی نہیں جان سکتی۔" باپ کے پرتو' مصطفیٰ مشہود نے چائے کا کپ سامنے دیوار پر دے مارا تھا۔

"مجھے زبان دراز عورتیں سخت ناپسند ہیں' اپنی اوقات میں رہنا سیکھو۔"

کوئی بہت بے دردی سے کسی کی عزت نفس کو روند رہا تھا۔ اس کی شخصیت کے اعتماد کو پیروں تلے مسل رہا تھا' اس کی ذات کے غرور کو توڑ کر اپنی نام نہاد مردانگی کے جھنڈے گاڑ رہا تھا۔

"دیکھنا اور سننا اس قدر اذیت ناک تھا تو پھر سہنا؟"

زارا کو لگا وہ کسی صلیب پر ٹنگی ہے۔ اسے اپنا دم گھٹتا محسوس ہوا۔ آوازوں کا شور تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ ہسٹریائی ہو کر دونوں ہاتھ کانوں پر رکھے چیخ اٹھتی' وہ چونکی۔ اس کا سانس دھونکنی کی مانند چل رہا تھا۔

جمشید بیڈ پر اس کے قریب بیٹھ رہا تھا۔ غیر محسوس انداز میں ہاتھ سے لہنگا سمیٹتی وہ قدرے پیچھے ہٹی۔ جمشید کے لبوں پر زیرلب مسکراہٹ دوڑ گئی۔ آنکھوں میں محبت کے دیپ جلائے وہ اس کے ایک ایک نقش کو دیکھے گیا۔ اسے لگا اگر وہ ساری رات بھی اس طرح بنا پلک جھپکائے اسے دیکھتا رہے تو پوری رات کٹ جائے گی' لیکن آنکھیں سیر نہیں ہوں گی۔ اپنے اس خیال پر اسے خود ہی ہنسی آگئی۔

"جانتی ہو زارا! مجھے ہمیشہ وہ نہیں ملا جو میں نے چاہا۔ اگر ملا بھی تو بہت تردّد کے بعد' لیکن تمہاری دفعہ قسمت نے ایسی یاوری کی کہ ابھی تک میں بے یقین سا ہوں۔ جس کو چاہا اس کو اتنی آسانی سے پا بھی لیا۔ گوکہ اپنے جذبوں کی صداقت پر مجھے پورا یقین تھا' لیکن ماموں جان کا مزاج مجھے کسی بھی خوش فہمی میں مبتلا ہونے سے روکتا تھا' لیکن اس بار قسمت واقعی مجھ پر مہربان رہی۔"

زارا اپنی گود میں دھرے ہاتھوں پر نگاہیں جمائے بیٹھی رہی۔ کمرہ گلاب کے تازہ پھولوں سے مہک رہا تھا۔ بیڈ پر بھی پتیاں بکھری ہوئی تھیں۔

"یہ تمہاری رونمائی۔" جمشید نے خوب صورت سا مخملیں کیس کھول کر اس کے سامنے کیا۔ دوسرے ہاتھ سے اس کا سرد حنائی ہاتھ تھام لیا۔ زارا کو جیسے کرنٹ نے چھو لیا تھا۔ ایک جھٹکے سے اس نے اپنا ہاتھ اس کی نرم گرفت سے چھڑایا۔ جمشید بھونچکا رہ گیا۔

"میں ایسی باتوں پر یقین نہیں رکھتی۔" کیس اس کے ہاتھ سے لے کر بند کر کے اس نے بیڈ پر ڈال دیا۔ ننھے منے ڈائمنڈ سے جگمگاتا گولڈ کے نفیس بریسلٹ کو اس نے دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی۔ جسے وہ کئی گھنٹوں کی مشقت کے بعد خرید پایا تھا۔

"تم محبت پر یقین نہیں رکھتیں؟"

زارا کے سرخ کٹاؤ دار ہونٹوں پر عجیب مسکراہٹ آئی تھی۔ کیا مسکراہٹ ایسی بھی ہو سکتی ہے جان لیوا؟

جمشید نے بے ساختہ سوچا۔

"مردوں کے منہ سے محبت کا لفظ اچھا نہیں لگتا۔ وہ اس کی "میم" سے واقف نہیں ہوتے انہیں ایسے دعوے نہیں کرنے چاہئیں۔"

"تو تم غلط فہمی میں مبتلا ہو۔" جمشید نے گہری سانس اپنے اندر اتاری۔

"میں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہتی۔"

"اور اگر میں کہوں میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں زارا۔ بے تحاشا محبت۔" آنکھوں میں محبت کے دیپ جلائے وہ سراپا سوال بن گیا تھا۔ زارا نے نگاہیں پھیریں۔

"یہ قربت کی چاہ ہے جسے آپ محبت کا نام دے رہے ہیں۔" وہ اس کے پہلو سے اٹھ کر بیڈ سے نیچے اتر آئی تھی۔ چوڑیوں کی جلترنگ سی بج اٹھی۔ جمشید اس کے مقابل آکھڑا ہوا۔ زارا کو اس کی سانسوں کی تپش اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھی۔

"تم میری محبت کی توہین کر رہی ہو۔"

"تو کیا نہیں ہے آپ کو میری قرب کی طلب؟" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ اس کے سامنے کسی امتحان کی طرح آکھڑی ہوئی تھی۔ جمشید کا دل ہارنے لگا۔

"اگر تمہیں ایسا لگتا ہے تو تمہاری یہ غلط فہمی بہت جلد دور ہو جائے گی کیونکہ قرب کی طلب بھی وہاں جاگتی ہے جہاں محبت ہو۔ لیکن مجھے تم سے جسم کا نہیں روح کا تعلق قائم کرنا ہے۔ جب تک تمہارے دل میں میری محبت میرے قرب کی طلب نہیں جاگے گی میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔"

"اور یہ دعوا کب تک برقرار رہے گا؟" وہ استہزائیہ انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"جس دن تم خود یہ بریسلیٹ پہن کر میری محبت کا اعتراف کرو گی۔" وہ اس کے سامنے سے ہٹ گیا۔ اس کا ہوش ربا حسن اسے کمزور کر رہا تھا۔ لیکن اسے اپنے جذبوں کو بے مول نہیں کرنا تھا۔ اس کے ہٹتے ہی زارا نے سانس بحال کی۔

ٹیرس پر جاتے جاتے وہ پلٹا۔ "اور ہاں تم بے فکر ہو کر کے آرام سے سو سکتی ہو۔ میرے دعوے کو اپنی امانت سمجھو۔ اور میں امانت میں خیانت کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔" کہہ کر وہ ٹیرس پر چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

"کیا ہوا؟ کیا سوچ رہی ہو؟" سلویٰ نے حمدہ کا پرسوچ چہرہ دیکھا۔

دونوں اس وقت ایک ہی تکیے پر سر رکھے کارپٹ پر لیٹی تھیں' قریب ہی ثروت پھپو بھی منہ پر دوپٹا ڈالے اللہ جانے سو رہی تھیں یا پھر سونے کی اداکاری کر رہی تھیں۔ ظفری صوفے پر آڑا ترچھا لیٹا موبائل پر بزی تھا۔

"تم نے دیکھا سلویٰ! دودھ پلائی کے وقت جمشید بھائی نے کیسے اتنے ڈھیر سارے پیسے نکال کر ان لوگوں کو دے دیے۔" حمدہ کی سوئی ابھی تک وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

"ہاں' ہمیں بھی تو انہوں نے شاپنگ کے لیے ایسے ہزاروں پکڑائے تھے۔"

"ہم بہنیں ہیں' ہمارا حق بنتا تھا۔" حمدہ کی آواز ایک دم اونچی ہوئی تھی۔

سلویٰ نے فوراً" اسے ٹھوکا مارا۔ اور پھپھو کی طرف اشارہ کیا۔ دونوں پھر سے سرگوشیوں میں بات کرنے لگی تھیں۔ بظاہر نیند میں گم پھپو کے کان دونوں بہنوں کی "کھسر پھسر" پر ہی لگے ہوئے تھے۔

"کم بخت اشاروں میں باتیں کرنے لگی ہیں۔" بدمزہ سا ہو کر ان کے خیال کی رو نے پلٹا کھایا۔ جس طرح جمشید نے اپنی شادی پر کھلا خرچا کیا تھا یقیناً" لاڈلی بہن کی شادی پر بھی ایسے پانی کی طرح ہی پیسہ بہائے گا۔

ظفری کے بچے کی وجہ سے کڑوں کی خواہش تو نا آسودہ رہ گئی۔ لیکن غیور اور سلویٰ کی شادی پر وہ بہت کچھ آسانی سے نکلوا لیں گی۔ انہیں غیور کا سلویٰ کے ساتھ رشتہ طے کرنے کا اپنا فیصلہ بالکل درست لگا۔

"ہائے پھپھو پر چھپکلی گر گئی۔" ظفری نے بہت اچانک کچھ یوں کہا کہ پھپھو بدک کر اٹھ بیٹھیں۔ نیند کا ڈراما' خراٹے سب ہوا ہو گئے۔

"کہاں؟ کہاں ہے چھپکلی؟" کھڑے ہو کر کپڑے جھاڑتی' وہ باقاعدہ ناچنے لگی تھیں۔

ظفری کا زوردار قہقہہ بلند ہوا۔ سلویٰ اور حمہ کے چہروں پر بھی دبی دبی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ پھپھو کھسیانی سی ہو گئیں۔ اس سے پہلے کہ وہ ظفری کے لتے لیتیں اسی وقت نبیلہ بیگم چلی آئیں۔

"ارے بھئی لڑکیوں! ابھی تک پڑی اینٹھ رہی ہو۔ وہ جمیلہ اور اس کی ماں اکیلی ہی کچن میں لگی ہیں۔ جاؤ جا کر ناشتے کا انتظام دیکھو۔"

✡ ✡ ✡

اس کے کمرے کی دو کھڑکیاں باغیچے کی طرف نکلتی تھیں۔ چڑیوں کی چہکار اور انواع و اقسام کے پھولوں کی مہک سے بوجھل ہوا کے جھونکے اس کے لیے صبح کی آمد کا پیغام لاتے لیکن اب منظر بدل گیا تھا۔ باسی پھولوں کی مہک اس کے خوابیدہ احساسات سے ٹکرائی تھی۔ وہ خالی الذہن کی کیفیت میں یوں ہی چند ثانیے لیٹی رہی پھر ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ نظر سامنے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں ابھرتے اپنے عکس پر جا رکی تھی۔

سنہری الجھی لٹیں' پھیلا کاجل' مٹا مٹا میک اپ' ناک میں چمکتی لونگ آئینے میں جھلملاتا عکس اسے گزری رات کی کہانی سنا رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں سے حنا کی مہک پھوٹ رہی تھی۔ تو وہ رات آکر گزر بھی گئی جس کے بارے میں اسے لگتا تھا وہ کانٹوں پر بسر کرے گی۔ لیکن سب کچھ اس کی توقع کے برخلاف ہوا تھا۔

یہ جمشید کے بخشے اعتماد کا ہی اعجاز تھا کہ وہ یوں بے خبر ہو کر سوئی۔ لیکن وہ خود کہاں تھا؟ مختلف سوچوں کے بھنور میں ڈوبتی ابھرتی وہ واش روم میں بند ہو گئی۔ شاور لینے سے طبیعت پر چھایا سارا بوجھل پن دور ہو گیا تھا۔ وہ باہر نکلی تو سلویٰ بیڈ پر اس کی منتظر بیٹھی تھی۔ ہم عمر ہونے کے باوجود ان لوگوں میں کزنز والی بے تکلفی نہیں تھی۔

ایک تو زارا کی کم گوئی اور دوسرا مشہود ماموں کے گھر کا ماحول ایسا تھا کہ وہ لوگ ان کے گھر زیادہ آنا جانا پسند نہیں کرتی تھیں۔ لیکن اب رشتے کی نوعیت بدل گئی تھی۔ سلویٰ نے اس کی طرف دوستانہ مسکراہٹ اچھالی اور اٹھ کر الماری سے اس کے لیے تیز آتشی کلر کا بھاری کامدار سوٹ نکالا۔ ساتھ میں میک اپ کا سامان' میچنگ چوڑیاں' جیولری وغیرہ' لیکن سدا کی سادگی پسند زارا ان لوازمات کو دیکھ کر بدک ہی تو اٹھی۔ پھر سلویٰ کے لاکھ ٹوکنے کے باوجود اس نے آسمانی رنگ کا نسبتاً "ہلکے کام والا شیفون کا سوٹ پہن لیا۔

سنہری نم بالوں کو سلجھا کر پشت پر ڈالا اور دوپٹا دونوں کندھوں پر پھیلا لیا۔ سلویٰ حق دق رہ گئی۔ مانا کہ اس کی خوب صورتی کسی مصنوعی بناؤ سنگھار کی محتاج نہیں تھی۔ لیکن اس نے تو لپ اسٹک تک لگانے سے انکار کر دیا تھا۔ رسم دنیا' موقع' دستور بھی آخر کسی چڑیا کا نام ہے۔ سلویٰ نے بمشکل خود کو کہنے سے روکا۔ پھر سر جھٹک کر سارا سامان دوبارہ اندر رکھتے ہوئے بولی۔

"بائی دا وے! آپ کو بھائی نے منہ دکھائی میں کیا دیا؟" زارا نے دراز کھول کر بریسلیٹ اس کی طرف بڑھایا۔

"واؤ! اتنا پیارا..... لیکن آپ نے پہنا کیوں نہیں؟" گولڈ کا بریسلیٹ جگر جگر چمک رہا تھا۔

زارا نے نگاہ چرائی۔ "بعد میں پہن لوں گی۔" غیر محسوس انداز میں کیس اس کے ہاتھ سے لے کر دوبارہ دراز میں ڈال دیا۔

"عجیب الٹی مخلوق ہیں۔" سلویٰ سر جھٹکتے ہوئے اس کو لیے سیڑھیاں اترنے لگی۔

وہ نبیلہ بیگم اور حمہ کی ہدایت پر ہی اس کی تیاری میں مدد کے لیے اوپر بھیجی گئی تھی' لیکن اب زارا کی "تیاری" پر نظر پڑتے ہی دونوں نے ایک ساتھ سلویٰ کو گھورا۔ وہ محض کندھے اچکا کر رہ گئی۔ ناشتے سے

بھرپور انصاف کرتی ثروت پھپھو نے مارے استعجاب کے ناک پر انگلی دھرلی۔ ان کی زبان کون روک سکتا تھا؟

"اے لو کوئی کہے گا کہ یہ نئی نویلی دلہن ہے۔ نہ سرخی پاؤڈر، نہ گہنے' اے دلہن! شروع کے دن میں تو لڑکیوں کے بناؤ سنگھار کے چاؤ ہی پورے ہونے میں نہیں آتے۔ ایک تم ہو نہ سجنے کا شوق' نہ سنورنے کا ارمان۔ ہمارے وقتوں میں تو جب تک پہلا بچہ گود میں نہیں آجاتا تھا' تب تک نئی دلہنوں والے سنگھار ماند ہی نہ پڑتے۔" زارا کے کان کی لویں تک سرخ پڑ گئیں۔

بالکل سامنے ہی سفید شلوار قمیص میں بال سلیقے سے جمائے' آستینیں موڑے اخبار بینی کرتے جمشید نے ایک بھرپور نگاہ اس کے سراپے پر ڈالی تھی۔

حمدہ نے بے اختیار پہلو بدلا۔ "آخر یہ پھپھو اپنے گھر چلی کیوں نہیں جاتیں۔ ڈیرہ ہی جمالیا انہوں نے تو۔"

جمشید اٹھ کر چلا گیا تھا۔ پھپھو ابھی بھی کچھ بول رہی تھیں۔ زارا کو اپنے چہرے پر عجیب سی چبھن کا احساس ہوا۔ اس نے نگاہ اٹھائی۔ جمشید کی چھوڑی جگہ پر غیور ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بیٹھا تھا۔ نگاہ ملنے پر مسکراتے ہوئے چائے کا کپ ہونٹوں سے لگالیا۔

پراسرار مسکراہٹ چھپ گئی تھی' لیکن آنکھیں؟

آنکھیں ایسی بھی ہوتی ہیں؟ بے باک' اندر تک اترتی' کراہیت آمیز' عورت کے اندر اللہ نے یہ حس رکھی ہے' وہ مرد کی اپنی طرف اٹھنے والی نگاہ پہچان جاتی ہے۔

اور اس "نگاہ" میں خیر نہیں تھی۔ زارا کو اپنا دم گھٹتا سا محسوس ہوا۔

✵ ✵ ✵

"یہ کیا ہوا؟" مومنہ کے ماتھے پر پڑا نیل دیکھ کر وہ ٹھٹک گئی۔

مومنہ نے بے ساختہ نگاہ چرائی۔ "چوٹ لگ گئی تھی۔"

زارا کا تنفس تیز تر ہوگیا۔ "کیسے؟"

"ہاں۔۔۔ وہ بس اس دن غلطی سے واش روم میں۔۔۔"

"ویسی ہی غلطی سے جیسے پہلے بھی آپ بہت بار کبھی واش روم میں پھسل کر گر جایا کرتیں' تو کبھی سیڑھیوں سے؟" زارا نے تلخی سے اس کی بات کاٹی۔

مومنہ کی پلکیں بھیگنے لگی تھیں۔ زارا کو ایک دم اس پر ڈھیر سارا ترس آیا۔

"کب تک یوں پردے ڈالتی رہیں گی ان کے گناہوں پر؟ اس بار کیوں ہاتھ اٹھایا انہوں نے؟"

"تمہاری شادی والے روز اسٹیج پر انہوں نے مجھے دیکھ لیا تھا۔"

"تو کیا کر رہی تھیں آپ؟ محض ہم عمر لڑکیوں کے ساتھ تھوڑا سا ہنسی مذاق اور بس؟"

"یہ تو تم سمجھتی ہو' نہیں لگا تھا میں سب کے بیچ ان کی آنکھوں میں دھول جھونکتی بے حیائی سے گلچھرے اڑا رہی تھی۔" مومنہ کی آنکھیں برسنے لگی تھیں۔ زارا کے دل پر ڈھیر سارا بوجھ آن گرا۔

اس کا دل اداس ہو رہا تھا۔ اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے جمشید کو امی کے ہاں چھوڑنے کے لیے کہا۔ جمشید نے بنا کسی تامل کے آفس جاتے ہوئے اسے یہاں ڈراپ کردیا تھا۔ لیکن یہاں آکر اس کے دل کا بوجھ مزید بڑھ گیا۔

"یہ سب چھوڑو زارا' تم یہ بتاؤ' تم خوش تو ہونا؟" مومنہ کے دل کا بوجھ بٹ گیا تھا۔ اس نے ہاتھ کی پشت سے گیلے رخسار صاف کر ڈالے۔

"پتا نہیں۔" اس نے بے زاری سے جواب دیا۔

"خوشی کو محسوس کرو' یہ تمہیں اپنے وجود کا احساس دلائے گی۔"

"یاد ہے' ایک بار آپ نے ہی کہا تھا خوشی خوشبو کی طرح ہوتی ہے۔ جسے سات پردوں میں بھی چھپاؤ' پھر بھی اپنا آپ عیاں کردیتی ہے۔"

"ہاں۔۔۔ لیکن مجھے تمہارے وجود سے وہ مہک پھوٹتی محسوس کیوں نہیں ہو رہی زارا؟" محبت بھرا لہجہ

تاسف لیے ہوئے تھا۔

"میں زندگی میں خوش فہمیوں کو جگہ نہیں دینا چاہتی۔" وہ اٹھ کر کھلی کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی تھی۔ اسے لگا مومنہ اس کی آنکھیں سے اندر کا سارا بھید پالیں گی۔

"خوش فہمی نہ سہی 'نادانیوں کو بھی جگہ مت دو' ورنہ بدگمانیاں جنم لیں گی۔"

زارا پلٹی 'لیکن منیزہ بیگم کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر بات لبوں میں دبالی۔

"جمشید کھانا یہیں کھائے گا نا؟"

"پتا نہیں امی!" اس کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا تھا۔

"بری بات بٹیا! تمہیں اس سے کہنا چاہیے تھا جب شام کو وہ تمہیں لینے آئے 'کھانا یہیں کھائے۔"

"امی جو پکا ہو گا وہی پیش کر دیجیے گا۔ خواہ مخواہ کسی کو سر پر چڑھانے کی ضرورت نہیں ہے۔" مومنہ کے ماتھے پر پڑا نیل اس کی تلخی بڑھا رہا تھا۔

"کسی کو عزت دینے سے ہماری عزت میں کمی واقع نہیں ہو جاتی۔"

"لیکن اکثر لوگ اس عزت افزائی کے قابل نہیں ہوتے امی۔"

"خدا کرے جمشید کا شمار ایسے لوگوں میں نہ ہو۔"

زارا کے لبوں پر بے بس مسکراہٹ در آئی تھی۔ وہ ماں کی طرح خوش امید نہیں تھی۔

منیزہ بیگم 'مومنہ کو شام کے کھانے کی ہدایت دینے لگی تھیں۔ زارا آہستہ سے اٹھ کر باغیچے میں آ گئی۔ سب کچھ ویسا ہی تھا۔ وہی پھول 'پتے 'چڑیاں' اچھلتی گلہریاں کچھ بھی تو نہیں بدلا تھا۔ شاید وہ خود بدل گئی تھی۔ اسے یہ گھر 'در و دیوار 'اپنا باغیچہ سب ایک دم اجنبی سا لگنے لگا تھا۔

"اچھا تو تم ان سب کو مس کر رہی تھیں؟" جمشید کے کلون کی مہک پھولوں کی باس پر حاوی ہونے لگی تھی۔ "سنو اس سے دگنا بڑا لان وہاں بھی ہے جہاں کے پھول 'پودے کسی کی نظر التفات کو برسوں سے ترس رہے ہیں۔ اگر تم تھوڑی سی عنایت ان پر کرو تو وہ بھی کھل کر جھوم اٹھیں گے۔" دونوں بازو سینے پر باندھے وہ اس کے اداس سراپے پر نظریں جمائے کھڑا تھا۔

جوتے سے زمین کھرچتی زارا نے گہری سانس اپنے اندر اتاری اور بنا کوئی جواب دیے پلٹی۔ وہ بھی اس کی معیت میں اندر آ گیا۔ مشہود صاحب اور مصطفیٰ زمینوں کے کام کے سلسلے میں رقبے پر مصروف تھے۔ منیزہ بیگم ان کی عدم موجودگی کی توجیہہ بیان کرتے ایک ایک چیز محبت سے اس کے آگے پیش کر رہی تھیں۔

"اگر تم لوگ تھوڑا سا اور رک جاتے تو ان سے بھی ملاقات ہو جاتی۔ وہ لوگ بس آنے ہی والے ہوں گے۔"

بمشکل کھانا ختم کر کے زارا جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ جمشید نے خوش گوار حیرت سے اسے دیکھا۔ اسے لگا شاید وہ رات یہاں رکنے کا ارادہ ظاہر کرے گی۔ لیکن اب جانے کے لیے کھڑا ہوتا دیکھ کر اس نے گہری اطمینان بھری سانس اپنے اندر اتاری تھی۔ گو کہ ایک ہی گھر میں ایک ہی چھت کے نیچے وہ اس سے صدیوں کے فاصلے پر تھی۔ لیکن جمشید کے لیے اس کی اپنے آس پاس موجودگی ہی باعث طمانیت تھی۔

زارا باپ اور بھائی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسے اپنا بھرم ٹوٹنے کا خوف نہیں تھا 'لیکن وہ باپ اور بھائی کی جارحانہ فطرت سے واقف تھی۔ وہ ماں اور مومنہ کا بھرم نہیں ٹوٹنے دینا چاہتی تھی۔

٭ ٭ ٭

ایک بے حد تھکا دینے والے دن کا اختتام ہوا تھا۔ جمشید ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا لاؤنج میں صوفے پر ڈھے سا گیا۔ نیچے کارپٹ پر سلوی کشن کا ڈھیر لگائے ان پر کور چڑھا رہی تھی۔ جبکہ نبیلہ بیگم کی تمام تر توجہ اس وقت ٹی وی پر چلتے اپنے پسندیدہ ڈرامے کی طرف تھی۔

"ایک کپ چائے ملے گی؟" اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف جاتے اس نے سامنے سے آتی زارا سے کہا تو وہ بنا کوئی جواب دیے پلٹی۔ جمشید اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

نبیلہ بیگم کے اشارے پر سلویٰ فوراً" اٹھی۔ ان ڈھکے چھپے اشاروں کے پیچھے حمرہ کی دی جانے والی خصوصی ہدایات تھیں جو وہ جاتے جاتے ماں، بہن کو اچھی طرح ذہن نشین کروا گئی تھی۔ زارا نے ابھی چولہے پر چائے کا پانی چڑھایا ہی تھا کہ سلویٰ چلی آئی۔

"آپ کی ساس آپ کو یاد فرما رہی تھیں۔ جا کر ان کی بات سن لیں، جمشید بھائی کو چائے میں دے آتی ہوں۔"

زارا سرہلاتی ہوئی کچن سے باہر نکل گئی۔ سلویٰ نے آرام سے چولہا بند کر کے کھولتا پانی سنک میں بہایا اور فریج سے سیب نکال کر وہیں مزے سے کھانے لگی۔

لاؤنج میں نبیلہ بیگم نے زارا کو پاس بٹھا کر نہ جانے کب کا پرانا کوئی خاندانی قصہ چھیڑ دیا تھا۔ زارا کو ایسے خاندانی قصوں سے بھلا کیا دلچسپی ہونی تھی، محض خاموشی سے سنتی رہی۔ ادھر اپنے کمرے میں سر میں اٹھتی درد کی ٹیسوں کو دباتے جمشید کی نگاہیں بار بار وال کلاک کی جانب اٹھ جاتیں۔ کلاک کی ٹک ٹک اس کی مایوسی بڑھا رہی تھی۔

"ناپسندیدگی اور لاتعلقی کی کوئی تو حد ہوتی ہوگی زارا؟"

سر کا درد سوا تھا، لیکن اس کے علاوہ کچھ اور بھی تھا جو اسے اندر سے کاٹ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"سلویٰ! تمہارا فون ہے۔" لاؤنج سے ظفری پکار رہا تھا۔

اپنے کمرے میں جانے کا ارادہ ترک کرتی سلویٰ نے ہولڈر پر رکھا ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف اس کی دوست نادیہ تھی۔ دعا سلام کے بعد سلویٰ اس کے یوں بے وقت فون کرنے کے بارے میں سوچ ہی رہی تھی جب نادیہ کی قدرے ہچکچاتی آواز ابھری۔

"سنو سلویٰ! تم سے ایک بات کہنی تھی۔"

"ہاں کہو۔" سلویٰ تسلی سے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔

"یار تم مائنڈ مت کرنا۔ بات دراصل یہ ہے کہ کل شام میں ہم لوگ دانیال بھائی کے ساتھ باہر ڈنر کرنے گئے تو وہاں ریسٹورنٹ میں، میں نے تمہارے کزن غیور کو دیکھا۔ وہ کسی اور لڑکی کے ساتھ تھا۔ وہ لڑکی اس کے ساتھ بہت فرینک ہو رہی تھی یا شاید وہ دونوں ہی ایک دوسرے کے ساتھ بہت فرینک تھے۔"

سلویٰ ایک دم چپ سی ہو گئی۔ مگر کمزور دفاعی لہجے میں بولی۔ "تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی نادیہ۔"

"کم آن یار! میں نے تمہارا وہ کزن دیکھ رکھا ہے، بلکہ تمہارے حوالے سے تو خاصی اچھی طرح دیکھا ہوا ہے۔ میں اسی ادھیڑبن میں تھی کہ تمہیں بتاؤں نہ بتاؤں، لیکن پھر سوچا شاید تم سے یہ بات چھپا کر میں تم سے کوئی زیادتی نہ کر بیٹھوں۔ مجھے غلط فہمی نہیں ہوئی، وہ سو فیصد وہی تھا۔"

اس کے اس قدر پُراعتماد انداز پر سلویٰ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے۔

نادیہ تاسف زدہ لہجے میں بولی۔ "آئی ایم سوری یار۔"

"اٹس اوکے نادیہ! تھینکس اینڈ اللہ حافظ۔" اس کے علاوہ وہ اور کیا کہتی۔

☼ ☼ ☼

اگلے روز ہشاش بشاش غیور، ظفری کے ساتھ کیرم کی بازی جمائے بیٹھا تھا۔ بے فکر اور لاپروا، دونوں میں ایک چیز مشترکہ تھی، ان کی حد سے بڑھی ہوئی غیرذمہ داری۔ سلویٰ کے جی میں آیا اس کے سامنے تن کر کھڑی ہو جائے اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھے۔

"کیا ریسٹورنٹ میں کسی لڑکی کے ساتھ وہی تھا؟" اور اگر اس نے کہہ دیا۔ "ہاں وہ میں ہی تھا،"

تو...؟"

تو شاید وہ آج کے بعد کسی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہیں کر پائے گی۔ اس نے غیور پر سے نظریں ہٹائیں۔ کھلی کھڑکی کے دونوں پٹ بند کیے اور وہاں سے ہٹ گئی۔

ظفری کو مات دینے کے بعد باہر نکل کر اس نے بھرپور انگڑائی لی تھی۔ موسم جوبن پر تھا۔ ساون کی بدلیاں آسمان کے فراخ سینے پر اڑتی پھر رہی تھیں۔ ہوا میں پھولوں کی باس شامل تھی۔ اس کی نظر سامنے اٹھی اور ٹھہر سی گئی۔

پھولوں کے کنج کے پاس جھولے پر نیم دراز وہ کسی اور ہی جہاں کی مخلوق لگ رہی تھی۔ اس کا سفید باریک دوپٹا ہوا کے سنگ پھڑپھڑا رہا تھا۔ منظر اتنا مکمل اور بھرپور تھا کہ غیور یہ تک فراموش کر گیا اس وقت وہ کہاں ہے۔ چونکا اس وقت جب اس کے دوپٹے کا پلو اس کی ٹانگوں سے آلپٹا۔ زارا نے **کسمسا** کر آنکھیں کھولیں اور پھر جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ دوپٹا کھینچ کر شانوں پر پھیلائے وہ کھڑی ہوئی۔ اسے سامنے والے کی آنکھوں سے خوف اور گھن ایک ساتھ آئی تھی۔

"آپ کو دیکھ کر مجھے ہر دفعہ پرستان سے راستہ بھول کر آنے والی کسی پری کا گمان کیوں ہوتا ہے؟" وہ اس کے راستے میں کھڑا تھا۔

"مجھے فضول باتیں سننے کی عادت نہیں ہے، بہتر ہو گا تم اپنے کام سے کام رکھو۔" غرا کر کہتی وہ پلٹی اور تیزی سے وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

غیور کی مسکراتی آنکھوں نے دیر تک اس کا تعاقب کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"اف امی! کیا بتاؤں مجھ سے چوری چھپے ان ماں بیٹیوں نے تو بالا ہی بالا لبنیٰ کا رشتہ تقریباً" طے کر دیا تھا اور مشتاق کو دیکھیں ایسا ماں، بہنوں کا رٹھایا ہوا کہ سب کچھ جانتے ہوئے مجھے کانوں کان خبر تک نہ ہونے دی۔ لیکن ہوا کیا کل لڑکے کی ماں مسمسی شکل بنا کر انکار کر گئی کہ لڑکا راضی نہیں ہے، وہ کہیں اور شادی کرنا چاہتا ہے۔ میرے تو سینے میں ٹھنڈ پڑ گئی۔ دیکھنے والی شکلیں ہو رہی تھیں ان کی۔ مجھے تو مزا آ گیا سچ میں۔"

حمہ کی آج دنوں بعد آمد ہوئی تھی۔ وہ دھواں دھار شروع ہوئی نبیلہ بیگم ہمہ تن گوش تھیں۔ لیکن ظفری نے انتہائی تاسف سے سرہلایا۔

"چھ چھ آپا کتنی بری بات ہے۔ بجائے ان کے اس مشکل وقت میں ان سے ہمدردی کرنے کے آپ ان کی روتی شکلیں دیکھ کر مزے لیتی رہیں۔"

حمہ نے اسے گھورا۔ "چپ کرو تم۔ تمہیں کیا پتا ان ساس نندوں کی چالاکیاں۔"

"پہلے پتا نہیں تھا، لیکن اب چل رہا ہے۔" اس کا اشارہ سمجھ کر اب کی بار ماں بیٹی دونوں نے اسے بری طرح گھورا تھا۔

حمہ نبیلہ بیگم کی طرف جھکتے قدرے رازداری سے پوچھنے لگی۔ "بھورانی کا سنائیں، اپنے دام سے باہر تو نہیں آئی۔"

نبیلہ بیگم نے بے زاری سے ہاتھ ہلایا۔ "ارے کہاں، ہمارا جمشید ہی اس کے پیچھے باؤلا ہوا جا رہا تھا۔ ورنہ وہ تو اسے گھاس تک نہیں ڈالتی۔"

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے امی۔" حمہ پرجوش سی مزید آگے کھسکی تھی۔

☼ ☼ ☼

زارا کو کسی پل قرار نہیں آ رہا تھا۔ اسے اپنے اندر چنگاریاں سی پھوٹتی محسوس ہوئیں۔ اپنی بے خبری اور سامنے والے کی جرأت نے اس کے اندر شرارے سے دوڑا دیے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا سب کچھ تہس نہس کر ڈالے۔ اندرونی خلفشار چہرے پر بھی ظاہر ہو رہا تھا۔ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا جمشید نے اس کے ایک ایک عضو سے پھوٹتی بے قراری کو محسوس کیا۔

"تمہیں کیا بات پریشان کر رہی ہے زارا۔"

وہ چونکی۔ گویا کمرے میں اس کی موجودگی سے بے

خبر ہو۔

"اتنی ٹینس کیوں ہو؟ کوئی مسئلہ ہے تو مجھے بتاؤ۔" نرم لہجہ جذبات سے بوجھل ہونے لگا تھا۔

زارا نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں، کچھ نہیں۔"

تکیہ اٹھا کر صوفے پر رکھا اور لیٹ کر دوسری طرف کروٹ بدل لی۔ وہ آج بھی اس کے لیے اتنی ہی اجنبی تھی۔ اور جمشید اس قدر خوش فہم کہ اسے لگا کہ وہ اس سے اپنی پریشانیاں شیئر کرے گی۔ ایک اذیت بھری مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر در آئی تھی۔ وہ تو آج تک اسے یہ حق بھی دینے پر تیار نہیں تھی کہ جمشید اس کی بے اعتنائی کا گلہ لبوں پر لے آتا۔

"کاش کہ کبھی تم مجھ پر اعتبار کر سکو زارا۔" نیلگوں بلب کی مدھم روشنی میں اس کی پشت کو دیکھتے اس نے آزردگی سے سوچا۔

☆ ☆ ☆

آج ثروت پھپھو خاص طور پر غیور اور سلویٰ کی شادی کی بات کرنے آئی تھیں۔ نبیلہ بیگم کو اعتراض تو کوئی نہیں تھا، لیکن وہ شان دار جہیز کے ہمراہ شان و شوکت سے بیٹی کو رخصت کرنا چاہتی تھیں۔

"بس بھابھی بیگم! اکیلے پن کا عذاب اب اور نہیں جھیلا جاتا مجھ سے، بہو آئے گی تو گھر میں رونق آجائے گی۔ اللہ کا دیا سب کچھ تو ہے میرے پاس، مجھے میری بھتیجی کے سوا اور کچھ نہیں چاہیے۔" پھپھو کی عاجزی کا آج عالم ہی اور تھا۔

"تمہاری بات بجا ثروت! لیکن ہم اپنی بیٹی کو خالی ہاتھ تو رخصت نہیں کر سکتے۔ جمشید کی لاڈلی ہے سلویٰ۔ خوب دھوم دھام سے اسے رخصت کرے گا۔"

پھپھو کی باچھیں یہاں سے وہاں تک چر گئیں۔ غیور نے چائے پیش کرتی سلویٰ کی طرف دلکش مسکراہٹ اچھالی۔ سلویٰ کے لبوں پر بھی دھیمی مسکان آن ٹھہری تھی۔ زارا نے تلخی سے یہ منظر دیکھا اور وہاں سے ہٹ گئی۔ کمرے سے نکلتے جمشید سے اس کی مڈبھیڑ ہوتے ہوتے رہ گئی۔ اس کے پہلو سے کترا کر وہ کمرے میں آئی۔

"زارا سنو!" وہ پلٹی اور سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"یہ کچھ پیسے رکھ لو۔" جمشید نے دو قدم کا فاصلہ پاٹ کر نوٹ اس کی طرف بڑھائے۔

"کیوں؟" زارا نے ہاتھ آگے نہیں بڑھایا تھا۔

"ارے کیوں کا کیا مطلب بھئی، انسان کی ہزار ضرورتیں ہوتی ہیں۔"

"میرے پاس ہیں پیسے۔"

"جانتا ہوں، لیکن یہ بھی رکھ لو، کام آئیں گے۔ کیونکہ منہ سے تو تم کبھی مانگو گی نہیں۔"

"مجھے مانگنے کی عادت نہیں ہے۔"

"لیکن اپنا "حق" چھوڑنا کہاں کی دانشمندی ہے؟" زارا محض لحہ بھر کے لیے ہی اس کی روشن آنکھوں میں دیکھ پائی تھی۔ لو دیتی نگاہیں جو کہانیاں سنا رہی تھیں، زارا وہ سننا نہیں چاہتی تھی۔ وہ دانستہ رخ موڑ گئی۔

جمشید نے نوٹ ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ کر قدم باہر کی جانب بڑھا دیے تھے۔ زارا نے وہ سارے نوٹ اٹھا کر دراز میں رکھ دیے۔ وہ اکثر یوں ہی ڈھیر سارے نوٹ اسے پکڑا دیتا، جنہیں وہ اسی طرح دراز میں ڈال دیتی۔ اس کی بھلا کیا ضرورتیں ہوتی تھیں۔ پھپھو نے سچ کہا تھا اسے عام لڑکیوں کی طرح نہ سجنے کا شوق تھا، نہ سنورنے کا ارمان۔ اس کے جہیز، بری کے کپڑے اتنے تھے کہ وہ اگلے کچھ سال تک ان ہی سے کام چلا لیتی۔

اس نے موبائل اٹھا کر امی کو کال ملائی۔ یہ شان دار سا موبائل بھی شادی کے دوسرے روز جمشید نے اسے دیا تھا۔ وہ بنا کہے بہت غیر محسوس انداز میں اس کی ہر ضرورت پوری کر دیتا۔ لیکن زارا کسی طور اپنے دل کے بند کواڑ کھولنے پر آمادہ نہیں تھی۔

دوسری طرف سے کال مومنہ نے اٹھائی۔ لہجے میں جبری بشاشت پیدا کرتے بھی زارا نے محسوس کر لیا،

اس کا لہجہ پست اور آواز گھٹی گھٹی سی تھی۔ دعا سلام اور دو چار باتوں کے بعد اس نے فون منیزہ بیگم کو پکڑا دیا تھا۔ ان کا انداز بھی مومنہ کی طرح گھٹا گھٹا سا تھا۔

زارا نے گہری سانس اپنے اندر اتاری۔ یقیناً مشہود صاحب اور مصطفیٰ گھر پر ہی تھے۔ ان کی موجودگی میں وہ دونوں کھل کر سانس تک نہیں لیتی تھیں کجا کہ کھل کر بات کرنا۔ زارا نے بہت بے دلی سے کال کاٹی تھی۔

☆ ☆ ☆

"ارے واہ! آپ کی چائے کی یہ خوشبو ہی تو مجھے روز یہاں کھینچ کرلے آتی ہے۔ اپنے لیے تو بنا ہی رہی ہیں، اگر زحمت نہ ہو تو ایک کپ میرے لیے بھی بنا دیجیے۔"

وہ جو اپنی سوچوں میں گم چائے کپ میں ڈال رہی تھی، پشت سے ابھرتی غیور کی آواز پر اچھل پڑی۔ پھر دل کی دھڑکن کو قابو میں لاتے مڑی اور چبا چبا کر بولی۔

"تمہیں ایسی فرمائشیں مجھ سے نہیں، سلوی سے کرنی چاہئیں۔"

غیور ہلکا سا قہقہہ لگا کر ہنس پڑا اور سلیب پر پڑا اس کا چائے کا کپ اٹھا کر لبوں سے لگالیا۔ زارا بری طرح کھول کر رہ گئی۔

اس شخص کی جسارتیں بڑھتی جارہی تھیں۔

"سلوی کی چائے میں آپ جیسا دم کہاں زارا جی۔" اس کے سامنے راہ مسدود کیے وہ گویا چائے اور اس کی بے بسی سے ایک ساتھ لطف اٹھا رہا تھا۔ زارا کا بے ساختہ دل چاہا اس کی مکروہ آنکھیں نوچ ڈالے۔ وہ جتنا اسے نظر انداز کرتی وہ اتنا ہی اس کی راہ میں حائل ہوجاتا۔ وہ چاہ کر بھی اس کے بے ہودہ رویے کی شکایت کسی سے نہیں کرسکتی تھی۔ اس سے بھی تو نہیں جس کے پاس شکایت کرنے کے اس کے تمام حقوق محفوظ تھے۔

"پتا ہے آپ کی باتوں کا میں بالکل برا نہیں مانتا۔ مہ جبینوں پر اتنا نخرہ تو جچتا ہی ہے۔"

"راستے سے ہٹو۔" درشتی سے کہتی وہ باہر نکل گئی۔

غیور نے اس کی پشت پر لہراتی سنہری چوٹی کو بہت حسرت سے دیکھا تھا، لیکن سامنے سے آتی سلوی کو دیکھ کر چہرے کے تاثرات فوراً بدل لیے۔

"کیا ہوا؟" سلوی نے ابرو اچکا کر پوچھا۔

"سوچ رہا تھا تمہاری بھابھی اتنی بھی روڈ نہیں ہے۔ ابھی انہوں نے اپنے ہاتھوں سے مجھے چائے کا کپ بنا کر پیش کیا ہے، لگتا ہے انہیں اس گھر میں میری حیثیت کا اندازہ ہوگیا ہے۔"

"اچھا؟" سلوی کا اچھا بے یقینی لیے ہوئے تھا۔

"اچھا کا کیا مطلب، تمہیں لگتا ہے میں جھوٹ بول رہا ہوں؟" سلوی نے گہری سانس کھینچتے کندھے اچکائے اور فریج کھول کر اندر پانی کی بوتلیں رکھنے لگی۔ غیور اسے گھورتے ہوئے زیر لب کچھ بڑبڑاتا باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

حیرت، بے یقینی اور خوشی کا غلبہ اس قدر شدید تھا کہ وہ کچھ بول ہی نہیں پائی۔ محض ٹکر ٹکر منیزہ بیگم کا چہرہ دیکھتی رہی۔ جو اتنی بڑی خبر اسے سنا کر اب اپنا آنسوؤں سے تر چہرہ صاف کررہی تھیں۔ شادی کے پانچ سال بعد مومنہ امید سے ہوئی تھی۔ گھر کی ویرانیوں میں قدرت نے قلقاریاں گونجنے کا اہتمام کردیا تھا۔ وہ بے ساختہ ماں سے لپٹ گئی۔ پھر مومنہ کے کمرے کی طرف دوڑ گئی۔ اسے گلے سے لگائے، اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

"آپ سوچ بھی نہیں سکتیں، میں کتنی خوش ہوں آج۔"

لیکن کچھ غیر معمولی تھا، جس نے اسے ٹھٹکا دیا تھا۔ اس نے مومنہ کا ستا چہرہ دیکھا۔

"میں یہ بچہ پیدا نہیں کروں گی۔"

اس کے سر پر گویا چھت آگری تھی۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مومنہ کو دیکھا۔

کفران نعمت کی یہ کون سی شکل تھی؟ اس نے مومنہ کو بری طرح جھنجوڑ ڈالا۔ "اس گھر کے مرد بھی عورت کو اس کا مان اس کا جائزہ مقام نہیں دیں گے۔ میں نے اپنی قسمت پر صبر کرلیا ہے لیکن میں نہیں چاہتی کل کو ایک اور زارا مجسم سوال بن کر میرے سامنے آکر کھڑی ہوجائے۔ میں اس کے کس کس سوال کا جواب دوں گی؟"

"بھابھی! لازمی تو نہیں ہے بیٹی ہی ہو۔ ہوسکتا ہے بیٹے کی پیدائش مصطفیٰ بھائی کو بدل دے۔"

مومنہ نے سرخ چہرہ لیے لب کچلتے نفی میں سر ہلایا۔ "بیٹا! مصطفیٰ کا خون ہوگا جو ایسے ہی ایک دن کسی اور مومنہ کی زندگی اجیرن کرے گا اسے خون کے آنسو رلائے گا۔" اس کی آنکھوں سے اس وقت آنسو نہیں جیسے لہو بہہ نکلا تھا۔

زارا اور وہ ایک ساتھ روئی تھیں۔ اور باہر دہلیز پر کھڑا مصطفیٰ گویا ان ہی قدموں پہ جم سا گیا تھا۔ برسوں بعد کوئی جھکڑ چلا تھا، جس نے یک دم شعور کی نہ جانے کب سے بند ساری کھڑکیاں ایک ایک کرکے کھول دیں۔ ضمیر کے آئینے پر پڑی گرد بہت پرانی تھی، لیکن سامنے روتی ہوئی دونوں عورتوں کے آنسوؤں سے وہ گرد مٹنے لگی تھی۔ چاروں طرف گویا کسی نے آئینے سے لاکر رکھ دیے تھے۔ باپ کے قدم غلط راہ پر پڑے تھے۔ وہ کیوں ان کے نقش پا پر چلتا گیا؟ وہ تو قبل از اسلام زمانۂ جاہلیت کے اصول رکھتے تھے۔ وہ کیوں اس فرسودہ نظام جاہلیت کے مرد کا روپ دھار گیا۔ وہ اتنا برا تھا، اتنا برا بنا رہا کہ اس کے نکاح میں آئی عورت نے آج اللہ کی سب سے بڑی نعمت سے منہ موڑنے کا سوچ لیا تھا؟

وہ شل قدموں سے اندر آیا تھا۔ دونوں ایک ساتھ چونکیں۔ مارے گھبراہٹ کے کھڑی ہوگئیں اور خوف سے اپنے گیلے رخسار رگڑ ڈالے۔ لیکن یہ وہ مصطفیٰ تو نہیں تھا جسے وہ جانتی تھیں، یہ تو کوئی اور ہی تھا۔ انہیں سینے سے لگائے ان کے سروں کے بوسے لیتا۔ ان دونوں کو بے یقینی بھری مسرت کے حوالے کرتا وہ تیزی سے باہر چلا گیا تھا۔ اسے ان قدموں کا بوسا لینا تھا جس نے انہیں چلنا سکھایا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ بہت ہلکی پھلکی ہوکر گھر لوٹی تھی۔

آسمان پر اڑتی ساون کی بدلیوں نے ایکا کرلیا۔ ایسی گھنگھور گھٹائیں چھائیں کہ چھما چھم مینہ برسنے لگا۔ اس کے کمرے کی کھڑکی پر بوندوں نے دستک دی تو نیند کا پنچھی کہیں دور اڑان بھر گیا۔

وہ سیاہ پٹی چپل پاؤں میں پھنساتی ٹیرس پر آگئی۔ آسمان سے گرتی شفاف بوندوں نے اس کا تن من بھگو دیا تھا۔ وہ بارش کی دیوانی تھی۔ گرجتے بادل، کڑکتی بجلی اسے بالکل بھی خوف زدہ نہیں کررہا تھا۔ اس کے لیے بارش کی ان شفاف بوندوں میں خوشی تھی۔ ہر چیز سے بے نیاز وہ دیر تک بھیگتی رہی۔ پھر کمرے میں آکر کپڑے تبدیل کیے اور بیڈ پر ڈھیر ہوگئی۔

جمشید پچھلے دو دنوں سے کاروباری کام کے سلسلے میں شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ واپسی کے بارے نہ اس نے بتایا تھا، نہ زارا نے پوچھنا ضروری سمجھا۔ اس کی موجودگی میں وہ صوفے پر سوتی، لیکن اب بیڈ پر سوئی اس کی بھیگی پلکیں پھر سے جڑنے لگی تھیں۔ جب وہ نیند کی وادی میں قدم رکھتی، بے خبر ہوگئی تب بارش کی بوچھاڑ سے خود کو بچانے کی ناکام کوشش کرتا جمشید تقریباً بھاگتے قدموں سے کمرے میں آیا تھا۔

سامنے ہی وہ کسی خوشنما خواب کی طرح بیڈ پر محو استراحت تھی۔ بمشکل اس پر سے نظریں ہٹاتا وہ چینج کرنے واش روم چلا گیا۔ اس کی آنکھیں جل رہی تھیں۔ جسم بخار کی شدت سے تپ رہا تھا۔ چینج کرکے جلتی آنکھیں مسلتا بیڈ کی دوسری طرف لیٹ گیا۔ ایک نظر اس کے بے خبر وجود پر ڈالی اور کروٹ دوسری طرف بدل لی۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا انجانے احساس کے تحت اس کی آنکھ کھل گئی۔ اگلے لمحہ اس کا سانس سینے میں اٹک گیا۔ اس کے بے حد قریب جمشید کروٹ

بدلے بے خبر سو رہا تھا۔ اس کا دایاں بازو زارا کے ہاتھ پر دھرا تھا۔ جیسے نیند میں کروٹ بدلی ہو۔ اس کی سانسوں کی تپش سے زارا کو اپنا چہرہ تپتا محسوس ہوا۔

ناقابل فہم احساسات سے دوچار ہوتے ہوئے اس نے جمشید کا بازو ہٹایا اور اٹھ بیٹھی۔ اسی وقت جمشید کی آنکھ کھلی تھی۔ اپنی اتھل پتھل ہوتی دھڑکنوں کو قابو میں لاتی زارا کا سرخ پڑتا چہرہ دیکھ کر لحہ بھر میں وہ معاملہ سمجھ گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ معذرت کا کوئی لفظ بولتا' زارا غصے سے ابل پڑی۔

''آپ نے تو اپنی امانت میں خیانت نہ کرنے کے بڑے بڑے دعوے کیے تھے' تو کہاں گئے آپ کے وہ دعوے؟'' جمشید کو وہ کسی بپھری ہوئی موج کی طرح لگی تھی تند اور ناقابل رسائی۔

''آئم سوری زارا.... دراصل رات....''

''مت دیں مجھے جھوٹے ایکسکیوز۔ آپ بھی دوسرے مردوں کی طرح ہیں' دغا باز اور فریبی.... محض موقع ملنے کی تاک میں تھے۔''

''بس!'' جمشید نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روک دیا۔ دو قدم چلتا اس کے بے حد قریب آٹھہرا۔ بخار کی حدت سے جسم انگارہ ہو رہا تھا اور آنکھیں لہو رنگ۔ زارا کا بازو دبوچ کر وہ غرایا۔

''میری بے احتیاطی کو تم موقع پرستی کا نام نہیں دے سکتیں۔ بیوی ہو تم میری۔ اگر میں اتنا ہی جذبات کے ہاتھوں بے لگام ہوتا تو موقع تلاش نہ کرتا' خود موقع پیدا کر لیتا۔'' جھٹکے سے اس کا بازو چھوڑ کر وہ ہٹ گیا۔

زارا سُن سی کھڑی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

ساون ٹوٹ کر برسا اور فضا میں مخصوص حبس چھوڑ گیا۔ درودیوار پر عجیب سی پژمردگی سی لپٹی محسوس ہوئی۔ جمشید بخار میں بری طرح پھنک رہا تھا۔ ظفری ڈاکٹر کو لے آیا تھا۔ بخار کا زور تو ٹوٹ گیا' لیکن اسے اپنا وجود ٹوٹتا سا محسوس ہو رہا تھا۔ زارا نے دیکھا وہ بیڈ پر بے سدھ پڑا تھا۔ شیو بڑھی ہوئی تھی' چہرہ بخار کی حدت سے سرخ ہو رہا تھا۔ شاید پہلی بار اس نے اسے یوں غور سے دیکھا تھا۔ پھر آہستہ سے دروازہ بند کرتی باہر نکل آئی۔

حمدہ بچوں سمیت آئی ہوئی تھی۔ گھر میں افراتفری کا ماحول تھا۔ کاموں میں لگی زارا کا دھیان بھٹک بھٹک کر اپنے کمرے کی طرف چلا جاتا۔ وہ اپنی اس قدر بے چینی کی وجہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

''امی' جمشید بھائی سو رہے ہیں۔ میں ابھی انہیں دیکھ کے آرہی ہوں۔'' غائب دماغی سے حمدہ کی بات سنتی زارا نے چونک کر سلویٰ کی طرف دیکھا تھا جو نبیلہ بیگم کو جمشید کے بارے میں بتا رہی تھی۔

''نہ جانے اس نے میڈیسن لی بھی تھی یا نہیں؟ طبیعت زیادہ خراب نہ ہو گئی ہو۔'' زارا کی بے چینی تھی کہ حد سے سوا تھی۔ کئی بار اس کا دل چاہا ایک نظر جا کر اسے دیکھ آئے' لیکن ایسی ہر کوشش کے نتیجے میں یا تو نبیلہ بیگم کو کوئی ضروری کام یاد آجاتا یا پھر حمدہ کسی نئی بات میں الجھا دیتی۔

ایسے ہی وہ بے حد عجیب سا دن ڈھل گیا۔ رات کو جب وہ آخری کام نپٹا کر کمرے میں آئی تو جمشید بازو آنکھوں پر رکھے بیڈ کے وسط میں لیٹا تھا۔ وہ یوں ہی انگلیاں چٹخاتی کچھ سوچنے لگی۔ گزشتہ رات جو کچھ ہوا تھا وہ اس کی بھی توقع کے برخلاف تھا۔

وہ جمشید پر چلانا نہیں چاہتی تھی' لیکن خود پر ضبط بھی نہیں رکھ پائی۔ شاید اس کی نظروں کا ارتکاز محسوس کر کے جمشید نے بازو آنکھوں پر سے ہٹایا اور تکیہ اٹھا کر خاموشی سے ڈریسنگ روم میں چلا گیا۔ یہ اس کی شدید ترین ناراضی کا اظہار تھا اور ایسا پہلی بار ہوا تھا۔

زارا کو لگا بیڈ پر جیسے کانٹے سے اگ آئے ہوں۔ اس نے آنکھیں بند کیں تو لگا چہرے پر اس کی سانسوں کی تپش نے کوئی آگ ہی دہکا دی ہو۔ ہاتھ پر اس کے بھاری مضبوط بازو کا لمس پھر سے زندہ ہو گیا تھا۔ اس کا تنفس تیز ہو گیا' تکیہ ہٹا کر وہ اٹھ بیٹھی۔ وہ

ساری رات سو نہیں پائی تھی۔

"زارا۔" اگلی صبح وہ معمول کے مطابق کچن میں سب کا ناشتا بنانے میں مصروف تھی، جب نبیلہ بیگم چلی آئیں۔

"جی؟" وہ پلٹی۔

"جمشید کا ناشتا بنالیا ہے تو ٹرے کمرے میں لے چلو۔ آج میں اپنے بیٹے کو خود ناشتا کرواؤں گی۔" پھپھو کی بات پر اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

اگر آج تک سب کو لگتا تھا وہ نارمل میاں، بیوی کی طرح زندگی گزار رہے ہیں تو اس میں بھی سارا کمال جمشید کے اس کے ساتھ روا رکھے جانے والے یک طرفہ نارمل رویے کا تھا، ورنہ بات زارا کی بے اعتنائی کی ہوتی تو اب تک کئی کہانیاں جنم لے چکی ہوتیں۔ لیکن آج اسے بیڈ کے بجائے ڈریسنگ روم میں سویا دیکھ کر پھپھو سب جان جائیں گی۔ کچھ بھی تھا، وہ گھر والوں کی نظروں میں اپنے لیے تمسخر برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

لرزتی ٹانگوں سے ٹرے لیے وہ پھپھو کے ہمراہ کمرے میں آئی تو بے ساختہ اس کے لبوں سے گہری اطمینان بھری سانس خارج ہوئی۔ جمشید فریش ہو کر بیڈ پر ہی نیم دراز تھا۔ زارا کے چہرے پر پھیلتا سکون اس کی نگاہوں سے مخفی نہیں رہا تھا۔

"نہ جانے یہ ہر بار کیسے اس کے دل کا بھید پالیتا ہے؟" نظریں چراتی ٹرے بیڈ پر رکھ کر وہ باہر نکل گئی۔

✲ ✲ ✲

غیور اور سلویٰ کی شادی کی تاریخ دو ہفتے بعد کی طے پا گئی تھی۔ دن تھوڑے تھے اور کام زیادہ۔ گھر میں خوش گوار سی چہل پہل تھی۔ جمشید نے پھر سے شو روم جانا شروع کر دیا تھا۔ اس کے اور زارا کے درمیان کھڑی اجنبیت کی دیوار پر غلط فہمی کی بیلیں کچھ اور پروان چڑھ گئی تھیں۔

غیور نے یہاں آنا بہت کم کر دیا تھا۔ اگر آتا بھی تو کسی بہت ضروری کام سے اور زارا سے لاتعلق اور بے نیاز سا رہتا۔ شاید اسے شادی جیسے مقدس بندھن میں بندھے جانے کے احساس نے شعور بخش دیا تھا۔ کچھ بھی تھا، زارا نے سکون کی سانس لی۔

حمہ تقریباً" روز ہی آجاتی۔ بازار کے خوب چکر لگتے۔ واپسی لدے پھندے شاپنگ بیگز کے ہمراہ ہوتی۔ نبیلہ بیگم نے دو ایک بار اسے بھی اپنے ساتھ شاپنگ پر چلنے کے لیے کہا، لیکن وہ "اگلی بار" کا کہہ کر ٹال جاتی۔ لاشعوری طور پر وہ منتظر تھی کہ جمشید اسے پہلے کی طرح پیسے وغیرہ دے کر یا شاپنگ پر لے جانے کا کہے گا۔ لیکن دوسری طرف گمبھیر چپ تھی۔ وہ تو گویا اس کی موجودگی سے بھی لاتعلق ہو گیا تھا۔

جب وہ اس کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو اہمیت دیتا تو وہ بے رخی برتتی اور اب اس کے ذرا سے التفات کے لیے اس کا رواں رواں منتظر تھا۔ وہ اپنے دل کی کیفیت پر خود بھی انگشت بدنداں تھی۔ گھر میں ہوتی رونق، ہنگامہ کچھ بھی اسے متاثر نہیں کر رہا تھا۔ وہ بے کل سی گھر میں زور و شور سے ہوتی تیاریاں دیکھ رہی تھی۔

آج بھی سب شاپنگ کرنے بازار گئی تھیں۔ سلویٰ بھی ساتھ گئی تھی۔ زارا اکیلی ہی گھر پر رہ گئی۔ ملازمہ چھٹی پر تھی۔ اس نے دوپہر کا کھانا بنا کر بھرپور شاور لیا۔ کاٹن کا سرخ و سبز امتزاج کا سوٹ پہن کر نیٹ کا ہم رنگ دوپٹا کندھے پر ڈالا اور ہلکی سی نمی لیے بالوں کو سمیٹ کر بائیں کندھے پر ڈالتی وہ لاؤنج میں چلی آئی۔ یوں ہی وقت گزاری کے لیے صوفے پر نیم دراز، ورق گردانی کرنے لگی۔ آہستہ آہستہ اس کی پلکیں بوجھل ہوتی جڑنے لگیں۔ میگزین الٹا کر کے سینے پر رکھا اور بے خبر ہو گئی۔

باہر دم گھوٹتے حبس میں کسی درخت کی شاخ پر بیٹھا پرندہ زور سے چیخا تھا۔ صاف آسمان کے سینے پر چیلیں چکرانے لگیں۔ شیطان، شیطانیت پر کمربستہ ہوا۔ چہرے پر کریہہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ زارا کی جھٹکے سے آنکھ کھلی تھی۔ اتنے قریب دوزانو بیٹھے غیور کو دیکھ کر وہ کرنٹ کھا کر اٹھی تھی۔

"تم؟ کیوں آئے ہو یہاں؟"

"مگر ایسے نظارے دیکھنے کو ملیں تو میں تو روز ہی آیا کروں۔" وہ خباثت سے مسکرایا۔

زارا اس کی ڈھٹائی پر ششدر سی کھڑی تھی۔ "تم میری سوچ سے بھی بڑھ کر گھٹیا ہو۔ تمہیں تو شاید یہ بھی یاد نہیں، ایک ہفتے بعد سلویٰ سے تمہاری شادی ہونے والی ہے۔"

وہ جو سمجھ رہی تھی شادی میں بندھے جانے کے احساس نے اس کی کایا پلٹ دی ہے تو آج یہ خام خیالی بھی دور ہوئی۔ غیور یوں ہنسا گویا اس کی بات سے بہت لطف اٹھا رہا ہو۔

"شاید تم نے یہ کہاوت نہیں سن رکھی، عورت کی الماری میں نئے سوٹ اور مرد کے دل میں نئی عورت کی جگہ ہمیشہ خالی رہتی ہے۔"

دو قدموں کا فاصلہ اس نے آپ سے "تم" تک آتے پاٹ لیا تھا۔

"اپنی حد میں رہو، ورنہ میں سب کو تمہاری اصلیت بتانے میں اب دو منٹ بھی نہیں لگاؤں گی۔ بلکہ مجھے تو افسوس ہو رہا ہے، یہ گھناؤنا چہرہ سب کو دکھا دینا چاہیے تھا، لیکن دیر اب بھی نہیں ہوئی۔ تم سلویٰ تو کیا کسی بھی لڑکی کے قابل نہیں ہو۔"

"خاصی اچھی تقریر کر لیتی ہو۔ آئم رئیلی امپریسڈ۔ لیکن تمہیں کیا لگتا ہے تمہارے کہے پر یہ لوگ یقین کر لیں گے؟" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ چیلنج کرنے والے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

زارا اپنے اندر کے خوف پر بمشکل قابو پائے بظاہر مضبوطی سے اس کے سامنے جمی کھڑی تھی۔

"تم پہلی نظر کی محبت پر یقین رکھتی ہو؟ یقین جانو میرے ساتھ کچھ ایسا ہی معاملہ ہوا ہے۔ مجھے تم سے پہلی ہی نظر میں محبت ہو گئی، لیکن افسوس یہ نظر بہت دیر سے تم پر پڑی۔ ورنہ وہ ہمارا گھونچو جمشید لالہ اس قابل کہاں۔ یہ تو لنگور کے پہلو میں حور والی بات ہو گئی۔ خیر بگڑا تو اب بھی کچھ نہیں ہے، اگر تم میرا ساتھ دو تو میں سب سنبھال لوں گا۔ تمہاری خاطر سلویٰ تو کیا کسی کو بھی چھوڑ سکتا ہوں۔ کہتے ہیں نا محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔" زارا ایک دم پیچھے ہٹتی دیوار سے جا لگی تھی۔ آگے پیچھے ساری راہیں مسدود۔

"دیکھو میرے منہ مت لگو۔" لرزتے لہجے پر قابو پائے وہ انگلی اٹھا کر بولی۔

"منہ ہی تو لگنا چاہتا ہوں۔" اس کی جسارت بڑھی تھی۔ زارا نے زناٹے دار تھپڑ اس کے چہرے پر دے مارا۔ غیور کو اس کی جرات پر حیرت اور طیش ایک ساتھ آیا۔ فاصلہ کم تھا وہ اس کو دبوچ ہی لیتا کہ دروازے پر کھٹکا ہوا۔

کھلے دروازے کے بیچ و بیچ تصویر کی مانند ایستادہ سلویٰ کے ہاتھ سے شاپنگ بیگز چھوٹ کر گر گئے۔ اس کی آنکھوں میں اس قدر دکھ بھری بے یقینی تھی کہ زارا کا دل چاہا بھاگ کر اس کے پاس جائے اور جھنجھوڑتے ہوئے اس کی غلط فہمی دور کر دے۔ لیکن قدم ہلنے سے انکاری تھے۔

شاطرانہ مزاج غیور جست لگا کر سلویٰ کے مقابل جا کھڑا ہوا۔ وہ گھاگ تھا اور عیار بھی، پلک جھپکتے اس نے اس ساری کہانی کا منظر بدل دیا۔ سلویٰ کی ساکت پلکیں لرزیں اور وہ بنا کچھ کہے الٹے قدم ہٹتی وہاں سے بھاگتی چلی گئی۔

لاؤنج بھرتا جا رہا تھا۔ بھانت بھانت کی بولیاں، الزام تراشیاں، جھوٹ۔۔۔ اس نے ساری بازی اپنے ہاتھ میں کر لی تھی۔ زارا چلا چلا کر سب کو اس کو اصلیت بتانا چاہتی تھی لیکن زبان گنگ تھی۔ یہ سب کچھ اس کی توقع سے زیادہ تھا۔

"لو بھابھی بیگم! دیکھ لیا خوب صورت بہو لانے کا انجام۔ پہلے ہمارے سیدھے سادے جمشید کو پھانس کر اپنا الو سیدھا کیا۔ اب میرے بیٹے پر ڈورے ڈالنے لگ گئی۔ اس معصوم نے تو ڈھکے چھپے لفظوں میں مجھے کئی بار بہو کے کرتوت بتانے چاہے لیکن میں ہر دفعہ گھر کی عزت کا سوچ کر اسے خاموش کرا دیتی۔ یہ کہاں خبر تھی کہ بہو ایک دن یوں اپنے جذبات کے ہاتھوں بے لگام ہو جائے گی۔"

کہانی تو بیٹے نے بن لی تھی اب اس پر پھند نے ثروت پھپھو نے ٹانک دیے۔

زارا نے شل ہوتے اعصاب کے ساتھ جمشید کو دیکھا۔

ساکت اور حیرت زدہ۔ زارا کو لگا وہ ساری زندگی ان آنکھوں سے آنکھیں نہیں ملا سکے گی۔

سب کچھ نہ کچھ بول رہے تھے۔ ایک وہ ہی چپ تھا۔ گھٹن تھی کہ بڑھتی جا رہی تھی۔ زارا قدم قدم چلتی ساکت کھڑے جمشید کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ اسے لگا اگر وہ آج نہ بولی تو شاید زندگی بھر بولنے کے قابل نہیں رہے گی۔

"یہ سب جھوٹ ہے۔ میرا یقین کریں۔" بہت دقتوں سے وہ محض اتنا ہی بول پائی۔

"ارے یہ کیوں یقین کرے گا تمہارا؟ تم نے منہ کالا کرنے سے پہلے کون سا....."

"بس!" جمشید گرجا تھا۔ "چپ کر جائیں آپ لوگ۔" ایک دم سناٹا سا چھایا تھا۔ "جھوٹ یہ شخص بول رہا ہے۔ کھوٹ زارا کے نہیں اس کے دل میں ہے۔" غیور کی طرف انگلی سے اشارہ کرتا وہ سرد ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "مجھے اپنی بیوی کی پاکدامنی پر پورا بھروسا ہے اگر آپ سب تو کیا پوری دنیا بھی آکر کہے، زارا کی نیت میں فتور ہے تو میں تب بھی یہی کہوں گا میری بیوی پاک باز ہے۔ اس کے دامن پر کوئی دھبہ نہیں۔" وہ بولا نہیں تھا اس نے زارا کے مردہ وجود میں جیسے جان ڈال دی تھی۔

اس کا دل چاہا وہ اس کے قدموں پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔

✡ ✡ ✡

ثروت پھپھو جاتے جاتے بھی بہت کچھ کہہ گئیں۔ "بھابھی بیگم اب تو اپنی آنکھیں کھول لیں آپ۔ جمشید میاں کی آنکھوں پر تو اس کی محبت کی پٹی بندھی ہے جو وہ آنکھوں دیکھی مکھی نگلنے کو بھی تیار ہیں مگر آپ تو کچھ ہوش کے ناخن لیجیے!" نبیلہ بیگم سر دونوں ہاتھوں میں تھامے سوچ میں ڈوب گئیں۔

"ہائے امی! مجھے تو سوچ سوچ کر ٹینشن ہو رہی ہے۔ شادی میں محض چند دن ہی تو رہ گئے ہیں اور اب یہ سارا فساد۔ میں جو بیگ بھر کر بہن کی شادی کا کہہ کر آئی تھی اب اگر خدانخواستہ شادی رک گئی تو کیا منہ لے کر جاؤں گی اپنے سسرال۔ کیسے کیسے طعنے نہ دیں گی وہ مجھے۔" حمرہ کا مارے پریشانی کے برا حال تھا۔

"واہ حمرہ آپی گریٹ! یاد ہے جب آپ کی نند کا رشتہ ٹوٹ گیا تھا تب آپ طنز کر کے ان کی بے بسی کے مزے لیتی رہی تھیں اگر اس مشکل وقت میں آپ ہمدردی کے دو بول بول کر ان کا غم بانٹ لیتیں تو آج آپ کو یہ خدشہ نہ ستاتا کہ آپ کی بہن کا رشتہ ٹوٹنے پر وہ لوگ آپ کی بے بسی کا مذاق اڑائیں گی۔ آپ کو یہ خوف نہ ہوتا کہ آپ کے ہی کہے الفاظ آج وہ آپ کے منہ پر ماریں گی۔"

بظاہر لاپرواہ نظر آنے والا ظفری گہری سنجیدگی سے کہتے تلخی سے سر جھٹکتا وہاں سے اٹھ گیا۔

حمرہ ہمیشہ کی طرح نہ تو اسے ڈپٹ سکی اور نہ ہی آنکھیں دکھا سکی۔ جب سچ سامنے آکر کھڑا ہو جائے تو آنکھیں یوں ہی جھک جایا کرتی ہیں۔ نبیلہ بیگم ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئیں۔

✡ ✡ ✡

گھر میں ویرانی سی اتر آئی تھی۔ نبیلہ بیگم سوچوں میں گم، ابا میاں کے سرد ہنکارے ابھرتے اور پھر جامد خاموشی چھا جاتی۔ سلویٰ اپنے کمرے میں بند تھی۔ زارا نے اس کے کمرے کے بند دروازے کو دیکھا اور کچھ سوچ کر اندر آگئی۔ سلویٰ آنکھیں موندے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ آہٹ پر اس نے سر اوپر اٹھایا پھر نظریں جھکا لیں۔

"سلویٰ تم بھی مجھے قصور وار سمجھتی ہو؟ کیا تمہیں بھی لگتا ہے میں گناہ گار ہوں؟" اس کے قریب بیٹھتے ہوئے زارا نے بھرائی آواز میں پوچھا۔ "تمہاری چپ میرے اندر احساس ندامت بڑھا رہی ہے۔ پلیز سلویٰ

کچھ تو بولو۔"

سلویٰ نے گہری سانس بھرتے ہوئے سر اوپر اٹھایا تھا اور بہت ٹھہرے لہجے میں بولی۔

"جو تھپڑ آپ نے اس دن اس کے چہرے پر مارا وہ مجھے بہت پہلے ہی اس کے منہ پر مار دینا چاہیے تھا۔"

زارا نے بے ساختہ اسے گلے سے لگا لیا۔ "وہ تمہارے قابل نہیں تھا کبھی بھی اس کے چھن جانے پر افسردہ مت ہونا۔" اس کی پیٹھ سہلاتی وہ نم لہجے میں بول رہی تھی۔ سلویٰ کی پلکیں بھیگتی چلی گئیں۔

زارا بہت ہلکی پھلکی ہو کر باہر نکلی تھی۔ دل پر جو بوجھ پڑا تھا وہ ہٹ گیا تھا۔ جمشید کی تلاش میں وہ طویل راہ داری طے کر کے زینہ چڑھتی بالکونی میں آ گئی۔ وہ اس کی جانب پشت کیے کھڑا تھا۔ زارا کو اس سے بہت کچھ کہنا تھا۔ الوہی سی مسکراہٹ نے اس کے سارے چہرے کا احاطہ کر رکھا تھا۔ محبت کی دلفریب خوشبو کہیں بہت قریب سے پھوٹتی دور تک پھیل گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھتی۔ جمشید پلٹا۔

"جو ضروری سامان پیک کرنا ہے کر لو میں تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔" زارا نے ششدر سا ہو کر اس کا چہرہ دیکھا۔ محبت کے خوشنما پرندے نے اپنے پر سمیٹ لیے تھے۔

"آپ مجھے گھر سے جانے کو کہہ رہے ہیں؟"

"ہاں۔" وہ دھڑام سے نیچے آ گری تھی۔ ابھی تو وہ ٹھیک طرح سے خوش بھی نہیں ہو پائی تھی۔ کہ لگا کسی نے اس کے دل پر پاؤں سا رکھ دیا ہو۔ اس کی حالت سے بے خبر وہ پیٹھ موڑے کہہ رہا تھا۔

"میں غلط تھا... مجھے لگا میری محبت اتنی زور آور ہے کہ ایک دن اس کے آگے تمہاری ضد، جھوٹی انا، نام نہاد نفرت سب ہار جائے گی لیکن میں غلط تھا۔ تم تو آج بھی اسی مقام پر کھڑی ہو۔ شاید میرے جذبوں میں ہی کوئی کمی تھی جو یہ تمہارے دل کے بند کواڑ نہیں کھول پائے بلکہ محبت تو در کنار میں تو تمہاری عزت کی حفاظت بھی نہیں کر سکا۔ میری وجہ سے تمہیں اپنے بارے میں اتنا کچھ غلط سننے کو ملا۔ میں اپنی محبت سے دستبردار نہیں ہو سکتا لیکن تمہیں مزید اپنے ساتھ زبردستی خوار کرنے کا بھی ارادہ نہیں رکھتا۔ تمہاری زندگی میں تمہاری مرضی زیادہ اہم ہونی چاہیے۔"

"بہت خوب جمشید صاحب!" وہ گھوم کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ سینے پر بازو باندھے، اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے۔ "آپ کو کیا لگتا ہے میں کوئی کٹھ پتلی ہوں جب آپ کا دل چاہے گا مجھے اپنی زندگی میں شامل کر لیں گے اور جب دل چاہے گا ہاتھ پکڑ کر نکال باہر کریں گے۔ بس یہی تھی آپ کی محبت؟ لیکن لازمی نہیں ہے ہر بار آپ کی ہی منشا پوری ہو۔ میں اس گھر میں اپنی مرضی سے نہیں آئی تھی لیکن اب میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گی۔ کبھی بھی نہیں، سن لیا آپ نے...." منہ پر ہاتھ رکھے سسکیاں دباتی وہ دھڑا دھڑ زینہ اترتی چلی گئی۔

اب ششدر ہونے کی باری جمشید کی تھی۔

☼ ☼ ☼

ثروت پھپھو کی آمد نے ساکت پانی میں کنکر پھینکے جانے والی ہلچل پیدا کر دی تھی۔ اس وقت وہ ابا میاں کے کمرے میں تھیں۔ نبیلہ بیگم، حمرہ، جمشید، ظفری سب وہیں تھے۔ رہ گئی زارا تو اس کی ہمت ہی نہیں ہوئی اندر جانے کی۔

اندر ثروت پھپھو کہہ رہی تھیں۔ "بھائی میاں! جو کچھ ہوا بس اس پر مٹی ڈالیں۔ گھر کی بات گھر میں ہی رہ جائے تو اچھا ہے۔ جب جمشید میاں ہی آنکھوں دیکھی مکھی نگلنے کو تیار ہیں تو ہم تم کون ہوتے ہیں اعتراض کرنے والے۔ کیسی دل کو چیرتی ویرانی ہے۔ لگتا ہی نہیں شادی والا گھر ہے۔ میں آج یہی کہنے آئی ہوں بس آپ لوگ اپنے دل کو سنبھالیں۔ خیر سے میرے بیٹے کی شادی نپٹ جائے پھر آپ جانیں اور آپ کی بہو۔" ثروت پھپھو نے بات مکمل کر کے تائیدی نظروں سے بھائی اور بھابھی کو دیکھا۔

نبیلہ بیگم نے خود کو اتنا بے بس زندگی میں پہلے بھی

نہیں پایا تھا۔ انہوں نے شوہر کا پُرسوچ چہرہ دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتے نپے تلے قدم اٹھاتی سلویٰ چلی آئی۔

"ابا! میں یہ شادی نہیں کروں گی۔" بنا کسی کی طرف دیکھے وہ ابا میاں کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔ مؤدب لہجہ' قطعی انداز۔

"ہائے ہائے بیٹا! یہ کیا کہہ رہی ہو؟ کرے کوئی بھرے کوئی۔ تمہیں کاہے کو اعتراض ہونے لگا شادی پر اب۔"

"پھپھو! میں اپنے ابا سے بات کر رہی ہوں۔" سلویٰ کا انداز نہیں بدلا تھا۔ پھپھو جز بز ہو کر رہ گئیں۔

"ہولیں ابا! کیا آپ محض اس خوف سے کہ لوگ کیا کہیں گے مجھے ایسے شخص کے ساتھ رخصت کر دیں گے جو بدکردار ہے۔ جس کے دل میں فتور اور نیت میں کھوٹ ہے' جو رشتوں کے تقدس کا بھرم رکھنا نہیں جانتا۔ کیا آپ سب کچھ جانتے بوجھتے محض دنیا کے خوف سے ساری زندگی کے لیے مجھے سولی پر چڑھا دیں گے؟" دو زانو ہو کر ان کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھے' سر اٹھائے وہ پوچھ رہی تھی۔

"نہیں ہرگز نہیں!" ابا نے ہاتھ اس کے سر پر رکھا تھا وہ ان کے ہاتھوں پر ماتھا ٹکائے رو دی۔

"ہائے بھائی میاں! یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ یہ تو بچی ہے نا سمجھ ہے' اسے کیا پتا عین وقت پر شادی رک جائے تو کیسی کیسی بدنامیاں نہ جھیلنی پڑیں گی۔ آپ ہی کچھ ہوش کے ناخن لیں۔ غیور نے بتایا تو ہے' بہو نے اس پر ڈورے ڈالنے چاہے۔"

"پھپھو! آپ کا بیٹا جھوٹ بول رہا ہے اور یہ آپ بھی جانتی ہیں۔" سلویٰ نے اس انداز میں کہا کہ پھپھو ایک دم چپ رہ گئیں۔ ہاتھ کی پشت سے گیلے رخسار رگڑتی وہ باہر نکل گئی تھی۔ پیچھے بولنے کو کچھ نہیں بچا تھا۔

☆ ☆ ☆

ٹیرس پر کرسی ڈالے' آسمان کی وسعتوں پر نگاہیں جمائے وہ سگریٹ پھونک رہا تھا۔ زارا شاکڈ رہ گئی۔ وہ اسموکنگ کرتا ہے' یہ بات وہ آج جان پائی تھی۔ چند ثانیے اس کی پشت کو تکتی یوں ہی کھڑی رہی پھر آہستہ سے قدم اٹھاتی قریب چلی آئی۔ اتنی بے تکلفی نہیں تھی کہ اس کی کرسی کی پشت تھام لیتی۔ دو قدم کے فاصلے پر وہ رک گئی تھی۔ جمشید نے گردن موڑ کر دیکھا پھر سابقہ انداز میں نظریں سامنے جما دیں۔ زارا نے انگلیاں چٹخائیں۔

"کافی پییں گے؟"

"میں کافی نہیں پیتا۔" اسے ایک دم ڈھیر ساری شرمندگی ہوئی۔ وہ بھلا کہاں جانتی تھی اس کی پسند ناپسند کے بارے میں۔

"چائے؟" ہمت کر کے پھر پوچھا۔

"طلب نہیں ہے۔" سگریٹ کا ادھ جلا ٹکڑا وہ پیروں تلے مسل رہا تھا۔ زارا مایوس لوٹ آئی۔

اس بار وہ امی کے ہاں آئی تو مومنہ اسے دیکھ کر چونک گئی۔ "تمہاری آنکھیں آج کون سے بھید کھول رہی ہیں زارا؟"

"مجھے جمشید سے محبت ہو گئی ہے بھابھی! بہت شدید قسم کی محبت۔" زبان نے بھید کھول دیا تھا۔

"اور تم اس بات کا اعتراف کسی جرم کی طرح کر رہی ہو۔" مومنہ خوش گوار سا مسکرائی۔

"کیونکہ میں نے سب کچھ کھو دیا ہے۔" مومنہ کی مسکراہٹ سمٹی۔ اور زارا بولتی چلی گئی۔

"انہوں نے مجھے میری نظروں میں معتبر کیا۔ اس وقت وہ ایک قیامت ہی تو تھی' جب سب بیچ چوراہے مجھے سنگسار کر رہے تھے' لیکن ان کے لفظوں نے میرے مردہ تن میں جان ڈال دی۔ جب وہ سب میرے کردار پر انگلی اٹھا رہے تھے تو انہوں نے کہا۔ "میری بیوی پاک دامن ہے' مجھے اس پر بھروسا ہے۔" انہوں نے نہ تو مجھ سے کوئی وضاحت مانگی' نہ کوئی بحث یا دلیل' لیکن ایسا مان' ایسا بھروسا۔۔۔ میں پھر سے جی اٹھی بھابھی! میری ہر خواہش' ہر ضرورت کو وہ بنا کہے پوری کر دیتے اور میں آج تک یہ بھی نہیں جان پائی کہ

وہ کافی نہیں' چائے پیتے ہیں۔ وہ کیا چاہتے ہیں' کیا نہیں' مجھے یہ جاننے سے کبھی کوئی سروکار نہیں رہا۔"

"تو اب جان لو' اس میں کیا مشکل ہے؟"

زارا نے تاسف سے نفی میں سرہلایا۔ "آپ کہتی تھیں ناوہ عام مردوں سے بہت مختلف ہیں' آپ سچ کہتی تھیں' لیکن میں نے یہ بات سمجھنے میں بہت دیر کردی۔"

"تم اپنی جھولی میں بے اعتباری' عدم تحفظ اور شاید ناپسندیدگی کے کانٹے لے کر گئی تھیں' لیکن اب جو دل کی بستی میں محبت کی کلی چٹکی ہے' اس کی مہک ہر ناپسندیدہ جذبے پر حاوی ہو جائے گی۔ کچھ نہیں بگڑا زارا۔ بھلا محبت کرنے والے بھی کبھی ہارا کرتے ہیں۔"

زارا پہلی بار مسکرائی تھی۔

✡ ✡ ✡

"پھپھو! آپ کے لیے کھانے کو کچھ لے آؤں؟"

نبیلہ بیگم کو لاؤنج میں سوچوں میں ڈوبا دیکھ کر وہ ان کے پاس چلی آئی۔ سامنے ٹی وی چل رہا تھا' لیکن ان کا دھیان کہیں اور تھا۔ زارا نے انہیں ہمیشہ بارعب آواز میں حکم چلاتے دیکھا تھا۔ لیکن جب سے سلویٰ کا رشتہ ٹوٹا تھا' وہ یوں ہی پہروں چپ چاپ سوچوں میں گم رہتیں۔ عین شادی کے وقت بیٹی کا رشتہ ٹوٹ جانا انہیں گہرے صدمے سے دوچار کر گیا تھا۔

کیسے کیسے سوال نہ اٹھے' خاندان بھر میں چہ مگوئیاں' جتنے منہ اتنی باتیں۔ یہ تو وہ بھی جانتی تھیں' سچی بات پر پردہ ڈال کر شادی رکنے کے انہوں نے جتنے بھی جواز گھڑے تھے سب بودے اور بے وزن تھے۔ لیکن اس کے علاوہ ان کے پاس اور چارہ ہی کیا تھا۔ جمشید کا اپنی بیوی پر اس قدر بھروسا اور سلویٰ کا پر اعتماد قطعی فیصلہ۔ شاید وہ اپنے فیصلوں میں اپنے بچوں کی طرح شفاف نہیں تھیں۔

چونک کر سامنے کھڑی زارا کو دیکھا جو مؤدب سی پوچھ رہی تھی۔ "آپ کے لیے کھانے کو کچھ لے آؤں؟" انہوں نے آہستہ سے نفی میں سرہلایا اور پیشانی مسلی۔

زارا پلٹ کر کچن میں چلی گئی۔ چائے بنائی اور بھاپ اڑاتا مگ انہیں پکڑایا۔ خود ریموٹ اٹھا کر دوسرے صوفے پر چینل بدلنے لگی۔ نبیلہ بیگم جن نظروں سے آج اسے دیکھے جارہی تھیں اسے عجیب سا احساس ہوا۔ ایسے تو انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

چائے کا کپ لبوں سے لگاتے نبیلہ بیگم نے سوچا۔

"ہم مائیں بھی کتنی عجیب ہوتی ہیں۔ بیٹیوں کی خوشیوں کے لیے دعائیں مانگتے نہیں تھکتیں اور بیٹوں کی خوشی پر خود ساختہ عدم تحفظ کا شکار ہو جاتی ہیں۔ پرائی بیٹی کے آنے پر اپنے بیٹوں کو کیوں پرایا کردیتی ہیں۔ اور یہ زارا کتنی معصوم اور سادہ دل ہے۔ حمرہ کی الٹی سیدھی باتوں میں آکر میں نے اسے جمشید سے دور رکھنے کے کیا' کیا جتن نہ کیے۔ پرائی بیٹی کے لیے گڑھا کھودتے میں یہ کیوں بھول گئی کہ میری اپنی بیٹیاں بھی تو خدا سے دور نہیں۔"

زارا پر نظریں جمائے وہ مسلسل سوچے گئیں۔

"پھپھو! کیا سر میں زیادہ درد ہے؟" ان کی نظروں سے الجھن محسوس کرکے اس نے ٹی وی آف کرکے ریموٹ رکھ دیا تھا۔

"نہیں بیٹا! چائے پیتے ہی درد کم ہوگیا۔" وہ شاید پہلی بار اس طرح مسکرائی تھیں۔

✡ ✡ ✡

جدید طرز پر بنے اس شان دار سے گھر میں جہاں نعمتوں کی فراوانی تھی' وہیں سلیقے کا شدید فقدان بھی تھا۔ سب اس سوچ کے حامل تھے کہ اگر سب کچھ ملازموں کے سر پر کھڑے ہو کر ہی کروانا ہے تو پھر ملازم رکھنے کا کیا فائدہ' بندہ خود ہی کام کرے۔ یہی وجہ تھی کہ جز وقتی ملازمہ اوپر اوپر سے جھاڑ پونچھ کرکے چلی جاتی۔ کھانا اور روٹیاں وغیرہ پکانے کے لیے جو عورت رکھی گئی تھی وہ بھی مالکوں کی عدم توجہی اور لاپروائی کی وجہ سے اپنی مرضی سے سالن میں مرچ' مسالے

جھونکتی اور روٹیاں تھوپ کر چلی جاتی۔ یہ ہی حال وسیع و عریض لان کا تھا' جس میں خوب صورت پھول' پودوں سے زیادہ جھاڑ جھنکاڑ کی بہتات تھی۔

زارا کا خون کھولا' چیختا تو گھر میں پھیلی ابتری کا عالم دیکھ کر کمر کستی خود میدان میں اتر آئی۔ جمشید کی محبت نے اس کے وجود کو معطر کر کے پھولوں کی طرح ہلکا پھلکا کر دیا تھا۔ اس نے نہ صرف اس گھر' اس کے مکینوں کو دل سے اپنا مانا بلکہ ان کا سب کچھ دل سے اپنا بھی لیا۔

جمشید کے کام اپنے ہاتھوں سے کرتے وہ اتنے خوش گوار محسوسات سے دوچار ہوتی کہ اسے وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہوتا۔ اس کی توجہ اور سلیقہ مندی کی بدولت گھر میں جو واضح تبدیلی آئی اس نے افراد خانہ کو خوش گوار حیرت سے دوچار کیا تھا۔

پانی کی موٹی دھار سے پودوں کو نہلاتی وہ حیران کھڑے مالی کو دیکھ کر مسکرائی تھی۔ "مجھے کسی نے کہا تھا یہاں کے پھول' پودے میری ذرا سی نظر التفات سے کھل کر جھوم اٹھیں گے اور انہوں نے ٹھیک ہی کہا تھا۔"

پائپ مالی کے ہاتھ میں تھما کر گیلے پائنچے جھٹکتی وہ سیڑھیوں کی جانب سے بڑھ گئی۔ اس بات سے بے خبر کہ باڑھ کے اس پار کرسی ڈالے جمشید نے اس کا لفظ لفظ بخوبی سن لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

نبیلہ بیگم حیرت زدہ سی عمارہ خاتون کو دیکھے گئیں۔ جو رشتے میں ان کی چچیری بہن تھیں۔ برسوں بعد ان کی آمد نبیلہ بیگم کو وہ بھولا بسرا واقعہ یاد دلا گئی۔ جب انہوں نے اپنے بیٹے شہریار کے لیے سلوی کا رشتہ مانگا تھا۔ نبیلہ بیگم کو پڑھے لکھے' سنجیدہ' برسر روزگار شہریار کے رشتے سے انکار کر کے حقیقتاً" افسوس ہو رہا تھا' لیکن اس وقت وہ سلوی کی بات غیور کے ساتھ تقریباً" طے کر چکی تھیں۔ دل کے کسی نہاں خانے میں اس خیال نے بھی چٹکی کاٹی کہ شہریار غیور کے مقابلے میں ہر لحاظ سے بہترین تھا' لیکن وہ اپنے قول سے پھرنے

والوں میں سے نہیں تھیں۔ ویسے بھی غیور اور سلوئی کا رشتہ انہوں نے اپنی ایما پر طے کیا تھا۔

عمارہ خاتون گو کہ شہر سے باہر رہائش پذیر تھیں، لیکن خاندانی معاملات سے بے خبر نہیں تھیں۔ انہوں نے ایک بار پھر نبیلہ بیگم سے ـــــ شہریار کے لیے سلوی کا ہاتھ مانگا۔ "کیا دل کی کثافتیں دور کرنے سے خدائے مہربان یوں ہی سیدھی، شفاف راہیں نکال کر سامنے رکھ دیتا ہے؟"

ڈبڈبائی آنکھوں سے نبیلہ بیگم کا دل سجدۂ شکر بجا لایا تھا۔ "میں جمشید اور اس کے والد سے مشورہ کرکے ہی آپ کو کوئی جواب دے سکوں گی۔"

"ہاں... ہاں کیوں نہیں، ضرور مشورہ کریں، بس یہ دھیان میں رکھیے گا کہ اس بار ہمیں جواب ہاں میں چاہیے۔"

سلوی اور زارا چائے اور دیگر لوازمات کے ساتھ اندر داخل ہوئی تھیں۔ عمارہ خاتون سلوئی پر ایک پیار بھری نظر ڈالتے کہہ رہی تھیں۔ زارا نے چپکے سے مسکراتے ہوئے گرم جوشی سے اس کا ہاتھ دبایا تھا تو وہ ہولے سے مسکرادی۔

نبیلہ بیگم اپنے فیصلوں میں خود مختار رہی تھیں۔ چھوٹے بڑے کسی بھی معاملے میں انہوں نے شوہر سے مشورہ کرنے یا اجازت طلب کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ انہوں نے اپنے گھر میں باپ، بھائی کو ہمیشہ عورتوں پر حکم چلاتے دیکھا تھا۔ اس خوف سے کہ ان کا مجازی خدا بھی انہیں جوتی کی نوک پر رکھے، وہ خود ان پر حاوی ہوتی چلی گئیں۔ گوکہ دل میں معترف تھیں کہ اقبال احمد ان مردوں میں سے نہیں، جو بلاوجہ عورتوں پر حکمرانی جتاتے ہیں، لیکن اب سوچ کے کئی در وا ہو رہے تھے۔

"پھر آپ کیا کہتے ہیں اس بارے میں؟" انہوں نے شاید پہلی بار کسی معاملے میں اقبال صاحب سے رائے مانگی تھی۔ وہ اگر حیران ہوئے بھی تھے تو ظاہر نہیں کیا۔

پہلے پہل نبیلہ بیگم کی عدم توجہی اور ان کی نہ دیکھا دیکھی بچوں کا بھی اپنے باپ کو نظرانداز کرنا انہیں چڑچڑا بنا گیا تھا۔

"جو آپ کو مناسب لگے۔"

"نہیں، آپ باپ ہیں اس کے، آپ کی رائے اتنی ہی اہم ہے جتنی کہ میری، آپ کی رضامندی کے بغیر میں انہیں کوئی حتمی جواب نہیں دوں گی۔" کتنا ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھیں وہ اس وقت خود کو، اقبال صاحب مسکرانے لگے۔

☼ ☼ ☼

آگے کے سارے معاملات بہت خوش اسلوبی سے طے ہوتے چلے گئے۔ عمارہ خاتون جلد شادی کی خواہاں تھیں۔ یوں جھٹ منگنی پٹ بیاہ والا معاملہ ہوا۔ نبیلہ بیگم نے بھی تقریباً" ساری تیاری مکمل کر رکھی تھی۔ اس لیے انہوں نے ٹالنا مناسب نہیں سمجھا۔ گھر میں خوشی کے شادیانے گونج اٹھے تھے۔ اس بار کایا پلٹ یہ ہوئی کہ شادی کے سارے فنکشنز میں حمرہ کے سسرال والے پیش پیش رہے۔ حمرہ خود ہر معاملے میں ان کو آگے کر رہی تھی۔ بے جا بغض، عناد اور تعصب کو دل سے نکال دیں تو رشتوں میں خود بخود پُرخلوص سی چاشنی گھل جاتی ہے۔ خوبرو شہریار کے پہلو میں دلہن بنی سلوئی کے چہرے پر پھیلا سکون نبیلہ بیگم کو طمانیت سے دوچار کر گیا تھا۔

ولیمے پر زارا نے گہرے سرخ رنگ کی بھاری کامدار فراک اور چوڑی دار پاجامہ پہن رکھا تھا۔ ڈارک ریڈ لپ اسٹک، دائیں کلائی میں کھنکتی سرخ چوڑیاں، سنہری سلکی بالوں کو سیٹ کرکے بائیں کندھے پر ڈالا اور جھک کر سینڈل کے اسٹریپ بند کرنے لگی۔ وہ پہلی بار یوں دل لگا کر تیار ہو رہی تھی۔

کمرے میں داخل ہوتا جمشید اسے دیکھ کر ٹھٹکا تھا۔ پھر دانستہ نظرانداز کرکے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا ہو کر خود پر پرفیوم اسپرے کرنے لگا۔ زارا سیدھی ہوئی تو خود کو اس کے پہلو میں کھڑے پایا۔ اس کے وجود سے اٹھتی خوشبو جمشید کو اپنے حواسوں پر چھاتی محسوس

ہوئی۔ اس سے پہلے کہ وہ پلٹ جاتا‘ زارا نے بے ساختہ اسے پکارا۔

”سنیے‘ اگر زحمت نہ ہو تو پلیز مجھے یہ پہنا دیں گے؟“

ننھے منے ڈائمنڈ والا جگمگاتا بریسلیٹ اس کے سامنے ہتھیلی پر رکھے وہ معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔ جمشید نے بریسلیٹ اٹھایا تو زارا نے کلائی آگے کردی۔

”دیکھیے ذرا دھیان سے پہنائیے گا۔ میرے شوہر نے مجھے دیا تھا‘ میرے لیے بہت خاص ہے۔“

”جب ہی اتنے عرصے سے دراز میں پھینک رکھا تھا۔“ بے ساختہ وہ کہہ گیا۔ زارا نے دل میں شکر کیا‘ وہ کچھ تو بولا۔

”کچھ خاص چیزیں خاص وقت کے لیے ہی سنبھال کر رکھی جاتی ہیں‘ ورنہ ان کی قدروقیمت کا اندازہ نہیں ہوتا۔“ جمشید نے اس کے جھکے سر کو دیکھا۔ وہ لب کاٹتے کہہ رہی تھی۔

”اگر کوئی اپنے کیے پر نادم ہو کر معافی مانگنا چاہے تو وہ اپنی شرمندگی کا اظہار کس طرح کرے کہ سامنے والا پورے دل سے اسے معاف کردے۔ کان پکڑ کر‘ ہاتھ جوڑ کر یا پھر پیروں پر ہاتھ رکھ کر؟ بتائیں جمشید! میں سب کچھ کرنے پر تیار ہوں۔“

”سب ہی کچھ کرنے پر تیار ہو ماسوائے محبت کے دو لفظ بولنے کے‘ ہے نا؟“ وہ نروٹھے پن سے بولا تو زارا نے ایک دم جھکا سر اوپر اٹھایا اور زیرلب دہرایا۔

”محبت؟ آپ محبت کی بات کرتے ہیں۔ آپ کے جس سحر میں‘ میں مبتلا ہوئی ہوں وہ محبت سے بھی اوپر کی چیز ہے۔“ کلائی میں جگمگاتے بریسلیٹ کو نرمی سے چھوتے وہ کہہ رہی تھی۔

”مجھے تو آپ نے اسی دن بے مول خرید لیا تھا‘ جب سب مجھ پر طرح طرح کے الزامات لگارہے تھے‘ لیکن آپ نے میرا اعتبار کیا۔ جانتے ہیں اس وقت میں نے کسی کو صفائی نہیں دی‘ نہ اپنا یقین دلانے کے لیے قسمیں کھائیں‘ لیکن جب آپ پر میری نظر پڑی‘ مجھے لگا دنیا کچھ نہیں‘ میرے لیے آپ کا بھروسا‘ آپ کا اعتبار ہی سب کچھ ہے۔ تب مجھے سمجھ میں آیا سب کچھ چھوڑ کر میں اس وقت آپ کے سامنے کیوں آ کھڑی ہوئی تھی۔ مجھے صرف آپ کا اعتبار چاہیے تھا۔“

بوجھل پلکیں جھپک کر وہ آنسو اپنے اندر اتارنے کی سعی کررہی تھی۔ ایک بے صبرا آنسو لڑھک کر گال پر پھسل گیا۔ جمشید نے بہت محبت سے اپنی انگلی کی پور سے وہ چن لیا تھا۔

”مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہیں... میں آپ سے محبت کرنے لگی ہوں... شدید محبت۔“

”اتنی سی بات کہنے میں اتنا وقت لگا دیا زارا۔“ جمشید نے بازو پھیلا کر اسے اپنے حصار میں لے لیا۔

”اچھا سنو۔“ گمبھیر لہجے میں وہ اس کے کان کے بہت پاس سرگوشی کررہا تھا۔ زارا کی دھڑکنوں نے قیامت سی مچادی۔

”ٹائم ملے تو ذرا ڈریسنگ روم کی تفصیلی صفائی تو کردینا‘ قسم سے رات کو مچھر سونے نہیں دیتے۔“

”کیا؟“ زارا چلائی۔

”او یار آہستہ! کان کے پردے پھاڑو گی کیا؟ اور اگر صفائی کرنے سے اتنی ہی جان جاتی ہے تو مجھ کمرہ بدر کو اپنے کمرے میں سونے کی اجازت ہی عنایت فرمادو۔“ وہ اس کے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھتے ہوئے شرارت سے کہہ رہا تھا۔

زارا نے مسکراتے ہوئے سر اس کے سینے پر رکھ دیا۔

✡

سرورق کی شخصیت

ماڈل	میشاء مغل
میک اپ	روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافی	موسیٰ رضا

ام ایمان قاضی

"آہا' گھر کی بنی مزیدار ٹھنڈائی' جیو بھابھی! دودھو نہاؤں پوتوں پھلو! ایسے ہی کہتے ہیں ناں ایسے موقعوں پر؟ ٹھنڈی ٹھار ٹھنڈائی کے دو گلاس لے کر اس نے آمنہ سے کہا تو اس نے پیار سے اس کے کندھے پر دھپ رسید کی۔

"شہر جا کر بالکل ہی بے شرم ہو گئے ہو سدیس۔" شرم سے آمنہ کا چہرہ لال ہو گیا۔

"لو اس میں شرم کی یا شہر سے تعلق ہونے کی کوئی بات ہی نہیں۔ ہے۔ ابھی پرسوں ہی تو ابا نے بھائی کے رشتہ کے پکے ہونے کی خوش خبری سنائی ہے مجھے۔ عید کے بعد خیر سے شادی کا پروگرام ہے۔۔۔ میں تو کہتا ہوں لگے ہاتھوں اپنی نک چڑھی بہن کو بھی نپٹا ڈالو ایک خرچے میں دو شادیاں نپٹ جائیں گی۔ لڑکا بھی کوئی ادھر ادھر سے برآمد ہو جائے گا ذرا ڈھونڈیں گے تو ویسے ہے کدھر وہ' تین گھنٹے ہو گئے مجھے آئے ہوئے نظر نہیں آئی ورنہ اس کے پھٹے ڈھول جیسی آواز تو جیسے ہی پکی سڑک اتر کے آؤ' کان پھاڑنے لگتی ہے۔"

"وہ تو دو دن ہوئے شہر گئی ہوئی ہے۔ ماموں آئے تھے لینے' عرشی کی منگنی ہے اگلے ہفتے تو ممانی نے بلوا بھیجا ہے۔ عرشی کے ساتھ مل کر کچھ تیاری وغیرہ کروانی تھی۔" جگ گلاس اٹھا کر لے جاتی آمنہ نے مگن سے انداز میں کہا۔ یہ جانے اور دیکھے بغیر کہ آیت کے نہ ہونے کی خبر سے کیسے اس کا چہرہ اتر سا گیا تھا۔

✲ ✲ ✲

"اف کتنے خوب صورت کپڑے ہیں!" رنگ برنگے جھلملاتے جدید طرز کے کپڑوں پر اس نے

ناولٹ

جگمگاتی نظر ڈالی۔

"پسند آئے ہیں ناں! میں نے اپنی بیٹی کے لیے بنوائے ہیں اور بھئی سچ پوچھو تو میں دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ آخر آیت کو ہماری ایسی کون سی بات بری لگی کہ اس نے پلٹ کر تین ماہ خبر ہی نہیں لی۔ ایک دوبار کال کرنے کی کوشش کی مگر پتا چلا کہ سگنل اتنے کم ہیں تمہاری گاؤں کی سائیڈ پر کہ بات ہی نہیں ہو سکتی۔

تمہارے ماموں تو ماموں، بہنیں بھی اداس ہو گئی تھیں تمہارے بنا۔" ممانی نے ہمیشہ کی طرح شفقت سے کہا تو اتنی توجہ اور محبت پر آیت کھل اٹھی۔

"ارے نہیں ممانی! ناراضی کی تو بات ہی نہیں تھی۔ پندرہ دن تو رہ کر گئی تھی یہاں پھر آمنہ ہے ناں، میرے بغیر اداس ہو جاتی ہے۔ ماں کو تو ہم نے کبھی دیکھا ہی نہیں شعور میں۔ ابا کے گزر جانے کے بعد ہم بہنیں ہی ایک دوسرے کا سب کچھ ہیں۔ ویسے تو تایا، تائی، جلیس۔ سدیس بھائی سب گھر والے بے حد اچھے ہیں، خیال رکھنے والے مگر اپنی بہنوں کی تو بات ہی الگ ہوتی ہے ناں۔ میں اس سے لڑتی بھی بہت ہوں، ناراض بھی جلدی ہو جاتی ہوں مگر آمنہ کے بغیر میں بھی جلدی اداس ہو جاتی ہوں۔" بہن کے ذکر پر اس کے چہرے پر روشنی سی پھیل گئی تھی۔

"بالکل بیٹا! یہ تو رشتہ ہی ایسا ہے دل سے جڑا ہوا۔ تمہارے ماموں آج تک اپنی بہن کو یاد کر کے روتے ہیں۔ اتنی ہی عمر لکھوا کے آئی تھی بے چاری ورنہ جانے کی عمر تو نہ تھی اس کی۔ اصل میں لاڈوں پلی تھی، شہری سہولیات اور آسائشات کی عادی، تمہارے ابا کی اچھی شکل صورت پر مر مٹی تھی ورنہ رشتوں کی کمی تھوڑی تھی اسے۔ تمہارے ابا کو اللہ بخشے خود خیال کرنا چاہیے تھا کہ دیہات کی مشکل زندگی کیسے برداشت کر پائے گی وہ مگر اس بھلے مانس کی ایک ہی ضد تھی کہ رہنا ہے تو میرے ساتھ گاؤں میں ہی رہنا ہے۔ بس شادی کے بعد پانچ سال بمشکل زندہ رہی۔" ممانی نے ایک بار پھر وہی ذکر چھیڑ کر اسے اداس کر دیا تھا۔

اس بے مہر لڑکی کا انتظار کرتے کرتے آخر اس کی ایک ہفتہ کی چھٹیاں تمام ہوئی تھیں مگر اس نے شاید اپنی کزن کی منگنی میں شرکت کر کے ہی واپس آنا تھا۔ وہ نکلنے ہی والا تھا جب تائی اماں ایک چھوٹے سے بیگ کے ہمراہ اندر آئی تھیں۔

"سدیس بچے! یہ کچھ کپڑے میں نے تیار کروائے ہیں آیت کے لیے۔ یہ دینے ہیں اس کو جا کر، بتاؤ بھلا ایسی بھی کیا بوکھلاہٹ کہ اٹھ کے ماموں کے ساتھ چل دی۔ نہ بتایا کہ منگنی میں شرکت کرے گی نہ کوئی تقریب کے لیے تیاری کی۔ وہ تو کل پرسوں آمنہ کو اس کی مامی نے فون کر کے منگنی کا دعوت نامہ دیا۔ آمنہ تو میرے کہنے کے باوجود بھی نہیں جا رہی شہر، یہ تم ہی جاتے ہوئے اس کا کچھ سامان لے جاؤ اور یہ آیت کے ہاتھ میں لفافہ سنبھال کے دے دینا۔ تحفہ کے لیے اپنی ممانی کو دے دے گی۔ وہ تو خود بچی ہے، ایسی نزاکتوں کا اسے کہاں خیال ہو گا۔ تم تو جا ہی رہے ہو شہر۔ تمہارے ابا کو اتنا لمبا سفر نہ کرنا پڑے۔ بس ایک ہی بار اسے منگنی کے بعد لینے کے لیے چلے جائیں گے۔"

وہ جو اسے اس بار نہ دیکھ سکنے کی حسرت لیے جا رہا تھا۔ مطمئن ہو گیا کہ چلو اس بہانے اس پاگل اور سر پھری سے ملاقات ہو جائے گی جسے احساس تک نہ تھا کہ کوئی اسے دل کی تمام شدتوں سے چاہتا ہے اور اپنے تھیسز کے تکمیلی مراحل میں سب چھوڑ چھاڑ کر اپنے پروفیسر سے ارجنٹ چھٹی لے کر صرف دل کی خاطر چلا آیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ممانی ڈھیروں کام اس کے حوالے کر کے عرشی کے ہمراہ پارلر سدھاری تھیں۔ جبکہ زاشی گھر پر تھی۔ آیت جلدی جلدی ان تمام سوٹوں اور گفٹس کو مہارت سے پیک کر رہی تھی جو عرشی کے سسرال والوں کو دیے جانے تھے۔

"یہ تم ایسے کیسے سب کچھ منٹوں میں کر لیتی ہو۔ اس قسم کے سینے پرونے کے کام ہوں یا کوکنگ، سب

میں ایکسپرٹ۔" اپنے ناخن فائل کرتی زاشی نے رشک سے کہا، پھر خود ہی اپنی اس کیفیت کو پیچھے دھکیل کر نخوت سے بولی۔

"تم لوگوں کے پاس کوئی اور آپشن بھی تو نہیں ہے۔ بس کام 'کام' کام' نہ کوئی سوشل ایکٹیوٹی نہ کوئی پڑھائی' نہ گیدرنگ اور نہ ہی پارٹیز۔"

"جی نہیں زاشی باجی! آمنہ مجھ سے صرف ایک سال بڑی ہے مگر پچھلے ہی سال اس نے شاندار ڈویژن میں بی۔ اے کیا ہے۔ اب ایم اے انگلش کرنے کا ارادہ رکھتی ہے' میرا بھی ایک دو ماہ میں بی اے کے امتحان متوقع ہے۔ ماسٹرز تو ان شاء اللہ میرا بھی ڈن ہے۔ مگر کام کے لیے کوئی خلاصی نہیں ہے۔ تائی کہتی ہیں کام عورت کا زیور ہے اور کام کے بنا بھلا عورت کیا عورت ہوئی؟ بہت سخت ہیں ہماری تائی اس معاملے میں 'میں تو بس مارے باندھے کرلیتی ہوں ہر کام' آپ آمنہ کو دیکھیں' ماشاء اللہ ایسی پھرتی سے سارے کام منٹوں میں نپٹا لیتی ہے۔ اس کے سیئے کپڑوں کی دھوم دوسرے گاؤں تک ہے۔

ایک دفعہ جو ڈیزائن دیکھ لے اس سے کہیں زیادہ شان دار ایسا تیار کرتی ہے لگتا نہیں ہے کہ کسی چک میں بیٹھی عام سی لڑکی نے سیا ہے اور مزے کی بات ہے کہ سلائی اسے تائی نے سکھائی ہے مگر باقی کے کئی کورسز اس نے نیٹ سے سیکھے ہیں۔ مجھے تو آمنہ' تائی کی نالائق شاگرد کہتی ہے۔ یہ لیں' یہ پیکنگ ہو گئی مکمل۔ اب میں آپ کا جوس بنا لاؤں پھر ملازمہ سے مل کر اسٹور سے کچھ سامان نکلوانا ہے۔" اس نے آخری گفٹ پیک کر کے اپنی بات مکمل کی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہوں ٹھیک ہے۔۔۔ سنو آیت!" زاشی نے کسی قدر حسد سے اس کے مگن انداز کو دیکھا اور بلایا۔ آیت جاتے جاتے رکی۔

"یہ باجی' آپی وغیرہ اب شہر میں آؤٹ ڈیٹڈ ہیں' اچھا نہیں لگتا تم بس مجھے زاشی کہا کرو۔۔۔"

"جی زاشی با۔۔۔ ٹھیک ہے۔" وہ کچھ لمحے نا سمجھی سے اسے دیکھتی رہی پھر اس کے لیے فریش جوس تیار کرنے کچن میں چلی آئی۔ جس وقت وہ اسٹور میں سے ملازمہ سے سامان باہر نکلوا چکی اور فریش ہونے کا ارادہ رکھتی تھی۔ حواس باختہ سی زاشی اس کے پاس آئی۔

"آیت! وہ تم سے تمہارا کزن ملنے آیا ہے۔ جلدی آؤ' بے چارا پتا نہیں کب سے ویٹ کر رہا ہے۔ چوکیدار تو تمہیں پتا ہے خبطی سا ہے۔ صحیح گائیڈ ہی نہیں کیا اسے۔ وہ تو میں ڈرائیور کو دیکھنے باہر نکلی تو چوکیدار سے الجھتا نظر آیا۔"

"اف اللہ! ضرور سدیس ہوگا۔ چوکیدار کا بھی دماغ خراب ہے۔" وہ ماتھے پر ہاتھ مارتی ڈرائنگ روم کی طرف بھاگی۔ رات ہی تو آمنہ نے بتایا تھا کہ تائی اس کے لیے کپڑے بھجوا رہی ہیں سدیس کے ہاتھ۔ اس نے لاکھ کہا کہ ماما بنوا چکی ہیں اس کے کپڑے مگر وہ آمنہ ہی کیا جو مان جائے۔

"تمہیں تو پتا ہے آیت! تائی ایسی باتوں کی نزاکتوں کا کتنا خیال کرتی ہیں' کہہ رہی تھیں پہلے بتاتی آیت تو شاندار لباس تیار کر کے دیتی' کسر تو اب بھی نہیں چھوڑی۔ کہتی ہیں کیا سوچیں گے تم لوگوں کے ننھیال والے کہ بچی کو بغیر تیاری کے تقریب میں بھیج دیا۔ بلکہ وہ تو بضد تھیں کہ مجھے بھی جانا چاہیے مگر تمہیں تو میری عادت کا پتا ہے کہاں کہیں اور جاتی ہوں۔ تم پتا نہیں کیسے پرائے گھر میں اتنے اتنے دن رہ لیتی ہو۔ میرا تو بابا دم گھٹتا ہے۔ اچھا سنو اپنا خیال رکھنا اور جلدی سے واپسی کی سوچنا' ہم سب اداس ہیں تمہارے بنا۔" آمنہ کی رات والی گفتگو ذہن میں تازہ کرتی وہ اس کے سامنے آئی تھی۔

"شاباش ہے بھئی! پرائی شادی میں عبداللہ دیوانہ' سنا تو بہت بار تھا آج کسی پر صادق آتے اب دیکھا ہے۔" اسے دیکھ کر سوکھے دھانوں پر پانی پڑا تھا گویا۔ سو اس کے سلام کے جواب کے بعد خوشدلی سے سدیس نے کہا۔

"پرائی کیوں، میری ماموں زاد ہے۔" نرو ٹھے پن سے اطلاع دی گئی۔

"ہا! ماموں زاد... ویسے یہ تمہارے ماموں لوگ ناراض ہی بھلے تھے۔ اب جب سے یہ معافی تلافی کا معاملہ ہوا ہے تمہاری تو شکل دیکھنے سے رہ گئے ہم لوگ۔ گھر فون کرو تو آیت بی بی کبھی کس لیے تو کبھی کس لیے ماموں کے گھر سدھاری ہوئی ہیں۔ پرسنل تمہارا سیل نہیں کہ تم رکھنا پسند نہیں کرتیں۔ اب بندہ کرے بھی تو کیا کرے۔"

"ہونہہ، تمہیں تو سارے رشتے اللہ کے فضل سے بنے بنائے ملے ہیں اس لیے قدر ہی نہیں۔ ہم سے پوچھو! کتنا ترستے رہے ہیں ان رشتوں کے لیے۔" منہ بنا کر آیت نے کہا۔

"اچھا! یعنی کہ میرے ابا، اماں جو تم لوگوں پر جان قربان کرتے ہیں وہ عمر بھر کی محبت اکارت گئی اور تم ان کی اتنی محبت کے باوجود بھی کسی رشتے کو ترستی رہ گئی ہو۔ علم میں ہونا چاہیے تمہارے پیارے تایا اور تائی کے جو یہ کہتے ہیں کہ تم ان کو ماں باپ کی جگہ سمجھتی ہو۔" سدیس نے تاسف سے کہا تو وہ حسبِ معمول بھڑک اٹھی۔

"تم... تم جیلس آدمی! بھلے کتنی کانیوورژن! ہمیشہ ایسی بات ہی نکالنا اس تخریب کار دماغ سے... میں نے کب کہا کہ تائی، تایا کے پیار میں کوئی کمی رہی۔ میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ ہر رشتہ اپنی الگ اہمیت رکھتا ہے۔"

اس کے جواب پر وہ ہنسا تو ہنستا ہی چلا گیا۔

"وری گڈ! اب آیا مزہ! ورنہ میں پریشان کہ ہماری وہ آیت کہاں چلی گئی۔ اب اگر لڑائی سے فرصت مل گئی ہو تو بندہ اتنی دور سے آئے مہمان کو چائے پانی ہی پوچھ لیتا ہے۔ پہلے ہی اس خر دماغ چوکیدار نے دماغ پلپلا کر کے رکھ دیا۔ رہی سہی کسر تم پوری کر رہی ہو۔" دلچسپی سے اس کے غصیلے روپ کو نظروں میں اتارتا وہ دلچسپی سے گویا ہوا۔

آیت بے ساختہ ماتھے پر ہاتھ مار کر اٹھی۔

"تم ہمیشہ ایسے ہی مجھے غصہ دلا کر سارا الزام میرے اوپر ڈال دیتے ہو۔"

"مجھے پتا تھا یہ بے وقوف ایسے ہی بیٹھی ہوگی۔ اس لیے آپ کی تواضع کے لیے یہ سب لے آئی ہوں۔" زاشی ملازمہ کے ہمراہ مع لوازمات کی ٹرالی کے اندر آتے ہی خاصے خوشگوار لہجے میں بولی۔ آیت اچھی خاصی شرمندہ ہو گئی۔

"یہ بے وقوف نہیں ہے مس! صرف سادہ ہے اور ہم چونکہ خود بھی ایسے ہی ہوتے ہیں دیہاتی لوگ ملمع اور تصنع سے عاری۔ پسند بھی ایسے ہی لوگوں کو کرتے ہیں۔" اپنے سابقہ بے نیازی والے خول میں سمٹتا وہ زاشی سے مخاطب ہوتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"ارے! کدھر تیار ہو گئے جانے کے لیے، بیٹھو! یہ سب شروع کر کے پھر ختم بھی کرو۔ اور کھانا کھائے بغیر تو میں نے تمہیں جانے نہیں دینا۔ آمنہ کو پتا چلا کہ میں نے تمہیں ایسے جانے دیا تو گردن دبا دے گی میری اور مجھے... مجھے بھی سکون نہیں آئے گا کہ فضول باتوں میں لگ کے تمہیں کچھ کھائے پیئے بغیر بھیج دیا۔" اس کے الوداعی کلمات بولنے سے پہلے وہ تڑپ کر آئی اور بازو سے پکڑ کر اسے صوفے پر واپس دھکیلا اور ملازمہ کے ہاتھ سے ٹرالی لے کر اپنے مخصوص انداز میں شروع ہو گئی۔

سدیس نے نثار ہونے والی نظروں سے اسے دیکھا جبکہ ان دونوں کے اس بے نیاز اور بے تکلفانہ انداز کو کسی نے حسد و رشک کے ملے جلے تاثرات سے دیکھا تھا۔

✡ ✡ ✡

اگلے دن رات کو جب وہ ممانی کو گرم دودھ دینے آئی تو انہوں نے اسے روک لیا تھا۔

"رکو آیت! مجھے تمہیں کسی سے ملوانا ہے۔" انہوں نے ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے پاس بٹھایا اور دودھ کا گلاس لے کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ آیت نے نا سمجھی

سے یہاں وہاں دیکھا تو اسے ممانی کے علاوہ کوئی نظر نہ آیا۔

"میری بات یاد رکھنا احمر! اور میں ابھی تمہیں آیت سے ملواتی ہوں دیکھو گے تو دنگ رہ جاؤ گے۔ میری پسند کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکو گے۔" اب وہ کسی سے مخاطب تھیں۔

آیت گہری سانس لے کر رہ گئی۔ ممانی کینیڈا میں مقیم اپنے بیٹے سے بات کر رہی تھیں۔ جو عرصہ دس سال سے بوجہ روزگار وہیں مقیم تھا اور ممانی لوگوں کے خاندان کے ٹھاٹ باٹ یقیناً" اسی کی دیار غیر کی کمائی کے مرہون منت تھے۔ وگرنہ ماموں تو بینک میں گریڈ سولہ کے ملازم تھے۔ ممانی نے اسے احمر سے بات کرنے کو کہا تو آیت شرما گئی۔

"مم... میں کیسے ممانی! آپ بس میرا سلام دے دیں ان کو۔ میں بھلا کیا بات کروں گی۔" وہ گھبرا کر کھڑی ہوئی۔ ممانی نے زبردستی اسے پھر سے بٹھالیا۔

"اے بیٹھو بھئی آیت! گاؤں میں رکھ کے انیس سو ساٹھ کی لڑکی ہی بناڈالا تم لوگوں کو تمہارے ددھیال والوں نے ورنہ اپنے سگے ماموں زاد سے بات کرنے میں کیسی شرم بھئی۔" کہتے ساتھ انہوں نے وڈیو کیمرہ اس کے اوپر سیٹ کر دیا۔ آیت نے گھبرا کر اسکرین پر نگاہ کی' ایک خوبرو شخص مسکراتے ہوئے اس سے مخاطب تھا۔

"واقعی میں ممی نے جتنی آپ کی تعریفیں کی ہیں آپ ان سے کئی گنا بڑھ کر پیاری ہیں اور حیران ہو رہا ہوں کہ آج کے اس قدر فاسٹ دور میں بھی کوئی لڑکی لڑکے سے بات کرتے ہوئے ہیزی ٹیشن کا شکار ہو سکتی ہے۔" وہ حیرت سے اس کے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھتے کہہ رہا تھا۔

آیت نے ڈھلکا دوپٹہ جلدی سے درست کیا پھر آہستہ سے اسے سلام کیا۔ مگر احمر کی بے تکلفانہ اور ہلکی پھلکی باتوں نے جلد ہی اس کی گھبراہٹ دور کر دی۔ وہ اس سے ان کے گاؤں کے بارے میں 'گاؤں کی مشکل زندگی کے بارے میں حیرت کا اظہار کر رہا تھا۔

"مائی گاڈ آیت! میں حیران رہ گیا جب پتہ چلا کہ تم لوگ ابھی تک آگ جلا کر کوکنگ کرتے ہو۔ آج بھی ہینڈ پمپ ہی پانی کا ذریعہ ہے۔ مطلب گاؤں کی لائف پر سائنس کی ترقی نے کوئی اثر ہی نہیں کیا۔ آج بھی صدیوں پرانے نظام کے تحت ایک ٹف لائف گزار رہے ہو تم لوگ۔" اس کی حیرت پر آیت مسکرا دی تھی۔

"ارے نہیں احمر بھائی! آپ چونکہ ایک جدید اور ترقی یافتہ ملک کی بھاگتی دوڑتی زندگی کا حصہ ہیں تو اس لیے زیادہ احساس ہو رہا ہے آپ کو ورنہ ہماری زندگی اتنی مشکل نہیں ہے جتنی آپ کو لگ رہی ہے۔"

"مطلب مشکل ہے... یہ تو مانتی ہو ناں ڈیئر کزن۔"

اس دن ان کے درمیان تکلف کا پہلا پردہ ہٹتے ہی آیت اپنی عادت کے تحت بولی تو بولتی ہی چلی گئی۔ ممانی مسکراتے ہوئے ان دونوں کو باتیں کرتے سن رہی تھیں پھر عرشی کی منگنی تک ایسی ہی دو تین اسکائپ پر ہوئی باتیں آیت کو احمر کے متعلق بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر گئیں۔ اور منگنی والے دن آیت کو سجے سنورے دیکھ کر کتنی دیر احمر مبہوت ہو کر اسے دیکھتا رہا۔ اس کے حسن میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتا وہ اسے نئے زمانے کی سیر کراتا رہا تھا۔ صبح تک وہ اسی ملاقات اور انہی الفاظ کے سرور میں تھی۔ کیا وہ اتنی خوب صورت تھی' اس نے خود سے سوال کیا۔ پھر کسی نے اب تک کچھ کہا کیوں نہیں؟ آئینے کے سامنے خود کو ہر ہر زاویے سے دیکھتے ہوئے وہ خود سوال جواب کرتی رہی۔ آئینے میں جب خود احمر کے الفاظ کی روشنی میں پرکھا تو لگا کہ ہاں وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا۔

"ارے یار! تم یہاں پتا نہیں کس دنیا میں گم ہو۔ میں ممی کے کمرے میں ڈھونڈ رہی تھی تمہیں؟ زاشی نے اچانک اندر آتے ہوئے اس فسوں کو ایک دم ہی توڑ دیا جس کے حصار میں وہ گھری تھی۔

"کیا ہوا زاشی! خیریت کوئی کام تھا؟" آئینے میں زاشی کا عکس دیکھ کر آیت نے کہا۔ اس دن کے بعد زاشی باجی کہنے کا تکلف چھوڑ دیا تھا اس نے۔

"ہاں بھئی! تم نے تو کہا تھا کہ گاؤں سے آمنہ بھی شرکت کرے گی عرشی کی منگنی میں اور ہو سکتا ہے تمہارے چچا کے بیٹے بھی آئیں۔ خصوصاً "شہزوا لے بیٹے کو تو آنا ہی چاہیے تھا۔ وہ کیا۔ نام تھا ان کا سدیس!"

زاشی نے پوچھا تو آیت حیرت میں گھر گئی۔ ہمہ وقت اپنی ذات میں گم زاشی کب سے رشتہ داروں کے بارے میں اتنے گہرے انداز میں سوچنے لگی۔

"ہاں وہ آمنہ تو تائی کے بغیر ہلتی ہی نہیں گھر سے۔ اور تایا لوگوں کا انوی ٹیشن ہی نہیں تھا۔ ممانی نے کہا تھا صرف چند قریبی رشتہ داروں کو بلا رہے ہیں اور سدیس..." وہ ایک لمحے کو چپ ہوئی۔

"دعوت نامہ ہوتا تب بھی مشکل سے آنا تھا اس نے بہت موڈی اور مشکل بندہ ہے وہ۔"

"نہیں بھئی مجھے تو بہت اچھا لگا..... جولی سا..... فرینڈلی۔ تم بھی آیت بہت بے وقوف ہو۔ انسانوں کی پرکھ ہی نہیں ہے تمہیں۔ مجھے بھی یاد نہیں رہا۔ میں ہی انوائیٹ کر لیتی انہیں۔ تم ایسا کرو تمہارے پاس نمبر تو ہو گا اس کا مجھے دو۔" زاشی کے اس طرح کہنے پر آیت کو حیرت ہوئی۔

"نہیں زاشی! میں سچ کہہ رہی ہوں۔ سدیس ہمارے گھر اور گاؤں میں سنجیدہ اور اچھا خاصا ڈراؤنا مشہور ہے۔ لڑکیوں کو ڈانٹنے میں تو اس کا جواب نہیں، مجھ پہ تو خصوصی نظر کرم ہوتی ہے اس کی۔ چادر کے بغیر باہر مت جاؤ۔ گلی میں ہنستا ہوا کیوں دیکھا تمہیں؟ مغرب کے بعد گھر سے باہر رہیں تو ٹانگیں توڑ دوں گا۔ میرے لیے تو احکامات کی ایک کتاب تیار کر رکھی ہے اس نے۔ اس میں سے سبق پڑھ پڑھ کر مجھے سناتا رہتا ہے۔ وہ تو اس دن بھی تائی نے زبردستی تایا سے کہلوا کے یہاں بھجوایا ہو گا اسے کہ آیت کو سامان دے آنا ورنہ ایک دو دفعہ تائی نے ممانی کو فصل کا میوہ بھجوانا تھا فٹ سے انکار کر دیا تھا پھر تائی نے..."

"اف آیت! کتنا بولتی ہو تم۔ ایک فون نمبر ہی عنایت کر دو مجھے مہربانی ہو گی۔" زاشی نے دانت پیسے۔ اسے غصے میں دیکھ کر سدیس نامہ پڑھتی آیت فوراً ہی چپ ہوئی۔ پھر ایک لمحے کے توقف کے بعد کہا۔

"میرے پاس نمبر ہو تو دوں ناں۔ میرے پاس تو سرے سے فون ہی نہیں ہے۔ کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ گھر میں لینڈ لائن فون ہے۔ سدیس کو گھر بات کرنا ہو تو اسی پر کر لیتا ہے۔ ہاں بھائی کے پاس موبائل۔"

"اف بولنے کی مشین، بس کرو۔ ایسا کرنا جب گھر جاؤ واپس گاؤں اپنے تو گھر کے کسی بندے سے اس کا نمبر لے کر مجھے لکھوانا ہے تم نے کال کر کے گھر کا نمبر تو ہے تم لوگوں کے پاس میرا بھی نوٹ کر لو۔" خفا خفا سی زاشی نے کہا۔

"جی کر دوں گی مگر آپ نے کیا کہنا ہے اس سے مجھے بتائیں، میں بتا دوں گی۔" اس نے پرجوش انداز میں پوچھا۔

"کچھ نہیں، ایک کام ہے اس کی یونیورسٹی کا..... یہ میرا نمبر رکھو اور گم مت کرنا۔" زاشی نے ڈھونڈ ڈھانڈ کر ایک کاغذ برآمد کیا اس پر اپنا نمبر لکھ کر آیت کو دیا۔

اور وہ چٹ آیت کو پکڑا کر ایک بار پھر اسے جلد نمبر بھیجنے کی تاکید کرتے ہوئے یہ جا وہ جا۔ آیت چٹ کو دیکھ کر بس کندھے اچکا کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

منگنی کے اگلے روز تایا اسے لینے آ گئے تھے۔ گھر آ کر آمنہ اور تائی نے بہت گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا۔

"آیت کی بچی! وہاں جا کر ہم سب کو بھول ہی تو گئیں تم۔ پتا بھی ہے ہم سب کتنے اداس ہو گئے تھے۔ اب تم جا کے دکھاؤ ذرا بہت ماروں گی۔" آمنہ نے نم آنکھوں سے اس کو گلے لگایا۔

"مجھے تو پتا ہی اب چلا آیت کہ تُو تو میرے آنگن کی بولتی مینا ہے۔ تیرے تایا الگ بولائے بولائے سے پھر

رہے تھے۔'' تائی نے کہا۔ وہ زاشی کے ایک ایک بار کے پہنے ہوئے جدید تراش خراش کے لباس میں کسی ملکہ کی طرح اترائی بیٹھی تھی۔

''دیکھو تو جلیس کے ابا! کتنی پیاری لگ رہی ہے آیت! بالکل شہری کڑیوں جیسی!'' تائی نے تایا کو مخاطب کر کے کہا۔

''اس میں کوئی شک ہے بھلا کہ ہماری بچیاں ہیں ہی پیاری۔'' تایا نے دونوں کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

اسی پل جلیس بھیا کے آتے ہی آمنہ تو تیزی سے وہاں سے ہٹ گئی تھی کہ تاریخ طے ہونے کے بعد لڑکے کا لڑکی سے مکمل پردہ ہوتا تھا۔ اگرچہ ایک ہی گھر میں ایسا ممکن تو نہیں تھا مگر پھر بھی آمنہ بہت احتیاط برتتی تھی۔ ویسے بھی عمر میں آیت سے صرف ایک سال بڑی آمنہ، آیت سے کئی گنا زیادہ سمجھ دار اور معاملہ فہم تھی۔

آیت اب کسی ٹیپ ریکارڈ کی طرح ممانی نامہ شروع کر چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

''بس بھی کرو آیت! مانا کہ بہت متاثر ہو کر آئی ہو تم ماموں کے خاندان سے مگر میں ہر وقت ان کا تذکرہ سن سن کے عاجز آگئی ہوں بھئی۔ پتا نہیں کیوں تم نے وہ سب کچھ بھلا دیا جو ممانی نے امی کے ساتھ کیا تھا۔ ان ہی کی وجہ سے نانا اور ماموں نے ابو سے شادی کرنے پر امی سے قطع تعلق کر لیا تھا اور جائیداد میں سے کچھ نہیں دیا تھا۔ امی کی شادی اپنے مخبوط الحواس بھائی سے کرانے کی خواہاں تھیں محترمہ ممانی صاحبہ اور جب امی نے انکار کر کے ابو کا نام لیا تو نانا ابا کو اتنا بھڑکایا کہ وہ امی کی شکل دیکھنے کے بھی روادار نہ رہے تھے۔

اب جب ہمارے وہ پیارے رشتے ان لوگوں سے تجدید تعلقات کی خواہش دل میں دبائے مٹی میں جا سوئے ہیں تو نہ جانے کس مقصد کے تحت دوبارہ انہوں نے تعلقات استوار کیے ہیں۔ جس عورت کو اپنے میکے کی دہلیز پار کرنے کی اجازت صرف اس عورت کی وجہ سے نہ ملی ہو اس کو آج اس کی بیٹیاں کیسے اتنی پیاری ہو سکتی ہیں۔ سوچنے کی بات ہے اگر کوئی سوچنا چاہے تو۔'' آمنہ نے تو اسے اچھا خاصا رگید ڈالا۔ تیسرا دن تھا اسے ماموں، ممانی کے خاندان کا راگ الاپتے ہوئے۔

''اچھا ناں آمنہ! ہر کسی کے اپنے اپنے نظریات ہوتے ہیں، اپنی اور اپنی اولاد کی طرز زندگی کے حوالے سے۔ ممانی بتاتی ہیں کہ نانا اور ماموں آج تک اس لیے خفا رہے کہ امی نے اپنی مرضی سے ابو سے شادی کی تھی مگر ابو ویسے نہیں نکلے شادی کے بعد جیسے انہوں نے دعوے کیے تھے۔ امی کے حوالے سے نانا کے خدشات سچ ثابت ہوئے۔ ابا نے ایک شہر میں پلی بڑھی سہولیات کی عادی لڑکی کو زبردستی اس مشکل زندگی کو گزارنے پر مجبور کر دیا۔ نانا چاہتے تھے کہ وہ اس صورت امی کو ان کا جائیداد کا حصہ دیں گے اگر وہ ان کی بات مانیں اور گاؤں چھوڑ کر شہر آن بسیں مگر امی بے چاری ادھر نانا کی مانتیں تو ابو ناراض ہوتے اور ابو کی مان کر انہوں نے نانا کو ہمیشہ کے لیے ناراض کر دیا۔ اور سنو آمنہ! وہ احمر تو یہ سن کر حیران رہ گیا کہ ہم آگ جلا کر کھانا بناتے ہیں، ہمارے ہاں ہینڈ پمپ کا استعمال کیا جاتا ہے اور......''

''بس آیت بس! آدھی ادھوری باتیں سن کر کبھی پورے نتائج اخذ نہیں کیے جاتے۔ اس سے بہت تباہی پھیلتی ہے۔ امی نے ہم سے کبھی کچھ بھی نہیں چھپایا پھر بھی تم ممانی کی باتوں کا یقین کر رہی ہو۔ تمہاری عقل زندگی کے کنجلک مسائل کو سمجھنے کے لیے بہت تھوڑی ہے یا تم ابھی استعمال ہی نہیں کرنا چاہتیں، مگر میں تمہیں ایک بات بتا دوں کہ ہماری امی نے ایک آئیڈیل زندگی گزاری تھی ابا کے ساتھ اور ہمیں بھی اللہ نے بے شمار نعمتیں دی ہیں۔ کسی چیز کی کمی نہیں رکھی۔ مگر جب ایک چیز کا مقابلہ دوسری چیز سے کیا جائے تو کسی ایک میں تو کمی آئے گی ناں۔

تم ہماری اور ان کی زندگی کے درمیان کیا اور کیسا کا فرق دیکھنا چھوڑ دو۔ وہ ہمارے رشتہ دار ہیں قریبی مگر ان سے تعلق ایسے ہی رکھو جیسے دور کے عزیزوں کا ہوتا ہے۔ آئیں گے تو سو بسم اللہ۔ ان کے دکھ سکھ میں بھی شریک ہوں گے مگر ایسے نہیں کہ جیسے تم کر رہی ہو دو دن وہاں رہ کر کیا آئی ہو، تمہیں ہماری زندگی میں کمی اور مشکلات دکھنے لگیں۔"

"اف آمنہ! ایک بات ہی کی تھی میں نے کہ شہر کی زندگی زیادہ آسان اور رنگا رنگ ہے بہ نسبت گاؤں کی زندگی کے، تم نے تو پورا لیکچر ہی پلا دیا مجھے..." وہ منہ پھلا کر بولی۔

"میں صرف یہ بتانے کی کوشش کر رہی ہوں کہ اپنی آنکھوں اور عقل کو بھی زحمت دینی چاہیے۔ سنی سنائی پر یقین کرنے کی بجائے۔ ویسے بھی دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں، تم نے سنا ہی ہو گا بے وقوف لڑکی۔"

"ہاں دنیا میں ایک میں ہی بے وقوف ہوں۔" وہ اور چڑ گئی۔ آمنہ کو بے اختیار اپنی سادہ اور بے وقوف بہن پر پیار آ گیا۔

"اچھا ناراضی چھوڑو! تائی اماں نے مزیدار ستو تیار کیا ہے تمہارے لیے۔ آؤ میں وہ بنا رہی ہوں۔" آمنہ نے اس کی پسندیدہ چیز کا نام لے کر اس کا بگڑا موڈ درست کیا۔

☼ ☼ ☼

پندرہ دن بعد کہیں گھر آنے کا موقع ملا تھا اسے.... بس میں ہی اسے چچا تاج دین کا بیٹا احمد مل گیا جو شہر میں ملازم تھا۔ گھر ہی آ رہا تھا۔ اچھی علیک سلیک تھی ان کے گھرانے سے کہ قریبی ہمسائے تھے، سو تین چار گھنٹے کا سفر کیسے گزر گیا پتا ہی نہ چلا۔ دونوں ساتھ ہی پکی سڑک سے اتر کر لمبی پگڈنڈی عبور کرتے ہوئے گاؤں پہنچے شام ہونے والی تھی۔ گھر کے قریب پہنچتے ہی سدلیس کی نگاہ منڈیر سے ٹنگی آیت پر پڑی۔ اس نے کن اکھیوں سے احمد کو دیکھا جو یقیناً آیت کو دیکھ چکا تھا۔ موصوفہ اب سدلیس کو دیکھ کر زور زور سے ہاتھ ہلا رہی تھیں۔

"یہ تمہارے چچا کی بیٹی ہے ناں! بچپن میں بھی ایسی ہی شرارتی تھی۔ یاد ہے ایک بار امرود درخت سے اس نے توڑے تھے یار تمہیں کھلوائی تھی۔" احمد کی یادداشت یقیناً اچھی تھی۔

"ہم....." سدلیس کے منہ سے مبہم سا نکلا۔

"اچھا یار! کچھ دن تو رہے گا ناں ملتے ہیں پھر صبح۔"

ان کے گھر سے تین گھر پہلے احمد کا گھر تھا۔ احمد سے الوداعی کلمات کہہ کر وہ غصے سے بھرا ہوا گھر آیا تھا۔ جہاں گیٹ کے پاس ہی آیت نے گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا مگر بہت جلد اس کی خوشی دم توڑ گئی جب وہ اس کے سلام کا جواب دیے بغیر اس کو بے دردی سے بازو سے پکڑ کر صحن میں ٹھیک اسی جگہ لے آیا جہاں شام کے وقت تمام افراد خانہ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ آمنہ البتہ جلیس کی موجودگی کے سبب اندر تھی مگر وہ بھی سدلیس کی غیر متوقع اور تیز آواز سن کر باہر آ گئی۔

"میں کہتا ہوں اتنی بڑی ہو گئی ہے یہ مگر اتنی عقل نہیں اس میں کہ عورتیں اس طرح دیواروں، دروازوں اور منڈیروں پر چھپکلیوں کی طرح لٹکتی اچھی نہیں لگتیں۔ مت پوچھیں، کتنا شرمندہ ہوا میں احمد کے سامنے....." وہ دانت کچکچا کر بولا۔

"خود ہو گے تم عورت اور چھپکلی....." جواب دے کر وہ جلیس بھائی کے پہلو میں جا بیٹھی۔

"دیکھ رہی ہیں اس کی زبان کی دھار، بجائے اپنی غلطی ماننے کے کیسے قینچی کی طرح چل رہی ہے نہ بڑوں کا ادب نہ شرم۔" اس نے ایک تیز نظر اس پر ڈال کر تائی کی طرف رخ کیا جو نا سمجھی سے کبھی آیت کو دیکھتیں تو کبھی غصے میں دھاڑتے سدلیس کو۔

"اچھا سدلیس میرے بھائی! تم بیٹھو! میں پانی لاتی ہوں پانی پیو اور تسلی سے بتاؤ کیا ہوا ہے؟ کیوں غصے میں ہو؟ کیا کیا ہے اس نے۔" آمنہ نے سدلیس کو بازو سے پکڑ کر چارپائی پر بٹھایا اور خود آیت کو خشمگیں نظروں

سے گھورتی ہوئی پانی لینے چلی گئی۔
جلیس نے آمنہ کے اس روپ کو بڑی دلچسپی سے دیکھا تھا۔ اس وقت غالباً" وہ اس رشتے کی نزاکت کو بھولے ہوئے تھی جو اسے کئی دن سے اس سے چھپنے پر مجبور کر رہا تھا۔ سدلیس نے تنتے ہوئے لہجے میں ساری بات بتا دی۔
"تو کون سا انوکھا کچھ کر دیا میں نے۔ ڈوبتے سورج کو دیکھنا مجھے ہمیشہ سے بے حد پسند ہے۔ اور وہ ٹائم میں چھت پر ہی گزارتی ہوں۔ سب جانتے ہیں۔ تائی اماں کو بتا کر گئی تھی میں۔ اس لفنگے کو ڈانٹنا تھا تم نے جو اس طرح لوگوں کی ماؤں، بہنوں کو سر عام تاڑتا پھر رہا تھا مگر نہیں، تمہیں ہمیشہ مجھے رلانے میں مزہ آتا ہے۔ کتنی خوش ہو کر میں تائی کو بتانے آ رہی تھی تمہاری آمد کا۔" اس کی عجیب منطق پر سدلیس نے اس سرپھری لڑکی کو ایک بار پھر گھور کر دیکھا جبکہ جلیس بھائی نے بمشکل اپنی مسکراہٹ چھپائی تھی۔
"تمہیں کس بے وقوف نے کہا کہ منڈیر پر چوکھٹا سجا کر ڈوبتا سورج دیکھو۔ صحن کے بیچوں بیچ بھی تو یہ نظارہ آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے۔" اس نے دانت پیس کر کہا۔
"وہ تو دیکھ لیا تھا بس وہ عادت ہے ناں نیچے اترنے سے پہلے منڈیر سے سارے گاؤں کا منظر دیکھنے کی، کبھی تم بھی دیکھنا اتنا اچھا..." مگر اس کے خوں خوار تاثرات دیکھ کر جلیس کے پیچھے چھپ گئی۔
"اچھا اب غصہ تھوک دو سدلیس! بچی ہے، سمجھ جائے گی اور تم بھی آیت! اچھی بچیاں اس طرح کی حرکتیں نہیں کیا کرتیں۔ زندگی سے چھوٹی چھوٹی خوشیاں کشید کرنا تمہارا حق ہے مگر ایسے کہ دوسرا متوجہ ہو کر کچھ الٹا سیدھا نہ سوچ سکے۔ امید ہے تم میری بات سمجھ گئی ہو گی۔ اب اٹھو اور بھائی کے لیے کھانا لگاؤ شاباش۔" جلیس بھائی نے ہمیشہ کی طرح اس کو اس انداز میں سمجھایا کہ اس نے دل میں عہد کر لیا کہ آئندہ وہ محتاط رہے گی مگر سدلیس سے ناراضی سوا ہو گئی۔
"ہونہہ، کیسے ڈانٹ دیا۔ آرام سے نہیں سمجھا سکتا تھا۔ جل ککڑا۔" دل ہی دل میں اسے کئی صلواتیں سناتے وہ اٹھی اور آمنہ کے ساتھ جا کر دستر خوان لگانے میں مدد کرنے لگی۔
"مت ایسا کیا کرو آیت! اب تم بڑی ہو گئی ہو۔ احمد ہو یا کوئی اور گاؤں کے کسی بھی فرد کی نظر پڑتی تو کیا سوچتا وہ کہ ایسی شتر بے مہار ہیں اس گھر کی لڑکیاں... توبہ مجھے تو سوچ سوچ کر شرمندگی ہو رہی ہے۔" آمنہ کا اس طرح کہنا اسے غصہ دلا گیا۔
"مانا کہ غلطی ہو گئی مگر ایسا بھی گناہ نہیں کر دیا میں نے کہ ہر فرد ہی فتویٰ لگانے کھڑا ہو گیا۔ ماموں لوگ اچھے ہیں۔ عرشی، زاشی باجی جب جی چاہے، جس لباس میں ہوں اٹھ کر چل پڑتی ہیں مارکیٹ، دوستوں کے ہاں، واک کرنے جاتی ہیں۔ ایک ہم ہیں، منڈیر سے کیا جھانک لیا گویا قیامت ہی آ گئی۔"
"ماحول، ماحول کا فرق ہوتا ہے پاگل لڑکی! اٹھو پانی رکھو یہاں۔ میں بلاتی ہوں سب کو اور موڈ ٹھیک کرو اپنا۔" آمنہ اس کو مزید سمجھانے کا ارادہ ترک کرتی سب کو بلانے چلی گئی۔
آیت سر جھٹک کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

اگلے دن وہ اس سے مکمل ناراض تھی۔ اس وجہ سے چپ چاپ معمول کے کام نبٹاتی رہی۔ اپنی ان چیزوں کی بابت بھی دریافت نہیں کیا جو لسٹ اس نے پچھلی دفعہ اسے بنا کر دی تھی کہ شہر سے لے کر آئے۔ آمنہ سے چوری، کیونکہ وہ اس کے ایسے لاابالی رویے سے سخت تنگ تھی۔
"سنا ہے لوگ خفا ہیں ہم سے... بلکہ مجھے تو ڈنڈا برسانے کے انداز سے لگ رہا ہے جیسے یہاں لحاف نہیں میں ہوں۔" متبسم انداز میں گویا ہوتے ہوئے وہ اس کے پاس چلا آیا۔

ابھی ابھی آمنہ نے ایک لحاف میں ڈورے ڈال کر اسے دیا تھا کہ سیدھا کر کے اس پر موٹا ڈنڈا برسا کر اس کے سارے بل نکال دے تاکہ ڈورے برابر ہو جائیں۔ اب آمنہ اور تائی دوسرے لحاف میں ڈورے ڈال رہی تھیں۔ آیت نے غصے سے اسے دیکھا اور منہ ہی منہ میں بدبدا کر جواب دیے بنا لحاف پر ایک اور ڈنڈا برسایا۔

"اس کا مطلب ہے میرا اندازہ صحیح نکلا۔ پتا نہیں کیا کچھ سوچ کر گاؤں آتا ہوں مگر تم ہر بار کچھ ایسا کرتی ہو کہ ہماری لڑائی ہو جاتی ہے۔ اچھا اب ناراضی ختم کرو، غلطی تمہاری ہوتی ہے مگر ہر بار بھائی ابا اور اماں سے ڈانٹ بھی مجھے پڑتی ہے کہ ہماری پیاری کو رلا دیا۔ ہوتے ہیں بھئی ایسی قسمت والے لوگ۔ اچھا اب جلدی سے مان جاؤ پھر میں تمہیں تمہاری چیزیں دکھاؤں تاکہ تم نئی لسٹ تیار کر کے مجھے دے سکو۔"

آیت مسکرائی اور اسے دیکھا۔ سدیس نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا۔ وہ ایسی ہی تھی چھوٹی چھوٹی بات پر روٹھ جانے والی اور مان جانے والی۔

"ایک شرط پر....." وہ مزید پھیلی۔

"بولو کنیز! بادشاہ کو آج کے دن ہر شرط منظور ہے۔"

"بادشاہ سلامت! کنیز کو مالٹوں کے باغ کی سیر کرائی جائے۔ تایا گھر تو لے آتے ہیں مگر ہاتھ سے توڑ توڑ کر خوب موٹے تازے مالٹے درخت سے اتار کے کھانے میں جو مزہ ہے ناں۔" آنکھیں میچ کر اس نے مالٹے کا مزہ لیا، سدیس مسکرا دیا۔

"چلو ٹھیک ہے یہ مال و اسباب اماں اور آمنہ کے حوالے کر کے چادر پہن کر آؤ بلکہ چلو میں بھی ساتھ ہی چلتا ہوں۔ اماں کو بتا دیں کہ ہم ذرا باغ میں جا رہے ہیں، آمنہ کو بھی ساتھ لیے چلتے ہیں۔" وہ اس کے ساتھ لحاف اٹھا کر چلتے ہوئے بولا۔

"آمنہ..... وہ بور لڑکی کبھی بھی نہیں جائے گی اور جلیس بھائی وہاں موجود ہوں گے یہ سوچ کر تو بالکل ہی نہیں جائے گی۔" اس نے منہ بنا کر پیش گوئی کی اور واقعی آمنہ نے منع کر دیا حالانکہ تائی نے لاکھ کہا کہ وہ بھی چلی جائے۔ مگر آمنہ نے ہزاروں کاموں کی فہرست گنوا دی جو کرنے والے تھے۔ ہاں یہ ضرور کہا کہ اس کے لیے کھٹے میٹھے مالٹے لے کر آجائے، وہ جوس بنائے گی۔ راستے میں انہیں تایا بھی ملے تھے۔ جبکہ جلیس بھائی باغ میں موجود تھے۔ فروٹ پیٹیوں میں پیک کروا کے گاڑی پر لوڈ کروا رہے تھے۔

چند سال پہلے شوق شوق میں لگایا گیا مالٹوں کا باغ اب دوسرا سال تھا اچھا خاصا منافع دینے لگا تھا۔ سدیس آیت کو مزدوروں سے ہٹ کر دوسرے کونے میں لے گیا جس طرف درختوں پر سے پھل اتر چکا تھا اب اکا دکا مالٹا سرسبز درختوں میں سے کہیں کہیں جھانک رہا تھا۔ سدیس نے اچک کر چند مالٹے توڑے۔

"یہ تمہاری ماموں زاد کچھ عجیب سی لڑکی نہیں ہے۔ اپنی منوانے والی 'سائیکو سی۔" اس نے مالٹا چھیل کر اس کی طرف بڑھایا۔

"کون زاشی! انہیں تو بہت اچھی ہیں۔ بس ذرا لاڈلی ہیں ماموں ممانی کی۔ ارے ہاں انہوں نے تمہارا اسیل نمبر منگوایا تھا مجھ سے۔ تمہاری یونیورسٹی کا کچھ کام تھا ان کو۔ پلیز کروا دینا۔" بھرے منہ کے ساتھ اس نے بمشکل بات کی۔ سدیس احمد بے ساختہ طویل سانس لے کر رہ گیا۔ وہ خود حیران تھا کہ آیت کے ماموں کے گھر جس لڑکی سے اس کی سرسری سی ملاقات ہوئی تھی جو اسے قطعاً یاد نہیں تھی مگر جب اس لڑکی کی اسے کال موصول ہوئی تھی تو وہ یوں مخاطب ہوئی تھی جیسے وہ اس کا گہرا دوست ہو۔

پہلی ملاقات میں ہی اس نے اسے لنچ کی آفر دے ڈالی تھی۔ صرف آمنہ اور آیت کا خیال کر کے اس نے آرام سے بات کی تھی اور اس کی لنچ کی آفر نرمی سے مسترد کر دی تھی۔ ورنہ لڑکیوں میں خاصا روڈ مشہور تھا وہ۔

"اپنے ہی گراتے ہیں نشیمن پر بجلیاں..... سنا تھا یہ

عملی مظاہرہ بھی دیکھ لیا۔" اس نے مزے لے کر مالٹے کھاتی آیت کو مخاطب کیا۔

"پتا نہیں کیسے محاوروں میں بات کرتے ہو۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتیں تمہاری باتیں۔" آیت نے منہ بنا کر کہا۔

"اچھا سنو آیت! ابا کہہ رہے تھے کہ آمنہ کے بعد جلد از جلد آیت کی بھی شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

"ہیں وہ کیوں؟ پوچھوں گی تایا سے کہ اتنا تنگ آ گئے مجھ سے؟" اس نے بقیہ ماندہ ادھ کھایا مالٹا نیچے پھینک کر کہا۔

اتنے میں جلیس بھائی بھی آتے دکھائی دیے۔ آیت دھب دھب کرتی جلیس بھائی کے پاس آئی اور سدلیس کی کہی بات کے متعلق پوچھا کہ کیا واقعی تایا ایسا کوئی خیال رکھتے ہیں۔ جلیس بھائی نے آیت کے نروٹھے پن سے کہی ہوئی بات سن کر معنی خیزی سے اسے دیکھا۔ وہ گڑبڑا کر سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

"نہیں بھئی یہ ہوائی ضرور کسی دشمن نے اڑائی ہو گی ورنہ آیت رانی تو ابھی بچی ہے۔ خوب سارا پڑھے گی اور اس کی شادی ہم ایسے تھوڑی کر دیں گے خوب دیکھ بھال کر اچھا سا لڑکا دیکھیں گے۔ اگر آیت ہاں کرے گی تو شادی ہو گی ورنہ نہیں۔" جلیس بھائی اس کا ہاتھ پکڑ کر سدلیس کے قریب آ گئے۔ آیت نے سکھ کی سانس لی اور جتاتی نظر سے سدلیس کو دیکھ کر کہا۔

"میں بھی کہوں مجھ سے ہر بات پوچھنے اور بتانے والے تایا اتنی بڑی بات کیسے کہہ سکتے ہیں۔" اس کے اس طرح کہنے پر جلیس بھائی بے اختیار ہنس دیے۔

"چلو بھائی! ان تلوں میں تیل نہیں۔ ابھی اپنا دھیان اپنی پڑھائی پر لگاؤ پھر دیکھتے ہیں کہ کیا کرنا ہے۔"

جلیس بھائی نے بدمزہ سے بھائی کو خوش گواری سے کہا۔ کیونکہ اس کا مطمع نظر سمجھتے تھے مگر آیت سے گھر کا ہر فرد اتنا ہی پیار کرتا تھا کہ اس کی مرضی کے بغیر کچھ کہہ نہیں سکتے تھے۔

☆ ☆ ☆

"آخر آپ کو ٹینشن کیا ہے اس بات سے... اپنے فائدے کے لیے آپ ایک دیہاتی لڑکی کو بہو بنانے کو تیار بیٹھی ہیں مگر میری خوشی کے لیے میرے رشتے کی بات نہیں کرنا چاہتیں۔ کچھ بھی تو کمی نہیں ہے سدلیس میں خوب صورت' ویل ڈریسڈ' ویل ایجوکیٹڈ..." زاشی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ابھی کے ابھی ماں کا ہاتھ پکڑ کر لے جائے اور سدلیس احمد سے اپنا رشتہ پکا کروا کے آجائے۔

"ہی تو میں نہیں چاہتی بے عقل لڑکی۔ وہ لڑکا کوئی اور ایکس' وائے' زیڈ ہوتا تو میں مان بھی لیتی تمہاری بات۔ اب ایسے وٹہ سٹہ کا رشتہ مجھے ہرگز نہیں قبول۔" انہوں نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"کتنی خود غرض ہیں ممی آپ! اپنا مفاد عزیز ہے آپ کو صرف... عرشی نے جس لڑکے پر انگلی رکھی آپ نے اس کو اس کی زندگی میں لانے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا اب میں آپ سے کہہ رہی ہوں کہ مجھے سدلیس احمد پسند ہے۔ خوش قسمتی سے وہ ہمارا رشتہ دار بھی نکل آیا ہے تو آپ پتا نہیں کون سی اسٹوریز سنا رہی ہیں مجھے' وٹہ سٹہ... اور پتا نہیں کیا کیا..." زاشی نے تیز لہجے میں کہا۔

"اچھا اچھا... دیکھوں گی پہلے آیت کا معاملہ تو نبٹانے دو پھر دیکھتے ہیں کہ کیا کرنا ہے۔" انہوں نے خفگی سے اس کا ہاتھ جھٹکا۔

"اور مجھے ذرا احمر کا نمبر ملا کے دیتی جاؤ' یاد دہانی نہ کراؤں تو کوئی کام بھی نہیں ہوتا اس گھر میں۔ اب بھی عرشی کے زیورات پے منٹ کے لیے رکے ہوئے ہیں۔ احمر سے کہوں جلدی پیسے بھجوائے ایک تو اس لڑکے کی لاپروائیاں..." وہ بڑبڑاتی ہوئی زاشی سے مخاطب تھیں۔

"سب کی فکر ہے۔ ایک میرا خیال نہیں ہے۔" اس نے سر جھٹک کر ان کو موبائل پر احمر کا نمبر ملا کر دیا۔

☆ ☆ ☆

"کیسے ہیں احمر بھائی؟" وہ خوشی سے چلائی۔ ہال

سے باہر نکلتی آمنہ اس کی پرجوش آواز سن کر ذرا کی ذرا چوکھٹ پر رکی پھر باہر نکل گئی مگر ذہن میں یہی سوال گردش کر رہا تھا کہ اس کی اپنے ماموں زاد سے کب اتنی بے تکلفی ہوئی۔ گھر کے لینڈ لائن نمبر پر کچھ لمحے قبل اس نے اپنے ماموں زاد احمر کی کال ریسیو کی تھی۔ احمر نے اپنا رسمی سا تعارف کرانے کے بعد آمنہ کا حال احوال پوچھا تھا پھر ایک دو منٹ کی گفتگو کے بعد آیت کو بلانے کو کہا تھا۔

"یار! ایک تو تم لوگوں کے اس دیہاتی سسٹم سے تنگ ہوں۔ نیٹ کی کوریج نہیں یہاں۔ سیل فون رکھنا تمہیں پسند نہیں۔ اب بندہ رابطہ بھی کرے تو کیسے اور کہاں کرے۔ وہ تو ممی سے یہاں کا یہ نمبر لیا ورنہ تم تو کسی کو بے قرار کر کے ایسے گاؤں کو پیاری ہوئیں کہ پھر پلٹ کر خبر ہی نہیں لی۔ اچھا سنو! ممی اور عرشی، زاشی بھی تم سے ملنے کو بے چین ہیں۔ ایک دو دنوں میں چکر لگائیں گی تمہاری طرف۔ عرشی کے ہاتھ تمہارا گفٹ بھجوا رہا ہوں۔ اگلا رابطہ اسی پر ہو گا اب۔"

بہت سی باتوں کے بعد اس نے کچھ نئے خوابوں کی نوید اسے دے کر فون بند کر دیا تھا۔ کیسی خوب صورت باتیں کرتا تھا احمر۔

"ہزاروں لڑکیوں سے ملا ہوں آیت! مگر جو بات تم میں ہے وہ کسی اور میں کہاں؟ یار! جب سے تمہیں دیکھا ہے دل پر قابو ہی نہیں رہا۔ حالانکہ جس جگہ میں رہتا ہوں وہاں ایسی فیلنگز کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ پھر میں بھی دو اور دو چار کرنے والا پریکٹیکل بندہ! جو آج تک پہلی نظر کی محبت کا ہمیشہ مذاق اڑاتا رہا ہوں، اب اپنے ہی الفاظ میرا مذاق اڑاتے محسوس ہوتے ہیں جو میں اس قسم کی صورت حال میں اپنے دوستوں کو کہا کرتا تھا۔" احمر کے الفاظ کی بازگشت چہرے پر روشنی بن کر ایسے پھیلی کہ جب وہ مسکراتی ہوئی اپنے اور آمنہ کے کمرے میں داخل ہوئی تو آمنہ چونک گئی۔

"تم نے پہلے تو نہیں بتایا کہ ماموں کے بیٹے سے تمہاری بات چیت ہے؟ تم نے تو بتایا تھا کہ وہ ملک سے باہر گیا ہے۔" آمنہ نے سرسری انداز میں پوچھا۔

"آمنہ! تم نے یا کسی اور نے مجھے کبھی بتایا ہی نہیں کہ میں اتنی خوب صورت ہوں۔" دیوار میں نصب چھوٹے سے آئینے میں وہ خود کو دیکھتی کسی اور ہی دنیا میں پہنچی ہوئی تھی۔ اس نے آمنہ کی بات کا جواب دیے بغیر اپنے چہرے کے نقوش کو ہاتھوں سے محسوس کرتے ہوئے کہا۔ آمنہ دم بخود اسے دیکھے گئی۔

ابھی وہ اسے کریدنے کا ارادہ رکھتی تھی جب تائی کسی کام سے اندر آئی تھیں۔ یوں وہ بات وہیں رہ گئی تھی۔ مگر آمنہ کو آیت کے انداز ضرور کھٹک گئے تھے۔ پھر اگلے روز ماموں کے گھر والے چلے آئے تھے۔ تجدید تعلقات کے بعد یہ ان کی دوسری بار آمد تھی۔ ممانی ان دونوں کے لیے کافی سارے تحائف لے کر آئی تھیں۔ سارا دن گزار کر جاتے ہوئے عرشی نے چپکے سے ایک ڈبا آیت کے ہاتھ میں پکڑایا تھا۔

آیت نے نا سمجھی سے عرشی کو دیکھا پھر جھما کے سے احمر کی بات یاد آتے ہی اس نے وہ پیکٹ عرشی کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ جاتے جاتے ممانی تائی جی سے اجازت لے کر گئی تھیں کہ اگلے ہفتے آیت کو ایک بار پھر بلوانے کا ارادہ تھا ان کا شہر۔

"پیاری تو آمنہ بھی ہمیں اتنی ہی ہے جتنی آیت مگر آیت چونکہ بنی بنائی سجیلہ ہے تو اس کے ماموں کی جب تک ناراضی تھی سو تھی۔ اب تو آیت کو دیکھے بغیر رہ ہی نہیں سکتے۔" ممانی نے بے حد پیار سے کہا۔

جب تائی نے کہا تھا کہ "آیت تو ان کے گھر کی رونق ہے اس کے تایا اور باقی سب اس کے بغیر اداس ہو جاتے ہیں۔ وہ اس کے ماموں کا گھر ہے وہ اسے منع نہیں کریں گی جانے سے مگر زیادہ دن نہ لگائے وہاں۔"

آیت تو فخر اور خوشی کے مارے پھول کے کپا ہونے لگی کہ ماموں کے گھر کا ہر فرد ہی اس کا دیوانہ نکلا۔

جب کہ آمنہ کو ممانی کی یہ سب باتیں چاپلوسی لگیں اور کسی حد تک کسی مقصد کا پیش خیمہ بھی۔ وہ ویسے ہی ممانی کی شہر بلانے کی سرسری دعوت کو پہلے ہی

انکار کر چکی تھی کہ اسے گھر سے باہر اول تو جانا کچھ خاص پسند نہیں' ہاں کبھی کہیں جانا بھی پڑے تو اسے شروع سے اب تک تائی جی کے ساتھ جانے کی عادت ہے۔

"عادت تو آیت کو بھی تھی تائی کے بغیر کہیں نہ جانے کی۔ اب نجانے کیوں یہ اپنی پرانی عادتوں کے ساتھ بہت کچھ بھولنے لگی ہے۔" آمنہ نے سنجیدگی سے کہا اور ایک نظر زاشی سے باتیں بگھارتی آیت پر ڈالی۔

"بس بچی ہے ناں.... جہاں پیار ملے گا وہیں کی گنجائش نکلے گی ناں...." ممانی نے پھر کہا تھا۔ تائی جی کیا کہتیں بس اثبات میں سر ہلا کر رہ گئیں۔

آیت نے ان لوگوں کے جانے کے بعد آمنہ سے چھپ کر احمر کا دیا گیا گفٹ کھولا تھا۔ وہ ایک جدید طرز کا چھوٹا سا موبائل سیٹ تھا۔ آیت جس کو دیکھ کر عجیب سی خوشی محسوس کر رہی تھی۔ حالانکہ اس سے قبل اسے نہ تو موبائل کی کبھی ضرورت پڑی تھی نہ ہی اسے پسند تھا رکھنا۔

"مگر میں اسے آپریٹ کیسے کروں گی... جلیس بھیا سے سیکھ لوں گی۔ اور' اور اگر انہوں نے پوچھا کہاں سے آیا.... تو میں.... تو میں کہہ دوں گی ماموں نے دیا ہے۔" کتنی دیر موبائل کو ہاتھ میں پکڑے وہ خود سے ہی سوال جواب کرتی رہی اور شام کو جلیس بھائی کو ایسے ہی کہہ کر اس نے سارا تو نہیں بہت کچھ سیکھ لیا تھا۔

"ارے یہ کب دیا تمہیں؟ جب ہمارے لیے وہ گفٹ لائے تو اس میں تو نہیں تھا۔ تم نے کیوں لیا اتنا مہنگا گفٹ اور ضرورت بھی نہیں تھی گھر میں فون ہے تو سہی۔ بات بھی کر لیتے ہیں وہ لوگ۔" آمنہ نے ناگواری سے کہا۔

"کیا ہے آمنہ! کیوں نہیں ہے ضرورت! یہاں واقعی نہیں پتا چلتا مگر ماموں کے گھر جب سب کو یہ جان کر حیرت ہوئی کہ میرے پاس موبائل نہیں تو ان کے تاثرات دیکھ کر میں شرمندہ ہو گئی۔ دنیا چاند پر پہنچ گئی اور ہم سائنس کی اس جدید ٹیکنالوجی سے اس قدر نابلد ہیں۔ ماموں نے تب ہی وعدہ کیا تھا کہ میں اپنی بیٹی کو بھی سیل فون لے کر دوں گا۔" وہ سچ اور جھوٹ کی آمیزش سے بات بناتی ہوئی مکمل سیل کی طرف متوجہ تھی۔

"ہوں! مگر میں نظریہ ضرورت پر یقین رکھتی ہوں۔ جس چیز کی ضرورت نہیں ہے اس کا استعمال کبھی بھی ہمیں فائدہ نہیں دیتا۔ جیسے کہ اس وقت یہ چھوٹا سا آلہ جو تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اس کا نعم البدل بھی ہے گھر میں اور گھر کے مردوں کے پاس موبائل بھی۔ جب ضرورت ہی نہیں ہمیں تو استعمال کا فائدہ۔ ورنہ دلانے کو تو تایا جی اور جلیس نے کتنی بار کہا دلا دینے کو تمہیں یہی بات ماموں کی فیملی کو سمجھا دینی چاہیے تھی۔ اب تمہارے اس طرح ندیدوں کی طرح موبائل لے لینے کو وہ لوگ پتہ نہیں تایا' تائی جی کی محبت کو کن معنوں میں لیں گے۔ مگر تم.... تمہیں ہر بات سمجھانی پڑتی ہے پھر سمجھ میں آتی ہے اور بعض دفعہ سمجھانے پر بھی اوپر سے گزر جاتی ہے۔" آمنہ ناراضی سے گویا ہوئی۔

"آمنہ! مت ڈانٹو بھئی ہماری بیٹی کو۔ تحفہ تھا اس نے لے لیا کوئی بات نہیں ماموں ہیں تم لوگوں کے۔ حق بنتا ہے تمہارا۔" تائی جو نہ جانے کس لیے وہاں آئی تھیں۔ آمنہ کی کچھ باتیں ان کے کانوں میں پڑیں تو غصے ہوتی آمنہ کو ٹوک دیا۔

"یہی بات تو اس کو سمجھ میں نہیں آتی تائی جی! اچھا اب آپ دونوں ذرا پوز بنائیں پیارا سا۔ میں ایک یادگار سی تصویر لوں آپ دونوں کی۔ پھر آمنہ کو بتاؤں کہ اپنے پیاروں کی یادگار رکھنا بے جا استعمال میں نہیں آتا۔" ہمیشہ کی طرح اس نے آمنہ کی بات کا نوٹس لیے بنا مسکرا کر تائی جی سے کہا اور ناراض سی آمنہ کے نہ نہ کرنے اور تائی جی کے شرمانے گھبرانے کے باوجود دونوں کا ایک خوب صورت سا فوٹو لیا اور جب ان دونوں کو تصویر دکھائی تو اپنی پھولی شکل دیکھ کر

آمنہ بھی مسکرا دی تھی۔ جب آیت اس کی ہنستے ہوئے تصاویر لے رہی تھی۔

"چلیں تائی جی! میں آپ کی اور تایا جی کی تصویریں بناؤں۔۔۔ آپ کے پاس تو بس تایا جی اور اپنی وہ بلیک اینڈ وائٹ تصاویر موجود ہیں جن میں نہ کوئی بندے کی شکل ڈھنگ سے نظر آتی ہے نہ منظر۔" اب وہ تائی جی کا ہاتھ پکڑ کر باہر جا رہی تھی۔

"لو اس بے وقوف کو اب نئی مصروفیت مل گئی۔" آمنہ طویل سانس لیتی ہوئی دھلے کپڑوں کی طرف متوجہ ہوئی۔ جنہیں تہ کرنے کا وہ آیت کے ذمہ لگا کر گئی تھی مگر اسے موبائل کی نئی نئی متعارف ہونے والی دنیا نے مصروف رکھا ہوا تھا۔ وہ سر جھٹک کر خود ہی وہ ادھورا کام مکمل کرنے لگی۔

"نجانے کب اس کا بچپنا ختم ہو گا۔۔۔" وہ بڑبڑائی۔

☼ ☼ ☼

اگلے ہفتے ماموں واقعی اسے لینے آ گئے تھے اور وہ ہنسی خوشی جانے کی تیاری کرتی پھر رہی تھی۔

"پہلے تو تمہیں خود ہی اسی وقت ممانی کو منع کر دینا چاہیے تھا۔ تائی جی انکار کر کے خوامخواہ میں کیوں بری بنیں۔ مگر تمہیں ایسی نزاکتوں کا خیال ہوتا تو میں ہر وقت سر پھوڑتی نہ پھر رہی ہوتی تمہارے ساتھ۔ اب اگر جا رہی ہوں تو مہربانی کر دو دن بعد کی واپسی کی کرنا۔ اس طرح بار بار وہاں تمہارا جانا مجھے پسند نہیں آ رہا تو تائی جی اور تایا جی کو کہاں اچھا لگ رہا ہو گا۔" اسے چھوٹے سے بیگ میں خوشی خوشی کپڑے رکھتے دیکھ کر آمنہ نے کہا تھا۔

"ہاں ہاں مجھے پتا ہے۔ اب اتنی بے وقوف بھی نہیں ہوں میں۔۔۔ اور پھر اپنی اس سقراط بہن سے میری جتنی بھی لڑائی ہوتی ہو گھر سے باہر مجھے بڑی یاد آتی ہے۔" اس نے آ کر آمنہ کے گلے میں بانہیں ڈالیں۔

"آیت! بچے یہ کچھ دیسی سوغاتیں ہیں جو تمہاری ممانی کے لیے بھیج رہی ہوں۔ بھلا شہر میں کہاں ملتا ہو گا یہ سب' گاڑی میں رکھوا دیا ہے سب سامان اور تمہارے تایا کب آئیں تمہیں لینے۔۔۔ یہ فون کر کے بتا دینا اور جلدی آنے کی کرنا بچے! پتا تو ہے ناں کہ ہم سب اداس ہو جاتے ہیں اپنی بیٹی کے بنا۔۔۔" تائی نے اسے گلے لگا کر کہا۔

☼ ☼ ☼

"ہمارے سامنے تو بڑا تم لوگوں سے محبت جتاتے ہیں یہ لوگ۔۔۔ پیٹھ پیچھے کیسے ہیں۔۔۔؟" ممانی نے پاؤں دباتی آیت کو بغور دیکھتے سوال کیا۔ آج اسے ماموں کے گھر آئے دوسرا دن تھا۔ ممانی اور عرشی کا سارا دن آج بازاروں کی خاک چھانتے گزرا تھا۔ ایک ماہ میں عرشی کی شادی متوقع تھی تو ممانی گھر کی ذمہ داری آیت پر ڈال کر خود بازار نکل گئی تھیں' اب شام سے ہی پاؤں اور ٹانگوں کی شکایت لے کر بیٹھی تھیں۔ آیت بھاگ کر تیل لے آئی تھی اور جیسے ہی اس نے بتایا کہ روزانہ تائی جی کے پاؤں کے مالش کرنا اس کا معمول ہے۔ ممانی نے سوال کیا تھا۔

"کون۔۔۔ کون ممانی' کس کی بات کر رہی ہیں آپ؟"

"ارے وہی۔۔۔ تمہارے تایا تائی۔" انہوں نے بے زاری سے ہاتھ ہلایا۔

"ارے کیسی بات کرتی ہیں ممانی! تایا جی' تائی جی تو جان چھڑکتے ہیں ہم بہنوں پر اور مجھے تو وہ اپنے گھر کی مینا کہتے ہیں۔ صرف جتاتے نہیں محبت۔۔۔ ممانی! وہ حقیقت میں اپنی اولاد سے زیادہ چاہتے ہیں ہمیں' میری اور سدلیس کی ہر بار کی لڑائی میں چاہے قصور میرا ہو وہ ہمیشہ سدلیس کو ڈانٹتے ہیں۔ ان دونوں کے علاوہ جلیس بھیا بھی میرا ساتھ دیتے ہیں۔ ڈانٹنے' شانٹنے کا کام آمنہ کرتی ہے صرف اوپر اوپر سے ورنہ۔۔۔"

"ہاں بھئی کیسے نہ چاہیں اور سر آنکھوں پر بٹھائیں تم لوگوں کو۔۔۔ آخر کو ہر طرف سے فائدے ہی فائدے ہیں۔ ہوتی کوئی غریب' کم صورت' بد سلیقہ بچیاں۔۔۔ میں دیکھتی کیسے محبت جاگتی ان لوگوں کی۔" انہوں نے ناگواری سے کہا تو آیت نا سمجھی سے ان کو دیکھ کر رہ گئی۔

بخش کرتے ساتھ سست پڑ گئے تھے۔

"نہیں سمجھیں ناں... تم کل کی بچی کہاں سمجھو گی ان باتوں کو... میں بتاتی ہوں۔" وہ جوش سے اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

"ارے بھئی تم لوگوں کو پال پوس کر... محبت لٹا کر نقصان میں تھوڑی رہے وہ لوگ۔ ہر طرف سے فائدہ ہی فائدہ ہے۔ گھر کی جائیداد گھر میں رہے گی۔ پھر دیکھو اپنی تائی کو کب سے ہر قسم کی ذمہ داری سے فارغ کر دیا تم دونوں نے ان کو... بہو بنا کر احسان نہیں کر رہیں تمہاری بہن پر... ارے بھئی مفت کی نوکرانی بھی تو مل جائے گی ناں۔ سمجھیں کہ نہیں۔" انہوں نے ساری پہیلی بوجھ کر جیسے خود کو داد دی تھی۔

"نہیں ممانی! ایسی کوئی بات نہیں ہے... ہمارا اپنا گھر ہے وہ اور اپنے گھر کی ذمہ داری عورت خود ہی سنبھالتی ہے۔ دوسرے تو نہیں اٹھ کے آتے گھر سنبھالنے۔ پھر ہمیں صرف گھر کی چار دیواری، تحفظ، عزت اور محبت سے مطلب ہے۔ جائیداد وغیرہ میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ہماری جائیداد ہمارے اپنوں کی محبت ہے بس۔" دل میں اگرچہ ممانی کی باتوں نے تھوڑی سے گرہ ڈالی تھی اور اندر ہی اندر کہیں اس نے اتفاق بھی کیا تھا مگر پھر ذہن سے منفی سوچیں جھٹک کر اس نے ممانی کو جواب دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ان دو دنوں میں عرشی نے اسے موبائل کے استعمال میں ماہر تو نہیں البتہ اچھا خاصا طریقہ سکھا دیا تھا۔ پھر ماموں کے گھر آنے کی سب سے بڑی وجہ احمر سے ہونے والی ویڈیو چیٹ ہوتی تھی جو اسے غیر محسوس طریقے سے اپنی طرف مائل کر چکا تھا۔ اس بار اس نے کھل کر اپنی محبت کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے اور جلد ہی ممانی اس کا رشتہ اس کے تایا، تائی کے پاس لائیں گی اس کا جواب ہاں میں ہونا چاہیے۔ وہ جیسے ہواؤں میں اڑنے لگی تھی اور شرما کر فون بند کر دیا تھا۔ تیسرے دن آمنہ کی کال آئی تھی اسے گھر واپس آنے کی یاددہانی کروانے کے لیے۔

"بس جلد ہی میں ایسا بندوبست کروں گی کہ میری بیٹی کو ان روز روز کے آنے جانے کے چکروں سے نجات ملے گی کیونکہ جلد ہی میں اپنی گڑیا کو اپنے گھر دلہن بنا کے لانے والی ہوں۔ بس تمہارا ووٹ ہمارے حق میں ہونا چاہیے۔" ماموں کے ساتھ واپس آتے سے ممانی نے اس کے کان میں کہا تھا، وہ شرما کر مسکرا دی تھی۔

اس بار بھی ڈھیروں تحائف اس کے ہمراہ تھے۔

☆ ☆ ☆

"اب مہربانی کر کے یہ آنے جانے کے قصے تمام کرو، کیونکہ محترمہ تمہاری امتحان کی ڈیٹ شیٹ آ چکی ہے۔ اپنی پوری توجہ پڑھائی پر لگاؤ اور گھر کی طرف سے تمہاری دلچسپی بہت کم ہو گئی ہے۔ تائی بے چاری اکیلی لگی رہتی ہیں شادی سر پر کھڑی ہے۔"

وہ صبح ہی گاؤں آئی تھی۔ اب رات کو جب دونوں اکٹھے ہوئی تھیں تو آمنہ نے خاکی لفافے میں اس کی ڈیٹ شیٹ اس کی طرف بڑھائی تھی اور خود دوپٹے پر گوٹا لگانے بیٹھ گئی تھی۔

"کس کی شادی آمنہ...؟" وہ شرارت سے گویا ہوئی۔ آمنہ نے اسے گھورا۔

"بات بدلنا خوب آتا ہے تمہیں۔"

"اصل میں آمنہ تم ہر چیز اور ہر کام سنبھال لیتی ہو پھر تائی کہاں کرنے دیتی ہیں مجھے کچھ... اب کل سے جلیس بھائی سے تھوڑا سا ٹائم پھر لیتی ہوں تاکہ انگلش کی رویژن ہو جائے، باقی تیاری ہے میری... تمہارے جو جو کام رہتے ہیں وہ بھی لسٹ بنا دو مجھے... میں کر دوں گی۔" اس نے کہا تو آمنہ نے اطمینان کی سانس لی کہ شکر ہے وہ بھی سنجیدہ ہوئی۔

"اچھا بھئی بچیوں! اپنے شہر سے کچھ کپڑے منگوائے ہیں بری کے لیے اور آیت تمہارے شادی پر پہننے کے لیے،

دیکھ لو کیسے ہیں۔ باقی شادی اور ولیمہ کا اس بار جب سدلیس آئے گا تو اس کے ساتھ جا کے تم دونوں لے آنا۔" تائی جی بڑے سے شاپر کے ہمراہ اندر آئیں۔

"واہ تائی کلرز تو سارے میری پسند کے لگ رہے ہیں۔ کام بھی بظاہر تو اچھا ہی لگ رہا ہے... کون لایا؟" آیت نے اپنے والا شاپر جھپٹ کر اس میں سے چاروں سوٹوں کو نکال کر پسندیدہ نظر سے دیکھتے ہوئے کہا۔ اب وہ ایک ایک سوٹ پورا کھول کھول کر دیکھ رہی تھی۔

"جلیس جا رہا تھا کل شہر تو اسی کے ذمے لگایا تھا۔ اس نے سدلیس کو ساتھ لیا۔ دونوں بھائی لائے ہیں۔ میں نے تو کہا کہ آمنہ کو ساتھ لے کر جاؤ ادھر سے آیت کو بھی ساتھ لے لینا مگر آمنہ نے ہی منع کر دیا۔" تائی اب تفصیل بتا رہی تھیں۔

"کافی دنوں سے تم دونوں سے ایک بات کرنا چاہ رہی تھی میں..." تھوڑے توقف کے تائی جی ان دونوں کو دیکھ کر گویا ہوئیں۔ وہ دونوں تائی جی کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"خدا گواہ ہے کہ تمہارے والدین کے جانے کے بعد ہم لوگوں نے پوری کوشش کی کہ تمہیں ان کی کمی محسوس نہ ہو اگرچہ ماں باپ کی جگہ تو دنیا کا کوئی رشتہ بھی نہیں لے سکتا پھر بھی... پھر تمہارے تایا اور میری ہمیشہ سے خواہش تھی کہ ہماری دونوں بچیاں ہمیشہ ہمارے پاس رہیں ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنی رہیں کہ تم دونوں سے ہی ہمارے گھر کی رونق ہے اور ہماری بیٹیوں کی کمی کو تم دونوں نے ہی دور کیا تھا۔ پھر جلیس نے شادی کے لیے آمنہ کے لیے اپنی خوشی سے ہامی بھر کر ہماری دیرینہ خواہش کو پورا کر دیا۔" وہ تھوڑی دیر کے لیے چپ ہوئیں۔

"جی تائی جی! ہمیں پتا ہے آپ کی محبت کا... آپ کو یہ سب بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔" آمنہ ان کے پاس آ کر بیٹھی اور محبت سے ان کے دونوں ہاتھوں کو تھاما۔ تائی جی مسکرا دی تھیں۔

"اب اس بار جب سدلیس آیا تو اس نے جو بات کی اسے سن کر تو مانو میرے اور تمہارے تایا کے دل کی کلی کھل گئی۔ ہم ابھی اس سے اور آیت سے بات کرنے کے لیے موقع دیکھ رہے تھے اور اللہ نے ہماری مراد پوری کر دی۔" اپنے نام پر آیت کے کان کھڑے ہوئے۔ وہ پوری جان سے تائی جی کی طرف متوجہ ہوئی تاہم بولی کچھ نہیں تھی۔

"سدلیس چاہتا ہے کہ وہ امتحانوں سے فارغ ہونے والا ہے تو جلیس کے ساتھ ہی اس کی شادی بھی آیت سے کر دی جائے... اب آیت ہاں کہے تو میں اور آمنہ خیر سے ساتھ ساتھ تیاری کر لیں۔" تائی جی کا چہرہ خوشی سے کھلا پڑا تھا جبکہ آیت تو یوں بیٹھی تھی جیسے کاٹو تو لہو نہیں۔

"ممی ایک آدھ روز میں آنے والی ہیں رشتہ کی بات کرنے... تمہارا جواب ہاں میں ہونا چاہیے..."

"جلد ہی اپنی بیٹی کو میں اپنے گھر دلہن بنا کے لے آؤں گی..." ممانی اور احمر کے الفاظ کی بازگشت دماغ میں گونجتے ہی وہ چونک اٹھی۔

"تائی... وہ میں سوچ کر جواب دوں گی۔" آمنہ جو اپنی خوشی کا اظہار کرنا چاہتی تھی۔ اس کے اس طرح اٹک کر کہنے پر چپ ہو گئی۔

"ٹھیک ہے میری بچی! ایک دو دن میں مجھے بتا دینا تم پر کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ بلکہ تمہارا ہر فیصلہ ہمیں دل و جان سے قبول ہو گا۔" تائی نے اٹھتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"آمنہ! مجھے سدلیس سے شادی نہیں کرنی بتا دینا تائی کو بلکہ 'بلکہ۔" تیزی سے بات مکمل کرتے کرتے وہ رکی' آمنہ دل پر ہاتھ رکھے بس اسے دیکھے گئی۔

"بلکہ..." آمنہ کی آواز سرگوشی سے بلند نہ تھی۔

"ممانی ایک دو دن میں احمر کا رشتہ لے کر آنے والی ہیں۔" اس نے اپنے ہاتھوں پر نظریں جما کر آہستہ سے کہا کہ اس پل آمنہ کے چہرے کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں تھی اس میں۔

"کچھ مت کہنا آمنہ... کچھ بھی نہیں کہنا... میں نے ہمیشہ وہی کیا جو تائی نے یا تم نے کہا مگر میری زندگی کا سب سے بڑا اور اہم فیصلہ میں اپنے دل کی خوشی کے

لیے کرنا چاہتی ہوں۔ وہ بہت اچھا ہے۔ تم اس سے بات کرو گی تو بہت خوش ہو گی۔ وہ مجھے بہت چاہتا ہے آمنہ.... وہ کہتا ہے کہ مجھے وہیں لے جائے گا اپنے ساتھ....‘‘

اپنے خوابوں کی راہ گزر پر احمر کے ہمراہ چلتی وہ اتنی خوش تھی کہ اس نے آمنہ کے پھیکے پڑتے چہرے پر نگاہ ہی نہ کی۔ نہ ہی باہر آنکھوں میں آنسو لیے تائی کی طرف دھیان گیا تھا جو ابھی کمرے سے باہر پوری نکلی بھی نہ تھیں جب اس نے آمنہ سے اپنے دل کی بات کہنے میں جلدی کی تھی۔ وہ وہاں سے آنکھوں کی نمی صاف کرتے ہوئے چلی گئی تھیں۔

’’اور میں سوچتی ہی رہی کہ ممانی کے اتنے محبت جتانے کا آخر کیا مقصد ہو سکتا ہے.... اس بات کا تو میں نے آخر تک تصور ہی نہیں کیا تھا۔ تم جیسے پاگل اور بے عقل ہی ایسے لوگوں کا آسان ہدف ہوتے ہیں شکار کے لیے۔‘‘ آمنہ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

’’ایسے مت کہو آمنہ! اگر ایسا ہے تو ایسی بات تائی لوگوں کے بارے میں بھی تو سوچی جا سکتی ہے.... کس چیز کی کمی ہے ہم لوگوں میں.... شکل‘ صورت‘ جائیداد.... وہ بھی تو اس لیے۔‘‘ مگر اس کی بات مکمل ہونے سے قبل آمنہ کا زوردار تھپڑ اس کے منہ پر پڑا تھا۔

’’یہ تھپڑ مجھے بہت پہلے تمہارے منہ پر مارنا چاہیے تھا آیت! دو دن کی یہ تھرڈ کلاس محبت نے تمہیں یہ سکھایا ہے کہ تم اپنے ماں باپ جیسے تائی‘ تایا کی محبت کا مذاق اڑاؤ‘ ان کے خلوص کو تولو۔‘‘ غصے سے آمنہ کی آواز بھرا گئی۔

☆ ☆ ☆

ممانی‘ ماموں اور سدیس کی آمد ایک ہی دن ہوئی تھی۔ آمنہ تو اسی دن سے مسلسل چپ رہ کر اپنی ناراضی کا اظہار کر رہی تھی۔ اگرچہ آیت کو اپنی اس دن والی بدگمانی پر بعد میں بے حد افسوس ہوا تھا۔ وہ محض آمنہ کو چپ کرانے کے لیے ایسے اول فول بول گئی تھی۔ ورنہ تائی‘ تایا کی تو وہ خود بھی محبتوں کی گواہ تھی وہ بھلا کیسے ان کے بارے میں ایسے سوچ سکتی تھی

مگر آمنہ کی محبت تو عقیدت کی حد تک تھی تایا‘ تائی سے کہ وہ اس دن کے بعد بالکل چپ ہی ہو گئی تھی ہاں تائی کے رویے میں فرق نہیں آیا تھا۔

’’ٹھیک ہے بہن! آپ کی خواہش سر آنکھوں پر مگر آیت سے پوچھے بغیر ہم ابھی کچھ نہیں کہہ سکتے....‘‘ ممانی کے آیت کے رشتہ مانگنے پر تائی جی نے رسان سے کہا تھا۔ تایا جی تو صاف انکار کرنا چاہ رہے تھے جبکہ سدیس کے ماتھے کے بل بہ آسانی گنے جا سکتے تھے۔ مگر تائی جی نے مناسب الفاظ میں بات کو ختم کرنا چاہا تھا تو ان کی بات کسی نے کاٹی نہ تھی۔

’’ارے آیت کا تو مجھے یقین ہے وہ انکار نہیں کرے گی۔ بہت محبت ہے اس بچی کو ہمارے گھرانے سے‘ بہت ترسی ہے وہ ان محبتوں کے لیے۔ ہاں کا عندیہ ملتے ہی شادی کی تاریخ مقرر کریں گے تاکہ احمر بھی وقت کے وقت پہنچ سکے۔ بلکہ آیت کو تو ابھی بلوا کے اس کی رائے معلوم کر لیں۔‘‘

’’ہمارے ہاں ایسا نہیں ہوتا بی بی! بچی کی رائے اس کی تائی بہت جلد معلوم کر کے آپ تک اپنا فیصلہ پہنچا دیں گی۔ صرف آپ لوگوں کا رشتہ نہیں ہے بلکہ اس سے بہتر اور اچھے رشتے زیر غور ہیں۔ ہم سوچ سمجھ کر جواب دیں گے۔‘‘ تایا جی کو سب کے سامنے آیت کے بلوانے والی بات بہت بری لگی تھی۔ انہوں نے قطعی لہجے میں کہہ کر ممانی کا منہ بند کروا دیا تھا۔

’’بھائی صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں بیگم! ایسی بھی کیا ہتھیلی پہ سرسوں جمانی‘ بیٹی والوں کو پورا حق ہوتا ہے سوچنے سمجھنے اور فیصلہ کرنے کا۔ ٹھیک ہے جناب! ہم لوگ آپ کے فیصلے کے منتظر رہیں گے۔‘‘ ماموں نے تایا جی کے دوٹوک انداز دیکھ کر بات بدلی تھی۔ سدیس تو ان لوگوں کا ایسا حتمی انداز دیکھ کر وہاں سے اٹھ گیا تھا۔

’’تمہیں جلیس بھیا پسند تھے آمنہ! مجھے سدیس اس حوالے سے ہرگز پسند نہیں ہے۔ جلیس بھائی ہم سب کے لیے اتنے اچھے‘ محبت کرنے والے ہیں اور تمہارے لیے تو خیر ان کا انداز ہی جدا ہے۔ مگر سدیس‘

اس کا رویہ دیکھا ہے تم نے.... ہر بات میں میرے الٹ کرتا ہے۔ ہمیشہ اسے یہ گلہ رہا کہ میں نے اس کے ماں باپ سے اس کے حصے کا پیار بھی لے لیا۔ ہر بات ' ہر کام ' ہر چیز جو میرے حوالے سے ہو اس میں کیڑے نکالنا اپنا اولین فرض سمجھتا ہے۔ میں ہرگز ایسے شخص کے ساتھ اپنی پوری زندگی نہیں گزار سکتی جسے محبت سے ذرہ برابر بھی لگاؤ نہ ہو۔

میں اس منطق کو نہیں مانتی کہ ایک بہن اگر ایک گھر میں خوش رہے گی تو دوسری کے خوش رہنے کا پیمانہ بھی وہی ہو گا۔ میں تمہاری وقتی ناراضی سہ سکتی ہوں لیکن اس کے لیے اپنی عمر بھر کی خوشی قربان نہیں کر سکتی۔ اس لیے پلیز مجھے مجبور مت کرو ورنہ میں خود ہی تائی جی کو منع کر دوں گی۔"

"اتنی بدگمانی! اتنا زہر.... آیت...." وہ دنگ ہی تو رہ گیا تھا اس کے اپنے بارے میں خیالات سن کر۔ آیت کی ممانی کی باتیں اور انداز جب برداشت سے باہر ہوا تو وہ وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ رہا تھا جب اپنے نام کی تکرار پر ان دونوں بہنوں کے کمرے کے سامنے رک گیا تھا۔

"یہی تو تمہاری بے وقوفی کی انتہا ہے جاہل لڑکی! غلطی کرنے پر اپنے بہت اپنوں کو ٹوکا جاتا ہے ' سرزنش کی جاتی ہے.... اور جو ایسا نہیں کرتا وہ آپ کا اپنا نہیں ہوتا۔ سدیس تم سے بہت محبت کرتا ہے یہ میں بہت پہلے سے جانتی ہوں مگر تم جیسی لڑکیاں ہوتی ہیں جو الفاظ کے ہیر پھیر میں الجھنا پسند کرتی ہیں۔ وقت تو آنے دیتیں عملی زندگی میں اسے اپنی محبت ثابت کرنے کا۔ مگر تم تو لفظوں کے سنہرے جال میں ہی پھنس گئیں۔ مجھے تو حیرت ہے کہ ممانی کے الفاظ کی شیرینی کے پیچھے چھپی چاپلوسی کو تمہاری عقل جانچ پائی نہ سدیس کی سرزنش میں چھپی اپنی محبت کو خیر خواہی کو پرکھ سکیں۔"

آمنہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس بے حس لڑکی کو جھنجوڑ کر رکھ دے جس نے کئی دنوں سے اپنے دماغ کے ساتھ ساتھ اس کا دماغ بھی خراب کر رکھا تھا۔

"میں تمہاری بہن ہوں آیت! تمہارا برا نہیں چاہتی۔ ابھی میری زندگی کی تلخی تمہیں مجھ سے برگشتہ کر رہی ہے مگر میں تمہیں اسی تلخی سے ہی زندگی کے اسباق پڑھانا چاہتی ہوں جو اگر خدانخواستہ زندگی نے پڑھائے تو۔ زندگی کے پڑھائے گئے سبق بہت سخت ہوتے ہیں ' بہت امتحان لیتے ہیں۔ کیونکہ زندگی نے آج تک ٹھوکر لگائے بغیر کسی کو کوئی سبق نہیں پڑھایا۔ تھوڑی سی عقل استعمال کرو سب کچھ واضح ہو جائے گا۔" بس ہاتھ جوڑنے کی کسر رہ گئی تھی اس کے سامنے ' سدیس اپنی محبت کی اس سے زیادہ تذلیل برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ سو دروازہ پوری طرح سے کھولتا ہوا اندر آیا تھا دونوں نے اسے دیکھ کر اپنے اپنے آنسو پونچھے تھے۔

"میرے لیے مت لڑو آمنہ! میں محبت کو اعزاز کے ساتھ لینا پسند کرتا ہوں نہ کہ بھیک میں... یا تو میری محبت میں کمی ہو گی یا دوسرے کی دعاؤں کو شرف قبولیت مل گیا ہو گا۔ اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزارنا ہر انسان کا بنیادی حق ہے اور آیت کو اس کا یہ حق ویسے ہی حاصل ہے جس طرح مجھے یا کسی دوسرے کو۔"

اس نے آمنہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"یہ بے وقوفی کر رہی ہے سدیس! اور میں اسے ایسے کیسے کنویں میں چھلانگ لگانے دے سکتی ہوں۔ تم بھی اسے اپنی محبت کا یقین دلانے کے بجائے اسی کا ساتھ دے رہو۔ بتاؤ اس کو کہ کتنی محبت ہے تمہیں اس سے۔ آج سے نہیں بہت پہلے سے۔ تم نے کتنی بار مجھے اور جلیس کو یہ بات بتائی اور اس بیوقوف کو بتانے کے لیے مناسب وقت کا انتظار کیا۔ کاش تم اسے تب ہی بتا دیتے۔" آمنہ زور زور سے روتے ہوئے بول رہی تھی۔

آیت نے ان دونوں کو بے یقینی سے دیکھا تھا۔ اس کی بے یقین نظروں پر سدیس احمد پھیکا سا مسکرا کر آیت کی طرف آیا۔

"جیسا تم چاہو گی ' ویسا ہو گا۔ اس بار سدیس احمد تمہاری کہی گئی کسی بات کا الٹ نہیں کرے گا۔ اگرچہ

اس کے دل کی دنیا کیوں نہ لٹ جائے.... میں منالوں گا سب کو.... میرا یقین رکھو۔" اس نے آیت کے کھلے سر کو دیکھتے ہوئے کہا اور اپنی بات مکمل کر کے رکا نہیں تھا۔

"ختم کر دیا تم نے سب کچھ آیت! اپنے ہاتھوں سے اپنی خوش قسمتی کا دروازہ بند کر دیا۔" آمنہ، سدیس احمد کے قدموں کی شکستگی پر بڑبڑائی۔

"کبھی تو میرے حق میں بول دیا کرو آمنہ! کبھی تو میرے لیے بھی دعائیہ کلمات کہہ دیا کرو۔ جس طرح سدیس کو گلہ رہا ناں کہ میں نے تایا، تائی سے اس کے حصے کی محبت چھین لی تھی۔ اس نے بھی تو بدلے میں تمہاری محبت اور طرف داری میری نسبت زیادہ پائی ہے ہمیشہ۔ اب مان جاؤ پلیز ناکہ میں پوری طرح خوش تو ہو سکوں۔ تمہاری ناراضی مجھے خوش ہی نہیں ہونے دے رہی۔" وہ اداسی سے بولتے ہوئے آمنہ کے قریب آئی۔ جس نے صرف ایک نظر اسے دیکھ کر گلے سے لگالیا تھا۔

✡ ✡ ✡

تایا تو سن کر سکتے میں رہ گئے تھے کہ آیت کی مرضی اپنے ماموں زاد کے لیے ہے۔ ورنہ ان کا تو ارادہ یہی تھا کہ ایک دو دن میں ماموں کے گھر رشتے سے انکار کروا کے سدیس سے اس کی باقاعدہ بات طے کر کے جلیس کے ساتھ ان کی شادی بھی کر دی جائے گی۔

"چلو ایسے ہی سہی، جیسے وہ چاہتی ہے ویسا ہی ہو گا۔" تائی جی نے آہستہ سے ان کو آیت کی مرضی کا بتایا تھا۔ کچھ لمحے خاموشی کے بعد تایا جی نے ایسے کہا جیسے انہیں اس بات کا یقین نہ آرہا ہو۔

"ہاں اللہ نصیب اچھا کرے...." تائی جی نے بھی تائید کی جبکہ پاس بیٹھی آمنہ خوامخواہ میں شرمندہ ہو گئی۔

"سب کیوں اس کی بات آرام سے مان رہے ہیں .... اسے کوئی روکتا کیوں نہیں.... ڈانٹتا کیوں نہیں.... آپ، آپ کہیں ناں تایا جی اس سے، وہ ناسمجھ ہے.... بے وقوفی کر رہی ہیں تو آپ کو اسے سمجھانا چاہیے۔" وہ رو دی تھی۔ تایا جی نے اسے اپنے ساتھ لگالیا۔

"ناں.... ناں رومت میرے بچے! وہ کہیں اور نہیں اپنے ماموں کے گھر ہی تو جا رہی ہے بچے! اپنے ہیں، دیکھے بھالے ہیں اور بھلا کیا چاہیے ہوتا ہے۔ اس کے اچھے نصیب کے لیے دعا کرو آمنہ پتر! بار بار اس کو باتیں مت سناؤ۔ ڈانٹو مت۔ میں دیکھ رہا ہوں تم اس رشتے والی بات سے اس سے ناراض ناراض سی ہو۔ ایسا مت کرو بیٹا جی! یہ حق تو ہر لڑکی کو ہمارا مذہب دیتا ہے، اس نے کچھ غلط نہیں کیا بس اپنی مرضی بتائی ہے۔"

"اور سدیس کا کیا ہو گا تایا جی! پتا نہیں۔ کیوں مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے وہ جتنا خوش اس گھر میں رہ سکتی ہے اور کہیں نہیں بھلا میرے اور تائی جیسے لاڈ کون اٹھا سکتا ہے اس کے۔" آمنہ نے بھرائی آواز میں کہا تو تایا جی ہنس پڑے۔

"او میری جھلی دھی ہے تو بھی آمنہ! دھیاں تو سب کی لاڈلی ہوتی ہیں۔ بس تقدیر آگے بھی لاڈ اٹھانے والے عطا کرے۔ یہی دعا کرو بس اور سدیس ماشاءاللہ سمجھ دار بچہ ہے۔ کچھ دنوں تک شادی ہو جائے گی تو نئے رشتوں میں بہت لچک ہوتی ہے پرانی محبتوں کو خود میں سمولیتے ہیں۔ عام طور پر ایک ہی گھر میں رہنے والے بچوں میں ایسا لگاؤ قدرتی بات ہے۔ مگر اب آیت پتر کی مرضی نہیں ہے تو دونوں اپنی شادی کے بعد یہ بات بھی بھول بھال جائیں گے۔ شاباش تو فکر نہ کر۔"

"ہاں آمنہ! ابا ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ یہ تو نصیبوں کی بات ہوتی ہے اور نصیبوں سے بھی کوئی لڑ سکا ہے بھلا۔ تم میری فکر چھوڑو اور شادی کی تیاری کرو۔ اماں بتا رہی ہیں کہ تم آیت سے بات بھی نہیں کر رہیں۔ بہت غلط کر رہی ہو۔ شاباش اپنا موڈ ٹھیک کر کے اس بے وقوف لڑکی کو بھی مناؤ جو منہ بنائے پھر رہی ہے۔ بھئی مجھے تو اپنے گھر کا یہ اداس اداس ماحول ذرا نہیں پسند آرہا۔"

سدیس اور جلیس بھائی اکٹھے اندر داخل ہوئے تھے۔ جب ان کے کانوں میں ابا کی کچھ باتیں پڑیں تو

سدلیس نے قصداً" خود کو ہشاش بشاش ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

آمنہ نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔ جیسے کہنا چاہتی ہوں۔ بھلا پرانی محبتیں بھی اتنی جلدی اور آسانی سے بھلائی جا سکتی ہیں جن کی جڑیں نجانے کہاں کہاں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس نے پھیکا سا مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔ جلیس بھائی نے بھی بھائی کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

تایا جی کے ہاں کرتے ہی ماموں کی فیملی ایک بار پھر آ کر منگنی کی رسم طے کرنے کے ساتھ ساتھ شادی کی تاریخ بھی رکھ گئی تھی۔ جو کہ آمنہ اور جلیس کی شادی کے ایک ہفتہ بعد ہونا قرار پائی تھی۔

زاشی نے ممانی سے اصرار کیا تھا کہ منگنی کے موقع پر اس کی اور سدلیس کے رشتے کی بات بھی کی جائے مگر ممانی نے اسے سمجھا بجھا لیا تھا کہ منگنی کا موقع اس بات کے لیے قطعاً" مناسب نہیں ہے۔ ایک ماہ بعد جب شادی پر نکاح ہو گا تو وہ نکاح سے کچھ دیر قبل یہ پیشکش رکھیں گی تایا جی کے سامنے تاکہ دباؤ میں آ کر وہ انکار نہ کر سکیں۔ زاشی طوعاً" کرہاً" ماں کی مان گئی تھی۔ یہ جانے بغیر کہ ممانی کا سرے سے ایسا کوئی ارادہ ہی نہیں تھا۔ آمنہ نے اب آیت سے بات چیت شروع کر دی تھی۔

تاہم ان کے درمیان ہلکی سی اجنبیت ضرور در آئی تھی۔ منگنی کے بعد سے آیت یا تو اپنے خیالوں میں گم رہتی یا احمر سے فون پر لمبی لمبی بات کیا کرتی تھی۔ منگنی کے بعد اس نے موبائل کو مزید چھپانا مناسب نہ سمجھا تھا۔ ویسے بھی اب اس کے خیال میں اب ان کے درمیان ایک رشتہ موجود تھا جس کے تحت وہ بات کر سکتے تھے۔ احمر سے بات چیت کے بعد اس کے خیالات میں تیزی سے تبدیلی آ رہی تھی۔ بعض اوقات اس کی ہنسی کی آواز سے تائی جی اور آمنہ نظریں چرا جاتیں کیونکہ اسی گھر میں جلیس سے باضابطہ رشتہ طے ہونے کے بعد آمنہ اس سے باقاعدہ پردہ کرتی تھی کہ یہی مذہب بھی بتاتا تھا اور یہی ان کی روایات تھیں اور اسی قسم کے طرز عمل کی ان کا ماحول عکاسی کرتا تھا۔

✲ ✲ ✲

"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ تائی جی! منع کر دیں آپ کہ ہم لوگ نہیں بھیج رہے آیت کو وہاں شادی کر کے لے جائیں گے پھر بھلا جیسا ان کا ماحول ہے ویسے ڈھال لیں اسے ــــــ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا مگر یہ کیا بات ہوئی کہ لڑکی بیس دن پہلے ہونے والی سسرال جا کر رہے اور اپنی شادی کی خریداری کرے۔ ان کا ہو گا ایسا ماحول ہمارا نہیں ہے۔ اپنی مرضی کا لے لیں سب کچھ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ ناپ وہی تھا جو وہ اس دن لے گئے۔

اب یہ بھلا کوئی تک بنتی ہے کہ لڑکا بھی آج کل میں پاکستان پہنچنے والا ہے۔ ساتھ مل کر شاپنگ کی جائے گی ہونہہ۔" آمنہ تو ممانی کے فون کا اور ان کی فرمائش کا تائی جی کی زبانی سن کر بھڑک اٹھی تھی۔ آیت نے البتہ ضرور اسے شاکی نظروں سے دیکھا تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو بیٹا! مگر اس قسم کے رشتوں کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔" تائی جی کچھ تذبذب کا شکار ہو کر بولیں۔

ان کی موجودگی میں تو آیت چپ رہی مگر تائی جی کو تایا نے جب کسی کام کے لیے بلایا تو وہ بات کو وہیں ادھورا چھوڑ چلی گئیں تب ان کے جانے کے بعد آیت گویا پھٹ پڑی تھی۔ جب آمنہ نے اس سے پوچھا۔

"تم خود بتاؤ آیت! کیا میں غلط کہہ رہی ہوں میرے تو خیال میں ممانی کو کال کر کے تم خود ہی منع کر دو.....؟"

"اور مجھے یہ کیوں لگ رہا ہے کہ تم مجھ سے 'میری بات سے جیلس ہو رہی ہو۔" آیت کے ٹھنڈے ٹھار لہجے کی سردی زیادہ تھی یا اس کے الفاظ کی دھار زیادہ نوکیلی تھی۔ آمنہ اس پل سمجھ نہ سکی تھی آیت مزید گویا ہوئی۔

"پہلے پہل میں اسے ایک بہن کی فطری جذبات سمجھی تھی کہ میری بہن مجھ سے اتنی محبت کرتی ہے کہ وہ مجھے خود سے دور نہیں کر سکتی.... مگر جیسے جیسے وقت

گزرتا گیا مجھے میری سمجھ میں آتا گیا آمنہ کہ تم سے برداشت ہی نہیں ہو رہا کہ تم گاؤں کے ایک معمولی گھر میں زندگی گزارو اور تمہاری بہن کینیڈا جیسے ملک میں جا کر عیش کرے۔ تم جلیس بھائی جیسے عام بی اے پاس کسان کی بیوی بنو اور تمہاری بہن احمر جیسے ہائی کوالیفائیڈ' فارن پلٹ شخص کی ہمراہی میں زندگی گزارے۔

مجھے اس شادی سے روکنا سدیس کی محبت نہیں تھی تمہاری جیلسی تھی آمنہ! جو تم قدم قدم پر ظاہر کر رہی ہو۔ ماں تو بہت عرصہ پہلے میں کھو چکی ہوں' اب مجھے لگ رہا ہے کہ میں نے بہن بھی کھو دی ہے۔"

"بکواس بند کرو اپنی! میں لعنت بھیجتی ہوں ایسے رشتوں اور ایسی زندگی پر جس نے تمہاری عقل' بصارت تو کیا سمجھنے کی حس تک چھین لی ہے۔ میرے نزدیک رشتوں کا خلوص اور اپنا پن معنی رکھتا ہے۔ بس اور وہ سب کچھ مجھے پوری دنیا میں صرف اسی گھر میں مل سکتا ہے۔ نجانے کیوں مجھے تو تم پر غصہ بھی نہیں آ رہا ترس آ رہا ہے۔ تمہاری سوچ کی پسماندگی پر۔ میری طرف سے جو چاہو' جیسے چاہو ویسے کرو' میں اب کوئی بات نہیں کروں گی کہ تم نے تو ہم دونوں کا انمول رشتہ ہی شک کے ترازو میں تول ڈالا۔

پھر بھی دعا ہے کہ اللہ کرے تمہارے وہ سارے خواب سچ ثابت ہوں جن کی ظاہری چمک دمک نے رشتوں کا ہی مذاق بنا ڈالا۔" آمنہ کہہ کر رکی نہیں تھی۔ باہر جا کر دم لیا تھا اور نجانے اس کی اور تائی کی مزید کیا بات چیت ہوئی تھی کہ اگلی صبح ممانی بمع ڈرائیور آیت کو لینے آن پہنچی تھیں۔

جاتے سمے نہ تو آمنہ نے حسب معمول نصیحتوں کا پلندہ اس کے ہمراہ کیا تھا نہ دروازے تک رخصت کرنے آئی تھی۔ ممانی سے مل کر وہ کچن میں جو گم ہوئی تھی آیت کے جانے کے بعد باہر نکلی تھی' ہاں اس کی آنکھوں کی سرخی ضرور گواہ تھی کہ وہ اپنی بہن کی بے وقوفی پر بہت دیر روتی رہی تھی۔

ممانی شہر آ کر گھر لے جانے کے بجائے اسے مارکیٹ لے کر گئی تھیں پھر ضروری شاپنگ کرانے کے بعد پارلر لے کر گئی تھیں۔ دو گھنٹے کی محنت کے بعد اس کا نوخیز حسن مزید نکھر گیا تھا۔ ضروری ٹریٹمنٹ کے بعد ممانی نے ایک اسٹائلش سوٹ تبدیل کروانے کے بعد اس کا ہلکا ہلکا میک اپ بھی کروا دیا تھا' آیت نے ایک دو دفعہ پوچھا بھی تھا کہ یہ سب کیا ہے۔ وہ بس معنی خیزی سے مسکرا کر کہتیں کہ جیسا وہ کہہ رہی ہیں' وہ ویسا کرتی جائے۔

"اب تو بتائیں ممانی! یہ سب کیا ہے؟" اگرچہ اپنا یہ روپ اسے بے حد پسند آیا تھا مگر ممانی کے پراسرار انداز پر اب وہ الجھن کا شکار تھی۔ ویسے بھی آمنہ سے ہونے والی کل کی تلخ کلامی کے بعد سے وہ دل ہی دل میں بے حد پچھتائی تھی کہ جذبات میں وہ پتا نہیں کیا کیا بکواس کر گئی تھی۔ آمنہ سے معافی بھی مانگنا چاہتی تھی مگر ایک تو آمنہ کا سرد انداز اور خود اس کی اپنی انا آڑے آئی تھی اور وہ آمنہ سے معافی کا ارادہ ہی باندھتی رہ گئی تھی کہ ممانی صبح ہی صبح اسے لینے آن پہنچی تھیں اور ممانی کی آمد اسے ہمیشہ سدھ بدھ بھلا دیتی تھی۔

"بھئی میں تو سرپرائز ہی دینا چاہ رہی تھی گھر پہنچ کر مگر تم سے صبر ہی نہیں ہو رہا تو سن لو کہ احمر کل شام کا پاکستان پہنچ چکا ہے۔ تم لوگ چونکہ پہلی مرتبہ ملو گے تو میں چاہتی تھی کہ کسی قسم کی کوئی کمی نہ رہ جائے اور وہ دیکھے تو دیکھتا ہی رہ جائے اور داد دے میری پسند کی کہ کیسا ہیرا اس کی ماں نے اس کے لیے ڈھونڈا ہے۔" ممانی نے فخریہ انداز میں کہا۔ آیت کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ وہیں دل میں کہیں عجیب سے جذبات سر ابھارنے لگے پہلی بار روبرو ہونے کا خیال اتنا جاں فزا تھا کہ وہ خیالوں ہی خیالوں میں کہیں دور نکل گئی تھی۔

"ممانی آپ نے تائی.... میرا مطلب ہے میں گھر ذکر کیا تھا احمر کے آنے کا؟" کچھ دیر کے بعد خیال آنے پر اس نے جھجک کر پوچھا۔

"ارے نہیں بھئی! مجھے بے وقوف سمجھ رکھا ہے کیا تم نے.... میں نہیں جانتی کہ کیا گاؤں میں رہنے

والی لوگ کس قدر تنگ نظر ہوتے ہیں اس حوالے سے۔" انہوں نے کسی قدر حقارت سے کہا تو آیت کو کچھ خاص اچھا نہ لگا تھا ان کا لہجہ۔ تاہم کچھ بولی نہیں تھی۔

"واؤ لکنگ سو پریٹی این انوسینٹ... ممی آپ نے احمر کا پورا بندوبست کرنے کا پروگرام بنا لیا۔" اسے دیکھ کر زاشی نے سراہا اور ممانی سے کہا۔

"بالکل... میری بیٹی ہے ہی اتنی خوب صورت کہ جو دیکھتا ہے دیکھتا ہی رہ جاتا ہے۔ احمر بھی دیکھنا' کینیڈین لڑکیاں چھوڑ کینیڈا کو نہ بھول جائے پھر کہنا' ہے کہاں احمر بلاؤ اسے۔" ممانی نے ہاتھ سے پکڑ کر اسے اپنے پاس صوفے پر بٹھایا اور زاشی سے کہا۔

"وہ تو بہت دیر ہوئی دوستوں کی طرف نکلے ہوئے ہیں۔ عرشی اپنی فرینڈز کے ساتھ وہ اپنے... میری بھی فرینڈ کی برتھ ڈے ہے۔ نکل ہی رہی تھی کہ آپ لوگوں کو دیکھ کر رک گئی۔" زاشی نے بتاتے ہوئے درمیانی میز پر پڑا اپنا پاؤچ اٹھایا اور بائے بائے کرتی باہر نکل گئی۔

"آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے... تم بیٹا جا کر ذرا ریسٹ کرو... میں اس لڑکے کا پتا کروں کہ کہاں ہے۔"

ممانی نے اپنے بالکل پاس دھرے پرس میں سیل نکال کر نمبر ملایا اور آیت سے کہا۔ آیت اثبات میں سر ہلاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"احمر کے بچے! کہاں ہو؟ تمہیں کہا بھی تھا کہ میں آیت کو لے کر گھر آ رہی ہوں۔ گھر پر ہی رکو..." ان کی بات سن کر آیت کے قدم ذرا دیر کو سست پڑے مگر اگلی بات سنے بغیر وہ ایک نئی الجھن لیے گیسٹ روم کی طرف آ گئی۔

کیا احمر اس سے نہیں ملنا چاہتا؟ پھر ممانی کے بتانے کے باوجود رکا کیوں نہیں گھر پر؟ آئینے کو اپنے بے حد خوب صورت نظر آتے عکس پر نظر جماتے اس نے سوچا۔

✡ ✡ ✡

"پوچھیں ذرا اس سے... اب جب بڑی مشکل سے ہی سہی سب کچھ ٹھیک ہونے جا رہا ہے تو کیوں یہ سب برباد کرنے پر تلا ہوا ہے...." ممانی نے تیز لہجے میں ماموں سے کہا۔ احمر ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسائے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ بالکل پاس ہی عرشی ایک میگزین کی ورق گردانی کرنے میں مگن تھی جیسے اسے باقی کسی سے کوئی سروکار نہ ہو زاشی البتہ ماں کے بالکل قریب بیٹھی تھی۔

"ہاں تو میاں... کیا تکلیف ہے تمہیں... تم سے کوئی تقاضا نہیں کر رہے نہ کوئی ڈیمانڈ... بس آرام سے شادی کر کے بھلے چلے جاؤ واپس... ہر سال جیسے چکر لگاتے ہو لگا جایا کرنا..."

"بھائی! پاپا ٹھیک کہہ رہے ہیں یا تو آپ کو پہلے ہاں نہیں کرنی تھی اس شادی کے لیے... اب شادی سے ایک ماہ پہلے آپ آ کر کہہ رہے ہیں کہ آپ کو شادی نہیں کرنی۔" زاشی نے ماں کا ساتھ دیا۔ مگر احمر تو جیسے پھٹ پڑا۔

"ہاں تو ایک بار غلطی ہو گئی' مانتا ہوں... وہ بھی ممی کے کہنے میں آ کر بار بار قسمیں دے کر' دودھ نہ بخشنے کا ٹپیکل جذباتی ڈائیلاگز سے مجھے مجبور کر دیا تھا کہ میں اس معصوم لڑکی کو اپنی طرف مائل کروں... میں بھی ایسے ہی سب کچھ چلنے دینا چاہ رہا تھا مگر جانتی ہو زاشی۔" وہ ایک پل کے لیے رکا۔

"پچھلے ہفتے میری بیٹی پیدا ہوئی اور تین دن پہلے جب میں اسے لے کر بیٹھا اس کے چہرے کے نقوش کو تکتے تکتے وہاں کسی اور کا چہرہ ابھر آیا... بائے گاڈ! میں کانپ گیا یہ سوچ کر کہ آج میں کسی کی بیٹی کے ساتھ دھوکا کر رہا ہوں خدانہ کرے کل میری بیٹی کے ساتھ ایسا ہوا تو کیا کروں گا؟ بس پہلی فرصت میں میں نے ٹکٹ کٹایا اور نینسی کو ممی کی بیماری کا بتا کے یہاں آ گیا ہوں۔

میں پہلے جذباتی دباؤ کے تحت اس معصوم لڑکی کے جذبات سے کھیلتا رہا ہوں جس کا افسوس مجھے تاعمر رہے گا۔ آپ لوگ میری بات کا یقین کریں کہ میں یہاں آ جاؤں گا پاکستان واپس۔ اگرچہ فوراً" نہیں مگر دو

تین سال میں میرا وہاں سے سب کچھ وائنڈ اپ کر کے واپس آنے کا ارادہ ہے۔ مگر میں یہاں دوسری شادی نہیں کر سکتا۔"

"رہنے دو بھائی۔۔۔ آٹھ سال سے یہی لارے سن رہے ہیں تمہارے۔ ہم کسی کے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کر رہے۔ شادی کے کچھ دن بعد میں آیت کو خود تمہاری شادی کا بتا دوں گی۔ بچیوں کی شادی ہو جائے گی۔ اب اگر ہم میاں بیوی اپنے بڑھاپے کا سہارا چاہتے ہیں تو تم مان کیوں نہیں جاتے۔ مالی لحاظ سے دو بیویاں رکھ سکتے ہو تم۔ مان بھی لوں کہ تمہاری انگریز بیوی یہاں آنے پر راضی بھی ہو جائے تو ہم بڈھا بڈھی کو خاک منہ لگانا ہے اس نے۔

آیت اچھی فرماں بردار بچی ہے۔ ایک آدھ دن کے لیے آتی ہے تو ایسے گھر کی ذمہ داریاں سنبھال لیتی ہے گویا اس کا اپنا ہی گھر ہو۔ بہو بن کے ہمیں وہ نہیں سنبھالے گی تو اور کون سنبھالے گا' میں کہے دے رہی ہوں احمر اب موقع کے اوپر تو نے انکار کیا تو میں زہر کھا لوں گی بس۔۔۔ آج وہ بچی آئی ہوئی ہے۔ اس سے کوئی بھی فضول بکواس کیے بغیر تم نے اسے پوری کمپنی

دینی ہے اور اپنی محبت کا بھرپور یقین دلانا ہے۔ یہ جو خناس وہاں سے بھر کے آئے ہو اسے وہیں کہیں دماغ کے اندر دفن کر دو۔" ممانی اب ہی تو اپنے جلالی روپ میں آئی تھیں۔ احمر بے بسی سے سب کو دیکھ کر رہ گیا۔

"تمہاری ممی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں احمر! سب کچھ بھلا کے شادی کی تیاری میں بھرپور حصہ لو۔ آیت واقعی بہت اچھی بچی ہے۔ تم سے صرف اتنی گزارش ہے کہ شادی کر کے خاموشی سے واپس چلے جاؤ۔۔۔ آگے تمہاری ممی جانیں اور میں جانوں۔"

دروازے میں ساکت کھڑی آیت کے آنسوؤں نے بھی اندر کہیں جا کر برف کی چادر اوڑھ لی تھی۔ ایک خوفناک سناٹا تھا جو اس کے پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔ اندر بیٹھے فرعونوں کے درمیان اب بھی اس کی قسمت کا فیصلہ زیر بحث تھا۔

"ارے وہ تو اتنی بھولی بچی ہے کہ اکثر اسے زاشی کے ایک دوبار پہنے گئے کپڑے' جوتے دے دیتی ہوں۔ خوش ہو کر لے لیتی ہے۔" ممانی کے کہنے پر اسے خود سے گھن آئی۔۔۔

اپنے گھر میں سدیس تایا' جلیس بھائی ہوں یا تائی ہر خریداری پہلے آیت کے سامنے لائی جاتی جو وہ پسند کرتی اس کے بعد باقی سب کی باری آتی تھی۔ خلا میں چلتی وہ گیسٹ روم میں واپس آئی تھی۔۔۔ کپکپاتے ہاتھوں سے اس نے زندگی میں پہلی بار سدیس کو کال ملائی تھی۔ جس کا نمبر نہ جانے کس کیفیت میں اس نے پچھلے ہفتے ہی فیڈ کیا تھا ورنہ تو اس کے سیل پر صرف احمر کی کال آتی تھی۔

"میرے ماموں کے گھر کتنی دیر میں پہنچ سکتے ہو۔" اس نے سدیس کی ہیلو کے جواب میں فوراً" کہا۔ آیت کی روئی روئی آواز پر وہ ٹھٹک گیا' چونک گیا۔

"کیوں خیریت؟ تم کہاں ہو؟ پندرہ بیس منٹ لگیں گے۔"

"جلدی سے یہاں آجاؤ سدیس! میں گیٹ کے پاس ہی ملوں گی تمہیں۔ روڈ پر آتے ہی بیل دینا میں آجاؤں گی۔ مجھے ابھی کے ابھی گھر چھوڑ کے آؤ۔"

اس نے کسی بھی سوال کا جواب دیے بغیر کال ڈراپ کر دی۔

یقین تھا کہ اس نے پندرہ منٹ کہا ہے تو واقعی پندرہ منٹ میں ہی گیٹ پر ہو گا۔ بیگ بیڈ کے نیچے سے گھسیٹ کر اپنا ایک سوٹ نکال کر تبدیل کرنے کے بعد رگڑ رگڑ کر منہ دھویا جس کا آدھا میک اپ آنسوؤں نے دھو دیا تھا۔ جب تک وہ چادر لپیٹ کر بیگ اٹھا کر تیار ہوئی۔ اس کے سیل پر سدیس کی مس کال اور باہر پہنچنے کا میسج آچکا تھا۔

مضبوط قدم اٹھاتی وہ گیسٹ روم سے باہر آگئی۔ اب وہ وہی پرانی والی آیت تھی نڈر' دو ٹوک ہر بات منہ پر کہہ دینے والی۔ کچھ دیر پہلے کی جذباتی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے والی آیت سے قطعاً" مختلف۔

ممانی کے کمرے میں ابھی بھی میٹنگ جاری تھی جبھی احمر اور ممانی کی تیز آواز ایک ساتھ آ رہی تھی' ایک تلخ مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا تھا۔ اس نے پورے اعتماد سے دروازہ کھول کر قدم اندر رکھا۔ اس پل آیت کو دیکھ کر سب کو سانپ سونگھ گیا تھا گویا۔ اس نے پہلے سے اتاری ہوئی ڈائمنڈ کی انگوٹھی جو ممانی نے بات پکی ہونے پر اسے پہنائی تھی درمیانی میز پر رکھی۔

"میں اتنی کمزور ہرگز نہیں تھی ممانی جتنی آپ نے مجھے سمجھ لیا تھا۔ مجھے کمزور کر گیا تھا میری ماں کی طرف سے بچا۔ آخری خونی رشتہ...." اس کی آواز بھرا گئی۔ ممانی کا رنگ فق پڑ گیا۔ ماموں گڑبڑا گئے۔

"آمنہ کہتی رہی کہ میری ڈانٹ سے ہی زندگی کے کچھ سبق سیکھ جاؤ ورنہ زندگی ٹھوکر لگائے بغیر سبق نہیں سکھاتی اور آپ سب نے مجھے زندگی کے تلخ ترین سبق پڑھائے ہیں۔ ٹھوکر تو بہت شدید ہے۔ تکلیف بھی حد سے سوا ہے مگر اللہ کے کرم سے مجھے سنبھالنے والے بہت ہیں۔ اللہ ان کو سلامت رکھے۔ مجھے زیادہ عرصہ یہ تکلیف یاد دھوکا یاد نہیں رکھنے دیں گے۔ دکھ تو سب سے زیادہ مجھے آپ کی طرف سے ملا ہے۔

ماموں! یہ سب غیر سہی آپ سے تو خون کا رشتہ تھا میرا' بھانجی نہ سمجھتے' یتیم سمجھ کر ہی ایک لفظ میری حمایت میں بول دیتے تو آج اسی لفظ سے ہی مالا مال ہو جاتی ہیں۔

"اور احمر!...." اب وہ ساکت بیٹھے احمر کی طرف مڑی۔

"آپ کی طرف سے مجھے کوئی گلہ نہیں ہے' پتا نہیں آپ اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے تھے یا کل کو مکافات عمل سے بچنا چاہتے تھے' دونوں صورتوں میں مجھے اس فریب سے بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس لیے آپ کی اس غلطی کو معاف کرتی ہوں' جو مجھے اپنی طرف مائل کرنے کے لیے آپ نے کی تھی۔ شکر ہے یہ سفر زیادہ دور تک طے نہیں ہوا تھا ورنہ بہت مشکل ہو جاتی.... میرا کزن مجھے باہر لینے آ چکا ہے۔ ماموں آپ اپنی بہن کی طرح ہمیں بھی مرا ہوا تصور کر لیجئے گا اور ممانی صرف ایک بار ہی سوچا ہوتا کہ آپ کی بھی دو بیٹیاں ہیں۔" کہہ کر وہ رکی نہیں تھی تیزی سے باہر آئی تھی کہ باہر سے مسلسل ہارن بج رہا تھا۔

"ارے.... تمہارے پاس تو بائیک تھی ناں.... یہ گاڑی کہاں سے آئی؟" اگلا دروازہ اس کے لیے کھولے سدیس اس کا منتظر تھا۔ گاڑی دیکھ کر آیت نے کہا تو اس کے بیٹھتے ہی سدیس نے اس سے بیگ لے کر پچھلی نشست پر اچھالا اور خود گاڑی آگے بڑھا دی۔

"اب اس وقت تمہیں بائیک پر لے جا کر میں نے اماں' ابا سے مار نہیں کھانی تھی۔ دوست کی لے کر آیا ہوں۔ اب جلدی سے شروع ہو جاؤ کہ اس ایمرجنسی کال اور ارجنٹ واپسی کا کیا چکر ہے...." مین روڈ پر آتے ہی اس نے گاڑی کی اسپیڈ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میں نے ایک بار کہیں پڑھا تھا کہ خود غرض رشتے ان کوئلوں کی مانند ہیں جو اگر جلتے ہوئے ہوں تو زخم دیتے ہیں اور اگر بجھ چکے ہوں تو ہاتھ کالے کرتے ہیں۔ اس بات کا مطلب آج پورے معانی و مفہوم کے ساتھ میری سمجھ میں آیا ہے۔ ورنہ جب میں نے یہ پڑھا تھا پھر اپنے رشتے ذہن میں لاتے ہی میں نے سوچا تھا بھلا رشتے بھی کبھی خود غرض ہوتے ہیں.... میں نے اپنے گرد بے غرض رشتے جو دیکھے تھے.... اور آج رشتوں کا جو روپ میں نے دیکھا ہے۔ اگر تم لوگ نہ ہوتے تو انہوں نے مجھے زندہ درگور کرنے کا پورا بندوبست کر رکھا تھا۔" پھر اس نے آہستہ آہستہ ساری روداد سدیس کے گوش گزار کر دی۔ جس کو سن کر منوں بوجھ سدیس نے اپنے سر سے ہٹتا محسوس کیا۔

"تم رو رہی ہو....؟ ایسے ہی میں تمہیں بے وقوف نہیں کہتا۔" وہ اسے آنسو صاف کرتا دیکھ کر تاسف سے بولا۔

"ارے یار' شکر کا مقام ہے یہ تو.... مجھ سے پوچھو.... میرا بس نہیں چل رہا کہ گاڑی بیچ سڑک روک کر بھنگڑا ڈالنا شروع کر دوں.... میں تو ایسے خود غرض اور مطلبی لوگوں پر اپنی سوچ کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ کروں اور تم اپنے قیمتی آنسو ضائع کر رہی ہو.... دفع کرو اور ایک بات کان کھول کر سن لو کہ شادی کی تاریخ وہی رہے گی بس دولہا بدلے گا ان شاء اللہ.... ذرا اپنی عقل استعمال کرو گی تو پتا چلے گا کہ یہ میری دعائیں ہی تھیں جنہوں نے وقت پر تمہیں ان فریبی لوگوں سے بچا کر میرے لیے محفوظ رکھا.... اور اب میں اور کسی رسک لینے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ تم نہیں جانتیں آیت کہ میری محبت تم سے اتنی پرانی.... اتنی شدید ہے تمہارے کسی اور کے ہونے کے تصور نے میری جان ہی نکال دی تھی۔" ایک جذب سے اس نے کہا۔

"اچھا.... ابھی سے ایسی باتیں مت کرو.... میں نے ابھی ہاں نہیں کی۔" اس کی داستان محبت لمبی ہونے سے پہلے ہی آیت نے سٹپٹا کر اسے روک دیا۔

"کمال ہے یار! آمنہ بھابھی کہتی ہیں کہ اظہار محبت نہ کرنے کی پاداش میں آیت تم سے دور ہو گئی اور اب آیت محترمہ تو ابھی محبت کے حرف میم کا عشر عشیر بھی نہیں سن سکیں۔" وہ منہ بنا کر بولا تو اس کے اس انداز پر آیت بے اختیار کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

ساری کثافت دھل جانے کے بعد والی شفاف اور سادہ ہنسی جس نے سدیس کا اندر تک مطمئن کر دیا تھا۔

"میرے اللہ کا خاص کرم ہو گیا مجھ پر آیت بی بی! ورنہ تم نے تو اپنے ساتھ مجھے بھی ڈبونے کا پورا بندوبست کر رکھا تھا اپنی کزن کو میرا نمبر دے کر۔ پتا نہیں کیسی سائیکو لڑکی ہے کہ میرے روڈ بی ہیو کے باوجود دن میں کئی مرتبہ کالز کرتی ہے اور تو اور خود سے رشتہ کی پیش کر دیا اپنا کہ آیت کی خواہش ہے کہ مجھے سدیس کی دلہن بننا چاہیے۔ مت پوچھو کہ میرا دل کیا جا کر تمہارا گلا دبا دوں اسی وقت...."

آیت کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا کیونکہ زاشی اسے سدیس اس سے کتنی محبت کرتا ہے کے کئی قصے سنا چکی تھی اور یہ بھی کہ وہ اس سے شادی کے لیے اصرار کر رہا ہے۔ تب آیت نے دل میں سوچا تھا۔ ہونہہ جھوٹا پہلے مجھ پر ڈورے ڈالے جب میں نے انکار کیا تو زاشی کو پھنسا لیا۔

"تم.... تم اب اس کی کوئی کال ریسیو نہیں کرو گے.... بلکہ وہ سم ہی نکال کر پھینک دو۔ ایک نمبر کی جھوٹی لڑکی ہے وہ بلکہ تم اسے جلد از جلد یہ اطلاع بھی دو گے کہ اب تم سے کوئی مطلب نہ رکھے کیونکہ تمہاری شادی ہو رہی ہے۔"

"کس سے ہو رہی ہے؟ اس کے بارے میں کیا کہوں۔" آیت کے غصے سے کہی گئی بات کو سن کر اس نے معصومیت سے سوال کیا۔

"مجھ سے اور کس سے...." اس کے ترنت جواب پر وہ قہقہہ لگا کر ہنسا اور فوراً جیب سے موبائل نکال کر نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے کال ریسیو ہوتے ہی اس نے ہو بہو وہی الفاظ دہرائے جو آیت نے کہے تھے۔ اس کے بعد دوسری طرف کا جواب سنے بغیر سیل آف کر اس میں سے سم نکال کر اسے انگلی اور انگوٹھے کی مدد سے دو ٹکڑے کر کے باہر اچھالا اور گاڑی دوبارہ سے اسٹارٹ کر دی۔

"کوئی اور حکم ہے تو حکم کیجئے ملکہ عالیہ!...."

"نہیں.... اور کچھ نہیں بس گاڑی تیز چلاؤ۔ ہمیں رات گہری ہونے سے قبل گاؤں پہنچنا چاہیے۔ تائی جی اور تایا بہت یاد آ رہے ہیں اور ابھی تو آمنہ سے بھی معافی مانگنی ہے مجھے...." آسودگی کا سانس لیتی آیت سیٹ کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے بولی تو سدیس نے مسکراتے ہوئے ایکسیلیٹر پر پاؤں کا دباؤ بڑھا دیا۔

چودھویں کا چاند بھی مسکراتے ہوئے ان کے ساتھ سفر میں تھا۔

عفت سحر طاہر

اٹھارہویں قسط

موحد نے گو کہ ہاتھ ہلکا ہی رکھا تھا۔ مگر ایک مرد کے ہاتھ کا تھپڑ مہر ماہ کو ہلا گیا ـــــ وہ سلگتے گال پر ہاتھ رکھے پہلے تو بے یقینی سے موحد کو دیکھتی رہی پھر گویا طیش میں آ گئی۔ لال بھبو کا چہرہ لیے اس نے دونوں ہاتھ موحد کے سینے پر رکھ کر اسے پیچھے دھکیلا اور غرائی۔

"ہاؤ ڈیر یو؟" (تمہاری ہمت کیسے ہوئی)

وہ اس کے دھکے سے اپنی جگہ سے تھوڑا سا لڑکھڑا گیا۔ وقتی غصے کی لہر گزرنے کے بعد اسے احساس ہوا کہ وہ مہر ماہ پر ہاتھ اٹھانے کی کتنی گری ہوئی حرکت کر چکا تھا۔ مہر ماہ کی آنکھ میں آنسو نہیں تھے' وہ اس قدر شدید بے یقینی اور صدمے کی زد میں تھی کہ رو بھی نہیں پائی تھی۔

"اور تم۔۔۔ تم کیا کرتی پھر رہی ہو' جانتی ہو؟ اللہ جانے کس سے مل کر ایک لاکھ دے کر آ گئیں۔ یہ سب باتیں میں جا کر آغا جان یا تمہاری فیملی کو بتاؤں تو پھر پتا چلے تمہیں۔ کہاں سے آیا وہ محرم تمہارا؟" موحد اس سے بھی اونچی آواز میں دھاڑا۔ وہ مہر ماہ کو خود پر حاوی ہونے کا موقع ہی نہیں ـــــ دینا چاہتا تھا۔

"نکاح میرا ہوا ہے' میں نے خود اسے وہاں دیکھا تھا۔ اس سے بات کی تھی۔" مہر ماہ کے احساسات پگھلنا شروع ہوئے تو رونا بھی آنے لگا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

"مگر نکاح کے وقت تم نے اسے اپنے مقابل نہیں دیکھا مہر ماہ۔ اور نہ ہی تمہارے پاس کوئی نکاح نامہ موجود ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ تم ایک فضول شخص کی باتوں میں آ کر نہ صرف اس سے بلیک میل ہو رہی ہو بلکہ اسے اپنا محرم بھی سمجھ رہی ہو۔" وہ اس کی بات سن کر تیز مگر ناگوار لہجے میں بولا۔

"شٹ اپ۔۔۔" وہ غصے سے چلائی۔ اور اس کی طرف انگلی اٹھا کر بولی۔

"تم یہ مت بھولو کہ تم سے بھی میرا محرم کا رشتہ نہیں ہے۔ خواہ مخواہ میرے دادا بننے کی کوشش مت کرو۔ میں اپنی زندگی کو پرسکون بنانے کے لیے جو چاہے اور جیسے جی چاہے ویسے ہی کروں گی۔"

موحد تیز نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

"اندھا دھند بھاگنے والے منہ کے بل گرا کرتے ہیں تو چوٹ بہت سخت لگا کرتی ہے مہر ماہ آفندی!"

"تم اپنی نصیحتیں اپنے پاس ہی رکھو۔ تمہارا اصل کیا ہے وہ آج میں دیکھ چکی ہوں۔" اس نے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑ کر صاف کرتے ہوئے تلخی سے کہا تو اندر ہی اندر وہ ندامت کے ڈھیر تلے دبا۔ مگر مہر ماہ کے سامنے اس وقت اس شرمندگی کا اعتراف کرنا گویا اسے پہاڑ پر چڑھانے کے مترادف تھا۔

"وہ صرف تمہاری بدتمیزی کا ری ایکشن تھا مہر! تم بہت غلط کرنے جا رہی ہو۔ ایک انجان شخص سے بنا کسی

رشتے کے طلاق کا مطالبہ کرنا پاگل پن ہے اور کچھ نہیں ۔" وہ اسے وارن کر رہا تھا۔
"شٹ اپ!" وہ اسی تلخی اور صدمے کی گرفت میں تھی۔ "تم ایسا کوئی حق نہیں رکھتے مجھ پر کہ اپنا غصہ اس طرح دکھاؤ۔"
آئم سوری۔۔۔ لیکن میں یہ سارا معاملہ گھر والوں کو ضرور بتاؤں گا۔" وہ شانے اچکا کر بولا۔ تو انداز معذرت والا تو بالکل بھی نہیں تھا۔ اسی بات نے مہر ماہ کو اور سلگایا۔
"ضرور بتانا۔ اب تو ویسے بھی وہ مجھے طلاق دینے پر راضی ہو گیا ہے ۔" وہ تلخی سے کہہ کر پلٹی۔ موحد کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کہاں سر دے مارے۔
کچھ کہنے کو لب کھولے۔ مگر مہر ماہ کمرے سے نکل گئی تھی۔ وہ ہتھیلی پر مکا مار کر رہ گیا۔
مہر ماہ کی ضد نے صحیح معنوں میں اس کا سر گھما کر رکھ دیا تھا۔ اللہ جانے کس کو وہ زبردستی کا نمیر آفندی بنا کر اس کے ہاتھوں بلیک میل ہو رہی تھی۔ اور اب اگر وہ شخص اسے نقلی طلاق نامہ بھی پکڑا دیتا تو۔۔۔ موحد گویا جلتے کوئلوں پر کھڑا تھا۔

☆☆☆

"موحد۔۔۔" وہ اپنے آفس میں داخل ہونے لگا تھا جب مبین صاحب اسے آواز دیتے، تیز قدموں سے چلتے اس کی طرف آئے۔ وہ دروازے پر ہی رک گیا تھا۔ انہوں نے پاس آکر بڑی شفقت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ یہ گویا اس پر اعتماد اور مان کا اظہار تھا۔ آخر کو داماد تھا اب۔
"یار کل سے چیک تمہاری ٹیبل پر پڑا ہے۔ تم نے سائن نہیں کیے۔"
"اس چیک کے ساتھ کوئی ڈیٹیل نہیں کہ کس مد میں اتنی بڑی رقم طلب کی جا رہی ہے۔" اس کی پیشانی پر ایک بل پڑا تو مبین صاحب نے مسکراتے ہوئے اس کے شانے پر ہاتھ کا خفیف سا دباؤ بڑھایا۔
"بھئی اب تو داماد ہو گئے ہو۔ اب تو یہ تفصیلات اور گہرائیاں چھوڑو۔ چیک سائن کرنے کے لیئے کیا یہ حوالہ کافی نہیں کہ اب سسر ہوں میں تمہارا۔" موحد کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ ابھری۔ اس نے اپنے شانے پر سے ان کا ہاتھ اتار کر دونوں ہاتھوں میں تھام کر سہلایا اور ان کی طرف دیکھ کر آہستگی سے بولا۔
"حقیقت تلخ ہے مگر سچ تو یہی ہے کہ آپ کا داماد نمیر آفندی ہے۔ میں تو محض کٹھ پتلی داماد ہوں۔۔۔" وہ اس کھلی بے عزتی پر اپنی جگہ جامد سے ہو گئے۔ موحد نے ان کا ہاتھ ہلکے سے تھپتھپایا اور نرمی سے بولا۔
"اب جلدی سے اس چیک کی ڈیٹیل بھجوائیے۔ تاکہ میں سائن کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کر سکوں۔" انہیں یونہی ساکت چھوڑ کر آفس میں داخل ہو گیا۔
مبین صاحب دروازہ بند ہوتے ہی گڑبڑا کر ہوش میں آئے۔
"الو کا پٹھا۔۔۔" انہوں نے دانت پیسے۔ ادھر ادھر دیکھ کر کسی کے نہ ہونے کا یقین کرتے ہوئے جیب سے رومال نکال کر ماتھے پر چمکتا پسینہ صاف کیا اور تیز قدموں سے لفٹ کی جانب بڑھ گئے۔
وہ اندر جا کر کرسی میں دھنس گیا اور سر کرسی کی پشت سے ٹکا کر آرام دہ حالت میں بیٹھ گیا۔ مگر جب دل ہی کو سکون نہ ہو تو کوئی کیا کرے۔ اسے مسلسل مہر ماہ پر غصہ آرہا تھا۔ اسے قطعاً امید نہیں تھی کہ مہر ماہ ایسا بولڈ اسٹیپ بھی لے سکتی ہے۔ کل اسے تھپڑ مار کر جو شرمندگی ہو رہی تھی اب وہ ختم تھی اور جتنا بھی وہ اس معاملے کو سوچتا، اسے مزید غصہ ہی آرہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا وہ مہر ماہ کو اس معاملے سے آئندہ کے لیے دور کیسے رکھے۔ یکلخت اس کے ذہن کا جیسے در سا وا ہوا۔ وہ بے ساختہ سیدھا ہو بیٹھا۔ اس کا ہاتھ اپنے موبائل کی طرف بڑھا۔ پیشانی پر

بل لیے وہ کوئی نمبر ملا رہا تھا۔ مگر دوسری طرف سے مسلسل نمبر بند جا رہا تھا۔ اس نے لائن ڈسکنیکٹ کر کے موبائل میز پر دھکیل دیا۔

"نمیر آفندی۔۔۔" اس نے دانت کچکچائے تو چہرے کے حساس حصے غصے سے سرخ ہو رہے تھے۔

☆☆☆

نفرت۔۔۔اور شدید نفرت۔

"موحد آفندی۔۔۔" گو تو ہیل۔ وہ شدت سے روئی تھی کمرے میں آ کر۔ اس کی جرأت کیسے ہوئی مجھے تھپڑ مارنے کی۔ بار بار یہ خیال اسے تڑپاتا۔ کیوں نہ میں نے بھی جواباً تھپڑ مارا۔ اسی وقت بدلہ اتر جاتا اور یہ پچھتاوا تو نہ ہوتا۔ ثمرہ کمرے میں داخل ہوئیں تو اسے روتے دیکھ کر پریشان سی تیزی سے اس کی طرف بڑھیں۔

"مہر۔۔۔ کیا ہوا؟"

مہر ماہ نے شکوہ کناں نگاہوں سے انہیں دیکھا مگر منہ سے کچھ بولے بنا دوپٹے سے چہرہ خشک کرنے لگی۔ وہ اس کے پاس آ بیٹھیں۔ آنسوؤں سے بھیگا چہرہ اور گلابی ہوتی آنکھیں۔

"موحد نے کچھ کہا ہے کیا۔؟" کسی نتیجے پر پہنچ کر انہوں نے آہستہ سے پوچھا۔ جیسے اپنے کہے لفظوں کا یقین نہ ہو مگر ایسے ہی پوچھ رہی ہوں۔ گویا بات برائے بات۔ مگر مہر و تو پھٹ ہی پڑی۔

"اور کون ہے اس گھر میں جس کی اتنی جرأت ہو۔ تھپڑ مارا ہے آپ کے بیٹے نے مجھے۔" ثمرہ کو کرنٹ سا لگا۔ بے یقینی سے مہر ماہ کو دیکھا۔

"آپ جانتی ہیں اس نکاح کی حقیقت کو۔ پھر اس نے کس حق سے مجھے مارا؟"

"مگر کیوں۔۔۔ کس بات پر۔۔۔ کچھ بتاؤ تو مہر ماہ۔ میرا دل پریشان کر دیا تم نے تو۔ موحد ایسا کیسے کر سکتا ہے۔" وہ واقعی سن کر ہرٹ ہوئی تھیں۔ مہر ماہ نے ساری بات انہیں بتا دی جسے وہ دم سادھے سنتی رہیں۔

"میرے اللہ۔۔۔" آخر میں وہ دم بخود سی مہرو کو دیکھے گئیں۔ "تم جا کر نمیر سے نہ صرف مل آئیں بلکہ اسے پیسے بھی دے ڈالے؟"

"ہاں تو کیا ہوا۔۔۔ آپ نے ہی تو کہا تھا کہ میں نمیر سے بات کروں اور اسے سمجھانے کی کوشش کروں۔"

"یہ تو نہیں کہا تھا کہ اس کے ہاتھوں بلیک میل ہونا شروع ہو جاؤ۔" ثمرہ کو اعتراض ہوا۔ "اور تمہیں کیسے پتا کہ وہ نمیر ہی تھا؟" وہ مضطربانہ انداز میں بعجلت پوچھنے لگیں۔

"میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ" آپ دونوں" کو کیسے پتا ہے کہ جس سے میں مل کر آئی ہوں وہ نمیر نہیں ہے" مہر ماہ تلخ ہو کر بولی تو وہ گڑبڑا کر مہر ماہ کو دیکھنے لگیں۔

"میں اسے بہت اچھی طرح پہچانتی ہوں آنٹی! وہی اغوا کے دوران ملا تھا مجھے۔ اور کوئی ہوتا تو مجھے طلاق دینے پر راضی ہوتا کیا؟ وہ پیسے لے کر مجھے طلاق دینے پر بھی راضی ہے۔" وہ دھما کے پر دھما کا کر رہی تھی۔ ثمرہ منجمد سی اسے ایک ٹک دیکھ رہی تھیں۔ آخری جملہ سن کو گویا ان کا سکتہ ٹوٹا۔ سرسراتے لہجے میں پوچھا۔

"طلاق۔۔۔؟"

"جی ہاں۔۔۔ میں بیوقوف نہیں ہوں کہ ایک لاکھ یونہی ضائع کر دوں۔ آگے کا معاملہ طے کر کے آئی ہوں اس کے ساتھ۔"

"یا اللہ۔۔۔" ثمرہ کا دل کسی شکنجے میں جکڑا گیا۔ کیا بیوقوفی کر رہی تھی وہ۔ اور ماننے کو تیار بھی نہیں تھی۔

"یہ معاملہ موحد پر چھوڑ دو مہرو! اس پر اعتبار کر کے نکاح کیا ہے تو اب باقی کا معاملہ بھی اسی کو سلجھانے دو۔"
"موحد کا تو نام بھی مت لیں آنٹی۔" وہ غصے اور تلخی سے بولی۔ "معاف کیجیے گا۔ مگر اس نے جتنی مدد کرنا تھی کرلی۔ اب تو بس اللہ مجھے ایک لاکھ روپیہ دے تو میں وہ موحد کے منہ پر ماروں۔"
"اسے تمہاری نادانی پر غصہ آگیا ہوگا مہرو۔ ورنہ وہ بہت سوئیٹ ہے۔ میں سختی سے پوچھوں گی اس سے۔ آئندہ وہ جرأت نہیں کرے گا تمہارے ساتھ ایسی بدتمیزی کرنے کی۔" ثمرہ نے اس کا رخسار تھپتھپایا۔ مگر مہر ماہ کو ان کی بات کا یقین نہیں آیا تھا۔
"یہ معاملہ مجھے ہی سلجھانا ہے آنٹی! نمیر نے کہا ہے کہ میں یہ معاملہ کسی سے بھی شیئر نہ کروں ورنہ وہ ہمیشہ کے لیے روپوش ہو جائے گا۔ یہ تو میں ہی بیوقوف ہوں جس نے آکر سیدھا آپ کے اس سوئیٹ بیٹے سے ذکر کر کے انعام میں تھپڑ کھالیا۔"

"بالفرض وہ پیسوں کے بدلے طلاق دینے پر راضی بھی ہے تو یہ سوچا ہے کہ یہ روپے آئیں گے کہاں سے؟" مہر ماہ کے پاس اس بات کا بہت اچھا سا جواب تھا مگر وہ یہ جواب صحیح وقت پر صحیح آدمی کے سامنے دینا چاہتی تھی۔ اس لیے محض دل ہی دل میں ہونہہ کہہ کر بس خاموشی سے سر جھکا دیا، تو وہ گہری سانس بھر کر رہ گئیں۔

☆☆☆

تزئین کی آمد خوشی کا استعارہ تو کبھی بھی نہیں رہی تھی خصوصاً مہر ماہ کے لیے۔ اب بھی وہ آئی تو ٹی وی لاؤنج میں اپنا فیورٹ ڈراما نشر مکرر میں دیکھتی مہر ماہ وہاں سے اٹھنے کو پر تولنے لگی۔ مگر وہ تائی جان سے رسمی سا سلام کرتے ہوئے تاثرات لیے سائرہ چچی کے کمرے میں گھس گئی۔ مہر ماہ کی طرف تو اس نے دیکھنا بھی گوارہ نہیں کیا تھا۔ اگر تو شام کی چائے کا وقت نہ ہوتا اور سب نے چائے اکٹھے پینے کی روایت نہ قائم رکھی ہوتی تو مہر ماہ کمرے سے باہر ہی نہ آتی۔
"آگئی فساد کی جڑ۔۔۔" تائی جان بڑبڑاتی ہوئی کچن کی طرف بڑھی تھیں۔ تزئین کے جانے کے بعد وہ پھر سے ٹی وی کی طرف متوجہ ہوگئی مگر مجال ہے جو ایک بھی لفظ سمجھ میں آیا ہو۔ اسے یاد آگیا کہ موحد کو کہاں سے پتا چلا ہوگا کہ مہرو نے طلال سے فون پر بات کی تھی۔ یہ یقیناً تزئین ہی ہوگی۔
"اُف۔۔۔ ایک تو زمانے بھر میں ذلیل ہونے کو بس میں ہی رہ گئی ہوں۔ اور وہ کمینہ طلال۔۔۔ ہر بات بیوی کو بتانی اتنی ضروری بھی نہیں ہوتی۔۔۔" وہ خود ترسی کا شکار ہوتی بجھے دل کے ساتھ بیٹھی ٹی وی کو گھورتی رہی۔ ملاحہ دھپ سے اس کے پاس بیٹھی تو وہ بری طرح چونکی۔
"کہاں گم ہو آپی۔ بھی اشتہار بھی اتنی دلجمعی کے ساتھ دیکھتا ہے کوئی۔"
وہ فریش سی بولی تو مہر ماہ نے اس کے کھلے ہوئے چہرے کو نظر لگنے کے ڈر سے نگاہ بھر کر بھی نہ دیکھا۔ کبھی وہ بھی ایسی ہی من موجی ہوا کرتی تھی۔ پھر مدھم سا مسکرادی۔
"بس ایسے ہی کچھ خاص نہیں آرہا تھا ٹی وی پر تو اٹھ کر کمرے میں جانے والی تھی۔"
"اونہوں۔۔۔ ابھی تو چائے آرہی ہے۔"
"میرے کمرے میں دے جانا ملی۔۔۔ تزئین آئی ہوئی ہے اور میں اس کا سامنا بھی نہیں کرنا چاہتی۔" مہر ماہ نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا تو وہ معترض ہوئی۔
"کوئی ضرورت نہیں ان سے چھپنے کی۔ چھپنا تو انہیں چاہیے جنہوں نے دیوار گرتے ہی راستے بنانے والی حرکت کی ہے۔ یہ تمہارا گھر ہے آپی اور ثمرہ آنٹی کتنی اچھی ہیں، چچی کے سامنے سپورٹ کرتی ہیں تمہیں۔"

"چھپ نہیں رہی یار۔ بس ویسے ہی طبیعت ست سی ہو رہی ہے ذرا۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر ہاتھ سے اس کا رخسار تھپتھپایا۔ "میری چائے کمرے میں دے جانا۔"

"آپی! تم تو شادی کے بعد لگتا ہی نہیں اسی گھر میں رہ رہی ہو۔ پرائی لگنا شروع ہو گئی ہو۔" ملاحہ نے منہ بسورا۔ مگر وہ ان سنی کرتی لاؤنج سے نکل گئی۔

"او کرموں والی۔۔۔ بتاؤ تو سہی بات کیا ہے۔ پھر جھگڑا کر کے آ گئی ہو میاں سے؟" سائرہ چچی اس کی بھیں بھیں سے تنگ آ کر تنک کر بولیں تو تزئین کا رونا فی الفور بند ہوا۔

"آپ بھی یہی سوچتی ہیں کہ میں جان بوجھ کر لڑتی ہوں اس سے۔"

"جو نظر آئے گا وہی کہوں گی نا۔ انسان دل کی مرضی پر چلے تو راستے کے دھکے اور ٹھوکریں کھانے کو بھی تیار رہے۔" وہ صفاچٹ کہتی تزئین کو بہت ظالم لگیں۔

"آپ بس میرا ہی قصور نکالیے گا۔ مگر اس بار تو میں آغا جان سے فیصلہ کروا کر ہی جاؤں گی۔ مہر ماہ میری زندگی تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہے۔" انہیں جھٹکا لگا۔

"کیا مطلب؟"

"ابھی تک میرے شوہر کا پیچھا نہیں چھوڑ رہی امی۔ اس کا چکر چل رہا ہے طلال کے ساتھ۔ اسی لیے تو کسی اور سے شادی کرنے کے بجائے موحد کی آڑ لی ہے اس نے تاکہ نمیر سے طلاق لیتے ہی موحد کو خیر باد کہہ کر طلال کے ساتھ پھر سے سیٹنگ کر لے۔" اس کا حساب کتاب کلیئر تھا۔ چچی جان کا منہ کھلا رہ گیا۔

"کیا مطلب۔۔۔ کون سا چکر؟ تمہیں کیسے پتا۔"

"اس کے آفس فون کیا تھا اس نے۔ کتنی دیر گپیں لگاتی رہی اس کے ساتھ۔ مجھے طلال کے پی اے سے پتا چلا۔" تزئین تلملا رہی تھی۔ اس کا موحد کے کان بھرنے ---- کا بھی پکا ارادہ تھا۔

"اوہو۔۔ وہم نہ کیا کرو تزئین۔ غلط فہمی بھی تو ہو سکتی ہے تمہیں۔ اس نے بعد میں اس کے ساتھ گپیں لگانی ہوتیں تو چھوڑتی ہی کیوں طلال کو۔۔۔۔؟" وہ گڑبڑائیں مگر بہت محتاط انداز میں اسے سمجھانا چاہا۔ انہیں یاد آیا انہوں نے ہی مہر ماہ سے طلال کو فون کروایا تھا۔ مگر یہ بات اتنی جلدی کھلے گی ان کے سان و گمان میں بھی نہ تھا۔ مگر انہوں نے بیٹی کو یہ بتانے کی غلطی ہرگز نہیں کی کہ یہ شوشا انہی کا چھوڑا ہوا ہے مگر جس بات سے بچنے کے لیے انہوں نے مہر ماہ کو اندھے کنویں میں اتارا تھا وہ پھر سے ہو کر رہی تھی۔ تزئین بی بی پھر سے آفندی ہاؤس میں موجود تھیں۔ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ اب اگر الزام اپنے سر لیتیں تو تزئین بھڑک اٹھتی۔

☆☆☆

موحد کو آتے ہی ثمرہ نے آڑے ہاتھوں لیا۔ تو وہ بستر کے کنارے بیٹھ کر پیروں کو جوتوں کی گرفت سے آزاد کرتا خاموشی سے ان کی ساری جھاڑ سنتا رہا۔

"میری تو سمجھ ہی نہیں آ رہا کہ تم نے ہاتھ اٹھایا کیسے اس پر۔" غصے میں ہر بات کے بعد وہ بے یقینی سے پوچھتیں۔ وہ چپلوں میں پاؤں ڈالتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ اس کے ایکشن کا ری ایکشن تھا ماما! آپ نے اس سے پوری بات پوچھی ہوتی تو پتا چلتا آپ کو۔" وہ خفگی سے بولا۔

"پھر بھی تمہیں کوئی حق نہیں تھا کہ تم اس کو مارتے۔"

"سوری۔۔۔ شدید غصہ آ گیا تھا۔ مگر یہ بھی تو دیکھیں کہ وہ کتنے الٹے سیدھے کام کر رہی ہے۔ پتا نہیں کس

کو لاکھ روپیہ پکڑا آئی ہے اور اب لاکھوں روپیہ دے کر اس سے طلاق لینے والی ہے۔"
ثمرہ نے تیز نظروں سے اسے دیکھا۔
"تمہارا خیال ہے کہ ڈوبنے والا ہاتھ پاؤں مارے بغیر ڈوب جائے۔۔۔ بہت خوب۔"
"جیسے ہاتھ پیر مار رہی ہے نا ویسے بھی ڈوبنے کا ہی خدشہ ہے۔"
"وہ اس سارے معاملے میں بے قصور ہے موحد! اور اب وہ اپنے بل بوتے پر اس دلدل میں سے نکلنا چاہ رہی ہے تب بھی تمہاری نظروں میں قصوروار ہے۔" انہیں تاسف ہوا۔
"وہ کچھ عرصے کے لیے خاموش ہو کر نہیں بیٹھ سکتی ماما۔" وہ جھنجلایا۔
"پیر شکاری کے شکنجے میں آجائے تو انسان خاموش نہیں بیٹھ جاتا۔ جتنی طاقت ہو اتنی ضرور لگاتا ہے' جان بچانے کے لیے۔" وہ جل کر بولیں۔

"ماما پلیز۔۔۔ اس کی۔ بے جا جذباتیت نے میرا پہلے ہی دماغ خراب کیا ہوا ہے۔ اسے کہہ دیجیے گا۔ جلد بازی میں کوئی قدم اٹھایا تو قطعاً ساتھ نہیں دوں گا اس کا۔" وہ ان کی مزید سرزنش سنے بنا اپنی بات کہتا واش روم میں بند ہو گیا۔ ثمرہ گہری سانس بھر کے رہ گئیں۔ بہت وقت ہوا اب بچے والدین سے ایک قدم آگے کے فیصلے کر لیا کرتے ہیں۔ ان کا دل بھی بجھ سا گیا تھا۔

☆☆☆

شام کی چائے اس نے تنہا اپنے کمرے میں ہی پی۔ اور ابھی وہ چائے کا خالی کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر سیدھی ہی ہوئی تھی کہ ہلکا سا کھٹکھٹانے کے بعد کمرے کا دروازہ کھلا اور اس نے موحد کو اندر آتے ہوئے ناگواری سے دیکھا۔
"اگر تم اسے صرف اپنی ماما کا روم سمجھ کر آتے ہو تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے مسٹر۔ یہاں میں بھی رہتی ہوں۔" اس کا انداز کڑوا تھا۔
"صرف ماما کا روم سمجھتا تو ان کی موجودگی میں آتا۔" وہ آرام سے کہتے ہوئے کرسی گھسیٹ کر اس کے عین سامنے بیٹھا تو وہ اس کا مطلب جان کر فوراً اٹھ گئی۔ موحد نے اس کی کلائی تھام کر اسے روکا۔
"ہاتھ چھوڑو موحد! میں تم سے کوئی بھی بات نہیں کرنا چاہتی۔" وہ مشتعل ہوئی۔
"میں تمہاری مرضی کا پابند نہیں ہوں مہر! اور میں یہاں اس لیے آیا ہوں کیونکہ مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔" وہ سنجیدہ تھا۔ مگر وہ بدستور کلائی چھڑانے کی کوشش کرتی رہی۔ موحد نے کلائی ہی سے پکڑے ہوئے اسے دوبارہ سے بستر کے کنارے پر بٹھا دیا۔
"تم انسان کہلانے کے لائق نہیں ہو موحد! یہ بات پتا ہے تمہیں۔" اپنی کلائی سہلاتے ہوئے وہ تلخی سے بولی تھی۔
"تم نے طلال کو فون کیوں کیا تھا؟" وہ بے حد سنجیدہ تھا۔ مہرماہ چونکی۔ اس کا موحد سے بات کرنے کا بالکل بھی کوئی ارادہ نہیں تھا۔ مگر تزئین کو دیکھ کر اس کے دماغ کی گھنٹی بج اٹھی وہ یقیناً اسی کیس کو لے کر یہاں آئی تھی۔
"چچی جان نے کہا تھا مجھے۔ ان فیکٹ ریکویسٹ کی تھی۔" اکھڑے انداز میں بتایا تو وہ شکی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔
"کس مقصد کے لیے ریکویسٹ کی تھی انہوں نے؟"
"اب ہر بات کی تفصیل تمہیں بتانی ضروری ہے کیا۔" وہ چڑ گئی۔

"ہاں۔۔۔" وہ قطعیت سے بولا۔ پھر اپنی بات پر زور دے کر کہا۔ "کاغذوں میں ہی سہی مگر ہمارا نکاح ہو چکا ہے اور کوئی دوسرا انسان پنچایت بٹھا کر کہے کہ موحد آفندی کی بیوی کسی غیر مرد کو کال کرتی ہے تو وہ مجھ سے برداشت نہیں ہوگا مہر!"

اس کے لب و لہجے سے جھلکتی تپش نے مہر ماہ کو نروس کر دیا۔ کتنی شرمندگی ہو رہی تھی اس کے منہ سے یہ سب سن کر۔

"تم جانتے ہو کہ یہ نکاح نہیں ہوا پھر۔۔۔" وہ تنک کر کہنے لگی تھی کہ موحد تیز لہجے میں اس کی بات کاٹ گیا۔

"آغا جان نہیں جانتے۔۔۔ دنیا نہیں جانتی، اب کیا میں لکھ کر گلے میں ڈال لوں کہ ہمارا نکاح جھوٹا ہے؟ وہ آغا جان کے سامنے یہ مسئلہ اٹھائے گی تب کیا جواب دو گی تم؟"

وہ خالی ذہن لیے اس کا چہرہ دیکھے گئی۔

بعض لوگوں کا امپریشن آپ اپنے ذہن میں جتنا بھی برا بنانا چاہو وہ اس سے اچھے ہو کر آپ کو ملتے ہیں۔

"مجھے واقعی سائرہ چچی نے کہا تھا کہ میں طلال کو سمجھاؤں کہ وہ اپنا گھر تباہ نہ کرے۔ اور تزئین کو یقین دلائے کہ ہمارا رشتہ ختم ہو چکا ہے۔" وہ اٹک کر بولی۔ موحد ایک ٹک اسے دیکھتا رہا۔ پھر گہری سانس بھرتے ہوئے سیدھا ہو بیٹھا۔ "مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم اتنی بیوقوف بھی ہو سکتی ہو۔" اس کے تجزیے نے مہر ماہ کو تپایا۔

"تم سے شادی کے لیے ہامی بھرنے سے پہلے مجھے بھی یقین نہیں تھا اس بات کا۔" وہ دانت پیس کر بولی۔

"تمہاری چچی صاحبہ تمہیں بہت کامیابی کے ساتھ تمہیں اس مشکل میں پھنسا چکی ہیں، سمجھیں تم۔" وہ ڈپٹ کر بولا۔

"تو تمہیں کس بات کی فکر ہے میں جانوں اور میری مشکلات۔"

"میرے خیال میں، میں تمہیں اس کاغذی نکاح سے فارغ کر دوں تا کہ آغا جان تسلی کے ساتھ تمہیں کہیں اور ٹکا دیں پھر تم اپنی مرضی کرتی پھرنا۔" وہ سلگ کر کہتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ مہر ماہ کا دل گہری کھائی میں ڈوب کر ابھرا۔ اسے خیال آیا کیسے مشکل کے وقت میں ثمرہ نے اسے بچانے کے لیے موحد کا نام اس فرضی نکاح کے لیے پیش کر دیا تھا اور آج تک جتایا بھی نہیں تھا۔ لیکن موحد کے یہ الفاظ۔۔۔ اف!!

"مجھے تم سے کوئی اچھی امید بھی نہیں ہے" وہ تلخ ہوئی۔

"رکھنا بھی مت۔ ابھی جب آغا جان کے سامنے پیشی ہوگی تو جواب سوچ کر آنا۔" وہ آنکھوں سے شعلے برساتے ہوئے کہہ کر زور سے دروازہ مارتا چلا گیا۔ مہر ماہ نے دروازے کی زوردار آواز پر آنکھیں سکیڑ کر میچیں۔

"میری کون سی زبان نہیں جواب دینے کے لیے۔ اور چچی جان کا دماغ خراب ہے جو کریں گی۔۔۔ بڑا آیا ہونہہ۔" وہ اس کے جانے کے بعد اونچی آواز میں بولی تھی۔ مگر دل کا ایک گوشہ مضطرب سا ہو گیا۔ جانے آندھی کس سمت سے اٹھنے والی تھی۔

اس بار تزئین نے آغا جان کے اسٹڈی روم کو نہیں بلکہ کھانے کی میز کو اپنے نالہ و فریاد کے لیے چنا۔ مہر ماہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھی تو اسی وقت اس کے برابر والی کرسی کھسیٹی گئی۔ مہر ماہ کو کوفت نے گھیرا۔ موحد اس کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ رہا تھا۔ (ہونہہ۔۔۔ مجھے کیا) وہ لاپروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کھانے کی چیزوں کا جائزہ لینے لگی۔ سائرہ چچی تزئین کو بڑھا بڑھا کر ڈشز پیش کر رہی تھیں۔ فرزین اور ملاحہ آہستہ آہستہ باتوں میں اپنا کھانا ختم کر رہی تھیں۔ تزئین نے سب سے پہلے کھانا ختم کیا۔

"اور لونا۔ چاول بھی ذرا سے لیے تم نے۔ یہ گاجر کا حلوہ چکھو کھایا ہی کیا ہے تم نے۔" چچی جان کا بس نہیں چل رہا تھا بیٹی کے منہ میں نوالے بھی ڈالنا شروع کر دیتیں۔

"نہیں بس۔۔۔ کھانا کھانے نہیں آئی ہوں میں یہاں امی۔" وہ تیکھے لہجے میں بولی تو اس "شروعات" پر مہر ماہ کا نوالہ حلق میں پھنسنے لگا۔

"کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟" آغا جان کو بھی دھیان آ ہی گیا۔

"طبیعت کو تو چھوڑیں آپ قسمت کی بات کریں۔ وہی خراب ہے میری۔" وہ فوراً نہ صرف بات کو گھما کر اپنے مطلب پر لائی بلکہ آنکھوں میں ایک آدھ آنسو بھی بھر لیا۔ بشمول مہر ماہ سب کے کھانا کھاتے ہاتھ ٹھٹکے۔ ماسوائے موحد کے جو ابھی بھی رغبت سے بریانی ختم کر رہا تھا بلکہ ابھی کانٹے سے ایک اور شامی کباب اٹھا کر پلیٹ میں رکھا۔

"خیریت تو ہے نا؟" سہیل آفندی تک سائرہ چچی نے تزئین کا نیا پھڈا نہیں پہنچایا تھا۔ کچھ شاید یہ بھی خیال ہو کہ وہ خود ملوث تھیں اس سلسلے میں۔ اب انہوں نے تشویش سے پوچھا تو تزئین نے تیز نظروں سے مہر ماہ کو دیکھا جو سست روی سے کھانا کھا رہی تھی۔

"یہ سب آپ مہر ماہ سے پوچھیں۔ ابھی بھی جس کا نام میری سسرال میں گونج رہا ہے۔" وہ منہ پھٹ انداز میں بولی تو سبھی کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

"دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا؟" تائی جان سب سے پہلے سنبھلیں اور ناگواری سے کہا۔

"یہ سوال آپ اپنی بیٹی سے پوچھیں۔ یہ کیا کرتی پھر رہی ہے۔"

مہر ماہ نے سائرہ چچی کی طرف دیکھا جو شکل ہی سے پریشان نظر آ رہی تھیں۔

"آپ پوچھیں مہر ماہ سے آغا جان۔ اس کا کیا مطلب بنتا ہے کہ یہ ابھی بھی طلال سے رابطہ رکھے ہوئے ہے۔" تزئین نے گویا دھماکا ہی کر دیا تھا۔ مہر ماہ کو اپنی سانس تنگ پڑتی محسوس ہوئی جب اس نے سائرہ چچی کے چہرے پر بے گانگی دیکھی انہوں نے مہر ماہ سے نگاہ ملا کر پھیر لی یعنی وہ اس معاملے میں اس کو ڈیفینڈ کرنا نہیں چاہتی تھیں۔ مہر ماہ کو فوری طور پر اپنی فاش غلطی کا احساس ہوا جو اس نے چچی جان کی بات مان کر کی تھی۔ آغا جان نے بے یقینی سے مہر ماہ کو دیکھا بلکہ وہاں موجود ہر شخص کے چہرے کے تاثرات میں یہی بے یقینی موجود تھی۔ وہ کھنکھاری اور چچی جان کو دیکھا۔

"آپ نے تزئین کو ساری بات نہیں بتائی چچی جان؟" اور جواباً سائرہ چچی کے تاثرات ایسے معصومانہ جیسے انہیں دنیا جہاں کی خبر نہ ہو۔

"کون سی بات؟"

اور بس۔۔۔ مہر ماہ کا دل بے آواز ہی ٹوٹ گیا۔ اسے چچی جان سے قطعاً یہ امید نہ تھی۔ موحد نے پانی کا گلاس لبوں سے لگائے ہوئے مہر ماہ کو ایک جتانے والی نظر دیکھا۔ اس کی رنگت فق تھی۔ اب تو اگر وہ چچی جان کا نام لے کر ساری بات بتا بھی دیتی تو کوئی اس کی بات تب تک نہ مانتا جب تک کہ چچی جان ہامی نہ بھرتیں مہرو کی سچائی کی۔ اس نے آدھا گلاس پانی مہر ماہ کے آگے رکھا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"پی لو۔"

سکون سے کہہ کر اس نے حاضرین پر نظر ڈالی جن میں سے کچھ مضطرب تھے تو کچھ بے یقین۔ جبکہ آغا جان بمشکل غصہ ضبط کیے جواب کے منتظر بیٹھے تھے۔

"چچی جان کا قصور نہیں ہے مہر۔۔ بڑھتی عمر یادداشت کم کر دیتی ہے۔" وہ ہلکا سا مسکرایا اور آغا جان کو پہلے سوال کا جواب دیا۔

"جی آغا جان! مہر نے میرے کہنے پر ہی طلال سے بات کی تھی۔" مہر ماہ کی آنکھ میں نمی سی تیر گئی۔ اس نے موحد کا دیا ہوا گلاس دونوں ہاتھوں کی گرفت میں مضبوطی سے تھام لیا۔ چچی جان کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ ستم یہ کہ وہ موحد کے جھوٹ کو چیلنج بھی نہیں کر سکتی تھیں۔

"مگر کیوں موحد۔۔۔ ایسی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی کہ تم نے میری بیٹی کے سر میں خاک ڈلوانے والا کام کر دیا۔" تائی جان ناگواری سے بولیں۔

"مہر کو بچانے کے لیے جھوٹ مت بولو۔" تزئین پھنکاری۔

"کوئی بھی شوہر اپنی بیوی کو "ایسے" معاملے میں نہیں بچایا کرتا۔ اگر وہ قصوروار ہو تو۔" موحد نے چبھتی نظروں سے چچی جان کو دیکھا۔ وہ خجل سی تھیں۔

"آپ کی بیٹی جو آئے دن میکے آ کر بیٹھ جاتی ہے اور نام مہر کا بدنام۔ بقول تزئین کہ طلال ابھی تک اپنے ماضی کو نہیں بھولا۔ تو مائی ڈیئر چچی جان۔ میں نے مہر سے کہا کہ وہ طلال کو ایک بار سمجھا ہی دے اپنے لفظوں میں کہ اسے ماضی سے زیادہ اپنا حال پیارا ہے۔ اور یہ کہ وہ میرے ساتھ کتنی خوش ہے۔ اور وہ اللہ کا بندہ سمجھ گیا۔ مگر یہ محترمہ آدھی پونی بات سن کر پھر سے بوریا بستر لپیٹ کر وارد ہو گئیں۔" مہر ماہ نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا اس کا دل ٹھنڈا ہو گیا تھا۔

تزئین نے تیز نظروں سے ماں کو دیکھا۔

"آپ کو پتا تھا ساری بات کا۔ تو آپ نے مجھے کیوں نہیں بتائی؟"

"اے لو۔۔۔ کہا تو ہے کہ یاد نہیں رہی تھی۔" وہ ڈھٹائی سے بولیں۔ مہر ماہ نے چہرہ موڑ کر نم آنکھوں سے موحد کو دیکھا جو اپنی بات مکمل کرنے کے بعد اب پلیٹ میں انڈوں کا حلوہ نکال رہا تھا۔

"تم بھی اب ذرا عقل کو ہاتھ مارو تزئین آئندہ میں تمہارے گھر کے کسی بھی مسئلے میں مہر ماہ کا نام نہ سنوں۔" آغا جان نے برے موڈ کے ساتھ تزئین کو وارننگ دی تھی۔ مہر ماہ ابھی تک ساکت بیٹھی تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ ابھی چند لمحے پہلے جو طوفان تزئین کی بات نے اٹھایا تھا وہ مہر ماہ کو چھوئے بنا گزر گیا تھا۔

جانے کیوں مگر ہم جن لوگوں کا احسان لینا نہیں چاہتے اکثر قسمت انہی کو ہمارا نجات دہندہ بنا دیتی ہے۔

"تھینک یو۔۔۔" مہر ماہ نے کمرے میں جاتے موحد کی راہ میں حائل ہو کر نم لہجے میں کہا تو اس نے گہری سانس بھری۔

"صرف اس لیے کہ اب تمہارا نام میرے نام کے ساتھ منسلک ہے مہر۔" جتا کر کہا۔

"واٹ ایور۔" (جو بھی ہے) وہ بمشکل بولی۔

"چچی جان نے جو کیا ہے اس پر مجھے یقین نہیں آ رہا۔"

"میری بات پر تو تم نے کبھی یقین کیا ہی نہیں۔" وہ جتا کر بولا۔ مگر مہر ماہ فی الحال تو اسی سکون میں تھی کہ اس کی غلطی ڈھانپ دی گئی تھی۔

اور نمیر آفندی کا بھی پول اس سے اگلے ہی دن کھل گیا۔ آنے والی کال اٹینڈ کرتے ہی مہر ماہ کو خیال آیا کہ نمیر آفندی کی آواز اس روز سے مختلف لگ رہی تھی جب وہ اسے شاپنگ مال میں ملا تھا۔

"کاغذات تیار کروا لیے تم نے؟" مہر ماہ نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا۔

"کون سے کاغذات۔۔۔؟"

"طلاق کے نمیر آفندی۔۔۔ اب یہ مت کہنا کہ کون سی طلاق۔ میں ایک لاکھ تمہارے منہ پہ مار چکی ہوں۔ اب مکرو گے تو پیسہ دینے کے بجائے لاک اپ میں بند کروا کے طلاق لوں گی۔" وہ گرم ہوئی۔

"آفندیز کی جائیداد کا حصہ دار ہوں محترمہ۔۔۔ ایک لاکھ لوں گا میں۔۔ اور وہ بھی تم سے۔۔۔ ہونہہ۔" وہ طنزیہ بولا مہر ماہ کو چکر سا آیا۔

"وہ تم ہی تھے نمیر۔ جھوٹ مت بولنا میرے ساتھ۔" وہ ضبط کھو کر چلا اٹھی۔

"مجھے کیا ضرورت ہے جھوٹ بولنے کی۔ مگر میں ایک ہی بار آفندیز کے گلے میں انگلی ڈال کر اپنا حصہ نکلواؤں گا۔" وہ ناگواری سے بولا۔

"تو وہ کون تھا۔۔۔ جو تمہارے گھر میں میرے سامنے آتا رہا؟ کیا وہ تم نہیں تھے؟" مہر ماہ نے بڑی آس سے پوچھا۔ اب اگر وہ انکار کر دیتا تو مہر ماہ پھر سے بند گلی میں آ کھڑی ہوتی۔

"وہ ڈرائیور تھا میرا۔۔ اسی نے کڈنیپ کیا تھا تمہیں۔ اسی کو تھپڑ مارا تھا تم نے۔" اس نے اطمینان سے کہتے ہوئے مہر ماہ کے سر پر دھماکا کیا۔

لمحہ بھر کی بے یقینی کے بعد مہر ماہ نے گالیوں کے علاوہ ہر کوسنا دے دیا اسے۔

"تمہاری وجہ سے اس غلیظ شخص کی ہمت ہوئی مجھے بلیک میل کرنے کی۔" وہ ہانپنے لگی۔

"بس۔۔۔ اب دل ہلکا ہو گیا نا؟" وہ سکون سے پوچھ رہا تھا۔

"مجھے طلاق چاہیے نمیر۔ کسی بھی قیمت پر۔" وہ بھنچے ہوئے لہجے میں بولی۔

"مل سکتی ہے مہر ماہ آفندی۔" وہ اسی پرسکون انداز میں بولا تو مہر ماہ کو لگا جیسے اس کے کانوں نے کچھ غلط سنا ہو۔

"کتنے پیسے۔۔۔؟" وہ بہ عجلت بولی۔

"پیسہ تم سے نہیں آغا ذوالفقار سے لوں گا مہر ماہ جو حق ہے میرا۔"

"تو پھر۔۔۔؟" وہ بے تاب ہوئی۔ "اپنا مطالبہ بتاؤ۔"

اور جو مطالبہ اس نے کیا اس نے مہر ماہ کے چاروں طبق روشن کر دیے۔

"مگر یہ بات یاد رکھنا۔۔۔ چاہے وہ اصل نمیر تھا یا تم ہو۔ لیکن اب ایک پیسہ بھی نہیں دوں گی تمہیں۔" اس کی پوری بات سننے کے بعد مہر ماہ نے ایک بار پھر اسے یاد دہانی کروائی تھی۔

☆☆☆

مہر ماہ بہت عجلت میں کہیں جانے کو تیار ہوئی اور کبیر سے گاڑی نکالنے کو کہا۔

"بی بی آپ کو ڈراپ کر کے پھر میں وہیں رکوں گا۔" اس نے باور کرایا۔

"ہاں ہاں۔ کھڑے رہنا۔ رپورٹ جو دینی ہو گی تم نے اپنے موحد سر کو۔" وہ ہلکا سا طنز کرتی گاڑی میں آ بیٹھی۔ اور ویسے بھی جس کام بلکہ معرکے کے لیے وہ جا رہی تھی اس میں کبیر کا وہاں موجود ہونا تقویت ہی کا باعث تھا۔

☆☆☆

تائی جان اور ثمرہ چچی کے دل کے حالات تو اللہ ہی جانے مگر بظاہر اب وہ دونوں آپس میں کبھی کبھار گپ شپ کر لیا کرتی تھیں۔ ابھی بھی تائی جان انہیں سائرہ چچی کی مہر ماہ کے ساتھ کیے جانے والی ناانصافی کا بتا رہی

تھیں۔اور ساتھ موحد کی مدح سرائی بھی جاری تھی۔

"سائرہ نے تو میری بچی کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔موحد تو صحیح معنوں میں بیٹا ثابت ہوا ہے ہمارا۔"

ثمرہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ان کی باتیں سن رہی تھیں۔

اسی وقت کوریڈور میں سے مہرماہ کی آواز آئی۔وہ کسی کے ساتھ باتیں کر رہی تھی۔

"چلیں نا۔آپ کا اپنا گھر ہے۔ادھر چلیں ٹی وی لاؤنج ہے یہاں۔"

تائی جان حیران سی ادھر متوجہ ہوئیں۔ثمرہ نے بھی ادھر چہرہ موڑ لیا۔اگلا لمحہ بہت بے یقین کر دینے والا اور حیران کن تھا۔مہرماہ کے ساتھ اندر آنے والے کو کچھ وقت سے ہی سہی مگر وہ دونوں ہی پہچان گئی تھیں۔مگر یہ پہچاننا ایک قیامت کے مترادف تھا۔ثمرہ تو گنگ سی بیٹھی رہ گئیں۔لیکن تائی جان نے آگے بڑھ کر متوحش سا ہو کر مہرماہ کا بازو ہلایا۔

"کون ہے۔کسے اندر لیے چلی آ رہی ہو؟"

"امی! یہ نمیر کی والدہ ہیں۔آپ کی سب سے چھوٹی دیورانی۔پہچان تو گئی ہوں گی آپ۔" وہ بھیگے لہجے میں بولی۔تائی جان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔جبکہ ثمرہ کو بے یقینی کا شدید جھٹکا لگا۔پہلے سے کمزور مگر آج بھی سوگوار سے حسن کی مالک زرنگار۔

ہاں وہ زرنگار وقار آفندی ہی تھی۔حیران سی نظروں سے سارے گھر اور ان عورتوں کو دیکھتی۔نمیر وقار آفندی نے آفندی ہاؤس میں قدم رکھ دیا تھا۔تائی جان کے دل کو جیسے کسی نے زور سے مٹھی میں بھینچ لیا۔

☆☆☆

ثمرہ کسی کے بولنے سے پہلے ہی زرنگار سے اٹھ کر نہ صرف ملیں بلکہ تائی جان اور چچی جان کے کچھ بولنے کے قابل ہونے سے پہلے ہی انہیں تھام کر اپنے کمرے میں لے گئی تھیں۔تائی جان جیسے ہڑبڑا کر ہوش میں آئیں۔

"دماغ تو خراب نہیں ہو گیا تمہارا؟ آغا جان کا پتا ہے نا۔جان سے مار ڈالیں گے تمہیں۔" انہوں نے مہرماہ کا بازو سختی سے پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا تو خود ان کا لہجہ ہی اتنا دہشت زدہ سا تھا کہ مہرماہ کا حلق خشک ہونے لگا۔مگر ہمت ہارنے کا مطلب تو قسمت سے ہار جانا ہوا کرتا ہے۔اور وہ اتنی بار قسمت سے ہاری تھی کہ اب صرف جیتنے ہی کا ارادہ تھا۔

"میں اسے اپنے گھر میں لائی ہوں امی۔آپ نے دیکھا ہو گا آنٹی کو کوئی اعتراض نہیں ہوا۔" اپنا بازو ان کی گرفت سے چھڑاتے ہوئے وہ باغیانہ انداز میں بولتی انہیں مرنے کے قریب کر گئی۔چچی جان نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"بکواس بند کرو اور اس گناہوں کی پوٹلی کو چھوڑ کر آؤ جہاں سے اٹھا کر لائی ہو۔" تائی جان غرائیں۔

"اور اس ثمرہ کی کیا بات کرتی ہو تم۔اسے تو نہ کل اعتراض تھا وقار کی شادی پر اور نہ آج اس کی بیوی کے پھر سے آ جانے پر۔" چچی جان نے لقمہ دیا۔

"اللہ جانے کہاں سے ڈھونڈ کر لے آئی ہے اسے۔میں نے تو سوچا تھا۔مر کھپ گئی ہو گی کہیں۔مگر ذلیل لوگ اتنی آسانی سے جان نہیں چھوڑتے۔" تائی جان کا لہجہ نفرت بھرا تھا۔

"تمہیں اتنا بھی خیال نہیں آیا کہ اب تم شادی شدہ ہو؟" چچی جان نے اسے ناگواری سے دیکھا۔

"آپ لوگوں کو بھی تو میرا دوسرا نکاح کرواتے ہوئے یہ خیال نہیں آیا۔"

"بدبخت۔۔ آغا جان تمہیں جان سے مار ڈالیں گے۔ کیوں اس طوفان کو گھر میں اٹھا لائی ہو۔" تائی جان کا بس نہیں چل رہا تھا۔ اس خودسر لڑکی کا گلا ہی دبا ڈالیں۔

"یہ میرا اور میری سسرال کا معاملہ ہے امی۔ اگر ان لوگوں کو کوئی اعتراض نہیں تو آپ کو بھی نہیں ہونا چاہیے۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہہ کر چلی گئی۔

"لو جی۔۔۔ اب دو، دو شوہر اور دو، دو ساسیں بنا بیٹھی ہے آپ کی بیٹی۔" تائی جان کا سکتہ چچی جان کے تمسخرانہ لہجے پر ٹوٹا تھا اور پہلی بار انہیں اس طنز کا کوئی جواب نہ سوجھ پایا۔ دل چاہ رہا تھا بیٹی کی اس نادانی پر سینہ کوبی شروع کر دیں۔

"سالوں پہلے جو کام نہ ہو سکا وہ بھلا اب کون ہونے دے گا؟ ارے آغا جان نے تو سگے بیٹے کو اس ملعون عورت کے پیچھے گھر سے نکال دیا تھا۔ پوتا کیا معنی رکھتا ہے ان کے لیے۔ وہ بھی اس صورت میں کہ نہ صرف انہیں موحد کی صورت اپنا پوتا مل چکا ہے بلکہ وہ اس پر جان بھی چھڑکتے ہیں۔" چچی جان نے تجزیہ پیش کیا۔

"میرا تو ذہن ہی کام نہیں کر رہا سائرہ! اس لڑکی پر تو اللہ جانے کس چیز کا سایہ ہو گیا ہے۔" وہ نڈھال تھیں۔

"بھائی صاحب کو فون کریں۔ فوری طور پر اس ناپاک کے قدم اس گھر سے باہر نکالیں۔ آغا جان تو واقعی طوفان مچا دیں گے۔" چچی جان نے ہمدردی سے انہیں دیکھا۔

"ہاں۔۔۔ وہی سنبھالیں اب آ کر برسوں کی بنائی عزت کو۔" تائی جان کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ تیزی سے فون اسٹینڈ کی طرف بڑھی تھیں۔ ایک طوفان تھا جس نے آفندی ہاؤس کو گھیرے میں لے لیا تھا۔

"نمیر مجھے طلاق دینے پر راضی ہے۔ اگر اس کی ماں کو اس گھر میں اس کا صحیح مقام دیا جائے اور جائیداد میں ان دونوں کا حصہ بھی۔" مہر ماہ نے صاف لفظوں میں اعلان کیا تو تائی جان کے کلیجے پہ ہاتھ پڑا۔ دل چاہا مہرو کو دھنک کر رکھ دیں وہ جتنا اسے بچانے کی کوشش کرتی تھیں اتنی ہی وہ غلاظت میں گرنے والی حرکتیں کر رہی تھی۔

"ان کا حق بنتا ہے واقعی۔" ثمرہ کی بات سن کر تائی جان مرنے کے قریب ہو گئیں۔

"یہ کیا کھیل کھیلا ہے تم نے ثمرہ! تمہیں کیوں اعتراض نہیں ہے مہرو کے اس اقدام پر۔ تمہارے موحد کے نکاح میں ہے وہ۔"

"آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ اس سے بھی پہلے وہ نمیر کے نکاح میں ہے" وہ ان کی آنکھوں میں دیکھ کر جتانے والے انداز میں کہتی تائی جان کو سن کر گئیں۔

☆☆☆

موحد سب سے پہلے گھر آیا تھا۔ اس کے پیچھے ہی تایا جان اور چچا جان کی واپسی کبیر کے ساتھ ہوئی۔۔۔ آغا جان دوسرے ڈرائیور کے ساتھ زمینوں کے دورے پر گئے ہوئے تھے مگر شام تک ان کی واپسی بھی متوقع تھی۔

سب ہی ٹی وی لاؤنج میں موجود تھے ماسوائے مہر ماہ کے۔ جو زرنگار کے ساتھ کمرے میں بند تھی۔

تائی جان نے داماد کا چہرہ کھوجا جو بے تاثر تھا۔

"مہر ماہ بلاشبہ میری بیٹی سہی موحد! مگر میں اس کی اس بے وقوفی میں بالکل بھی شریک نہیں ہوں۔ تم فوراً سے پہلے اس عورت کو یہاں سے نکال باہر کرو" وہ خاموش نظروں سے ان کا چہرہ دیکھے گیا۔ (یہ چہرہ سالوں بعد

بھی نفرت سے نیلا ہی تھا۔)

"برسوں پہلے آغا جان نے بھی یہی کیا تھا۔" چچی جان نے کہا۔ (برسوں پہلے کی ایک رات اسے ٹوٹ کر یاد آئی)

"ضروری نہیں کہ جو غلط کام برسوں پہلے ہوا وہ آج بھی اسی انداز میں کیا جائے۔" یہ ثمرہ کا طنزیہ لہجہ تھا۔ (برسوں پہلے بھی فقط یہی آواز زرنگار کے حق میں بولی تھی)

"آپ کو تو نہ کل اعتراض تھا زرنگار پر اور نہ آج ہوگا بھابھی" چچی جان بدمزہ سی ہو کر بولیں۔

"وہ تمہاری بہو ہے ثمرہ! اور تمہیں کوئی فرق ہی نہیں پڑ رہا اس کی اس حرکت سے" مبین صاحب کو ثمرہ کے پُرسکون (بلکہ پرسکوت) رویے پر سخت اعتراض تھا۔

"بڑوں کی غلطی کو اگر بچے سدھارنا چاہیں تو بچوں کو غلط نہیں کہنا چاہیے بھائی صاحب۔" وہ اسی ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولیں۔

"آج اس کمینے نے اپنی ماں کو اس گھر میں بھیجا ہے کل کو خود بھی آ گیا تو ہم کیا کریں گے موحد!" سہیل آفندی کا تو دماغ ہل گیا تھا، صدماتی کیفیت میں بولے۔ پہلے ہی سارا کچھ موحد کے قبضے میں جاتا دکھائی دے رہا تھا اوپر سے اب یہ نمیر اور اس کی ماں کا ٹنٹنا۔۔۔ یعنی جائیداد میں دو مزید حصے دار۔

"تم جا کر چیلنج کرو موحد! یہ مسئلہ آرام سے حل ہونے والا ہے۔" ثمرہ نے نظر بھر کر بیٹے کو دیکھا جس کے تاثرات میں چھپی آزردگی ایک ماں کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں تھی۔ موحد ایک بھی لفظ کہے بنا چلا گیا۔ چچی جان بدمزہ ہوئیں۔

"کوئی حل تو نکالنے دیا ہوتا بھابھی!"

"حل تو سالوں پہلے بھی غلط ہی نکالا گیا تھا۔" ثمرہ سلگتے لہجے میں بولیں۔

"تو تم کیا چاہتی ہو ثمرہ! کہ ہم اس عورت اور اس کے بیٹے کو سر پر بٹھا لیں۔ کل کو وہ نکاح نامہ لے کر آ گیا۔ کورٹ میں چیلنج کر دیا تو کیا ہوگا، یہ جانتی ہو؟" مبین آفندی برامان کر تلخی سے بولے۔

ثمرہ نے طنزیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔ "شکر ہے یہ بات آپ کو بھی یاد ہے کہ مہر ماہ کسی اور کے نکاح میں ہے اور اس نکاح کی حیثیت اپنی جگہ مسلّم ہے۔" وہ چپ رہ گئے۔

"اب تو وہ نکاح ختم ہو چکا ثمرہ! موحد سے شادی ہو گئی ہے مہرو کی۔ تمہاری ہی بہو ہے وہ۔" تائی جان جلدی سے بولیں۔

"ہم سب بعض ایسی حقیقتوں سے واقف ہوتے ہیں جن کی سچائی سے انکار ممکن نہیں ہوتا۔ مگر محض ذاتی فائدے کے لیے ہم اس سچائی کی نفی کرتے رہتے ہیں اور سچائی کی نفی کرنا بدترین جرم ہے۔ روحانی بھی اور اخلاقی بھی۔"

"مہرو کہاں ہے۔ اس کی تو خبر لوں میں۔" مبین صاحب اٹھے۔ ثمرہ نے اچٹتی نظر ان پر ڈالی۔

"اس سے جو بھی بات کرنی ہوگی وہ موحد کرے گا بھائی صاحب!"

"چلیں جی۔ قصہ تمام شد۔ اب تو جو بھی قیامت آنی ہے وہ آغا جان کے شام کو آنے پر ہی آئے گی۔" سہیل آفندی طنزیہ کہتے ہوئے اٹھ کر چلے گئے۔ مگر پیچھے ایک مہیب خاموشی چھوڑ گئے جس میں آنے والے وقت کی خوفناک آہٹیں سنائی دے رہی تھیں۔

موحد نے دروازہ کھٹکھٹایا تھا۔

"کون ہے؟" مہر ماہ کی محتاط سی آواز آئی۔

"موحد۔۔۔"

جواباً اندر خاموشی چھا گئی۔ پھر وہ تھوڑی دیر بعد نم لہجے میں بولی۔ "اگر تو باقی سب کی طرح تم بھی ان کو دھکے دے کر باہر نکالنے کا ارادہ رکھتے ہو تو میں دروازہ نہیں کھولوں گی۔"

موحد نے لب بھینچے۔ پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "دروازہ کھولو مہر! مجھے بات کرنی ہے تم سے آغا جان کی واپسی سے پہلے۔"

ذرا توقف کے بعد دروازہ کھل گیا۔ موحد کی نگاہ دروازہ کھولنے والی مہرماہ کے بجائے اس کے شانے کے پار نظر آتے چہرے پر پڑی تو وہ ساکت سا کھڑا رہ گیا۔ زرنگار اپنی جگہ سے اٹھ کر آگے آئیں تو مہرماہ نے انہیں روکنے کی کوشش کی۔ مگر انہوں نے مہرماہ کو پیچھے ہٹا کر موحد کو دیکھا اور اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تو مہرماہ دھک سی رہ گئی۔ اس نے بے اختیار موحد کو دیکھا مگر وہ اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔

"ان کی یادداشت متاثر ہے موحد! پلیز، اب تم بھی ان سب کی طرح مت۔۔۔۔۔" مہرماہ حفظ ماتقدم کے طور پر ان کی حمایت میں وہ تفصیل بتانے لگی جو میر نے فون پر اسے کو بتائی تھی مگر اس کی آواز موحد کا اگلا ردعمل دیکھ کر حلق ہی میں گھٹ گئی۔ اس نے زرنگار کے دونوں ہاتھ تھام کر اپنے رخساروں پر رکھ لیے۔ اس کا چہرہ زرنگار کے ہاتھوں کی اوک میں آ گیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

شازیہ الطاف ہاشمی

یہ کہانی نہیں

لکڑی کی بنی پرانی طرز کی کھڑکیوں سے کہانیاں پہلے جھانکا کرتی تھیں۔ وہ رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھ کر ان کا انتظار کیا کرتی تھی، پھر آہستہ آہستہ انہیں کاغذوں پر اتارنے لگی۔ یہ حویلی جس میں گلاب کی مہک گھلی تھی۔ یہ تحسین کے دادا جان کی ملکیت سے ہوتی ہوئی تحسین تک آئی تھی۔ انہوں نے خود اپنی نگرانی میں پیار کی لکڑی کے منقش دروازے کھڑکیاں ڈیزائن کروائے تھے۔ اعلیٰ قسم کی لکڑی کے تیار کردہ دروازے کھڑکیاں آج بھی ویسے کے ویسے ٹھنڈے، مضبوط اور صندل جیسی خوشبو دیتے تھے۔ یہی خوشبو کہانیوں کو ہوا کے دوش پہ کھینچتی اور قلم تک لاتی تھی۔

تحسین اور اس کا ساتھ پچیس برس پرانا تھا۔
تحسین آج بھی روزِ اول کی طرح اس سے محبت کرتے تھے اور اس محبت میں وہ اکیلے تھے۔ اولاد کوئی نہیں تھی۔ فقط محبت تھی۔

"تحسین آپ نے چائے پی لی؟" اس نے کچن سے ہی آواز لگائی۔

باہر سرخ اینٹوں والے فرش پر میز اور کرسیاں لگی تھیں۔ وہیں وہ دونوں صبح کی چائے پیتے تھے۔ پیالیاں، ساسروں اور شکردانیوں سے ٹکراتیں اور پھر شام تک خاموشی چھا جاتی۔ کیونکہ تحسین کے جانے کے بعد گھر میں صرف اسی کا وجود تھا موتیا چنبیلی اور گلاب کے پودوں کی خوشبو سارے گھر میں اسے ڈھونڈتی پھرتی "زینت تحسین، زینت تحسین" اور اوپر صندلی کھڑکیوں میں کہانیاں آکے اس کا انتظار کرتیں۔

چائے کے دو کپ اور شکردانیاں سفید نیلی، جانے کیوں وہ صبح صبح پھیلاوا بہت سا پھیلاوا پھیلا دیتی، حالانکہ دو بندوں کا کام کتنا تھا اور موتیے اور گلاب کی گوڈی کتنا وقت لے سکتی تھی مگر وہ وقت کو بہت کھینچ لیتی تھی، بہت آگے تک۔

تحسین کا دفتر پانی والی ٹنکی کے ساتھ ہی تھا۔ وہ پیدل جاتا اور پیدل ہی واپس آتا۔ گلی میں عورتیں صبح کے وقت ہی بولتی سنائی دیتیں۔

"اے ناصرہ، اوئے بلو! اسکول سے دیر ہو رہی ہے۔ ناشتا کر لو۔" ایسے میں وہ بھی ان آوازوں میں اپنی آواز شامل کر لیتی اور اٹھ کے باورچی خانے سے ہی آواز دیتی۔

"تحسین! آپ نے چائے پی لی؟"

چائے کا کپ بہت دیر میں ختم نہیں ہوتا مگر ہوا کے دوش پر اس کی آواز کو بھی تیرنا چاہیے تھا۔ بس بولنا تھا صبح کے وقت۔ ورنہ تحسین نے تو کبھی اولاد کی خواہش نہیں کی۔ وہ تو جس دن سے زینت اس کی زندگی میں شامل ہوئی تھی پچھلے پچیس سال سے وہ کسی کی ضرورت ہی محسوس نہ کر سکا تھا یا شاید ضرورت تھی ہی نہیں

کیونکہ ایسا کوئی احساس کمتری خود زینت کے اندر بھی نہ چھپا بیٹھا تھا کہ ایک دم سے کروٹ لے کر اٹھ بیٹھے۔

زندگی سنہرے دریا کی سی روانی سے بہہ رہی تھی سو بہنے دیا گیا تھا۔ ایک دفعہ صفیہ نانی نے اس میں پتھر پھینکنے کی کوشش کی تھی۔

"اے تحسین بیٹا! کوئی نام لیوا تو ہو تیرا بچ۔ بڑا دل دکھتا ہے میرا۔" ان کی پان چباتی زبان بہت چلی مگر ان کی ایک نہ چل سکی۔ بونگ پائے اور کلچوں کا ناشتہ کر کے رخصت ہوئی تھیں۔ دوسرا تحسین کا کوئی قابل ذکر رشتہ دار تھا نہیں اور زینت کے شمشاد بھائی اور منزہ آپا دبئی میں تھے۔ وہاں ان کی اپنی مصروفیات تھیں۔ انہوں نے کبھی کہا نہیں اور کہا بھی ہو تو تحسین ایسا نہ کرتے۔

کرداروں کے انبار میں ضدی دادا جان، فیشن ایبل مغربی میوزک کی دل دادہ ہیروئن اور سستے عاشقوں سمیت بہت سے لوگ غل مچائے ہوئے تھے، کبھی کبھی

تو وہ یوں چیختے چلاتے لڑتے جھگڑتے تھے کہ زینت کو انہیں چپ کروانا پڑتا تھا۔" ہے چپ باری باری شی شی صبح صبح کا وقت تھا اور کاغذ پہ قلم کی رفتار بہت تیز تھی مگر چالاک زمین دار کی پھرتیاں اس سے بھی بڑھ کر وہ قدم قدم پر اپنے ہونے کا احساس دلاتا تھا۔" ٹھک ٹھک" نیچے دستک تھی اور ذرا زور کی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگی۔ ہو گا کوئی بچہ۔

"امی! کہہ رہی ہیں دو انڈے دے دیں۔ دانہو دے دیں تھوڑی دیر کے لیے۔"

"یا پھر جیم" مگر آگے کچھ اور ہی تھا۔

"اے بی بی! ناشتہ کرا دے بڑی بھوک لگی ہے۔" بھکارن تھی وہ۔

"آؤ' اندر آجاؤ۔" اس نے دروازہ کھول کر جگہ دی۔

"اچھا جی" وہ اس کے پیچھے بھاری دروازے کو دھکیلتی گیلری سے ہوتی ہوئی کچن تک آگئی تھی۔ میز کے گرد دو کرسیاں موجود تھیں۔ ان میں سے ایک پر وہ ٹک چکی تھی۔ "لو ناشتہ کرو۔" وہ انڈے اور پراٹھے اس کے آگے رکھ چکی تھی۔ جسے ایک منٹ میں وہ ہڑپ کر گئی تھی۔

"گھر تو بڑا صاف ستھرا ہے جی۔" وہ اب فارغ ہو کے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ پلیٹ میں اب صرف باریک کٹی ہری مرچیں رہ گئی تھیں جنہیں اس نے نہیں کھایا۔ گھی والے ہاتھ دوپٹے سے صاف کر کے بیٹھی تھی۔

"کہاں سے آئی ہو؟" اس نے سوال کیا۔ "یہ ساتھ ہی جو خالی پلاٹ پڑے ہیں ناں وہیں پہ آئے ہیں۔"

"اچھا وہ حاجی صاحب کے خالی پلاٹ۔"

"تم روز مانگنے نکلتی ہو؟" وہ سولہ سترہ سال کی گھنگھریالے بالوں والی لڑکی تھی۔ "نہیں جی وہ تو اماں جاتی ہے۔ میں تو آج نکلی ہوں ذرا دیکھیں تو یہ اونچے اونچے مکان بھلا ہیں کیسے؟" وہ اوپر دیکھ رہی تھی منقش لکڑی کی کھڑکیوں کو۔ اسے لگا جیسے ایک کردار مجسم ہو کر سامنے آ بیٹھا ہے۔ "اچھا بی بی! اللہ بہت دے اللہ بخت جگائے" وہ بوڑھی فقیرنی بننے کی کوشش کر رہی تھی۔ "تمہاری عمر دعائیں لینے کی ہے دینے کی نہیں چھوٹی سی فقیرنی۔" اس نے اس کے سر کو ہلکا سا گھمایا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

بخت ہے جی میرا نام" وہ ہنس پڑی اور پھر تھیلا اٹھا کر نکل گئی پھر ایک معمول سا بننے لگا اسے اس کا انتظار رہنے لگا۔ ٹھنڈا فرش اس کے پیروں کے لمس کا منتظر رہنے لگا۔ وہ بھی روز ہی آنے لگی ناشتہ کرنے۔ وہ اس کے لیے چائے بنانے لگی نجانے کیوں وہ اچھی لگی تھی اس نے بخت میں دلچسپی لینا شروع کر دی۔ اس کے معصوم جواب اسے محظوظ کرنے لگے۔ اسے مسز منظور کی گنجلک گفتگو بھی پسند نہیں تھی اور غیبت تو ہرگز نہیں اور نہ ہی فرزانہ خاتون کی لگائی بجھائی۔ بخت اسے اچھی لگنے لگی۔

اتوار کو تحسین اور اپنا ناشتا بنایا تو اس کے دو پراٹھے اور سنہرا انڈا اندر ڈھک کے رکھ آئی۔

"آج صاحب گھر پہ ہیں' چھٹی ہے ناں!" وہ بلاوجہ ہی خوش تھی۔

"اچھا ہم بھی دیکھیں انہیں جن کی موجودگی نے آپ کو خوش رکھا ہے۔"

پھر اس کی ہنسی میں تحسین کی ہنسی بھی شامل ہو گئی۔ ناشتہ بڑے ہی خوش گوار ماحول میں ہونے لگا۔ بخت اچھی لڑکی تھی اور اس کی ہنسی بھی بہت پیاری تھی۔ تحسین بھی اس سے باتیں کیا کرتے تھے۔

"کیا کھاتی ہو؟ کیسے رہتی ہو۔" وغیرہ وغیرہ۔

زینت آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگی تھی۔ نوالے حلق میں اٹکنے لگے اور کہانیاں اداس درد کے رنگ میں رنگنے لگیں۔ کیا یہی محبت تھی۔ اتنے کچے رنگ کی کہ بس پہلی ہی بارش آخری چوٹ ثابت ہوئی تھی۔ اوپر والی کھڑکیوں سے نیچے جھانکتی تو آنسوؤں کی دبیز چادر کچھ بھی دیکھنے نہ دیتی۔

تحسین سے اپنے آپ کو' جذبات کو مخفی رکھنا وہ

بہت پہلے سے جانتی تھی۔ محبت قربانی تو ہمیشہ سے دیتی آئی ہے۔ وہ بھی قربانی دینے چلی تھی۔ محبت، توجہ، پیار کی قربان گاہ کی طرف اس کے قدم خود بہ خود بڑھنے لگے۔

"نہیں چاہیے مجھے جھوٹی محبت۔ جو ترس کھا کے جھولی میں کھنکھناتے سکوں کی صورت گری ہو۔"

"اسے خالص محبت چاہیے تھی جس میں کسی قسم کا کھوٹ نہ ہو۔"

"وہ آئی نہیں آج؟" اتوار کے دن کی چمک ماند پڑنے لگی پھیکی پھیکی بے رس۔

وہ میز پہ ناشتا کر رہے تھے مگر دھیان بخت کی ہی طرف تھا۔

"جاتی ہے۔ ہر روز ہی۔ کبھی آپ سے پہلے کبھی آپ کے جانے کے بعد۔"

وہ خود کو لاپروا ظاہر کر کے کھانے میں مگن ہو گئی۔ دم کی گئی چائے کا سنہرا پن نجانے کیوں کھو سا گیا۔ شکر دانیاں زہر بھری دکھائی دینے لگیں۔ پھر وہی رو دینے والی عورتوں جیسی۔ ہر عورت جیسی عادت آئینے کے سامنے کھڑی وہ خود کو دیکھے جا رہی تھی۔

"تو یہ تھی زینت۔" ہلکے ہلکے سنہرے سفیدی مائل بال، درمیانہ قد اور محبت سے سجی آنکھیں جو سب کو کھینچ لیتی تھیں کیونکہ محبت تو باندھ لیتی ہے، چاہے کوئی جتنا بھی وحشی ہو۔ سکون مل جاتا ہے اسے۔ اس نے محبت کے سہارے زندگی گزار دی تھی۔ سو وہ سہارا ابھی چلا۔ اس کی آنکھیں بھی بہت موٹی نہ تھیں جیسے بخت کی اس جیسے بال بھی گھنگھریالے سنہری نہ تھے نہ آنکھوں میں وہ بات جو اس میں تھی۔ وہ صاف ستھری ہو کے عورت لگتی تھی اور اگر بخت مائی نہا دھو لیتی تو حور لگتی۔ جیسے آسمان سے سیدھا ان کے سرخ فرش پر قدم دھرا ہو۔ وہ بلاشبہ گدڑی میں چھپا لعل تھی اور وہ اس حویلی جیسے گھر کا چراغ تھی۔ چراغ چلائے جا سکتے ہیں، بجھائے جا سکتے ہیں مگر لعل وہ صرف ایک ہوتا ہے۔ صرف ایک۔ اسے نہ کوئی چرانے دیتا

ہے نہ کوئی اٹھانے دیتا ہے۔ وہ سرمایہ تھی اور وہ محبت اور دنیا میں جھوٹی سچی محبتیں مل ہی جاتی ہیں اگر سرمائے کا ڈھیر موجود ہو۔ وہ بے کار تھی' بے کار زمین ۔ جس پر کوئی پھول نہ آسکا تھا' وہ بنجر تھی۔ بے آب و گیاہ صحرا آج اس نے میرون لپ اسٹک ہونٹوں کو چھوا تک نہیں۔ سب غم لکھنے' بال ہاتھوں سے ہی سنوار کر اوپر آگئی۔ نیچے تحسین اخبار پڑھ رہے تھے۔

دروازہ کھلا تھا۔ وہ سیدھا اندر ہی چلی آئی تھی اور تحسین نے اسے آواز نہ دی تھی۔ وہ میز سے کرسیوں تک کا سفر مسکراتے ہوئے کر رہی تھی۔ تحسین نے اندر سے اسے ناشتہ لا کر دیا تھا۔ ہمیشہ کی طرح وہ جلدی جلدی کھا رہی تھی اور آج اس کی ہنسی تھمنے میں نہیں آتی تھی۔ وہ بہت خوش تھی۔ اوپر سے زینت نے سب دیکھا اور دیکھتی رہ گئی اور پھر کرسی پر ڈھے سی گئی۔ بخت معصوم سی لڑکی تھی اور وہ ٹوٹی ہوئی عورت پھر سیڑھیوں پر دھم دھم کی آواز آنے لگی کوئی اوپر آرہا تھا۔ وہ آنسو صاف کر کے پھر سلجھی ہوئی عورت میں بدل گئی' آنے والی بخت تھی۔

"بی بی! آپ یہاں بیٹھی ہیں اور میں نیچے آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔" وہ خوشی سے بھری کھڑی تھی اور وہ غم سے ٹوٹی پڑی تھی۔

"وہ جی گھری آگیا ہے واپس۔" اس کی آنکھیں خوشی چھلکانے لگیں۔

"کون ہے گھری" وہ غائب دماغی سے پوچھنے لگی وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے بولے جا رہی تھی اور وہ نہ سن رہی تھی نہ دیکھ پائی۔ "تمہارا بھائی؟"

"او نہیں جی۔" وہ شرمانے لگی۔ "وہ میرا گھر والا ہے۔ جی نکاح ہوا تھا ہمارا اب رخصتی ہونے جا رہی ہے۔" وہ لال سرخ رنگ میں رنگ گئی تھی۔

"اچھا!"

"اگلے ہفتے کو شادی ہے میری۔ آپ مجھے کوئی اچھا سوٹ' جوتے دے دو ناں۔ بالکل فلموں والے جیسے وہ پہنتی ہے۔ کاجل۔ اماں نے تو بڑا ہی سادہ سا سوٹ بنایا ہے جی میرا۔" وہ جیسے اداس ہو گئی تھی۔

"میں تمہیں بہت اچھا سوٹ دلاؤں گی اور کچھ سوٹ میری الماری میں ہیں وہ بھی لے جانا۔"

وہ اسے ایک دم بہت پیاری لگی تھی۔ بلکہ وہ تھی ہی بہت اچھی لڑکی' اس کی طرف سے زینت کا دل مکمل صاف تھا۔

"تمہارا سوٹ کل ہی آجائے گا اور ہاں چوڑیاں بھی آکے لے جانا۔" وہ ٹوٹے دل سے مسکرائی تھی۔ اس کا شوہر بے ایمان تھا۔ ایک ایسی لڑکی پر جو پہلے سے کسی کے نکاح میں تھی' وہ نیچے آئی تھی جہاں تحسین موجود تھے۔

"یہ آج اتنی خوش کیوں ہے۔" وہ پوچھ بیٹھے۔

"کیونکہ اگلے ہفتے اس کی شادی ہے۔" اس کے اندر کی بیوی ہلکی سی جاگی تھی۔

"اچھا اللہ نصیب اچھے کرے بلکہ ہر بیٹی کی قسمت کھولے۔ بڑی ہی پیاری بچی ہے یہ بخت۔ سچ زینت! اگر ہماری کوئی بیٹی ہوتی ناں تو ایسی ہی ہوتی۔" وہ آزردگی سے مسکرائے۔ "بلکہ مجھے تو وہ بیٹی ہی لگی ہماری۔"

"ہائیں!" اس پر گھڑوں پانی پڑ گیا' جی چاہا کہ پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ اس نے تو بدگمانی کو دل میں جگہ دی تھی۔ بدگمانی جو شیطان کی طرف سے ہے' وہ بے حد دکھی ہو چکی تھی۔ سارے شوہر واقعی ایک جیسے نہیں ہوتے۔ وہ گلاب اور موتیا کی خوشبو کو واپس آتی محسوس کرنے لگی تھی مگر اس خوشبو کو اپنے اندر اتارنے سے پہلے وہ اپنے دل سے بدگمانیوں کے کیڑے نکال باہر کرنا چاہتی تھی۔ اس کے دل اور آنکھوں میں صرف محبت ہونی چاہیے تھی اور کچھ نہیں۔

بخت ان کی زندگیوں سے تو چلی گئی مگر جاتے جاتے ایک کہانی' سچی کہانی ان دونوں کے درمیان چھوڑ گئی تھی' اس بار کہانی کھڑکی کے راستے نہیں بلکہ پر اثر ہو کر دروازے کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔

مری غزل ہے کسی خوش نظر کا آئینہ
کسی کا حسن ہے میرے ہنر کا آئینہ

یہ چاند ہے کہ ستاروں نے چھیڑنے کے لیے
چرا لیا ہے کسی بے خبر کا آئینہ

وہ روحِ عشق سلامت کہ جس نے یوسف کو
بنا دیا تھا زلیخا کے گھر کا آئینہ

یہ کس کے حسن کی آرائشوں کا ساماں ہے
شبِ سیاہ کا شانہ، سحر کا آئینہ

کوئی بھی شکل مکمل نظر نہیں آتی
یہ کس نے توڑ دیا ہے نظر کا آئینہ

میں اک مصورِ رفتارِ وقت ہوں شبنم
مرا کلام ہے میرے سفر کا آئینہ

شبنم رومانی

دل کے ہر زخم کو پلکوں پہ سجایا تو گیا
آپ کے نام پہ اک جشن منایا تو گیا

خیر اپنا نہیں یا غیر ہی سمجھ کر ہم کو
تیری محفل میں کسی طور بلایا تو گیا

اب یہ بات اور کہ زنداں میں بھی زنجیریں ہیں
ہم کو گلشن کی بلاؤں سے بچایا تو گیا

دار پہ چڑھ کے بھی خوش ہیں کہ ہمیں اس دل میں
اس بہانے ہی سہی، اپنا بنایا تو گیا

اب یہ قسمت ہی نہ جاگے تو کرے کیا کوئی
روز و شب ایک نیا طوفان اٹھایا تو گیا

اختر لکھنوی

بے ثبات کی دُنیا موسموں میں اُتری ہے
پھول بن کر آئی ہے
گلشنوں میں اُتری ہے
آنسوؤں میں اُتری ہے
دل میں کچھ برس جی کر آنگنوں میں اُتری ہے
چل دیے خطا بن کر
عشق کی حکایت کے لوگ بے وفا بن کر
جسم و جاں کے پردے میں قیس کی قبا بن کر
راستے کی مٹی پر عکس ہیں دعاؤں کے
کچھ قدم ہیں غیروں کے کچھ ہیں آشناؤں کے
بارہا گنے ہم نے قافلے جفاؤں کے
عکس بے گناہوں کے
نام بارگاہوں کے ... کس قلم نے لکھے ہیں
مشورے ہواؤں کے

جیلانی کامران

وہ دوست تو نہ تھا، ہاں آشنا سا تھا... وہ بھی گیا
وفا تو کب کی گئی، اک بے وفا تھا... وہ بھی گیا

خوشی جو دیتے تھے، وہ لوگ تو گئے کب کے
وہ شخص جو مجھے غم دے رہا تھا... وہ بھی گیا

وہ ہی کیا، کوئی بھی منزل سے رُوشناس نہیں
مگر حسین سا اک رہنما تھا... وہ بھی گیا

خدا کے واسطے اب بولو... کس کو ڈھونڈو گے؟
وہی تو شہر میں قاتل رہا تھا... وہ بھی گیا

نکالو ڈھونڈ کے معشوقِ مہرباں کوئی
وہ گو ستم تھا غضب تھا بلا تھا... وہ بھی گیا

نہ جانے اب میری غزلوں کا رنگ کیا ہوگا
جو میرے دل کو لہو کر رہا تھا... وہ بھی گیا

کلیم ماجد
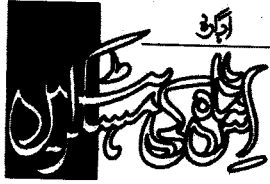
بھروسا

بیوی نے شوہر سے پوچھا۔ ''آپ مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں؟''

شوہر نے جذباتی ہو کر کہا۔ ''میں تم سے شدید محبت کرتا ہوں۔''

''پھر بتایئے اگر میں مرگئی تو آپ کیا کریں گے؟'' بیوی نے پوچھا۔

''مجنوں بن جاؤں گا۔'' شوہر نے دل پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''دوسری شادی تو نہیں کریں گے؟'' بیوی نے بے یقینی سے پوچھا۔

''دیکھو بیگم! پاگل کا کیا بھروسا...... وہ تو کچھ بھی کرسکتا ہے۔'' شوہر نے جواب دیا۔

(حمدہ واجد)

خوش قسمت

نوجوان نے لڑکی سے شادی کی درخواست کی، جو اس نے قبول کرلی۔ لڑکے کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں رہا۔ وہ اپنے آپ کو بہت خوش قسمت تصور کررہا تھا اور وہ اس کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکا۔

''مجھے امید نہیں تھی کہ تم ہاں کردو گی۔ میں خود کو تمہارے قابل نہیں سمجھتا تھا۔ میری تو شکل بھی ایسی نہیں کہ کوئی لڑکی ایک نظر ڈال کر دیکھنا پسند کرے۔''

''ہاں میں نے بھی اس بارے میں سوچا تھا۔'' لڑکی نے اعتراف کیا۔ ''پھر مجھے خیال آیا کہ تمہارا زیادہ وقت تو دفتر میں ہی گزرے گا۔''

(ثمرہ کاظمی...... نارتھ ناظم آباد)

کوچ

شوہر نے بیوی کے سامنے بے تحاشا قہقہے لگاتے ہوئے کہا۔

''اپنے حمید صاحب کی بیگم بھی خوب ہیں۔ ہم کرکٹ کے کوچ کے بارے میں گفتگو کررہے تھے۔ ہماری گفتگو سن کر وہ یہ سمجھیں کہ کوچ کے چار پہیے ہوتے ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ پھر قہقہے لگانے لگے۔ ان کی بیوی بھی قہقہے لگانے میں شریک ہوگئیں۔ دونوں میاں بیوی جب دل کھول کر ہنس چکے تو بیوی نے سرگوشی کے انداز میں شوہر سے پوچھا۔

''اچھا تو کرکٹ کے کوچ کے کتنے پہیے ہوتے ہیں؟''

(عروبہ خان...... کراچی)

رنگے ہاتھوں

''شادی کی رات آپ نے جو سونے کی انگوٹھی مجھے دی تھی وہ کہیں گم ہوگئی ہے۔'' بیوی نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا تو شوہر نے جلدی سے کہا۔

''عجیب اتفاق ہے کہ آج میرے کوٹ کی جیب سے بھی ہزار روپے غائب ہیں۔ خیر مجھے ہزار روپے کا غم نہیں ہے۔''

''کیوں؟'' بیوی نے چونک کر پوچھا۔

''اس لیے کہ تمہاری کھوئی ہوئی انگوٹھی مل گئی ہے۔''

''کیا سچ؟'' بیوی خوش ہوگئی۔ ''کہاں سے ملی؟''

''میرے کوٹ کی جیب میں تھی، جس میں سے ہزار روپے غائب ہوئے ہیں۔''

(حمنیٰ بیگ...... کراچی)

قصور

ایک دفعہ جنگل میں دن کے وقت چیتے اور گدھے میں بحث ہوئی۔ چیتے نے کہا۔ ''آسمان نیلا ہے۔'' گدھے نے کہا۔ ''کالا ہے۔'' اگرچہ بات چیتے کی ٹھیک تھی، پھر بھی چیتے نے کہا۔ ''چلو جنگل کے بادشاہ شیر کے پاس چل کر فیصلہ کرواتے ہیں۔''

دونوں شیر کے پاس گئے اور واقعہ سنایا۔ شیر نے کہا۔ ''چیتے کو جیل میں ڈال دو۔'' چیتے نے احتجاج کیا۔

''بادشاہ سلامت! بات بھی میری درست اور جیل بھی مجھے جانا پڑ رہا ہے؟'' بادشاہ نے کہا۔ ''بات سچ اور جھوٹ کی نہیں، تمہارا قصور یہ ہے کہ تم نے ایک گدھے سے بحث کی۔''

عقلمندی

ایک کنجوس ڈاکٹر کے پاس گیا اور بولا۔

''گھر جا کے مریض کا چیک اپ کرنے کے لیے آپ کی فیس کتنی ہے......؟''

ڈاکٹر: ''ایک سو پچاس روپے۔''

کنجوس: میرے ساتھ میرے گھر تک چلیں......؟'' ڈاکٹر کی بائیک پہ دونوں گھر تک پہنچے تو کنجوس نے ڈاکٹر کو ایک سو پچاس روپے دیے۔

ڈاکٹر نے حیران ہو کر کہا۔ ''مریض کہاں ہے......؟''

کنجوس: مریض کوئی نہیں ہے جی...... وہ ٹیکسی والا گھر تک کے چار سو مانگ رہا تھا۔ تھینکس......!''

(مسرت الطاف احمد...... کراچی)

کوشش

مجرم وکیل سے۔ ''کوشش کرنا مجھے عمر قید بھلے ہو جائے پھانسی نہ ہو۔'' وکیل نے جواب دیا۔ ''ٹھیک ہے۔''

دوسرے دن مجرم وکیل سے۔ ''کیا بنا؟'' وکیل شرمندہ ہوتے ہوئے بولا۔ ''بڑی مشکل سے عمر قید کروائی ورنہ جج تو تمہیں رہا کرنے پر تلا ہوا تھا۔''

ملائکہ کوثر...... بسم اللہ پور

خوب گزرے گی......

ایک لڑکا اور لڑکی پارک میں ٹہلتے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ لڑکی کہہ رہی تھی۔

''میں تیرنا جانتی ہوں، ٹینس اور گولف کھیلتی ہوں، کار چلاتی ہوں، رقص بھی بہت اچھا کر لیتی ہوں اب تم بتاؤ...... کیا کچھ کر لیتے ہو؟''

لڑکے نے فخریہ انداز میں کہنا شروع کیا۔

''میں بٹن ٹانک سکتا ہوں، کھانا بھی پکا سکتا ہوں، بستر بچھا لیتا ہوں، برتن اچھی طرح دھو لیتا ہوں، گھر کو صاف رکھنے کا سلیقہ ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بچوں کو سنبھالنے اور ان کی دیکھ بھال کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔''

''آہا...... بہت خوب......'' لڑکی خوش ہو کر بولی۔

''پھر تو ہم کو بہت جلد شادی کر لینی چاہیے۔''

(ارم کمال...... فیصل آباد)

شارٹ کٹ

ایک آدمی گھبرایا گھبرایا سا سڑک پر پھر رہا تھا۔ اچانک اس نے ایک لڑکی سے پوچھا۔

''کیا آپ مجھے اسپتال جانے کا شارٹ کٹ بتائیں گی؟''

''جی ہاں۔ یہ جو سامنے سے موٹر آ رہی ہے اس کے سامنے کھڑے ہو جائیں۔''

(صائمہ مشتاق...... حافظ آباد)

سومنات کا بت

ایک سرکاری اسکول میں انسپکٹر صاحب نے ایک طالب علم سے پوچھا۔ ''سومنات کا بت کس نے توڑا تھا؟''

طالب علم نے سہمے ہوئے لہجے میں جواب دیا ''سر! میں نے تو ہرگز نہیں توڑا۔ آپ قسم لے لیجیے۔''

انسپکٹر صاحب نے کلاس ٹیچر کو یہ بات بتائی تو کلاس ٹیچر نے طالب علم کو مرغا بناتے ہوئے جواب دیا۔

"جناب اسی نے توڑا ہوگا۔ یہ بڑا شرارتی ہے۔"

انسپکٹر بھنایا ہوا ہیڈ ماسٹر کے پاس گیا اور کہا کہ "آپ کے اسکول کا یہ معیار ہے کہ کسی کو پتا ہی نہیں کہ سومنات کا بت کس نے توڑا تھا۔"

ہیڈ ماسٹر صاحب نے معذرت خواہانہ انداز میں جواب دیا "سر پانچ سو طالب علموں کا اسکول ہے اتنے ہجوم میں کیسے پتا لگایا جا سکتا ہے کہ سومنات کا بت کس نے توڑا۔ اسٹاف ویسے ہی کم ہے یہ سومنات ادھر ادھر پڑا رہ گیا ہوگا۔"

انسپکٹر صاحب نے محکمہ تعلیم کے متعلقہ افسران کو فون کر کے ساری صورت حال سے آگاہ کیا تو ادھر سے جواب آیا۔

"دیکھیں انسپکٹر صاحب! سومنات کا بت جس نے بھی توڑا ہو، پیسے تو آپ ہی کی تنخواہ سے کاٹے جائیں گے کیونکہ اس اسکول کی نگرانی آپ ہی کی ڈیوٹی ہے۔"

اقصیٰ افضل، سرگودھا

حالت

ایک فقیر نے آنکھوں پر سیاہ چشمہ چڑھا رکھا تھا۔

بڑی درد بھری آواز نکال کر بھیک مانگ رہا تھا۔ ایک خاتون کو روک کر بولا۔

"محترمہ! آپ جس حال میں مجھے اب دیکھ رہی ہیں میں ہمیشہ ایسا نہیں تھا کوئی وقت تھا کہ......"

خاتون اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔ "مجھے معلوم ہے پچھلی مرتبہ جب تم سے میرا سامنا ہوا تھا تو تم گونگے یا بہرے اور لنگڑے تھے۔"

ملائکہ کوثر۔ بسم اللہ پور

جواب

فوجی ٹریننگ کے دوران آفیسر نے سپاہی سے پوچھا۔

"تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟"

رب نواز "سر یہ بندوق ہے۔"

آفیسر "یہ بندوق نہیں تمہاری عزت اور شان ہے۔ تمہاری ماں ہے ماں۔"

آفیسر دوسرے پٹھان سپاہی سے "تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔"

پٹھان "سر! یہ رب نواز کی ماں ہے اور ہماری خالہ ہے۔"

نسرین علی، میاں چنوں

موسم سرما کا فیشن

بیوی کافی دیر سے پریشان ہو رہی تھی۔ وہ بار بار چینل بدلتی، کبھی اخبار اٹھا کر کھولنے لگتی۔

پاس ہی شوہر صاحب بیٹھے آفس کی فائلز دیکھ رہے تھے اور بیوی کی جھلاہٹ اور بے چینی بھی۔ آخر کار سر اٹھا کر بولے "کیا ہوا؟"

بیوی روہانسی ہو کر بولی "میں اب تک یہ معلوم کرنے میں ناکام ہو رہی ہوں کہ اس بار موسم سرما کا کیا فیشن ہوگا؟"

شوہر صاحب فائلز پر نظریں جما کر سنجیدگی سے بولے "ہمیشہ کی طرح دو قسم کے فیشن ہوں گے۔"

بیوی بات کاٹ کے خوشی خوشی بولی "کون سے دو فیشن؟"

شوہر نے جواب دیا "ایک وہ جسے تم پسند نہیں کرو گی اور دوسرا مہنگا ہونے کی وجہ سے میں خرید نہ سکوں گا۔"

شگفتہ جاہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

حضرت ابو عبداللہ طارق بن اشیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔

"جس شخص نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کیا تو اس کا مال اور خون محفوظ (حرام) ہو گیا اور اس (کے باطن) کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔"

فوائد و مسائل:

اس میں دو چیزیں بیان ہوئی ہیں جن کے بغیر توحید مکمل نہیں ہوتی۔ صرف اللہ کی معبودیت کا اقرار اور غیروں کی معبودیت کا انکار۔

آزمائش ہے یا سزا،

حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا۔

"یہ کیسے پتا چلے گا کہ جو پریشانی یا مصیبت ہم پر آئی ہے وہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہے یا سزا؟"

آپؓ نے جواب دیا۔

"جو مصیبت تجھے اللہ کی طرف لے جائے تو وہ آزمائش ہے۔ جو مصیبت تجھے اللہ سے دور کردے وہ سزا ہے۔"

نوال افضل گھمن۔ کراچی

خود پرستی،

حضرت علیؓ سے پوچھا گیا۔

"انسان برا کب بنتا ہے؟"

آپؓ نے فرمایا۔ "جب وہ خود کو دوسروں سے اچھا سمجھنے لگے۔"

اقرا خالد۔ سیالکوٹ

سخاوت،

حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا۔

"سخاوت کسے کہتے ہیں؟"

آپ نے فرمایا۔ "سخاوت اسے کہتے ہیں کہ جو بغیر مانگے دے اور بخشش اسے کہتے ہیں جو مانگنے کے بعد دے۔"

خلیفۂ وقت،

حضرت میمون بن مہران کہتے ہیں مجھے ہمدانی نے بتایا کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ وہ خچر پر سوار ہیں اور ان کا غلام نائل ان کے پیچھے بیٹھا ہوا ہے حالانکہ حضرت عثمانؓ اس وقت خلیفہ تھے۔

امیر المومنین،

خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک درہم کی کھجوریں خریدیں اور انہیں اپنی چادر میں ڈال کر اٹھانے لگے تو کسی نے ان سے کہا۔

"اے امیر المومنین! آپ کی جگہ میں اٹھا لیتا ہوں۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ "نہیں، (یہ کھجوریں میں نے بچوں کے لیے خریدی ہیں اس لیے) بچوں کا باپ ہی ان کے اٹھانے کا حق دار ہے۔"

خلیفہ کی برکت،

مالک بن دینار کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو چرواہے نہایت تعجب سے کہنے لگے۔
"لوگوں پر کون خلیفہ مقرر ہوا ہے جو ہماری بکریوں کو بھیڑیے کچھ نہیں کہتے۔"

حکمت کے موتی،

حضرت علیؓ کی تلوار پر یہ اشعار کندہ تھے۔
ترجمہ:
"رزق عقل سے نہیں ملتا، بلکہ رزق کا حصول تو مقدر سے ہی ممکن ہوتا ہے۔"
"اگر قوت بازو اور حیلے کے ذریعے روزی حاصل ہوتی تو پھر چڑیوں کا رزق باز لے اڑتے۔"

جواب جاہلاں،

عمیر بن حبیبؓ نے اپنے آخر وقت میں اپنے پوتے کو نصیحت کی۔ انہوں نے کہا۔
"جو شخص نادان کے چھوٹے شر پر راضی نہ ہوگا۔ اس کو نادان کے بڑے شر پر راضی ہونا پڑے گا۔"
اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی نادان یا کسی فسادی آدمی سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے۔ اس کا بہترین حل یہ ہے کہ اس کو برداشت کیا جائے۔ کیونکہ اگر اس کو جواب دیا گیا تو وہ نادان بھڑک کر مزید بدزبانی کرے گا۔
(مولانا وحید الدین خان۔ راز حیات)

غرور وتکبر،

ایک مشہور انگریزی مصنف ولیم لا کا کہنا ہے۔
"برائی جب بھی شروع ہوتی ہے، غرور سے شروع ہوتی ہے۔ برائی کا جب بھی خاتمہ ہوتا ہے تو انکساری کے ذریعے ہوتا ہے۔"

* * *

بنجامن فرینکلن نے کہا تھا۔
"جب تم دوسرے کے لیے اچھے ہوتے ہو تو اپنے لیے بہترین ہوتے ہو۔"
مطلب یہ ہے کہ ہمارے اعمال، افعال، رویے جلد یا بدیر ہماری طرف واپس آتے ہیں۔
عذرا ناصر، ماضی ناصر۔ کراچی

جدوجہد،

بیالوجی کے استاد نے طلبا کو بتایا کہ تتلی کس طرح خول کو توڑ کر نکلتی ہے۔ پھر اس نے خول ان کے سامنے رکھ دیا اور بتایا کہ دو گھنٹے بعد اس میں سے تتلی نکلے گی۔ اس نے انہیں منع کیا کہ کوئی تتلی کی مدد نہ کرے۔ اس کے بعد وہ کلاس روم سے باہر چلا گیا۔
ٹھیک دو گھنٹے بعد خول ٹوٹنے لگا اور تتلی باہر آنے کی جدوجہد کرنے لگی۔ اس کی حالت دیکھ کر ایک طالب علم سے رہا نہ گیا اور اس نے استاد کی ہدایت کو نظر انداز کرتے ہوئے تتلی کی مدد کے خیال سے خول کو توڑ دیا۔ تتلی آزاد ہو گئی لیکن تھوڑی ہی دیر بعد مر گئی۔
جب استاد کو پتا چلا تو اس نے طلبا کو سمجھایا کہ خول کو توڑنے کی جدوجہد تتلی کو وہ قوت عطا کرتی ہے جس سے وہ زندہ رہتی ہے۔ چونکہ طالب علم نے اس کو جدوجہد نہیں کرنے دی تھی، اس لیے وہ مر گئی تھی۔
زندگی میں محنت، کوشش اور جدوجہد ہمیں مضبوط بناتی ہے اور ہم دنیا کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔
ثمرہ عاقب۔ گرین سٹی

اعتماد،

شاخ پر بیٹھا پرندہ شاخ کی کمزوری یا اس کے جھولنے سے نہیں ڈرتا۔ کیونکہ اس کو شاخ پر نہیں اپنے پروں پر اعتماد ہوتا ہے۔

گناہ،

گناہ زہر کی مانند ہے جو کم ہو یا زیادہ، نقصان دہ ہوتا ہے۔

(اشفاق احمد)

نوال افضل گھمن۔ کراچی

بار بار دھوکا کھانا،

کینہ پروری اچھی بات نہیں ہے لیکن بار بار دھوکا کھانا بھی بے وقوفی ہے۔ کسی مفکر کا قول ہے۔ "تم نے مجھے دھوکا دیا، افسوس ہے تم پر، تم نے مجھے دوبارہ دھوکا دیا، افسوس ہے مجھ پر۔"

نادیہ یاسر۔ گوجرہ

جو دیتے ہیں، وہی پاتے ہیں،

ایک کسان ایک بیکری والے کو ایک پاؤنڈ مکھن روزانہ بیچا کرتا تھا۔ ایک دن بیکری والے نے سوچا کہ مکھن کا وزن کر کے دیکھے کہ ایک پاؤنڈ ہی ہے کم تو نہیں ہے۔ جب اس نے وزن کیا تو پتا چلا کہ مکھن پورا ایک پاؤنڈ نہیں ہے۔ اسے بڑا غصہ آیا۔ اس نے کسان پر مقدمہ کر دیا۔

جج نے کسان سے پوچھا "اس نے مکھن کا وزن کس طرح کیا تھا؟"

کسان نے کہا "جناب والا! میں غریب آدمی ہوں، میرے پاس ترازو نہیں ہے لیکن میں ایک دوسرے طریقے سے مکھن کا وزن کرتا ہوں۔"

جج نے پوچھا "وہ کیا طریقہ ہے؟"

کسان نے کہا "میں بیکری والے کو مکھن بیچنے سے کافی عرصہ پہلے سے ایک پاؤنڈ کی ڈبل روٹی خرید رہا ہوں۔ میں اس کی ڈبل روٹی کے برابر وزن کا مکھن اسے دے دیتا ہوں۔ اگر وزن پورا نہیں ہے تو آپ ہی بتائیے کس کا قصور ہے؟"

٭ ہم زندگی میں جو کچھ دیتے ہیں، وہی پاتے ہیں۔"

مدیحہ، ایمان فہید۔ مدینہ کالونی

نیت،

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

٭ ایک بادشاہ اور ایک درویش کا انتقال ہوا کسی نے خواب میں دیکھا کہ بادشاہ تو جنت میں ٹہل رہا ہے اور درویش دوزخ میں پڑا ہے۔ کسی بزرگ سے تعبیر معلوم کی تو کہا کہ وہ بادشاہ صاحب تخت و تاج تھا، مگر درویشی کی تمنا کرتا تھا اور درویشوں کی طرف بڑی حسرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔

اور یہ درویش تھے تو فقیر بے نوا، مگر بادشاہ کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

اسی طرح اگر کوئی مسجد میں ہے اور اس کا دل لگا ہوا ہے کہ جلدی نماز ہو اور میں اپنے کام کو جاؤں تو گویا وہ مسجد سے نکل چکا اور کوئی بازار میں ہے اور اس کا دل مسجد و نماز میں لگا ہوا ہے تو گویا وہ نماز ہی میں ہے۔

(ماخوذ از مجالس اہل دل)

دانیہ رحمن۔ لاہور

خیال میرا خوشبو سا،

٭ نعمت کا ملنا آزمائش ہے کہ تم نے شکر ادا کیا یا ناشکری کی۔

٭ بدقسمتی محض بہتان ہے جو کاہلوں کی طرف سے اللہ پر لگایا جاتا ہے۔

٭ راستہ پتھریلا ہو، سورج کی تمازت تیز ہو، ہر قدم پر چڑھائی ہو تو مسافت مشکل سے طے ہوتی ہے۔

٭ خواب وہ نہیں جو آپ سوتے میں دیکھتے ہیں بلکہ وہ ہیں جو آپ کو سونے نہیں دیتے۔

٭ پھولوں سے محبت کرنے والے کیا مرد کیا عورتیں، عام طور پر معمولی شکل و صورت کے ہوتے ہیں وہ پھولوں کی خوشبو سے، ان کی گمرڈت سے پیار نہیں کرتے ان کے ہونے سے پیار کرتے ہیں۔

سیدہ نسبت زہرا۔ کہروڑپکا

خالدہ جیلانی

حرا کاشف ——— اورنگی ٹاؤن

تیری نگاہِ لطف بھی ناکام ہی نہ ہو
دل تو وہ زخم ہے جسے آرام ہی نہ ہو
دستک سی دے رہی ہے دریچے پہ بادِ صبح
اے محوِ خواب سن کوئی پیغام ہی نہ ہو

سونیا ربانی ——— موڑہ دھمیال

تمہیں مزید کوئی چاہتوں سے دیکھے گا
مگر وہ آنکھیں ہماری کہاں سے لائے گا
تمہارے ساتھ یہ موسم فرشتوں جیسا ہے
تمہارے بعد یہ موسم بہت ستائے گا

عذرا ناصر، اقصیٰ ناصر ——— گلستان جوہر

آنکھ یوں ہوئی کہ اک جگنو نہ نکلے ہاتھ سے
آنکھ کو ایسے جھپک کوئی اوجھل نہ ہو
پہلی سیڑھی پہ قدم رکھ آخری سیڑھی پہ آنکھ
منزلوں کی جستجو میں رائیگاں کوئی پل نہ ہو

نمرہ، اقرا ——— کراچی

کاغذ کی ناؤ بھی ہے کھلونے بھی ہیں بہت
بچپن سے پھر بھی ہاتھ ملانا محال ہے

تبسم شام ——— آفیسر زکالونی

اُس کی ذات سے منسوب ہیں تمام قصے
وہ ایک ہی شخص سرمایۂ حیات ٹھہرا

فائزہ بھٹی ——— پتوکی

میرے الفاظ میں ترتیب کہاں تھی اتنی
یہ تو منظوم ہوئے اُن سے ملاقات کے بعد

حرمہ واجد ——— گلستان جوہر

ایک بار اور بھی کیوں عرضِ تمنا نہ کروں
کر تو انکار بھی کرتا ہے عجب ناز کے ساتھ

دانیہ ——— لاہور

ہر دردِ محبت سے اُلجھا ہے غمِ ہستی
کیا کیا ہمیں یاد آیا جب یاد تری آئی

فاکہہ سہیل ——— کراچی

وہ بات بات پہ اپنی مثال دیتا ہے
کچھ اپنے آپ پہ کم اعتبار ہے شاید

ماہ نور ——— حیدر آباد

وفا کا عہد تھا دل کو سنبھالنے کے لیے
وہ ہنس پڑے تھے مجھے مشکل میں ڈالنے کے لیے

افشاں شریف ——— فیصل آباد

مری عمر سے جو نہ سمٹ سکے، مرے دل میں اتنے سوال تھے
ترے پاس جتنے جواب تھے، تری اک نگاہ میں آ گئے

یاسمین احمد ——— راولپنڈی

تری نگاہ سے بچنے میں عمر گزری ہے
اُتر گیا رگِ جاں میں یہ نشتر پھر بھی

ربیعہ طفیل ——— منڈی بہاؤ الدین

مجھے معلوم ہے وعدہ نبھانا سخت مشکل ہے
مری کم ہمتی انکار بھی کرنے نہیں دیتی

زینب عمران ——— لاہور

ہم تو ہر موڑ بچا آئے تھے دامن اپنا
جانے کس راہ بہاروں کے خزانے گزرے

گیلانی سسٹرز ——— کہروڑ پکا

کون سی رُت ہے زمانے میں ہمیں کیا معلوم
اپنے دامن میں لیے پھرتی ہے حسرت ہم کو
زخم وصل کے مرہم سے بھی شاید نہ بھریں
ہجر میں ایسی ملی اب کے مسافت ہم کو

گڑیا شاہ ——— کہروڑ پکا

فرصتِ کاروبارِ شوق کسے
ذوقِ نظارۂ جمال کہاں
تھی اک شخص کے تصور سے
اب وہ رعنائی خیال کہاں

مریم ———— کراچی

اک شہر بے مہر کبھی ہم کو بھی مہلت دیتا
اک دیا ہم بھی کسی رُخ سے جلاتے جاتے

آمنہ سعد ———— سعودیہ

تجھے کیا خبر مہ و سال نے ہمیں کیسے زخم دیے یہاں
تری یادگار تھی اک خلش، تری یادگار بھی اب نہیں
وہ جو اپنی جاں سے گزر گئے، انہیں کیا خبر ہے کہ شہر میں
کسی جاں نثار کا ذکر کیا، کوئی سوگوار بھی اب نہیں

یاسمین کنول ———— پسرور

آنکھ میں کون سے سمندر ہیں
جو بھٹکتے ہیں آنسوؤں کی طرح

فاخرہ بتول ———— کوٹ دھمیال

ورق ورق پہ تیری عبادت، تیرا افسانہ، تیری حکایت
کتاب ہستی جہاں سے کھولی، تیری محبت کا باب نکلا

اقرا عزیز ———— گاؤں دریا خان جلبانی

کون روئے گا اب ہجروں میں آنسو تمہارے
وہ جو اک درد کا تاجر تھا، دکان چھوڑ گیا

حرا ملک ———— وہاڑی

سب ہوتا ہے تیرے بغیر
فقط گزارہ نہیں ہوتا

حمدہ واجد خان ———— کراچی

ہم نے گزرے ہوئے لمحوں کا حوالہ جو دیا
ہنس کے کہنے لگے، رات گئی، بات گئی

سونیا فیوژن ———— کینیڈا

امید و بیم کے محور سے ہٹ کے دیکھتے ہیں
ذرا سی دیر کو دنیا سے کٹ کے دیکھتے ہیں

ملائکہ کوثر ———— بسم اللہ پور

اب کے سفر ہی اور تھا، اور ہی کچھ سراب تھے
دشت طلب میں جابجا، سنگ گراں خواب تھے
حشر کے دن کا غلغلہ، شہر کے بام و در میں تھا
نگلے ہوئے سوال تھے، اگلے ہوئے جواب تھے

فہمیدہ گل ———— لاڑکانہ

کبھی رک گئے کبھی چل دیے کبھی چلتے چلتے بھٹک گئے
یونہی عمر ساری گزار دی یونہی زندگی کے ستم سہے
کبھی نیند میں کبھی ہوش میں تو جہاں ملا تجھے دیکھ کر
نہ نظر ملی نہ زباں ملی یونہی سر جھکا کے گزر گئے

فائزہ بھٹی ———— پتوکی

دشتِ تنہائی میں جسے چھوڑ آئے تم
سرابوں سے پوچھتا ہے یہ پیار کیسا تھا

آسیہ فرید ———— ملتان

سبب جو ڈھونڈو گے تو عمر بیت جائے گی
کہا نا یاد آتے ہو تو بس آتے ہو

مدیحہ نورین مہک ———— گجرات

کیا خبر تم نے کس روپ میں دیکھا ہوگا
میں کہیں پتھر کہیں مٹی کہیں آئینہ ہوا پھرتا ہوں

ملائکہ کوثر ———— بسم اللہ پور

دل کے ٹوٹ جانے پر اب ملال کیا کرنا
پتھروں کی بستی میں آئینے تو ٹوٹیں گے

نمرہ عاقب ———— گرین سٹی کراچی

یہ جو سرگشتہ سے پھرتے ہیں کتابوں والے!
ان سے مت مل کہ انہیں روگ ہیں کتابوں والے

ایمان جلبانی ———— گاؤں دریا خان جلبانی

اپنی پیاس کو لے کر کس کے پاس جاتا میں
جن کے پاس دریا تھے ان سے ہی لڑائی تھی

عذرا ناصر، اقصیٰ ناصر ———— کراچی

اب اس سے ترک تعلق کروں تو مر جاؤں
بدن سے روح کا اس درجہ اشتراک ہوا
نہ پوچھ اپنی طرف سے لوٹنے کا عمل
کہ میں پہاڑ تھا، سمٹا تو مشتِ خاک ہوا

شاہین رشید

شہریار منور

"کیا حال ہے جی......؟"

"اللہ کا شکر ہے۔"

"کمرشلز میں تو آپ کو دیکھ رہے ہیں ڈراموں میں آپ نظر نہیں آ رہے؟"

"جی بس ایسا ہی ہے۔ کبھی کمرشلز تو کبھی ڈرامے۔" ان شاء اللہ آپ جلد ہی دیکھیں گی ڈراموں میں۔"

"کیا انڈر پروڈکشن ہیں؟"

"جی......جی ابھی ڈس کلوز نہیں کرنا چاہتا۔"

"او کے جی......کتنے سال ہو گئے اس فیلڈ میں؟"

"بہت زیادہ نہیں ہوئے......یہ کوئی پانچ سال پہلے 2012ء میں اس فیلڈ کو جوائن کیا تھا۔"

"مگر آپ کا ارادہ تو ملک سے باہر جا کر اعلا تعلیم حاصل کرنے کا تھا؟"

"بالکل تھا......اور ملک سے باہر جانے کی ساری تیاری ہو چکی تھی۔ گریجویشن میں کر چکا تھا۔ ماسٹرز کرنے مجھے جانا تھا۔ مگر اچانک ہی مجھے ڈراما سیریل "میرے درد کو جو زبان ملے" کی آفر آ گئی۔ اچھی پیش کش تھی۔ کردار بھی اسٹرونگ تھا تو سوچا کہ پہلے اسے کر لوں، پھر اعلا تعلیم کے لیے باہر جاؤں گا۔"

"پھر گئے آپ؟"

"قہقہہ......" نہیں جی......ابھی تک نہیں جا سکا۔ کہ ٹائم ہی نہیں ملا؟"

"اور پھر آپ نے سوچا ہوگا کہ ایک ڈگری تو لے ہی لی ہے۔ دوسری نہ بھی لی تو کوئی مسئلہ نہیں۔"

"نہیں......نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ ماسٹرز کرنا تو میرا خواب ہے اور اسے ضرور پورا کروں گا۔ ان شاء اللہ۔"

"ان ساری باتوں کا مطلب یہ ہے کہ پہلے ہی ڈرامے میں آپ کی اداکاری کو سراہا گیا ہوگا؟"

"بالکل ٹھیک آئیڈیا آپ نے لگایا۔ پہلے ہی ڈرامے میں بہت حوصلہ افزائی کی گئی اور دیگر ڈائریکٹرز کی آفرز بھی آنے لگیں، کچھ کمرشلز کی آفرز آ گئیں تو بس۔"

"تو بس پھر "روزگار" کی گاڑی چل پڑی......اور یہی ذریعہ معاش بھی بن گیا؟"

"جی...... بالکل۔"

پھر "آسمانوں پہ لکھا" نے آپ کو شہرت کی بلندیوں پہ پہنچادیا۔"

"جی...... ہاں...... ترقی کے دروازے کھلتے ہیں تو پھر ہر کام اچھا ہوتا جاتا ہے اور ابھی میرے کمرشلز کی تعداد ڈراموں سے زیادہ ہے اور کمرشلز میں پیسہ بھی زیادہ ہے۔ مگر تسکین اداکاری سے ہی ملتی ہے۔"

"محدود کام کرنے کے قائل ہیں یا جو مل گیا قبول کرلیا؟"

"محدود کام کرنے کا قائل نہیں ہوں...... مگر ہر آفر قبول کرنے کا بھی قائل نہیں ہوں۔ معیار ہمیشہ میری ترجیح رہی ہے۔ کیونکہ معیاری کام ہمیشہ یاد رکھا جاتا ہے۔"

"فیوچر میں کیا، کیا خواہشیں ہیں؟"

"سچ پوچھیں تو میں فیوچر پلاننگ کا قائل نہیں ہوں...... کیونکہ انسان کی اگلی سانس کا بھروسا نہیں ہے...... کچھ نہیں ہے، انسان کے ہاتھ میں...... اس لیے جہاں قسمت لے جائے گی چلے جائیں گے۔"

"شہرت پہ فخر ہوتا ہے؟"

"بہت زیادہ...... مگر ڈرتا بہت ہوں...... شہرت سے...... بہت سنبھل کر چلتا ہوں کہ کہیں رب کو میری کوئی بات بری نہ لگ جائے۔"

"آج کل آپ کا ایک کمرشل بہت پاپولر ہو رہا ہے۔ بے ساختہ پرفارمنس دی ہے آپ نے؟"

"جی...... جی...... کئی لوگوں نے تعریف کی ہے۔"

"کسی ڈرامے کی آفر آتی ہے تو پہلی ترجیح کیا ہوتی ہے؟"

"ڈراما ٹیم ورک کا نام ہے تو میں یہ دیکھتا ہوں کہ ٹیم میں کون کون شامل ہے۔ بس پھر اسی حساب سے کردار قبول کرتا ہوں۔"

"اور کردار کے لیے کیا ترجیح ہوتی ہے؟"

"وہ ہی ایک بات کہ کردار پاور فل ہو، کچھ کرنے کی گنجائش ہو...... لوگ پسند کریں...... تھوڑا رومینٹک، تھوڑا ٹف...... اور کردار میری پہچان بنے۔"

"شہریار منور" آپ منور عالم صاحب کے صاحبزادے ہیں جنھوں نے تمغہ امتیاز اور ستارہ امتیاز لیا ہے...... کیسا محسوس کرتے ہیں آپ؟"

"بہت فخر ہوتا ہے اور دل چاہتا ہے کہ ہم بھی ایسے ہی ہوں اور اللہ ہمیں بھی ایسی ہی عزت، شہرت اور قابلیت عطا کرے۔ (آمین)"

"والدین کی کوئی بات جو گرہ سے باندھ لی ہو؟"

"جب ہم چھوٹے تھے تو والدین ہمیں جلدی سونے کے لیے کہتے تھے اور صبح جلدی اٹھنے کے لیے کہتے تھے، اس وقت تو ان کی یہ بات بری لگتی تھی، مگر اب سوچتے ہیں تو کہتے ہیں کہ والدین بچوں کے لیے جو کہتے ہیں وہی بہتر ہوتا ہے۔ اس عادت کی وجہ سب کام اپنے ٹائم پہ بہ خوبی ہوجاتے ہیں۔"

"کبھی کوئی فیصلہ غلط ہوا؟ کوئی پچھتاوا ہوا؟"

"الحمدللہ ایسا کچھ نہیں ہوا...... جو فیصلہ کرتا ہوں اس میں دل سے زیادہ دماغ سے مشورہ لیتا ہوں۔ کیونکہ دل کے بارے میں مشہور ہے کہ "دل تو پاگل" ہے...... تو بس دماغ کی بات مان کر کبھی کوئی پچھتاوا نہیں ہوا۔"

"کچھ اپنی فیملی کے بارے میں بتائیں؟"

"جی...... ہمارا تعلق "سیہون شریف" سے ہے۔ والدہ کا تعلق قلات سے ہے اور وہ فلا ور آرٹ سوسائٹی آف پاکستان کی وائس پریذیڈنٹ رہ چکی ہیں۔ والد صاحب ایئر فورس پائلٹ رہ چکے ہیں۔ ہم تین بھائی تھے۔ ایک بھائی اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ اب ہم دو بھائی اور ایک بہن ہیں...... اور میں 9 اگست 1988ء کو پیدا ہوا۔ لیو میرا استارا ہے۔ او اور اے لیول کے بعد "آئی بی اے کراچی" سے گریجویشن کی ڈگری حاصل کی اور بس......"

"چلیں خوش رہیں...... پھر بات ہوگی۔"

☆☆☆

ہما نواب

"کیا حال ہے جی؟"

"اللہ کا شکر ہے۔"

"ماشاءاللہ آپ تو ہر دوسرے ڈرامے میں نظر آ رہی ہیں۔ تھک تو جاتی ہوں گی؟"

"جی کیوں نہیں...... تھکن تو ہو ہی جاتی ہے۔ مگر کسی کو انکار کرنا مجھے اچھا نہیں لگتا۔ پھر اگر کردار اچھے ہوں تو بالکل بھی نہیں۔"

"ہر وقت رونے دھونے والے کردار...... بور نہیں ہو جاتیں کیا؟"

"ہو تو جاتی ہوں...... مگر آج کل تو کردار ہی ایسے لکھے جا رہے ہیں تو کیا کریں۔"

کیا عورت کی زندگی میں رونا ہی لکھا ہے؟"

"ہمارے ڈراموں سے تو یہی لگتا ہے۔ ورنہ تو آج کی عورت بہت بہادر اور بہت اسٹرونگ ہے۔ بے شک عورت آج بھی بہت مظلوم ہے۔ مگر اتنی نہیں جتنا دکھایا جاتا ہے۔"

"شاید ریٹنگ کا چکر ہے؟"

"چکر نہیں...... حقیقت ہے۔ جب آپ ایسے موضوعات لیں گے، جہاں دوسروں کے گھر کے اندر تاک جھانک ہو گی۔ جہاں مرد اپنی بیٹی کی سہیلی سے محبت کرے گا۔ جہاں وفادار بیوی کے ہوتے ہوئے مرد دو تین شادیاں کرے گا تو ریٹنگ تو بڑھے گی، کیونکہ ایسے موضوعات خواتین کے پسندیدہ موضوعات ہوتے ہیں وہ عورت کو روتا ہوا دیکھ کر خود بھی رونے بیٹھ جاتی ہیں۔"

"آپ کیا دیکھ کر کردار کی آفر کو قبول کرتی ہیں؟"

"اب زیادہ کچھ نہیں دیکھتی۔ یہ دیکھتی ہوں کہ یہ کس قسم کی ماں کا رول ہے۔ دل کو بھاتا ہے تو لے لیتی ہوں۔ نہیں تو انکار کر دیتی ہوں۔"

"جس دور میں آپ نے پی ٹی وی اور این ٹی ایم میں کام کیا زیادہ کام ہوتا نہیں تھا۔ صرف سال میں دو یا بہت ہوا تو کسی فنکار کو تین سیریلز مل جاتے تھے۔ مگر شہرت آسمانوں کی بلندیوں تک ہوتی تھی...... کیوں؟"

"اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے میں اور اس کے بعد ہمارے زمانے میں بہت معیاری کام ہوا کرتا تھا۔ ہم ہمیشہ ایسے کردار کو ترجیح دیا کرتے تھے، جو بہت معیاری ہوتے تھے اور یاد رہ جانے والے ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اتنے برسوں کے بعد ہمارے پرانے کرداروں کو اب بھی یاد کیا جاتا ہے اور جب میں برسوں کے بعد پاکستان واپس آئی تو سب نے گرم جوشی کے ساتھ مجھے ویلکم کیا۔"

"بالکل--آج بھی ہمارے سینئرز کی بہت عزت ہے۔"

"بالکل...... جی بہت عزت ہے اور یہاں آ کر پہلے پہل تو مجھے کچھ عجیب سا لگا۔ مگر پھر میں نے بھی سمجھوتا کر لیا اور وہ یہ کہ جب ڈرامے کی سب مائیں رو رہی ہیں تو میں بھی رو لیتی ہوں۔ سب نیگیٹو رول کر رہی ہیں تو چلو میں بھی کر لیتی ہوں۔"

"پھر بھی ان رولز سے ہٹ کر کچھ کرنے کو دل چاہتا ہے آپ کا؟"

"بالکل چاہتا ہے...... میں تھر کی عورت کا یا صحرا

میں کسی بھٹکتی عورت یا روح کا کردار کرنا چاہتی ہوں۔ کسی پاگل یا ذہنی معذور عورت کا رول کرنا چاہتی ہوں۔ کوئی اچھا گیٹ اپ والا رول کرنا چاہتی ہوں۔"

"امریکہ آنا جانا تو لگا ہی رہتا ہو گا؟"

"جی...... بالکل...... کیونکہ وہاں کا چکر لگانا بہت ضروری ہوتا ہے اور جب میں پاکستان آئی تھی تو یہ سوچ کر آئی تھی کہ دو تین ماہ سے زیادہ نہیں رہوں گی...... لیکن لوگوں کی محبت نے مجھے یہاں رہنے پر مجبور کر دیا۔"

"اور اس انڈسٹری کو آپ جیسی اچھی آرٹسٹ کی ضرورت بھی ہے...... فارغ اوقات میں کیا کرتی ہیں؟"

"فارغ اوقات الحمدللہ زیادہ ملتے ہی نہیں ہے۔ دن رات مصروف رہتی ہوں اور زندگی کو انجوائے کرتی ہوں۔ کبھی مل جائیں تو پھر اپنی کزنز کے ساتھ وقت گزارتی ہوں۔ کہیں آتے جاتے ہیں۔ کھاتے پیتے ہیں تو اچھا وقت گزر جاتا ہے اور پھر دن رات کی مصروفیات کے باعث گھر کے کام بھی کافی ہو جاتے ہیں تو چھٹی کے دن یا فارغ دن ان کاموں کو نمٹاتی ہوں۔"

"اچھا...... گڈ...... کھانا وغیرہ خود ہی پکاتی ہیں؟"

"روزانہ نہیں...... کبھی کبھار جب ٹائم مل جائے...... ورنہ تو عموماً رات کو گھر واپسی پہ کچھ نہ کچھ لے آتی ہوں۔"

"شوق ہے پکانے کا؟"

"بہت...... اور بہت اچھا پکا لیتی ہوں...... الحمدللہ ہاتھ میں ذائقہ ہے۔"
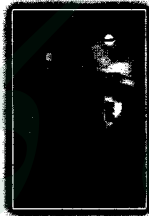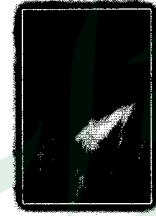
جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے

ط۔ی۔الف

س : "شادی کب ہوئی؟"

ج : "میری شادی 2005ء میں ہوئی جب میں صرف 16 سال کی تھی۔"

س : "شادی سے پہلے کیا مشاغل تھے؟"

ج : "شادی چونکہ بہت کم عمری میں ہوئی تھی اس لیے مشاغل بچوں والے تھے۔ بھائیوں' کزنز اور ماموؤں کے ساتھ کرکٹ کھیلنا' اپنی فرینڈز کے ساتھ گڈے گڈیوں کی شادی رچانا اور گرمیوں کی تپتی دوپہروں میں پھولوں اور کلیاں میں کہانیاں لکھنا جس پر ہمیشہ ڈانٹ پڑتی تھی۔"

س : "شادی میں آپ کی مرضی شامل تھی یا بزرگوں کی؟"

ج : "میری شادی میں مکمل طور پر بزرگوں کی مرضی شامل تھی۔ میں تو صرف یہ سوچ کے خوش ہوتی تھی کہ شادی پر میں بھی دلہن والے کپڑے پہنوں گی۔ نئے نئے کپڑے' جوتے' جیولری ملے گی۔ میری خالہ (ساس) نے میرے نانا ابو کے قدموں میں اپنا دوپٹہ رکھ کر ایموشنل بلیک میل کر کے میرا رشتہ لیا تھا اور نانا ابو کی بھی خواہش تھی کہ دونوں بہنیں آپس میں مل کر رہیں مگر میرے ابو جی اس رشتے پر راضی نہیں تھے۔ امی نے پتا نہیں کس طریقے سے بابا کو منایا۔ بابا کا کہنا تھا۔ میں غریب گھر میں اپنی بیٹی نہیں دوں گا اور فیصل آباد بہت دور ہے۔ اتنی دور میں اپنی بیٹی کو بیاہنے کا سوچ بھی نہیں سکتا مگر قسمت میں یہ شادی ہونا طے تھی تو محض نو سال کی عمر میں جب میں فائیو کلاس میں تھی' میرا رشتہ طے ہو گیا۔ خالہ نے میرے ہاتھ پر پچاس روپے کا نوٹ رکھا تو میں بہت خوش ہوئی اور چیز کھانے باہر بھاگ گئی تھی۔ یہی میری منگنی تھی۔"

س : "شادی سے پہلے جیون ساتھی کے بارے میں کیا تصور تھا؟ کیا خوبیاں دیکھنا چاہتی تھیں؟"

ج : "طارق (ہسبینڈ) کی طرف سے یہ پسند کی شادی تھی۔ جب بھی وہ ملتان آتے تو میرے لیے کوئی نہ کوئی گفٹ ضرور لے کر آتے تھے اس وجہ سے وہ مجھے بہت پسند تھے۔ تصور یہی تھا کہ وہ ہمیشہ مجھے ایسے ہی پیارے پیارے گفٹ دیتے رہیں گے اور مجھے پارک میں گھومنے کا بہت شوق تھا۔ یہی سوچتی تھی کہ وہ اتنے اچھے ہوں کہ مجھے سیر کرواتے رہیں۔ اس وقت تو خوبیوں کا کوئی خاص پتا نہیں تھا لیکن اب سوچتی ہوں' طارق صاحب تو خوبیوں کا مجموعہ ہیں۔"

س : "منگنی کتنا عرصہ رہی؟ شادی سے پہلے فون پر بات یا ملاقات؟"

ج : "میری منگنی تقریباً پانچ سال تک رہی اس وقت PTCL کا زمانہ تھا تو اکثر ہی طارق صاحب فون پر بات کر لیتے تھے کیونکہ یہ میرے کزن تھے اس لیے جب بھی میری کوئی اسٹوری کسی میگزین میں شائع ہوتی تھی تو یہ فون کر کے میری حوصلہ افزائی ضرور کرتے تھے۔ یہ ہر سال عید الفطر پر فیصل آباد سے ملتان ہمارے گھر ضرور آتے تھے تو ظاہر سی بات تھی' ملاقات بھی ہو ہی جاتی تھی۔"

س : "شادی کے لیے کس شوق کی قربانی دینا پڑی؟"

ج : "شادی سے پہلے مجھے بابا سے جو بھی پاکٹ منی

ملتی تھی میں اپنی کہانیاں لکھنے پر خرچ کرتی تھی اور باقی کے پیسے میں گھر کے ساتھ بن رہی مسجد میں بھیج دیتی تھی۔ مجھے کشمیری لوگوں (مقبوضہ کشمیر) کی مدد کرنے کا بہت شوق تھا۔ میں بعض اوقات ساری پاکٹ منی مسجد میں بھیج دیا کرتی تھی۔ شادی کے بعد مجھے اس شوق کی قربانی دینا پڑی۔"

س : "شادی پر رسموں پر کوئی بدمزگی؟"

ج : "میری شادی ہنگامی طور پر ہوئی تھی۔ میں نے ایک اسٹوری لکھی تھی ظالم ماں کے عنوان سے جو کہ خبریں سنڈے میگزین میں شائع ہوئی تھی۔ اس میں میں نے اس فیملی کے اصلی نام لکھ دیے تھے۔ بچی تھی اتنا پتا ہی نہیں تھا کہ اسٹوری میں اصل نام نہیں لکھتے۔ وہ لوگ بابا کو دھمکیاں دیتے تھے کہ آپ کی بچی نے ہمارے ساتھ بہت برا کیا۔ میرے بابا نے کہا۔ بچی ہے 'اس نے جو دیکھا وہ لکھ دیا' پھر پاپا نے میری شادی کرنے کا سوچا۔ منگنی تو ہو ہی چکی تھی اس لیے شادی بھی جلدی کر دی گئی۔ جلدی کی شادی میں کوئی خاص رسمیں نہیں ہوئیں، صرف دودھ پلائی کی رسم ہوئی جس پر کوئی بدمزگی نہیں ہوئی۔"

س : "شادی کے بعد زندگی میں کیا تبدیلیاں آئیں؟"

ج : "شادی کے بعد ایک دم سے زندگی بدل کر رہ گئی۔ شرارتی 'لاابالی بچی سے میں یک دم ایک بہو بن گئی تھی۔"

س : "شادی کے کتنا عرصہ بعد کام سنبھالا؟"

ج : "مکلاوے کے فوراً" بعد میں نے گھر کا پورا کام سنبھال لیا تھا۔"

س : "میکے اور سسرال کے کھانوں میں فرق؟"

ج : "زمین آسمان کا فرق تھا۔ شادی سے پہلے میں جب بھی کھانا بناتی تھی۔ گھی زیادہ بھی پڑ جائے تو امی نے کبھی کچھ نہیں کہا تھا مگر ساس ناپ کر دو چمچ گھی دیتی تھیں کہ اسی میں کھانا پکانا ہے۔ اپنی بھینس ہونے کے باوجود دودھ پتلا کچی لسی کی طرح ہوتا تھا۔ سارا دودھ بیچ کر تھوڑے سے دودھ میں بہت سارا پانی ملا کر رکھ دیتی تھیں تو چائے پینے کو بھی دل نہیں کرتا تھا مگر میں کوئی حرف شکایت زبان پر نہ لائی۔"

س : "میکے اور سسرال کے ماحول میں کیا فرق محسوس ہوا؟"

ج : "امی کے گھر میں ماحول بہت پرسکون ہوتا تھا۔ میری ذرا سی تکلیف پر امی ابو کی جان پر بن جاتی تھی۔ مجھے گرمیوں میں اکثر بہت شدید قسم کی گرمی لگ جاتی تھی۔ مجھے جب تک ڈرپ نہیں لگتی تھی۔ میں ٹھیک نہیں ہوتی تھی۔ شادی کے بعد میں درد سے تڑپتی رہتی تھی۔ کوئی مجھے میڈیسن بھی نہیں لا کے دیتا تھا۔ شوہر مجبور تھے۔ جو بھی کماتے تھے ماں کے ہاتھ پر رکھ دیتے تھے اور ماں اتنی ظالم تھی کہ ان کو کبھی مجھ پر ترس نہیں آیا۔ جب میری حالت زیادہ خراب ہو جاتی تو شوہر سرکاری ہاسپٹل لے جاتے تھے جہاں میری خراب حالت دیکھ کر وہ مجھے ڈرپ لگاتے۔ جیسے ہی ہاسپٹل سے گھر آتی خالہ باتوں باتوں میں سنا دیتیں اب تم ٹھیک ہو گئی ہو' اس لیے گھر کے کام سنبھالو اور میں چکراتے سر کے ساتھ گھر کے کاموں میں لگ جاتی۔"

س : "سسرال والوں سے توقعات کس حد تک پوری ہوئیں؟"

ج : "جب میری شادی ہوئی تھی تو بابا نے اور امی نے ایک ہی بات سمجھائی تھی 'بیٹا اب وہی تمہارا گھر ہے' تمہیں وہاں ہی رہنا ہے جیسے بھی کر کے وہاں کے ماحول میں ایڈجسٹ کرنا' تمہارے خالہ خالو تمہارے امی ابو ہیں۔ ان کی ویسے ہی عزت کرنا جس طرح ہماری کرتی تھیں اور اللہ کی ذات باری تعالیٰ گواہ ہے۔ میں نے اپنے سسرال میں گدھوں کی طرح کام کیا۔ پھٹے کپڑے پہن کر بھی خوش رہی تاکہ میری ساس مجھ

سے خوش رہیں۔ کبھی ان کو آگے سے پلٹ کر جواب نہیں دیا مگر میری تمام خدمت ضائع گئی۔ اکثر جب میری حالت زیادہ خراب ہو جاتی تھی تو مجھے میکے بھیج دیا جاتا تھا جہاں امی مجھے نئے کپڑے، نئے جوتے لے دیتی تھیں۔ ان سب کے باوجود مجھے پھر بھی امی یہی کہتی رہیں کہ بیٹا! کوئی بات نہیں اچھے دن بھی ضرور آئیں گے۔ کبھی خالہ کو برا نہ کہنا۔ ان کی ہمیشہ عزت کرنا۔ اس لیے سسرال والوں سے توقعات ابھی پوری نہ ہوئیں۔"

س : "پہلے بچے کی پیدائش پر سسرال والوں کا رویہ؟"

ج : "اللہ کی ذات کی کوئی مصلحت ہے کہ اس نے مجھے اولاد کی نعمت سے محروم رکھا ہوا ہے اور ہم دونوں میاں بیوی اللہ کی رضا میں بخوشی راضی ہیں مگر اولاد نہ ہونا میرا ایسا جرم ہے جس پر آج تک مجھے ذہنی اذیت کا نشانہ نہ بنایا جاتا ہے مگر میرا صبر ایک دن ضرور رنگ لائے گا۔ اللہ مجھے اولاد ضرور دے گا۔ یہ میرا اللہ پر کامل ایمان ہے۔"

س : "سسرال میں آپ کو وہ مقام ملا جو آپ کا حق تھا؟"

ج : "بالکل بھی نہیں ملا۔ میں اپنی تمام تر خدمت کا صلہ اللہ سے مانگتی ہوں۔ انسانوں سے وابستہ توقعات کبھی پوری نہیں ہوتیں۔"

س : "جوائنٹ فیملی پسند ہے یا علیحدہ رہنا؟"

ج : "مجھے تو جوائنٹ سسٹم پسند تھا مگر جب شادی کے آٹھ سال بعد خالہ نے نہایت حقارت سے یہ کہہ کر علیحدہ کیا کہ تمہارا میاں کام نہیں کرتا۔ اتنی تنخواہ میں بل کرایہ پورا نہیں ہوتا۔ اب بھی وہ ہی میاں ہے، وہ ہی کام ہے، اتنی ہی تنخواہ ہے اور الحمدللہ میں طارق صاحب کی فیملی میں سب سے زیادہ خوش حال ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے ہمیشہ اپنے شوہر سے یہی کہا کہ کام چھوڑ دینا، کم کھالیں گے مگر نماز نہ چھوڑنا اور اللہ کا شکر ہے میرے شوہر پانچ وقت کے نمازی ہیں۔ ہم تقریباً" روزانہ ہی شام کو آؤٹنگ پہ جاتے ہیں جس پر ساس جلتی کڑھتی رہتی ہیں کیونکہ اب ان کا مجھ پر زور جو نہیں چلتا۔"

س : "آپ نے سسرال کے ماحول کو بہتر بنانے کی کوشش کی۔ کس حد تک کامیاب ہوئیں؟"

ج : "بہت کوشش کی۔ خود کو مار کے، اپنی خواہشات کا قتل کر کے مگر میں کامیاب نہ ہوئی کیونکہ میری خالہ وہی 1965ء کے زمانے کی ہیں۔ وہ خود کو نہیں بدلتیں۔"

س : "شادی شدہ بہنوں کے نام کوئی پیغام؟"

ج : "میرا ان کے نام یہی پیغام ہے کہ صبر سے اچھے وقت کا انتظار کریں، جو بھی ہو ساس سسر کی خدمت کریں اور ان سے کوئی صلہ مت مانگیں۔ اچھا وقت دیر ہی سے سہی، آتا ضرور ہے۔"

س : "غیر شادی شدہ کے نام پیغام؟"

ج : "ان کو یہ۔ کہنا ہے کہ اپنے والدین سے یہ ہی کہیں کہ رشتہ دیکھتے وقت یہ ضرور دیکھیں کہ لڑکا پانچ وقت کا نمازی ہے۔ رزق حلال کمانے والا ہے؟ اگر وہ نیک ہو گا، عبادت گزار ہو گا، محنت سے رزق حلال کمانے والا ہو گا تو اس کی تھوڑی کمائی میں بھی برکت ہو گی اور بہت زیادہ ہو جائے گی۔ حرام کا پیسہ جتنا زیادہ ہو گا اتنا ہی جلدی ختم ہو جاتا ہے۔ رزق حلال بہت جلدی پھلتا پھولتا ہے۔"

امتہ الصبور

ہابیل اور قابیل

روئے زمین پر سب سے پہلا قتل قابیل بن آدم کے ہاتھوں سرزد ہوا کہ اس نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا۔ قابیل کے نام میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ بعض ''قین''، بعض ''قابین''، یعنی ''قاین'' اور بعض ''قابیل'' کہتے ہیں۔ جس سبب سے ہابیل قتل ہوا، اس میں بھی اہل علم کا اختلاف ہے۔

ایک جماعت کا کہنا ہے کہ دونوں بھائیوں میں جھگڑے کی وجہ آدم کی ایک بیٹی سے نکاح تھا اور بعض فرماتے ہیں کہ قربانی کا قبول نہ ہونا اس کا سبب تھا۔

اولادِ آدم کے نکاح

حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں جو بھی لڑکا پیدا ہوتا اس کے ساتھ ایک لڑکی پیدا ہوتی پس وہ پہلے حمل سے پیدا ہونے والے بچوں کا دوسرے حمل سے پیدا ہونے والے بچوں سے نکاح کر دیتے۔

یہاں تک کہ ان کے ہاں دو (دو حمل سے) بیٹے ہابیل اور قابیل پیدا ہوئے۔ قابیل کاشت کار اور ہابیل چرواہا تھا۔ قابیل بڑا تھا اور اس کے ساتھ پیدا ہونے والی بہن انتہائی حسین و جمیل تھی۔ ہابیل نے قانون کے مطابق قابیل کی بہن سے نکاح کرنا چاہا مگر قابیل نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میرے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی، تیرے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی سے زیادہ حسین و جمیل ہے لہٰذا اس سے نکاح کرنے کا مستحق میں اپنے آپ کو سمجھتا ہوں۔ ان دونوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل کو حکم دیا کہ وہ قانون شکنی نہ کرے مگر قابیل نے انکار کر دیا جس کی وجہ سے ایک جھگڑے کی صورت پیدا ہوگئی۔ فیصلہ کے لیے دونوں نے اللہ کے حضور قربانی پیش کی تاکہ فیصلہ ہو جائے کہ اس حسین و جمیل لڑکی کا خاوند بننے کا کون حق دار ہے حضرت آدم علیہ السلام قربانی کے دن وہاں موجود نہ تھے بلکہ خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے مکہ گئے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا:

''اے آدم! کیا تم جانتے ہو کہ میرا ایک گھر زمین میں ہے۔''

انہوں نے جواب دیا۔ ''اے اللہ! نہیں۔'' فرمایا۔ ''میرا گھر مکہ کی سرزمین پر واقع ہے۔ تم وہاں جاؤ۔''

اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام نے آسمان سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''تم میرے بعد میری اولاد اور اہل خانہ کی امانت داری کے ساتھ حفاظت کرنا۔ مگر آسمان نے یہ ذمہ داری لینے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے زمین سے کہا مگر اس نے بھی انکار کر دیا۔ پھر پہاڑوں سے کہا، انہوں نے بھی انکار کر دیا۔ پھر قابیل کو کہا، اس نے یہ ذمہ داری قبول کر لی اور کہا۔

''آپ تشریف لے جائیں، واپس لوٹیں گے تو آپ اپنے اہل خانہ کو اس حالت میں پائیں گے جو آپ کو خوش کر دے۔''

پس حضرت آدم علیہ السلام چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد قربانی کا واقعہ ہوا۔ جب دونوں نے قربانی کی تو ہابیل نے ایک صحت مند جانور اور قابیل نے غلے کا ایک ڈھیر قربانی کے طور پر پیش کیا۔

جب آگ آئی تو اس نے ہابیل کی قربانی کو کھا لیا اور قابیل کی قربانی کو چھوڑ دیا جس کی وجہ سے قابیل سخت غصہ میں آ گیا اور کہا کہ میں ضرور تمہیں قتل کر دوں گا تاکہ تو میری بہن سے نکاح نہ کر پائے۔

ہابیل نے جواب میں کہا کہ: ''اللہ تو متقیوں

کی ہی کی نذریں قبول کرتا ہے۔ اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ اٹھائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا۔ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا اور اپنا گناہ تو ہی سمیٹ لے اور دوزخی بن کر رہے۔ ظالموں کے ظلم کا یہی ٹھیک بدلہ ہے۔''

پس قابیل، ہابیل کو قتل کرنے کے لیے تلاش کرتا رہا۔ ہابیل پہاڑ کی چوٹی پر بکریاں چراتا تھا۔ ایک دن وہ تلاش کرتے کرتے اس کے پاس جا پہنچا۔ بکریاں گھاس چر رہی تھیں اور ہابیل پاس سویا ہوا تھا۔ قابیل نے ایک بڑا پتھر اٹھایا اور اس کا سر کچل دیا۔ ہابیل مر گیا۔ قابیل نے اس کو ویسے ہی بے گور و کفن چھوڑ دیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اس کا کیا کرے؟

پس اللہ تعالیٰ نے دو کوے جو آپس میں بھائی تھے، ان کو بھیجا، انہوں نے آپس میں لڑائی کی اور ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا۔ قاتل کوّے نے مقتول کوّے کے لیے زمین میں گڑھا کھودا اور اس میں اسے ڈال کر مٹی سے دبا دیا۔ جب قابیل نے یہ منظر دیکھا تو کہا۔ ''ہائے میں اس کوے سے بھی گیا گزرا ہوں کہ اس طرح اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔''

ابن اسحاق بعض اہل کتاب سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جنت میں خطا واقع ہونے سے قبل حضرت حوا سے قربت فرمائی، پس وہ حاملہ ہو گئیں۔ بوقت زچگی انہوں نے کسی بھی قسم کی تکلیف نہ اٹھائی، نہ درد اور کمزوری محسوس کی اور نہ ہی کچھ کھانے کی خواہش ظاہر کی اور نہ ہی بوقت ولادت کسی قسم کا خون دیکھا، اس لیے کہ جنت انتہائی پاکیزہ جگہ ہے اس حمل کی ولادت سے قین (قابیل اور اس کی جڑواں بہن پیدا ہوئی۔) پھر جب ممنوعہ درخت کا پھل کھایا اور خطا کا ارتکاب ہو گیا اور وہ دونوں زمین کی طرف اتار دیے گئے تو یہاں آ کر آدم و حوا کی قربت ہوئی تو اس حمل کی زچگی کے وقت انہوں نے تکلیف، درد، کمزوری محسوس کی اور خون بھی دیکھا اور نقاہت کے سبب غش کی کیفیت آ گئی۔ اس حمل سے ہابیل اور اس کی جڑواں بہن پیدا ہوئی۔

حضرت حوا جب بھی حاملہ ہوتیں تو دو جڑواں بھائی بہن کے ساتھ حاملہ ہوتیں۔ آدم کے چالیس بچے ان کے پہلو سے بیس مرتبہ کے حمل سے پیدا ہوئے اور ان میں سے کوئی بھی لڑکا اپنی جڑواں بہن کے علاوہ جس بہن سے چاہتا نکاح کرتا تھا۔ اس زمانے میں جڑواں بہن کے علاوہ سب بہنیں حلال تھیں۔ اس لیے کہ اس زمانہ میں اپنی ماں اور بہنوں کے علاوہ اور کوئی عورت نہ تھی لہٰذا نسل انسانی میں اضافے کی غرض سے اس بات کی اجازت دی گئی۔

ابن اسحاق'' ایک روایت میں اہل کتاب کے علماء سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے قین کو حکم دیا کہ وہ اپنی جڑواں بہن کا نکاح ہابیل سے کر دے اور ہابیل کو حکم دیا کہ وہ اپنی جڑواں بہن کا نکاح قابیل سے کر دے۔ ہابیل نے بات مان لی مگر قابیل نے انکار کر دیا اور ہابیل کی بہن سے نکاح کو ناپسند کیا اور اپنی جڑواں بہن کی طرف رغبت ظاہر کی اور کہا کہ ہمارا تخم جنت سے ہے اور ان کا تخم زمینی ہے اس لیے میں اپنی جڑواں بہن کے ساتھ شادی کا جائز حقدار ہوں نیز یہ کہ قابیل کی بہن نہایت حسین و جمیل تھی جس کی وجہ سے وہ اس پر مر مٹا اور اس کے نفس نے اسے اس بات پر پختہ کر دیا۔

ان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا۔

اعتذار

صائمہ اکرم چوہدری اپنے ماموں کی وفات کے باعث اس دفعہ ''شہزاد'' کی قسط تحریر نہ کر سکیں۔ ان شاء اللہ قارئین اگلے ماہ اگلی قسط پڑھ سکیں گے۔

''اے بیٹے' یہ تیرے لیے حلال نہیں لیکن اس نے اپنے باپ کی بات ماننے سے بھی انکار کردیا پھر آدمؑ نے کہا تم بھی قربانی کرو اور تمہارا بھائی ہابیل بھی قربانی کرے گا۔ جس کی قربانی اللہ تعالیٰ نے قبول کی وہ اس کا مستحق ہوگا۔'

قین زراعت پیشہ تھا اور ہابیل بکریاں چراتا تھا۔ سو قین نے قربانی کے لیے گندم پیش کی اور ہابیل نے اپنی تندرست اور توانا بکریوں میں سے ایک بکری قربان کی اور بعض کے قول کے مطابق ایک گائے قربان کی۔ اللہ تعالیٰ نے سفید آگ بھیجی جس نے ہابیل کی قربانی کو کھالیا' قابیل کی قربانی کو چھوڑ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک جانور کی ہی قربانی کی جاتی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے ہابیل کی قربانی قبول فرمالی اور وہ اس فیصلہ میں قین (قابیل) کی بہن کا حقدار بن گیا جس پر قابیل انتہائی غضب ناک ہوگیا۔ اس پر تکبر و بڑائی چھاگئی اور شیطان نے اسے مکمل طور سے مغلوب کرلیا۔ پس اس نے اپنے بھائی ہابیل کا پیچھا کیا۔ وہ اس وقت اپنے ریوڑ میں تھا۔ قابیل نے وہاں پہنچ کر اسے قتل کرڈالا۔

اہل تورات کہتے ہیں کہ جس وقت قین (قابیل) نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ ''تمہارا بھائی ہابیل کہاں ہے؟''

اس نے کہا: ''میں نہیں جانتا اس لیے کہ میں اس پر محافظ نہیں تھا۔''

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہارے بھائی کے خون نے مجھے زمین سے پکارا ہے لہٰذا اب تو ملعون ہے۔ اس زمین میں جس کا منہ تیرے لیے میں نے کھول رکھا تھا۔ تیرے ہاتھ اپنے بھائی کے خون سے آلود ہیں۔ جب تو نے یہ کام زمین میں کیا تو اب زمین تیرے لیے اپنی کھیتی نہیں اگائے گی اور اب تو زمین میں گھبرایا ہوا پھرے گا۔''

قین نے کہا: ''میری خطا آپ کی مغفرت سے بڑھ گئی؟ آج آپ نے مجھے زمین سے نکال دیا (یعنی اس کے منافع سے محروم کردیا) اور میں اس میں دہشت زدہ اور گھبرایا ہوا بن کر رہوں گا پس جو شخص مجھ سے ملے گا، مجھے قتل کرڈالے گا۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اس طرح نہیں ہوگا کہ جو شخص زمین میں قتل کرے تو اس کے ایک قتل کے بدلے سات قتل کا بوجھ اس پر ڈالا جائے گا لیکن جو تیرے طریقہ پر قتل کرے گا اس کا قتل سات قتل کے برابر شمار ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے قین (قابیل) میں ایک نشانی مقرر فرمادی تاکہ جو اسے پائے قتل نہ کرسکے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ قتل کا سبب یہ تھا کہ ان کو قربانی کے ساتھ اپنا تقرب حاصل کرنے کا حکم دیا تھا۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں نے قربانی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ ان میں سے ایک کی قربانی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی اور دوسرے کی رد کردی۔ ان میں سے ایک بڑا کاشت کار تھا اور دوسرا چرواہا۔ دونوں کو قربانی کا حکم دیا گیا تھا۔ حضرت آدم کا جو بیٹا (ہابیل) بکریاں چراتا تھا اس نے ایک عمدہ، تندرست، خوبصورت اور اپنی پسندیدہ ترین بکری کی قربانی کی اور جو بیٹا کاشت کار تھا اس نے بے کار، بدہضم اور اپنے بدترین ناپسندیدہ اناج کی نذر پیش کی۔ پس اللہ تعالیٰ نے بکری والے کی قربانی قبول فرمالی اور اناج والے کی رد کردی۔ مقتول بھائی دو آدمیوں سے بھی زیادہ قوی تھا۔ لیکن اس نے گناہ سے بچنے کے لیے اپنے بھائی کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ان دونوں بھائیوں کی دولت کا یہ حال تھا ان میں سے کوئی بھی ایسا مسکین نہ تھا کہ جس کو خیرات دی جاسکتی۔ قربانی صرف تقرب الٰہی کے حصول کا ذریعہ تھا۔ اسی طرح بیٹھے بیٹھے ان کے دل میں آئی اور انہوں نے آپس میں کہا کہ کاش ہم قربانی کے ذریعہ

تقرب الٰہی حاصل کر لیتے۔

اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ آدمی جب تقرب کے طور پر قربانی کرتا اور اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتا تو اس پر آگ بھیج دیتا جو اس کی قربانی کو کھا جاتی اور اگر اللہ راضی نہ ہوتا تو آگ بجھ جاتی۔ پس ان دونوں نے قربانی کی۔ ان میں سے ایک چرواہا تھا اور دوسرا کاشت کار۔ چرواہے نے اپنی بکریوں میں سے عمدہ تندرست بکری قربانی کے طور پر پیش کی اور کاشت کار نے کچھ اناج بطور نذر پیش کیا۔ سو آگ ان دونوں کے درمیان اتری لیکن بکری کو کھا گئی اور اناج کو چھوڑ دیا۔ یہ دیکھ کر ایک دوسرے کو کہنے لگا۔

''کیا تم لوگوں کے درمیان اس طرح چلو پھرو گے حالانکہ لوگ نہیں جانتے کہ تیری قربانی قبول ہوئی اور میری مردود۔ اللہ کی قسم ایسا نہیں ہو سکتا اور لوگ ہمیں نہیں دیکھ سکیں گے کہ ایک بہتر ہے اور ایک کمتر۔ بلکہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔''

دوسرے بھائی نے یہ سن کر کہا: ''اس میں میرا کچھ قصور نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی نذر قبول کرتا ہے جو پرہیز گار ہوتے ہیں۔''

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ جب قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا تو اپنی بہن قلیمجا کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر بوز نامی پہاڑ سے اتر کر خفیض کے مقام کی طرف بھاگ گیا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل سے فرمایا تھا۔ تُو جا، لیکن تو مسلسل خوف زدہ ہی رہے گا اور جس کو بھی تُو دیکھے گا اسی سے تُو جان کا خطرہ محسوس کرے گا پس اس کی اولاد میں سے جو بھی اس پر گزرتا وہ اس پر پتھر برساتا۔ قابیل کا ایک لڑکا نابینا تھا۔ اس کے ساتھ اس کا بیٹا بھی تھا۔ قابیل کے پوتے نے اپنے باپ سے کہا۔ کہ ''یہ آپ کے والد قابیل ہیں۔'' یہ سن کر اس نابینا نے پتھر اٹھایا اور اپنے باپ کو مار کر قتل کر دیا۔

قابیل کے پوتے نے اپنے باپ سے کہا ''اے ابا جان! آپ نے تو اپنے باپ (دادا) کو قتل کر دیا۔''

نابینا نے ہاتھ بلند کیے اور اپنے بیٹے کو زوردار تھپڑ رسید کیا جس کی وجہ سے وہ بھی مر گیا۔ اس کے بعد نابینا نے کہا۔ ہائے میری ہلاکت و بربادی کہ میں نے اپنے باپ کو پتھر سے اور اپنے بیٹے کو تھپڑ سے قتل کر دیا۔''

تورات میں ہے کہ قتل کے وقت ہابیل کی عمر بیس سال اور قابیل کی عمر پچاس سال تھی۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت حوا کے بطن سے آدم کی ایک سو بیس اولادیں ہوئیں اور ہر حمل سے ایک جوڑا پیدا ہوتا تھا۔ پہلوٹھی کے بچے قابیل اور اس کی بہن قلیمجا اور سب سے آخر میں عبدالمغیث اور اس کی جڑواں بہن امتہ المغیث پیدا ہوئے۔

لیکن ابن اسحاق کی روایت کے مطابق ان کی کل اولاد چالیس تھی اور یہ بیس حمل سے پیدا ہوئی تھی نیز ابن اسحاق نے یہ بھی کہا کہ ان میں سے بعض کے نام ہم تک پہنچے اور بعض کے نہیں۔ جن کے نام ہم تک پہنچے وہ پندرہ مرد اور چار عورتیں ہیں۔

آدم علیہ السلام کے بیٹوں کے نام

1۔ قین 2۔ ہابیل 3۔ شیث 4۔ اباد 5۔ بالغ 6۔ اثاثی 7۔ توبہ 8۔ بنان 9۔ شبوبہ 10۔ حیان 11۔ ضرابیس 12۔ ہذر 13۔ یحود 14۔ سندل 15۔ بارق

آدم علیہ السلام کی بیٹیوں کے نام

1۔ قلیمجا 2۔ لیوذا 3۔ اشوث 4۔ حزورتہ۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت حوا

انتقال پر ملال

سویرا فلک کے والد شاہ محمد قیوم صدیقی کا رضائے الٰہی سے انتقال ہو گیا ہے۔ قارئین سے ان کے لیے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

سے حضرت آدم علیہ السلام کے جو اولاد ہوتی تو انہیں اللہ تعالیٰ کا عبد قرار دیا جاتا، اور ان کے نام عبداللہ، عبید اللہ وغیرہ رکھے جاتے لیکن ان کی بہت جلد وفات ہو جاتی۔ ابلیس لعین ان دونوں کے پاس آیا اور کہا کہ اگر تم ان بچوں کے نام اس کے علاوہ رکھو جو کہ اب رکھتے ہو تو یہ زندہ رہیں گے اس کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام آدم و حوا نے عبدالحارث رکھا۔

حضرت حوا جب پہلے بیٹے کے ساتھ حاملہ ہوئیں اور انہوں نے بوجھ محسوس کیا۔ ابلیس لعین ان کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ ''اے حوا! تمہارے پیٹ میں کیا ہے؟''

انہوں نے کہا ''مجھے کیا معلوم کون ہے؟'' اس نے پوچھا۔ ''یہ کہاں سے نکلے گا؟ ناک سے یا کان سے؟''

انہوں نے کہا ''میں نہیں جانتی۔''

ابلیس لعین نے کہا۔ ''اگر یہ صحیح سلامت نکل آیا تو کیا تم میری بات مانو گی اور جو میں کہوں گا اس پر عمل کرو گی۔'' حوا نے حامی بھر لی۔

ابلیس نے کہا کہ اس کا نام عبدالحارث رکھنا (ابلیس لعین کا اصل نام حارث تھا)''

حضرت حوا نے کہا ''ٹھیک ہے۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام سے اس کا تذکرہ کیا کہ میرے خواب میں کوئی آیا اور اس نے اس طرح کی باتیں کہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ شیطان تھا۔ تم اس سے بچ کر رہنا۔ یہ ہمارا دشمن ہے جس نے ہمیں جنت سے نکلوایا تھا۔ پھر حضرت حوا کے پاس شیطان دوبارہ آیا اور اس نے اسی بات کا اعادہ کیا۔ حضرت حوا نے ہامی بھر لی۔ لہٰذا جب وضع حمل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے سلامتی کے ساتھ بچے کو پیٹ سے نکال دیا تو حضرت حواؑ نے وعدہ کے مطابق بچے کا نام عبدالحارث رکھ دیا۔

سدیؒ سے مروی ہے کہ حضرت حواؑ کے ایک بیٹا ہوا۔ ان کے پاس شیطان آیا اور کہا کہ اس کا نام عبدی رکھو ورنہ میں اس کو قتل کر دوں گا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: ''میں نے تمہاری بات مانی تھی جس کے نتیجے میں مجھے جنت سے بے دخل کر دیا گیا۔ بحث و تکرار کے باوجود حضرت آدم علیہ السلام نے شیطان کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور بچے کا نام عبدالرحمٰن رکھا۔ پس ابلیس لعین نے اس بچے کو قابو کر کے قتل کر دیا۔

پھر جب دوسرا بچہ پیدا ہوا تو شیطان نے پھر اپنا مطالبہ دہرایا۔ مگر حضرت آدم نے اس مرتبہ بھی شیطان مردود کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور نومولود کا نام صالح رکھا۔ شیطان نے اس بچے کو بھی قتل کر دیا۔ اس کے بعد جب تیسرا بچہ پیدا ہوا تو شیطان نے کہا۔

''تم صرف اس صورت میں اپنے بچے مجھ سے بچا سکتے ہو کہ آئندہ ہونے والے بچے کا نام عبدالحارث ہو (ابلیس کا پہلا نام حارث تھا) ابلیس تو مردود ہونے کے بعد نام دیا گیا۔''

یہ تمام روایات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت آدم و حوا کی بعض اولاد کی وفات ان سے پہلے ہو چکی تھی اور اس باب میں اس کے علاوہ بھی متعدد روایات 'حسن' کی تردید کر رہی ہیں۔ جس میں کہا گیا ہے کہ زمین پر سب سے پہلی وفات آدم علیہ السلام کی ہوئی۔

حضرت آدم علیہ السلام کا جانشین

حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ایک سو تیس سال ہونے کے بعد حضرت حوا کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا اور یہ قابیل و ہابیل کے واقعہ کے پچاس برس بعد کا واقعہ ہے۔ اہل تورات کہتے ہیں کہ یہ بیٹا تنہا پیدا ہوا اور شیث کے معنی ان کے ہاں ہبتہ اللہ اور شیث ہابیل کے بدل کے طور پر تھے جیسے کہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حوا کے بطن سے شیث نامی لڑکا اور غرورا نامی لڑکی پیدا ہوئی۔ اس لڑکے کی پیدائش پر حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا تھا کہ یہ اللہ کا عطیہ (ہبتہ اللہ) ہے جو ہابیل کا بدل ہے۔ اس لفظ کو عربی میں شیث،

سریانی میں شاث اور عبرانی میں شاث کہتے ہیں۔ ان ہی کو آدم علیہ السلام کا جانشین بنایا گیا۔ ان کی پیدائش کے وقت حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ایک سو تیس برس تھی۔

محمد بن اسحاقؒ سے مروی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے بیٹے شیث کو بلایا اور اس سے عہد لیا اور دن رات کی گھڑیاں اور اوقات سکھلائے اور ہر ساعت میں کسی نہ کسی مخلوق کا عبادت کرنا بتلایا۔ یعنی ہر گھڑی کوئی نہ کوئی مخلوق عبادت الٰہی میں مصروف ہوتی ہے اور فرمایا ”کہ اے میرے عزیز بیٹے! عنقریب زمین میں طوفان آئے گا اور وہ سات سال ٹھہرے گا اور ان کو وصیت لکھوائی۔ پس حضرت شیث علیہ السلام اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے وصی اور جانشین ہوئے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے بعد ساری حکومت و بادشاہت ان ہی کے لیے ہوگئی۔

اس وقت تمام بنی آدم حضرت شیث علیہ السلام کی ہی اولاد ہے اور یہ اس وجہ سے کہ شیث کے علاوہ حضرت آدم علیہ السلام کی تمام نسل فنا اور ختم ہوگئی اور ان میں سے کوئی باقی نہ رہا صرف شیث کی نسل چلی لہٰذا اب تمام لوگ شیث کی ہی اولاد سے ہیں۔

آدم علیہ السلام کی عمر

حضرت آدم علیہ السلام کی عمر کے متعلق اہل علم کے درمیان معمولی اختلاف ہے اور اس مسئلے میں جو احادیث ملتی ہیں، وہ یہ ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ”اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور ان میں اپنی طرف سے روح پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں۔ فرشتوں نے سجدہ کیا۔ آدم علیہ السلام بیٹھ گئے۔ ان کو چھینک آئی۔ انہوں نے الحمدللہ کہا۔

”اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: (تیرا رب تجھ پر رحم کرے“ اور یہ بھی فرمایا ”کہ فرشتوں کی اس جماعت کے پاس جاؤ اور انہیں السلام علیکم کہو۔“

پس وہ فرشتوں میں آئے اور انہیں سلام کیا انہوں نے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہا۔

پھر آدم علیہ السلام اپنے رب کی جانب لوٹ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تیرا اور تیری اولاد کا آپس میں ملتے وقت کا سلام ہوگا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے دو مٹھیاں بھریں اور فرمایا کہ ان میں سے ایک کو اختیار کر لے حضرت آدم علیہ السلام نے کہا میں نے اپنے دائیں ہاتھ کو اختیار کیا (چن لیا) اور اس کے تو دونوں ہی دائیں ہاتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے وہ مٹھی کھولی تو اس میں آدم علیہ السلام کی تمام اولاد کی صورت تھی اور ہر آدمی کے پاس اس کی مدت عمر بھی لکھی ہوئی تھی اور آدمؑ کی عمر ایک ہزار سال درج تھی۔ ان میں ایک جماعت انتہائی نورانی صورت تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا۔

”اے میرے رب! یہ کون لوگ ہیں جن پر نور چھایا ہوا ہے۔“

فرمایا: "یہ نبیوں اور رسولوں کی جماعت ہے جو میرے بندوں کی طرف بھیجے جائیں گے اس جماعت میں ایک صاحب نورانیت میں کچھ زیادہ نمایاں تھے مگر ان کی عمر صرف چالیس سال لکھی ہوئی تھی۔

آدم علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے میرے رب! یہ کون سا نبی ہے؟

فرمایا۔ "یہ تمہارا بیٹا داؤد ہے۔

عرض کیا۔ "اس کی عمر صرف چالیس سال۔"

فرمایا "یہی اس کی تقدیر میں لکھا ہے۔"

آدم علیہ السلام نے عرض کیا، "اے میرے رب! میری عمر میں سے ساٹھ سال کم کر کے انہیں دے دیجیے۔"

رسول ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت میں ٹھکانہ عطا فرمایا پھر زمین کی طرف اتارا اور عرصہ دراز گزر جانے کے بعد جب ملک الموت ان (آدم) کی روح قبض کرنے آیا تو آدم علیہ السلام نے فرمایا۔ "اے ملک الموت! کیا تم میرے پاس قبل از وقت (جلدی) نہیں آ گئے؟

ملک الموت نے کہا۔ "میں نے ایسا نہیں کیا۔"

آدمؑ نے کہا۔ "کیا ابھی میری عمر میں ساٹھ سال باقی نہیں ہیں؟"

ملک الموت نے کہا۔ "آپ کی عمر میں کچھ باقی نہیں ہے کیونکہ آپ نے اپنے رب سے درخواست کی تھی کہ میری عمر میں سے ساٹھ سال کم کر کے میرے بیٹے داؤد کو دے دیے جائیں۔"

آدم علیہ السلام نے کہا۔ "میں نے ایسا نہیں کہا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آدم علیہ السلام بھول گئے اور ان کی اولاد بھی اسی طرح بھول جاتی ہے۔ آدم علیہ السلام نے انکار کیا اور ان کی اولاد بھی اسی طرح انکار کرتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ قیامت کے روز لکھی ہوئی کتاب رکھے گا اور گواہوں کے ساتھ فیصلے فرمائے گا۔"

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی وفات سے قبل گیارہ دن تک بیمار رہے۔ انہوں نے اپنے بیٹے شیث علیہ السلام کو اپنا وصی بنایا اور ان کے لیے ایک وصیت نامہ لکھوایا اور وہ کتاب جس میں وصیت لکھی گئی تھی، اپنے بیٹے شیث کے سپرد کی اور اسے قابیل اور اس کی اولاد سے چھپا کر رکھنے کا حکم دیا کیونکہ قابیل نے حسد کی وجہ سے ہابیل کو قتل کر دیا تھا۔ پس شیث اور ان کی اولاد نے اس علم کو جو ان کے پاس تھا قابیل اور اس کی اولاد سے چھپا کر رکھا اور یوں قابیل اور اس کی اولاد اس سے محروم رہے۔

اہل توریات کا یہ دعوا ہے کہ آدم علیہ السلام کی عمر نو سو تیس سال تھی اور ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق ان کی عمر نو سو چھتیس سال تھی۔

آدم کی تجہیز و تکفین

ابن اسحاقؒ سے مروی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام وصیت نامہ لکھ کر فارغ ہوئے تو ان کا انتقال ہو گیا (اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے) ان کی وفات پر فرشتے جمع ہوئے اور ان کی

آباؤ اجداد کی وصیتوں کی مخالفت کا ارادہ کیا مگر جب یہ خبر یرد کو پہنچی تو یرد نے انہیں سمجھایا اور اس ارادے کو ترک کر دینے کو کہا مگر انہوں نے کچھ نہ سنا اور سرکشی دکھائی اور قابین کی اولاد کے پاس پہنچ گئے اور جب ان کی ایجاد کردہ چیزوں کو دیکھا تو حیرت زدہ ہو گئے اور گانے بجانے کے آلات نے انہیں بہت متاثر کیا اور انہوں نے قابین کی اولاد میں سے ان عورتوں سے موافقت کر لی جو ان کی طرف مائل ہو رہی تھیں اور پھر وہ ان کے ساتھ چلی گئیں یہاں تک کہ سرکشی اور نافرمانی میں مشغول ہو گئے اور شراب نوشی اور بدکاری کھل کر سامنے آ گئی۔

انکار

سلمٰی آغا نے بالآخر پاکستانی ہونے سے انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''میں کراچی میں پیدا ضرور ہوئی ہوں مگر پاکستانی نہیں ہوں (شکر الحمدللہ یہ وہ نہیں ہم کہہ رہے ہیں بھئی ......!) میرے والدین اور دادی امرتسر سے تھے۔ اور ان کے پاس انڈین پاسپورٹ تھے۔ (پاکستان بننے سے پہلے سب کے پاس تھے تو کیا......؟) میرے ماموں بھارتی فوج میں کام کرتے ہیں۔ (تے توں......؟)

میرے پاس بھی پاکستانی پاسپورٹ نہیں۔ برطانوی پاسپورٹ رہا ہے۔ اور اس وقت میرے پاس انڈین نیشنیلٹی ہے۔ اور میں انڈیا میں رہائش پذیر ہوں۔ سلمٰی آغا آج کل بھارت کی سیاست میں بھرپور حصہ لیتی نظر آتی ہیں اور بھارتی حکمراں پارٹی بی جے پی کے جلسوں اور میٹنگوں میں شرکت کرتی ہیں۔ وہ مودی کو خواتین کا مسیحا قرار دیتے ہوئے کہتی ہیں کہ ''مودی کے آنے سے خواتین کو ان کے حقوق ملے ہیں۔ (کون سے حقوق......؟ بھارت میں...... اور خواتین کو حقوق؟ اچھا مذاق ہے جی۔) سلمٰی آغا کو حال ہی میں بھارتی شہریت ملی ہے جسے پاکر وہ بہت خوش ہیں (جب ہی تو......؟)

مشورہ

ریما خان کا کہنا ہے کہ ملک میں موجود نوجوانوں کی صلاحیتوں سے صحیح معنوں میں استفادہ نہیں کیا جارہا (واہ بھئی ڈاکٹر صاحب نے ریما کی اردو اتنی بہتر کردی کہ وہ......) یہی وجہ ہے کہ ہمارے آرٹسٹ پڑوسی ملک کا رخ کرتے ہیں۔ (وجہ...... بھئی سمجھیں ناں۔ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت

ہوگی۔) اور بھارت نے ہمیشہ پاکستانی فنکاروں کی صلاحیتوں کا بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ سینئر فنکار ایک اکیڈمی کا درجہ رکھتے ہیں (جی اگر سینئر ہی وہاں کام کررہے ہوں تو......؟) ان کی رہنمائی میں نئے آرٹسٹ اپنے فن کو بہتر انداز میں اجاگر کرسکتے ہیں۔ فلمسازوں اور ہدایت کاروں کو چاہیے کہ وہ میرٹ پر آنے والے نئے فنکاروں کو کاسٹ کریں۔ (ارے بھئی فلم ساز اور ہدایت کار تو خود......؟) تاکہ نوجوان نسل بھی پاکستانی فلموں کی جانب راغب ہوں اور فلم انڈسٹری کی ترقی کا سبب بنیں۔ میں پاکستانی فلم انڈسٹری کی بحالی کی خواہش مند ہوں (کیا صرف باتوں کی حد تک......؟) اور اس کے لیے ضروری ہے پرانے لوگ......؟ خاص طور پر اداکاری کے میدان میں ٹی وی (نہیں...... پلیز۔) اور اسٹیج کے باصلاحیت فنکاروں کو آگے لانا چاہیے تاکہ انڈسٹری میں نئے فنکاروں کی صلاحیتوں سے استفادہ کیا جاسکے (ٹی وی اور اسٹیج، تو نئے کہاں سے ہوئے؟)

خواب

اداکارہ سجل علی آج کل بہت خوش ہیں لیکن ان کی خوشی کی وجہ ان کے دو مشہور ڈرامے جو آج کل ٹیلی کاسٹ ہورہے ہیں جن میں سجل علی نے اپنی بہترین اداکاری کے جوہر دکھائے ہیں' نہیں بلکہ ان کی خوشی کی وجہ یہ ہے کہ انہیں اپنے پسندیدہ ہدایت کار کے ساتھ کام کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ (تو باقی ہدایت کار کیا ناپسندیدہ ہیں۔ یا تھے؟) سرمد کھوسٹ اس ڈرامے کے ہدایت کار ہیں۔ عمران عباس اور سجل علی کو پہلی بار ایک ساتھ ڈرامے میں کاسٹ کیا گیا ہے۔ ان کے ساتھ عرفان کھوسٹ اور مرینہ خان بھی اس کی کاسٹ میں شامل ہیں۔ سجل علی اس بارے میں کہتی ہیں کہ ''کہتے ہیں کہ خواب سچ بھی ہوجاتے ہیں۔ میرا خواب بھی سچ ہوگیا ہے۔ میرے لیے اعزاز کی بات ہے کہ میں سرمد سر کے ساتھ کام کررہی ہوں۔''

(سجل! خواب میں بھی ڈراما......؟)

احساس

سید نور کی فلم ''چین آئے نہ'' فلم فلاپ ہوگئی۔ جیسے کہ آج کل بننے والی تقریباً تمام فلمیں ہی ہورہی ہیں۔ لیکن اس کی وجہ سے فلموں کے بیرون ملک

سرمایہ کار بہت مایوس ہوئے ہیں۔ کچھ لوگ اس کی وجہ اس کی کاسٹ بھی کہہ رہے ہیں۔ اس سلسلے میں پروڈیوسر جاوید صدیقی کا کہنا ہے کہ ''المیہ یہ ہے کہ ابھی آپ کی انڈسٹری پاؤں پاؤں چلنا بھی شروع نہیں ہوئی اور اداکاروں کے نخرے آسمان پر ہیں۔ ہم نے ٹی وی کی کئی ہیروئنز کو اپروچ کیا۔ مرد اداکاروں میں بھی تمام بڑے ناموں کو کال کی لیکن ان کے نخرے دیکھ کر فیصلہ کیا کہ نسبتاً نئے چہروں کو لیا جائے۔ جاوید صدیقی نے مزید کہا کہ ''فواد خان اور علی ظفر کو تو میں پاکستانی ایکٹر ہی نہیں مانتا ان کی شناخت بولی ووڈ ہے۔ (لیکن فواد خان کے کریڈٹ پر تو بڑے ٹی وی ڈرامے ہیں؟) مگر فہد مصطفیٰ، مہوش حیات اور ماہرہ خان وغیرہ کا ابھی سے یہ حال ہے تو آگے چل کر کیا کریں گی۔ (وغیرہ کے بھی نام بتادیتے تو......اچھا تھا) یہ لوگ کبھی بھی ان رویوں کے ساتھ لے جنڈ نہیں بن سکتے۔ ہم پاکستانی باہر رہ کر پاکستان کے مثبت امیج کے لیے اتنا سوچتے ہیں لیکن ان ایکٹرز کو ذرا احساس نہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ (پیسہ کما رہے ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟)

اعزاز

پاکستان کے شہر پشاور سے تعلق رکھنے والی مریم نسیم کچھ انوکھا کرنے کے شوق میں ویٹ لفٹر بن گئیں۔ مریم اس بارے میں کہتی ہیں کہ وہ دس سال قبل ملبورن آئی تھیں جہاں اپنے وزن کو کم کرنے کے لیے انہوں نے جم جوائن کیا اور وہیں سے انہیں ویٹ لفٹنگ کا شوق ہوا۔ گزرے ہوئے لمحات کو یاد کرتے ہوئے مریم نسیم کا کہنا تھا کہ ''جب وہ ویٹ لفٹنگ کے پہلے مقابلے میں شرکت کرنے والی تھیں تو بہت نروس تھیں۔ لیکن میری فیملی نے مجھے بہت سپورٹ کیا کہ میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ پھر جواباً میں نے بھی ان کا نام نیک نامی کے ساتھ فخریہ انداز میں روشن کیا۔'' مریم نے مزید بتایا کہ ان کے

دادا نے انہیں ایک ویڈیو میں ویٹ لفٹنگ کرتے ہوئے دیکھا تو ان کی والدہ کو کہا کہ اگر یہ لڑکی پیسے کے لیے یہ سب کر رہی ہے تو اس سے کہو یہ نہ کرے، اسے جتنی رقم چاہیے وہ ہم اسے دینے کو تیار ہیں۔ دادا کی یہ سوچ شفقت آمیز تھی لیکن یہ اس سوچ کی عکاسی تھی جس سے ہماری سوسائٹی آج بھی دوچار ہے۔''

شکایت

شوبز میں ریشم کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔ کبھی وہ فلمی پردے پر تو کبھی ٹی وی اسکرین پر نظر آتی رہتی ہیں۔ پچھلے دنوں ایک فیشن وڈیو میں ریشم کو لیا گیا اور اسے سوشل میڈیا پر بھی ڈال دیا گیا۔ اس بارے میں ریشم کا کہنا ہے کہ ''سوشل میڈیا ان کے لیے نیا ہے۔ کیوں کہ جب وہ شوبز میں آئی تھیں تو اس کا دور دور تک پتا نہ تھا۔ صرف اخباروں کے ذریعے ہماری محنت یا کاوش سامنے آتی تھی۔ اب تو مشہور ہونا بہت آسان ہو گیا۔ اس زمانے میں اتنے سارے چینلز اور سوشل میڈیا بھی نہیں تھا۔ لوگ راتوں رات اسٹار نہیں بنتے تھے بلکہ ہمیں بڑی محنت کے بعد اپنی شناخت ملی۔ اب تو

لوگ ایک فلم میں کام کر کے سپر اسٹارز کی طرح چلنا شروع کر دیتے ہیں۔ (ریشم! سوشل میڈیا کے ذریعے عوام الناس اپنی رائے بھی "فورا" فنکاروں تک پہنچا دیتے ہیں۔ مطلب.... ان کی چال ٹھیک کر دیتے ہیں۔)

خاموشی

عائشہ عمر کے بہترین اور قریبی دوست اظفر رحمان نے شادی کرلی۔ (نہ نہ نہ عائشہ عمر سے نہیں کسی اور سے) اور اتنی خاموشی سے کی کہ کسی کو خبر ہی نہ ہونے دی۔ حد تو یہ ہے کہ سوشل میڈیا پر ہر بات کرنے والے اظفر اس بات کو گول کر گئے۔ شادی میں اظفر رحمان کے قریبی ماڈل دوستوں (عائشہ عمر نہیں بھئی.... جی عائشہ اس شادی اور ولیمے میں شریک نہیں ہوئیں کیوں؟) نے اس میں شرکت کی جن میں مہوش حیات سرفہرست رہیں۔ ویسے اظفر اپنی شادی کو اتنا خفیہ کیوں رکھ رہے تھے یہ ہم بھی سوچ رہے ہیں اور آپ....؟

کئی محاذ

میرا سیٹھی اداکاری کے میدان میں تو نام بنا ہی رہی ہیں لیکن اس کے علاوہ بھی وہ کئی محاذوں پر برسر پیکار نظر آتی ہیں۔ وہ مختلف انٹرنیشنل اخبارات میں مضامین لکھتی ہیں۔ یاد رہے میرا سیٹھی ماضی میں ایک امریکی اخبار میں بطور اسسٹنٹ بک ایڈیٹر بھی رہ چکی ہیں۔ اس کے علاوہ سنا ہے کہ میرا سیٹھی اداکاری کے ساتھ ساتھ ایک کتاب پر بھی کام کر رہی ہیں۔ (بھئی صحافی ماں باپ کی بیٹی جو ہوئیں۔) لیکن ان کی والدہ آج کل ان سے شادی کے موضوع پر گفتگو کر رہی ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ میرا جلد از جلد شادی کرلے۔ دیکھیں میرا بھئی آپ کی میرا نہیں میرا سیٹھی کیا کہتی ہیں جبکہ میرا کی دادی بھی اکثر ان سے یہ سوال کرتی ہیں اور میرا سیٹھی اس سوال پر ہنس دیتی ہیں۔ (فیصلہ کب کرتی ہیں میرا سیٹھی یہ تو وقت یہ بتائے گا۔)

ادھر ادھر سے

☆ "ہمارے سیاست دانوں نے شاید یہ محاورہ نہیں سن رکھا کہ "یہ صدا گنبد کی ہے۔ جیسا کہو ویسا سنو۔" سیاست سے شائستگی کا عنصر تو تقریباً ختم ہی ہو گیا ہے اور عوام کا مزاج بھی بگڑ گیا ہے کہ انہیں اب ایسی ہی گفتگو میں مزا آنے لگا ہے۔ جو شائستگی اور تہذیب کا دامن رکھے اس کی گفتگو کو ذرائع ابلاغ بھی اہمیت نہیں دیتے۔"

(جسارت)

☆ ہم ہیں تو سسٹم بھی ہے اور ادارے بھی۔
قومی سیاست اس وقت جس ڈگر پر چل رہی ہے یہ اس طرح زیادہ دیر تک نہیں چلے گی۔ ہمہ گیر تبدیلیاں صاف نظر آرہی ہیں۔

(خالد ایچ لودھی۔ دل کی باتیں)

☆ میلانیا اور ٹرمپ کی شادی کو امریکی میڈیا نے ملین ڈالر شادی رپورٹ کیا تھا۔ کہا جاتا ہے پانچ لاکھ ڈالر کے صرف پھول خریدے گئے تھے۔ میلانیا نے عیسائی طرز کی شادی کا جو گاؤن پہنا تھا اس کی مالیت ایک لاکھ پچیس ہزار امریکی ڈالر تھی۔

☆ میری عمران خان سے درخواست ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اقتدار دیا تو آپ نذر محمد گوندل کو چیف جسٹس آف پاکستان بنا دیجئے گا۔ ظفر گوندل کو چیئرمین نیب لگا دیجئے گا۔ فردوس عاشق عوان کو وزیر داخلہ نور عالم کو الیکشن کمیشن کا چیئرمین بابر اعوان کو وزیر قانون بنا دیجئے گا۔ مصطفیٰ کھر کو پنجاب کا گورنر لگا دیجئے گا۔

صمصام بخاری کو وزیر خزانہ بیرسٹر سلطان کو وزیر اعظم آزاد کشمیر بنا دیجیے گا اور فواد چوہدری کو اٹارنی جنرل بنا دیجئے گا۔

قائداعظم کا خواب ایک ہی رات میں شرمندہ تعبیر ہو جائے گا۔ یہ پھٹا پرانا پاکستان نیا نکور پاکستان ہو جائے گا۔

(جاوید چوہدری.... زیرو پوائنٹ)

موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

عربین رائس

ضروری اشیا:۔

چاول	ایک پاؤ
پسندے	ایک پاؤ
شملہ مرچ	ایک عدد (کیوب میں کاٹ لیں)
ہری پیاز	ایک عدد (چوپ کرلیں)
سویا ساس	دو کھانے کے چمچے
کشمش	گارنشنگ کے لیے
سفید مرچ پاؤڈر	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
ہرے زیتون	سجاوٹ کے لیے
بند گوبھی (چوپ کرلیں)	آدھا کپ
کارن فلور	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	تین کھانے کے چمچے
لہسن کے جوے	تین عدد (چوپ کرلیں)
لیموں کا رس	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب:۔

چاول اُبال کر الگ رکھ دیں۔ گوشت پہ کارن فلور اور نمک لگا کر فرائی کر کے پلیٹ میں نکال لیں۔ پین میں تیل گرم کر کے لہسن — فرائی کرلیں۔ اس میں بند گوبھی، ہری پیاز، شملہ مرچ شامل کر کے ہلکا ساتل لیں اس کے بعد چاول، سویا ساس، سفید مرچ پاؤڈر، نمک اور لیموں کا رس ڈال کر 3-2 منٹ پکا کر ڈش میں نکال لیں اور زیتون اور کشمش سے گارنش کر کے پیش کریں۔

چکن چاٹ

ضروری اشیا:

مرغی کا گوشت	ایک پاؤ
آلو (ابلے ہوئے)	تین سے چار عدد
پیاز	ایک عدد
شملہ مرچ	ایک عدد
ہری مرچیں	تین سے چار عدد
لہسن کٹا ہوا	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
چاٹ مسالا	ایک کھانے کا چمچہ
براؤن شوگر	ایک کھانے کا چمچہ
کٹی لال مرچ	ایک چائے کا چمچہ
پاپڑی	حسب ضرورت
ہرا دھنیا	حسب ضرورت
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:۔

مرغی کی چھوٹی بوٹیاں بنوالیں۔ آلو چوکور کاٹ لیں۔ پیاز، شملہ مرچ باریک کاٹ لیں۔

گوشت میں لہسن پیسٹ، نمک اور کٹی ہوئی لال مرچ ڈال کر ابال لیں۔

جب گوشت گل جائے تو نکال لیں اور تھوڑے سے گرم تیل میں ڈال کر فرائی کر کے ڈش میں آلو، پیاز، شملہ مرچ، ہری مرچیں، ٹماٹر براؤن شوگر، کٹی لال مرچ، چاٹ مسالا اور پاپڑی چھڑک کر مکس کریں اور ہرے دھنیے سے گارنش کر کے سرو کریں، مزے دار چاٹ تیار ہے۔

حیدر آبادی دم چکن

اجزا:۔

چکن	آدھا کلو
پیاز	ایک عدد
تیل	حسب پسند

دہی — آدھا پاؤ
ادرک لہسن — دو چمچے
سرخ مرچ — ایک چمچہ
ہلدی — ایک چوتھائی چمچہ
کالی مرچ — آدھا چمچہ
پسا دھنیا — آدھا چمچہ
ٹماٹر — ایک عدد
کاجو پسے ہوئے — دو چمچے
نمک — حسب ذائقہ
زردے کا رنگ — ایک چٹکی

ترکیب:۔

پیاز باریک کاٹ کر تیل میں سنہری کر کے نکال لیں۔

ایک برتن میں چکن اور تمام مسالا جات ڈالیں۔ اس میں تلی پیاز ڈال دیں اور ٹماٹر کو پیس کر ڈالیں اور دو گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ دو گھنٹے بعد چکن پکنے کے لیے رکھ دیں۔ آنچ ہلکی رکھیں۔ پانی ختم ہونے پر بھون لیں۔ تیل اوپر آجائے تو اتار کر ہرے دھنیے سے سجا کر پیش کریں۔ اگر شوربا چاہیے تو آدھا کپ پانی ڈال کر دم پہ رکھ دیں۔

مزے دار بریانی

ضروری اشیا:۔

بونگ کا گوشت (ہڈی والا) — ایک کلو
چاول باسمتی — ایک کلو
(الائچی، لونگ، دار چینی، نمک اور تیز پات ڈال کر ابال لیں)
دہی — دو کپ
ٹماٹر (گول سلائس کاٹ لیں) — چار عدد
پودینہ، ہرا دھنیا — آدھا، آدھا گٹھی
ہری مرچیں (سلائس کر لیں) — چھ، آٹھ عدد
لیموں (سلائس کاٹ لیں) — دو عدد
سرخ مرچ پاؤڈر — دو کھانے کے چمچے
ہلدی پاؤڈر — ایک چائے کا چمچہ
دھنیا پاؤڈر — ایک کھانے کا چمچہ
سیاہ مرچ پاؤڈر — ایک چائے کا چمچہ
سفید زیرہ پاؤڈر — ایک چائے کا چمچہ
نمک — حسب ذائقہ
ثابت گرم مسالا — ایک کھانے کا چمچہ
تیز پات — دو عدد
پیاز — چار، چھ عدد
گھی — ایک کپ
لہسن، ادرک پیسٹ — چار کھانے کے چمچے
زردے کا رنگ — آدھا چائے کا چمچہ
کیوڑا — ایک چائے کا چمچہ

ترکیب:۔

آدھے دہی کو پھینٹ کر اس میں ٹماٹر کے سلائس، پودینہ، ہرا دھنیا، ہری مرچیں، لیموں کے سلائس مکس کر کے الگ رکھ دیں۔ سرخ مرچ پاؤڈر، ہلدی پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر، سیاہ مرچ پاؤڈر، سفید زیرہ پاؤڈر اور ثابت گرم مسالا ایک برتن میں مکس کر لیں۔ اس میں آدھا کپ گھی، تیز پات اور پیاز ڈال کر ہلکی گلابی ہونے تک فرائی کر لیں۔ بونگ کا گوشت شامل کر کے بھون لیں۔ اس میں لہسن، ادرک پیسٹ اور تمام مکس مسالا ڈال دیں، نمک اور بقیہ دہی اور گھی شامل کر کے دھیمی آنچ پر گوشت کو اچھی طرح گلا لیں جب گھی اوپر آجائے تو کسی بڑی پتیلی میں دو کھانے کے چمچے گھی شامل کر کے چاول کی تہہ لگائیں۔ اس پر بونگ مسالے کی تہہ لگائیں اور چاول ڈال کر اس پر ٹماٹر، پودینے اور دہی کا مکسچر ڈال دیں۔ آخر میں چاول ڈال کر کیوڑا اور زعفرانی رنگ چھڑک کر دم پر لگا دیں۔ مزیدار بریانی تیار ہے گرم گرم پیش کریں۔

میدے کی میٹھی ٹکیہ

اجزا:۔

میدہ — ڈھائی کپ

نمک	ایک چٹکی
گھی یا تیل	دو کھانے کے چمچے
خشک دودھ	ایک کھانے کا چمچہ
کھانے کا سوڈا	ایک چوتھائی چمچہ
پسی چینی	ڈیڑھ کپ
انڈے	دو عدد
تیل یا گھی	تلنے کے لیے

ترکیب:۔

میدے میں نمک ملا کر چھان لیں۔ اس میں پسی چینی، خشک دودھ اور گھی/ تیل ڈال کر مکس کرلیں۔ کھانے کا سوڈا اور انڈے بھی شامل کر دیں اور دودھ یا پانی سے گوندھ لیں اور آدھے گھنٹے کے لیے ڈھانپ کر رکھ دیں۔ آدھے گھنٹے کے بعد اس کی موٹی روٹی بیل کر کسی کٹر یا برتن سے گول یا حسب پسند پیس کاٹ لیں اور ایک کڑاہی یا پین میں گھی گرم کر کے اسے تل لیں۔ سنہری ہونے پر پلٹ دیں۔ دونوں طرف سے سنہری ہو جائے تو نکال کر کسی کاغذ پر رکھ دیں تاکہ گھی اس جذب ہو جائے۔ مزے دار میدے کی میٹھی ٹکیہ تیار ہے۔ اسے آپ کچھ دن رکھ کر بھی کھا سکتی ہیں۔

چکن نہاری

ضروری اشیاء:

مرغی کا گوشت	1 کلو
ادرک لہسن پیسٹ	1 کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ پاؤڈر	1 چائے کا چمچہ
سونٹھ پاؤڈر	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
زیرہ	1/2 چائے کا چمچہ
لونگ	6 عدد
بڑی الائچی	2 عدد
دار چینی	1 ٹکڑا
جائفل	1/2 چائے کا چمچہ
ثابت سیاہ مرچیں	1/2 چائے کا چمچہ
تیل	حسب ضرورت
پیاز	1 عدد
ہری مرچیں	سجاوٹ کے لیے
ادرک	سجاوٹ کے لیے
لیموں	سجاوٹ کے لیے
آٹا	دو چمچ

ترکیب:

پتیلی میں تیل گرم کر کے اس میں پیاز ڈال کر سنہرا کریں۔ اس کے بعد اس میں گوشت، لہسن، ادرک پیسٹ اور نمک ڈال کر دس منٹ تک درمیانی آنچ پر فرائی کریں۔

توے پر سونٹھ پاؤڈر، زیرہ، لونگ، بڑی الائچی، دار چینی، جائفل، ثابت سیاہ مرچیں ڈال کر بھون کر پیس لیں۔ فرائی کیے ہوئے گوشت میں لال مرچ پاؤڈر اور پسا ہوا مسالا ڈال کر تھوڑی دیر تک بھونیں۔

اس کے بعد گوشت گلنے کے حساب سے پانی ڈال کر گوشت گلنے تک پکائیں۔ گوشت گل جائے تو تھوڑے سے پانی میں آٹا گھول کر شامل کریں اور مسلسل چمچہ چلاتے ہوئے درمیانی آنچ پر پکائیں تاکہ گٹھلیاں نہ بن جائیں۔ اس کے بعد آنچ دھیمی کر کے ڈھکن ڈھک کر روغن اوپر آنے تک پکائیں، مزیدار چکن نہاری تیار ہے۔ سرونگ ڈش میں نکال کر ہری مرچوں و ادرک سے گارنش کر کے لیموں کے ساتھ سرو کریں۔

نیم گرم پانی، لیموں اور شہد

صبح نہار منہ نیم گرم پانی کے ساتھ شہد اور لیموں کا رس پینا صحت کے لیے انتہائی فائدہ مند اور اکسیر سمجھا جاتا ہے۔ شہد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ غذاؤں میں سے ہے اور اس کے بے شمار فائدے ہیں۔

بنانے کا طریقہ :۔

ایک بڑے گلاس میں نیم گرم پانی لیں۔ اس میں آدھے لیموں کا رس نچوڑیں اور ایک چائے کا چمچہ شہد شامل کر دیں۔ چمچے سے اچھی طرح ملائیں اور پی لیں۔

یہ شربت پینے کے کم از کم ایک گھنٹے بعد چائے یا کافی پیئیں۔

لیموں، شہد اور نیم گرم پانی کو باہم ملا کر پینے کے بہت سے فوائد سامنے آئے ہیں۔ چند ایک یہ ہیں۔

1۔ صبح نہار منہ لیموں، شہد کو نیم گرم پانی میں ملا کر پینے سے نظام ہضم تیز ہو جاتا ہے۔ لیموں میں جو اجزا پائے جاتے ہیں وہ جگر کو متحرک کر دیتے ہیں۔ لیموں میں موجود سٹرک ایسڈ ہاضمے کے نظام میں شامل ہو کر جسم سے غیر ضروری مضر مادوں کو خارج کرنے میں مدد دیتا ہے۔

2۔ قبض دور کرتا ہے۔ قبض تمام بیماریوں کی جڑ ہے۔ قبض کی شکایت کو فوری حل کرنے کے لیے یہ محلول نہایت بہترین ہے۔

3۔ ہمارے پیٹ میں بے شمار زہریلے مادے موجود ہیں جو پیٹ کے حصے پر چپک کر بیماریوں کا باعث بنتے ہیں، نیم گرم پانی میں شہد اور لیموں ڈال کر پینے سے ان زہریلے مادوں سے چھٹکارا حاصل ہو جاتا ہے۔

4۔ جلد کو صاف شفاف اور چمک دار بناتا ہے، کیونکہ پیٹ کی خرابی سب سے زیادہ ہماری جلد پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اگر ہاضمے کا نظام درست ہو تو جلد صاف شفاف نظر آتی ہے۔

5۔ وزن کم کرنے میں معاون ہوتا ہے۔ لیموں ایک قسم کے فائبر پر مشتمل ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے پیٹ بھرا ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ لہٰذا کسی پسندیدہ چیز کے کھانے کی خواہش کم ہو جاتی ہے۔

نیم گرم پانی، شہد اور لیموں آپ کے وزن کو تیزی سے کم کرتے ہیں۔

دہی جلد اور بالوں کے لیے انتہائی مفید

اگر آپ کی جلد مرجھائی ہوئی ہے۔ چہرے پر چمک نہیں تو چہرے پر دہی لگائیں۔

ایک ٹشو پیپر یا روئی لے کر اس کو پانی سے تر کر لیں۔ اسے چہرے پر پھیریں۔ چہرہ نم ہو جائے گا۔ اب دو چمچے گاڑھے دہی کے لیں اور چہرے پر آہستگی سے مساج کریں اور دس، پندرہ منٹ کے لیے چھوڑ دیں۔ اس کے بعد سادہ پانی سے چہرہ دھو کر صاف کر لیں۔

جلد صاف شفاف اور چمک دار نظر آئے گی۔

بال روکھے، خشک اور بے جان نظر آئیں تو ایک چمچہ سرسوں کے تیل میں دو چمچے دہی اور ایک انڈا ملا کر پھینٹ لیں۔ اس محلول کو بالوں میں لگائیں۔ بیس منٹ تک لگا رہنے دیں۔ پھر بالوں کو اچھے شیمپو سے دھو لیں۔ بال چمک دار ہو جائیں گے۔

☆